UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188746

UNIVERSAL
LIBRARY

TEXT
THE BOOK ONLY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. 922.971 Accession No. 11579

Author 922.971 [illegible] 12429

Title [illegible]

This book should be returned on or before the date last marked below.

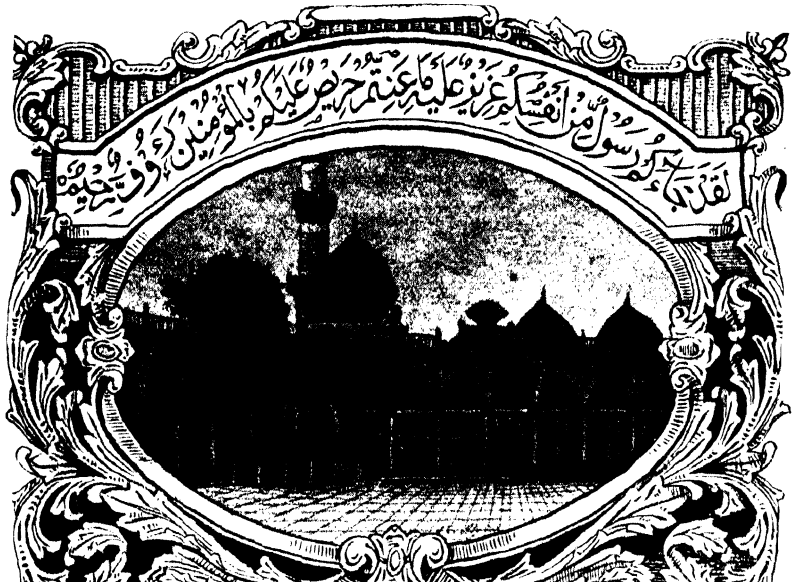

رؤف رحیم

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

از

ترجمانِ صداقت حضرت مولانا مولوی حافظ محمد حمید اللہ صاحب بارہ بنکوی

سید سردار علی تائب نقشبندی نے
تجلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپوا کر
ماہر بک ایجنسی دہلی سے شائع کی۔

قیمت مجلد ۳۰/-

M.ILYAS DELHI

MURARI ART PRESS, DELHI.

میری زیرِ مطالعہ کتب کی مختصر فہرست

کتب احادیث اور سیرت

سیرتِ رؤف رحیم لکھتے وقت میرے سامنے جو کتابیں موجود تھیں اُن کی مختصر فہرست یہ ہے:۔

۱	صحیح بخاری	از امام ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ
۲	صحیح مسلم	از امام مسلم بن الحجاجؒ قشیری
۳	جامع الترمذی	از امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰؒ ترمذی اور انہیں کی کتاب الشمائل
۴	سننِ ابوداؤد	از حافظ ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانیؒ
۵	سننِ نسائی	
۶	طبقات ابن سعد	از ابو عبداللہ محمد بن سعدؒ
۷	مسندِ امام احمد بن حنبل	از ابو عبداللہ امام احمد بن حنبلؒ
۸	مستدرک	از امام عبداللہ محمد بن عبداللہؒ نیشاپوری
۹	جمع الوسائل	از ملا علی قاریؒ حنفی
۱۰	مناوی	از شیخ محمد عبدالرؤفؒ مصری
۱۱	حلیۃ الاولیاء	از امام حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہؒ صبہانی
۱۲	استیعاب	از امام ابوعمر یوسف بن عبداللہ قرطبی (انہیں کو ابن عبدالبر بھی کہتے ہیں)
۱۳	تہذیب التہذیب	از حافظ ابن حجر مکی۔
۱۴	جامع کبیر جمع الجوامع خصائص کبریٰ۔	از علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطیؒ

فہرست عنوانات

عنوان	صفحہ
میری زیر مطالعہ کتب کی مختصر فہرست	۲
روزِ سعید بہتر از روزِ عید	۱۱
مصنف کے کچھ مختصر حالات	۱۳
معذرت	۱۵
جذباتِ تشکر	۱۶
اعتراف اور درخواست	۱۷
رؤف رحیم کی ضرورت	۱۹
رنگیلا	۲۱
خواص سے التجا	۲۵
گذارش	〃
سیرت اور صحاح میں فرق	〃
ایک اور گذارش	۳۱
حمد باری	۳۳
نعتِ رسالت پناہی	۳۴
پہلا باب	۳۵
نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم	〃
سرورِ عالم کا نامہ مبارک نام قصیدہ	۴۱
مثال	۴۶
تطابق	۴۹

عنوان	صفحہ
اشارہ	۵۳
حاصل کلام	۵۴
اشارہ	۶۰
دوسرا باب	۶۲
حضرت آدمؑ	〃
اشارہ	〃
نکتہ	۶۲
اشارہ	۶۳
راز	〃
معلومات	۶۴
اشارہ	〃
اشارہ	۶۵
نکتہ	۶۶
تیسرا باب	۶۸
آدمِ ثانی	〃
تنبیہ	۶۹
چوتھا باب	۷۰
ابو الانبیاء	〃
شجرۂ طیبہ	〃

عنوان	صفحہ
آپ کا بچپن	۵۴
نکتہ	۵۴
اشارہ	۶۲
تنبیہ	〃
آتش نمرود خلیل اللہ پر گلزار ہو گئی	〃
معلومات	۶۲
معلومات	۶۳
تنبیہ	〃
نکتہ	۶۴
اشارہ	〃
حضرت سارہ اور فرعونِ مصر	۶۵
معلومات	۶۶
آزمائش	۶۸
نکتہ	〃
خلیل اللہ اور حضرت ہاجرہ کی آزمائش	۶۹
اشارہ	۷۰
حکمت	〃
آبِ زمزم کس طرح جاری ہوا	〃

عنوان	صفحہ
زمزم کی خوش قسمتی	۸۹
نکتہ	〃
جنگل میں منگل	۹۰
معلومات	۹۱
پانچواں باب	۹۲
ذبیح اللہ کچھ اہم واقعات	۹۲
معلومات	۹۳
تنبیہ	۹۴
شکر گزار بیگم	۹۵
ختنہ کی ابتدا	۹۶
ایک اور زبردست امتحان	〃
معلومات	۹۷
پہلا نکتہ	۱۰۳
دوسرا نکتہ	۱۰۴
ذبیح اللہ کون تھا	〃
نمرود کی خدائی کا خاتمہ	۱۰۷
نکتہ	۱۰۹
زنانہ کعبہ کی تعمیر	۱۱۰
کچھ اور مختصر واقعات	۱۱۴
دعا کے الفاظ	۱۱۵

عنوان	صفحہ
چھٹا باب	۱۱۶
شجرۂ طیبہ اور کچھ متعلقات	〃
اطلاع	〃
شجرۂ مبارکہ	۱۱۹
درود وسلام	〃
شجرۂ مبارکہ	۱۲۰
عرب کا مختصر جغرافیہ	۱۲۴
عرب کی وجہ تسمیہ	۱۲۵
ساتواں باب	۱۲۶
مولود النبی صلی اللہ علیہ وسلم	〃
نکتہ	۱۳۳
معلومات	۱۳۴
خواجہ عبداللہ	۱۳۵
کاہنہ	۱۳۹
شوقِ نکاح	〃
نکاح	〃
نکتہ	۱۴۱
مثال	۱۴۲
نیچریوں سے دو دو باتیں	۱۴۳
حاصل کلام	۱۴۴

عنوان	صفحہ
بچے مسلمانوں سے گفتگو	۱۴۴
سبکو لیجائیگا جنت میں وہ جنت والا	۱۴۵
رخصتی	۱۴۶
وفات	۱۴۷
تنبیہ	۱۴۸
ترکہ	〃
اصحاب فیل	〃
ملخص	۱۴۹
واقعہ	〃
اشارہ	۱۵۲
آفتاب رسالت برج حمل میں	〃
خوشخبری	۱۵۳
عجائبات	۱۵۵
معلومات	۱۵۶
دلائل	۱۶۱
ولادت باسعادت سے قبل کی دنیا	۱۶۳
کائنات عالم کا اضطراب	۱۶۵
نورِ اطہر کا ظہور	۱۶۸
محبوب کی آمد	۱۷۲
شوقِ دید	〃

عنوان	صفحہ
اظہارِ تشکر	۱۷۶
نورِ قدس گہوارۂ حیات میں	۱۷۷
پہلا نکتہ	۱۷۸
دوسرا نکتہ	//
تیسرا نکتہ	//
نکتہ	۱۷۹
اخبارِ ولادت	//
اشارہ نکتہ	۱۸۰
اشارہ	۱۸۰
دلائل	۱۸۲
ازدیادِ تیقن	۱۸۳
اشارہ	۱۸۵
اشارات	۱۸۷
عجائبات کی تصدیق	۱۹۰
آٹھواں باب	۱۹۳
رضاعت شریف سے سن بلوغ تک	//
رضاعت	//
تربیہ کی خوش نصیبی	۱۹۴
دیہات میں پرورش کا مقصد	//
مثال	۱۹۵
تطابق کی آغوش میں	۱۹۶

عنوان	صفحہ
عجائبات	۱۹۶
حیائے مبارک	۲۰۳
اشارہ	۲۰۴
تنبیہ	//
فرشتوں کے ہوتے انسان کیوں نبی بنائے گئے	۲۰۵
اہل یورپ کو ایک بہترین مشورہ	۲۰۹
واقعہ	۲۱۰
عجائبات	۲۱۲
نکتہ	//
اشارہ	۲۱۳
پہلی کرامت	۲۱۴
دوسری کرامت	//
اشارہ	//
لہو ولعب سے اجتناب	//
تنبیہ	//
تیسری کرامت	۲۱۶
نکتہ	//
اشارہ	//
چوتھی کرامت	//

عنوان	صفحہ
پانچویں کرامت	۲۱۷
معلومات	//
چھٹی کرامت	//
نکتہ	۲۱۸
فہمائش	//
اشارہ	۲۱۹
واقعہ	//
ساتویں کرامت	۲۲۳
نکتہ	۲۲۴
غم اور خوشیاں	۲۲۵
آٹھویں کرامت	۲۲۶
معلومات	۲۳۰
.....	...
یثرب کا سفر اور آمنہ کی رحلت	۲۳۱
معلومات	۲۳۳
نبی اکرم کا حافظہ	//
نصیحت	۲۳۴
حضورِ اکرم عبدالمطلب کی آغوش	۲۳۴
تربیت میں	//
خدائی تربیت	//

عنوان	صفحہ
نبی اکرمؐ کے طفیل باران رحمت	۲۳۶
نکتہ	۲۳۷
تنبیہ	″
شفاء عالم اور راہب طبیب	۲۳۸
عبدالمطلب کی وفات	۲۴۰
معلومات	۲۴۱
سرور عالم ابوطالب کے دامن کفالت میں	″
باران رحمت کی دوسری جھڑی	۲۴۲
معلومات	۲۴۳
قبل بعثت خانہ کعبہ کی حالت	۲۴۷
حجر اسود کیا ہے	۲۴۸
شام کے سفر میں بحیرہ کی ملاقات	۲۴۹
اور کرامتوں کی بارش	
قوم ثمود کا واقعہ	۲۵۳
کرامتوں کا آغاز	۲۵۴
تاریخ بصرہ پر ایک نظر	″
بحیرہ پر آپکی کرامتوں کا اظہار	۲۵۵
نکتہ	″
خاتم النبیین کا دیدار اور	″
اہل قافلہ کی دعوت	

عنوان	صفحہ
راز	۲۵۹
واپسی	۲۶۴
معلومات	۲۶۵
فجار کی جنگ	۲۶۹
شرکت حضورؐ کے طفیل	۲۷۰
قریش کی فتح	
معاہدہ	۲۷۲
معلومات	۲۷۳
خانہ کعبہ کی تعمیر	″
حضور اکرمؐ کے طفیل ایک	۲۷۵
عظیم جنگ کا سدباب	
معلومات	۲۷۶
تاریخ کعبہ	
عکاظہ کا میلہ	۲۷۷
قانون شکنی	۲۸۲
صلح	۲۸۴
	۲۸۴
افترا پردازی کا زندان شکن جواب	۲۸۵
عجائبات	۲۸۹
راز	۲۹۲
بتوں کی نجاست سے نبی کی حفاظت	″

عنوان	صفحہ
حکمت	۲۹۳
مورخین یورپ سے ایک اور مصافحہ	″
جواب لاجواب	۲۹۸
مسیحی فاضلوں کے روبرو انجیل	۳۰۲
کا آئینہ	
مزیدار دو دو باتیں	۳۰۴
موازنہ	۳۰۶
ولادت مسیح کے عجائبات	۳۰۹
عقل کی کسوٹی پر	
تجارت کی ضرورت	۳۱۰
تعصب کی ظلمت چھٹ گئی	۳۱۱
تجارت کا سفر	″
دیانت کا پھل	۳۱۲
معلومات	″
یہ پرتو کس کا ہے گاہک گاہ بہ گاہ	″
ٹوٹے پڑتے ہیں	
دیانت کی اپنی آپ مثال	۳۱۳
الٹی سمجھ کا نتیجہ	″
نکتہ	۳۱۴
تطابق	″

عنوان	صفحہ
راز	۳۱۵
شرکائے تجارت کی شہادتیں	″
صداقت	۳۱۷
امانت	″
اخلاق	″
نواں باب	۳۱۸
شباب سے نبوت تک گلشن رسالت	″
میں روح پرور بہاریں	″
انتخاب لاجواب	۳۱۹
معلومات	″
پیغام از بنطوری	۳۲۰
روانگی	″
عجائبات	″
حضرت خدیجہؓ پر عجائبات	۳۲۱
کا انکشاف	
شوق زیارت اور نکاح کی تمہید	۳۲۲
بی بی خدیجہ کی کامیابی	۳۲۳
معلومات	″
مزید دلچسپیاں	۳۲۴
اہم سوال کا آسان جواب	۳۲۷

عنوان	صفحہ
ایک من گھڑت کہانی	۳۲۸
جاء الحق وزہق الباطل	۳۲۹
حقانیت کے تیر	۳۳۰
نکاح	۳۳۱
خطبہ	۳۳۲
خطبہ	۳۳۳
معلومات	۳۳۴
نکاح کی مسرتیں	۳۳۵
معلومات	۳۳۶
نکاح سے بعثت تک کے جستہ جستہ حالات	″
نکتہ	۳۳۷
سفر کے متعلق تاریخی معلومات	″
مورخین یورپ کی ایک اور معاندانہ	۳۳۸
کلام ربانی کا معجزہ	۳۴۱
شرک سے تنفر	۳۴۳
لہو ولعب سے ممانعت	۳۴۴
حضرت ابو طالب کی عسرت	۳۴۵ ۳۴۷
حضرت علی حضور صلعم کی	۳۴۸
آغوش تربیت میں	
زید بن حارث	۳۴۹

عنوان	صفحہ
بیٹے کی تشریح	۳۵۱
فضلائے یورپ کا ایک اور خیالی تار	″
.....	۳۵۲
حکایت	۳۵۲
قرب نبوت سورۃ الم نشرح کی تفسیر	۳۵۴
عجائب	۳۵۷
اشارہ	۳۵۹
تمثیل	۳۶۰
مغربی مورخوں سے ایک اور چھیڑ	۳۶۱
آفتاب رسالت غار حرا میں	۳۶۳
نکتہ	″
بہاروں کی عید	۳۶۴
اطلاع	۳۶۵
حضور اکرم کی عبادت	۳۶۶
حضورؐ کے احباب	۳۶۸
معلومات	۳۶۹
یہودیوں کی پیشین گوئی سے	″
چند لوگوں کا تاثر	
شان رسالت کا ایک مظاہرہ	″
حضورؐ کے متعلق یہود و نصاریٰ کی پیشگوئیاں	۳۷۱

عنوان	صفحہ
بعض صحابہ کے اسلام لانے کا سبب	۳۷۱
راہب کی پیشین گوئی	۳۷۲
ایک یہودی کی بے بہا نصیحت	۳۷۳
ہدایت	۳۷۴
آفتاب رسالت کی بشارت	۳۷۵
چراغ کے نیچے اندھیرا	″
مژدۂ جانفزا	۳۷۶
عین خواب میں قسمت کی بیداری	۳۷۷
ابلیس کا اضطراب	۳۷۸
جستجو	″
گوہر مراد	″
موضعین یورپ اور ہم	۳۸۰
سرکار کا مبارک سراپا	۳۸۲
سراپائے حضور	۳۸۳
تجلیات الٰہی کا آئینہ	۳۸۸
آفتاب رسالت کی ابتدائی کرنیں	۳۸۹
خورشید رسالت کا طلوع	۳۹۱
تمثیل	۳۹۶
غار حرا کی خوش قسمتی	″
کونین کی عید	″

عنوان	صفحہ
شوق درود	۳۹۷
درود شریف کی برکتیں	۳۹۸
تکمیل نبوت کے متعلق	″
دیگر روایات	
پہلا نکتہ	۴۰۰
دوسرا نکتہ	۴۰۱
کامیابی کا نتیجہ	۴۰۲
جوش مسرت	۴۰۳
کامینات کی خوشیاں	۴۰۴
کامینات کی نذریں	۴۰۵
سلام اور مبارکباد	۴۰۶
مغربی مورخوں کی ناقص	″
ذہنیت اور حکمت جواب	
ایک اور روایت	۴۰۷
معلومات	۴۰۸
بی بی خدیجہ عجیب باتونکا اظہار	″
شناخت کی تدبیر	۴۰۹
نبوت کی تصدیق اور مبارکباد	″
ورقہ اور ام المومنین	۴۱۰
نبوت و رسالت کی دوسری	″
تصدیق	
معلومات	۴۱۲

عنوان	صفحہ
حکمت	۴۱۲
ورقہ بھی حلقی تھے	۴۱۳
ارشاد نبوی	″
تکمیل نبوت کے متعلق	
ایک اور روایت	″
ایک عجیب واقعہ	۴۱۴
بت سے حضور کی صداقت	۴۱۵
ابتدائے وحی کے متعلق دیگر	۴۱۶
روایات	
وحی رک جانے کا سبب	۴۱۷
فاضل مغربیوں کے اعتراض پر	۴۱۸
دنداں شکن جواب	
اضطرار کی وجہ	″
وحی رک جانے کا دوسرا سبب	۴۲۰
اشاعت اسلام	۴۲۱
فائدہ	″
ایک فاضل محدث کا جواب	۴۲۲
استلام وحی	۴۲۴
قرآن اور وحی کے متعلق کفار	۴۲۵
کے خیالات	
تنبیہ	۴۲۶
وحی نازل ہونے کے طریقے	۴۲۸
اطلاع	۴۳۰

عنوان	صفحہ
معلومات	۴۳۰
محققین کا قول	〃
معترضین کے اعتراضات	۴۳۱
اعتراضات کے جواب	۴۳۲
مثال	۴۳۵
مطابقت	〃
انبیاء اور دوسروں کی وحی میں فرق	〃
سیرت النبی میں مختلف متعلقات پیش کرنیکے اسباب	۴۳۷
عداس راہب اور بی بی خدیجہ	۴۴۰
دیوانگی کی نفی اور نبوت کی تصدیق	۴۴۲
راہب کی باتیں اور عقیدتمندی کا اظہار	۴۴۳
معلومات	〃
دوبارہ وحی کی آمد	۴۴۴
دسواں باب	۴۴۶
آغازِ اسلام	〃
راز	۴۴۷
اظہارِ جذبات	۴۴۹
دین دنیا کیا مجھے اپنی خبر ہوتی نہیں	〃

عنوان	صفحہ
گذارش	۴۵۰
معذرت	۴۵۱
سلسلۂ بیان	〃
ایک شبہ کا جواب	۴۵۳
ام المؤمنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ	۴۵۶
اُم المومنین	۴۵۷
حکایت	〃
اوندھی سمجھ والے مغربی مورخوں کے خیالات	۴۵۹
شیرِ خدا علی مرتضیٰ	۴۶۲
زید بن حارث	۴۶۳
عیسائی مورخوں سے ایک سوال	۴۶۵
حضرت ابوبکر صدیق رضؓ	〃
محققین کا فرمان	۴۶۶
سابقون الاولون کے کچھ محاسن	〃
کفار کا جلسۂ مشاورت	۴۶۸
کفارِ قریش اور رسول اکرم	〃
ابو طالب کو حضور کے قتل کی گذارش	۴۶۹
دوسری گذارش	۴۷۰
حکمت	〃
نماز	〃
نماز کے متعلق کچھ معلومات	۴۷۲
خوشخبری	〃
اطلاع	۴۷۳

عنوان	صفحہ
سلسلۂ معلومات	۴۷۳
اول اسلام لانیوالوں کے کچھ اور فضائل	۴۷۳
خاتونِ اعظم	۴۷۴
مغربی مورخوں کی طعنہ زنی	۴۷۵
ہمارے فاضل عیسائیوں کی گپ	۴۷۶
زید بن حارث رضؓ	۴۷۷
حیدر کرار رضؓ	〃
آپکے اسلام لانے کا سبب	〃
صدیق اکبر رضؓ	۴۷۸
عثمان بن مظعون	〃
حضرت ابوذر غفاری رضؓ	〃
صہیب رومی رضؓ	۴۷۹
بعض اور صحابہ	〃
طلحہ رضی اللہ عنہ	۴۸۰
سابقینِ اسلام کیا تھے	۴۸۱
اشاعتِ اسلام	۴۸۴
سید المرسلین کا اہم ترین فرض	〃
حضورؐ کی تخصیص	۴۸۶
دعوتِ حق	〃
سامانِ ضیافت اور تبلیغ اسلام	۴۸۸
ہماری جانب بھی شہنشاہِ دوجہاں	۴۹۲
میں عاشقِ زار اہلِ نبی کا	۴۹۳
میخانہ اچھوتا دوستانِ محمد کا	۴۹۴
قونے کی آراستہ و نظیف لڑکیاں عرب	〃
تیرہ مست ہوا میخانۂ محبوبِ خدا کا	۴۹۵

روزِ سعید بہتر از روزِ عید

آج میں اپنے دل میں سرور و کیف کی وہ لہریں موجزن پا رہا ہوں۔ ایسی بے اندازہ خوشی مجھے حاصل ہو رہی ہے۔ جو اس سے پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ بے شک میرے لئے یہ روزِ سعید ایسا ہے جس پر ایک نہیں لاکھوں عیدیں قربان۔ کیوں؟ آج کیا ہے؟ میں انتہائی مسرت سے مسرور کس لئے ہوں؟ میں اپنے دل کے جام میں شادمانی کی شراب کیوں لبریز پا رہا ہوں؟ میرا دل جو کبھی پژمردہ تھا۔ اب مثلِ گل شگفتہ کیوں ہے؟ میری روح میں آج اس قدر تازگی کس وجہ سے ہے؟

ہاں! میں سمجھا۔ اس لئے کہ میرے نانا جان رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سیرت (وہ مبارک سیرت جو یقیناً ساری دُنیا کے لئے آفتابِ ہدایت ہے) طبع ہوگئی۔ اور مجھے اس کے اہتمام کا شاندار فخر حاصل ہوگیا۔ اس لئے میں کہتا ہوں۔ بہزار مسرت و انبساط کہتا ہوں کہ آج کا دن وہ دن ہے جس پر تمام دنیائے مسرت قربان۔ مُنہ نہیں۔ جو اللہ کا شکر یہ ادا کروں کہ اُس نے مجھے ایسی بڑی عزت سے مشرف فرما دیا۔ پھر لطف یہ کہ اس سیرت کو مرتب کرنے والا بھی کوئی سطحی قابلیت اور معمولی دل و دماغ کا انسان نہیں ہے۔

اُردو زبان میں آقائے نامدار کی سیرت پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اُن میں۔ جو مشہور ہیں وہ سب کی سب میری نظر سے گزری ہیں۔ مگر والدِ اس شان کی سیرت کم سے کم میری نگاہ سے تو گزری نہیں۔ غالباً قارئینِ کرام بھی اِس کے مطالعہ کے بعد یہی فرمائیں گے جو میں عرض کر رہا ہوں۔

دُنیا جانتی ہے کہ یہ موضوع ایک خشک موضوع ہے۔ اسی لئے بڑی سے بڑی۔ اور بہتر سے بہتر کتاب میں بھی کچھ نہ کچھ خشکی ضرور باقی رہ گئی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ عوام میں یہ مستند کتابیں مقبول نہیں ہوئیں لیکن میں ابھی جو عرض کر رہا تھا۔ کہ سیرت رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کسی معمولی ذہنیت اور اوپری قابلیت کے انسان نے نہیں لکھی ہے۔ اس کی صداقت کا ثبوت یہ ہے کہ میرے مخدوم، میرے ہم مذاق۔ اور میرے دس سال کے دوست ترجمانِ صداقت حضرت مولانا محمد حمید الدین صاحب ماہر مدیر رسالہ راسخ نے (جو بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں)۔ یہ کتاب کچھ اس قدر محنت۔ ذوق شوق کے ساتھ ہی ساتھ ایسی محبت و عقیدت سے لکھی ہے کہ اس کتاب کا ایک صفحہ پڑھ لینے والا یقیناً ساری کتاب ختم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کی دلچسپیاں۔ رنگینیاں۔ حلاوتیں۔ کیفیتیں وغیرہ یہ چیزیں ایسی ہیں جن کی مثال اگر کہیں ملی بھی تو مشکل ہے۔ زبان تو آپ کی کنیز ہی ہے۔ اس کا تو کیا کہنا۔ لیکن الفاظ و معنی کا ایسا بہا سرچشمہ جیسا اس کتاب میں ہے۔ شاید ہی کہیں مل سکے۔ پھر سلاست۔ روانی۔ معنی آفرینی۔ بلندیٔ تخیل کے جو بہترین نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ وہ اہلِ نظر سے داد لئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بڑے کمال کی بات یہ ہے۔ کہ مولانا صاحب موصوف نے صداقت کے وہ وہ منظر پیش کئے ہیں۔ کہ پڑھنے والے کی آنکھوں کے سامنے وہ چیزیں اس طرح آجاتی ہیں۔ گویا یہ سب کچھ سامنے ہو رہا ہے۔ عجائبات اور معجزات عقل کی کسوٹی پر کسنے کے بعد بھی عین عقل ثابت کئے گئے ہیں۔ اور مخالفین کو ایسے دندان شکن جواب دیئے گئے ہیں کہ ان کی ساری لفاظی خاک میں مل گئی۔ پھر مفید اور دلچسپ معلومات۔ نکات۔ راز۔ اسرار۔ تنبیہ اور مؤرخین یورپ سے زور زور کے مصافحے۔ یہ چیزیں جس قدر دلچسپ اور دلکش ہیں۔

ناظرین خود معلوم کرلیں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا موصوف اور سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سیرت کی تعریف میں وہ الفاظ میری زبان سے نہیں نکل سکتے۔ جو ان سے ہزاروں حصے زیادہ میری بیاض دل میں مرقوم ہیں۔ آپ اسے میری جہالت کہئے یا الفاظ و معنی پر قابو نہ ہونا۔ لیکن یہ حقیقت ہے۔ جو میں نے عرض کی۔

مصنف کے کچھ مختصر حالات

جی چاہتا تھا کہ مولانائے محترم کے کچھ مختصر حالات بھی نذر ناظرین کرتا مگر گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے پیش نہیں کرسکتا۔ اتنا عرض کئے دیتا ہوں کہ آپ اکیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو چکے تھے۔ اور دریائے علم کے اس کنارے پر جا پہنچے تھے۔ جہاں پوری پوری عمریں صرف کر دینے کے بعد بھی کچھ لوگ بہ مشکل پہنچا کرتے ہیں۔ آپ کا خاندان دہلی میں جو وقار حاصل کئے ہوئے ہے۔ وہ دہلی والوں سے پوشیدہ نہیں۔ آپ کے دادا جان مرزا برکت اللہ بیگ صاحب مرحوم اور آپ کے والد نامدار سردار مرزا صاحب مغفور دہلی میں بہت بڑے تاجر تھے۔ خدا کے فضل سے آپ کی اس قدر کافی جائداد موجود ہے کہ آپ کو پوری فارغ البالی نصیب ہے۔ مگر آپ پر جن مصائب کے پہاڑ ٹوٹے۔ ان کے بیان سے زبان آبلہ دار اور دل بیقرار ہوتا ہے مختصر یہ ہے کہ آپ کی عمر دو ہی سال کی تھی جب آپ اپنی اُمّ محترم کے ظلِ عاطفت سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیئے گئے۔ بارہ سال کے سن میں والد اور پندرہ سال کی عمر میں دادا کا سایۂ محبت بھی آپ کے سر سے اٹھ گیا۔ اس صورت میں آپ کو جیسے جیسے نقصان پہنچائے جاتے کم تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے جو آپ سے سب سے زیادہ قریب کی نسبت رکھتے ہیں۔ آپ کو بڑے بڑے نقصان پہنچائے لیکن آپ ہمیشہ جواب میں صبر و تحمل کے پہاڑ ہی بنے رہے۔ ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے آپ کا ایسی شاندار تعلیم حاصل کرلینا یقیناً آپ کے ذوق کا ترجمان ہے۔ آپ کو حدیث پڑھنے

کا فخر دہلی کے مشہور عالم ۔ واعظ حضرت مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب علیہ الرحمۃ سے حاصل ہے آپ گیارہ سال سے درس و تدریس کی گراں بہا خدمات بجالا رہے ہیں ۔ آپ کے وعظ میں (جو حقانیت سے لبریز اور نذرانہ سے پاک ہوتا ہے) جو خداداد تاثیر ہے ۔ اُسے دہلی والوں کے دل ہی خوب جانتے ہیں ۔ آپ کی شاعری جس درجہ کمال کو پہنچ گئی ہے ۔ وہ باخبر حضرات سے پوشیدہ نہیں ۔ اس کتاب میں آپ نے جو چند نعتیہ نظمیں زیب صفحات کی ہیں ۔ وہ بالکل عوام کا مذاق پیش نظر رکھکر ۔ اس لئے ان نظموں سے آپ کی شاعری کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا ۔

بہرکیف آپ کا ذوق ایمانی محتاج بیان نہیں یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس دارو گیر کے زمانہ میں میرے نانا جان فخر دو جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی عدیم النظیر سیرت زیب صفحات کردی جس سے زبان اردو ہمیشہ کیلئے آپ کی زیر بار احسان ہوگئی ۔ عربی اشعار کا ترجمہ اردو زبان میں آپ نے جس قابلیت اور بیباکی سے کیا ہے ۔ اہل نظر اس کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے ۔ میں مولانا موصوف اور اس کتاب کے متعلق مشاہیر ادبا اور شعرا کی زرین رائے بھی پیش کرتا جس سے مولانا کی زبردست شخصیت ناظرین پر آفتاب کی طرح روشن ہو جاتی ۔ مگر کیا کروں ۔ وقت اور کتاب دونوں میں گنجائش نہیں رہی ۔

بہرحال آج میری مسرتیں انتہائے کمال پر ہیں کہ میں مولانا کی یہ تصنیف اور اپنے نانا جان رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک سیرت اہل نظر کے سامنے پیش کر رہا ہوں ۔ خدا کرے سیرت رؤف رحیم عام مقبولیت کا تمغہ امتیاز حاصل کرلے ۔ جسے پڑھ کر یقیناً اہل اسلام اس دار و گیر کے عالم میں بھی منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے اور ناقابل اصلاح لوگوں کی ایسی اچھی اصلاح ہو جائیگی جسے دیکھکر دنیا محو حیرت رہجائے ۔

خادم قوم سید سردار علی ۔ نائب نقشبندی ۔ مجددی ۔ دہلوی

معذرت

صرف ایک چیز ایسی ہے۔ جو مجھے کسی قدر افسردہ کر رہی ہے۔ اور جس کے لئے میں مولانا صاحب موصوف اور ناظرین سے معافی چاہتا ہوں۔ صورت یہ ہے کہ غلطی سے اس کتاب کے دس جز ایک ایسے کاتب صاحب کو دیدیئے گئے تھے۔ جو صورتاً پورے متقی۔ بڑے مسکین۔ مگر سیرتاً خدا معلوم کیا ہیں۔ ان حضرت نے مسودہ کے خدا جھوٹ نہ بلائے تو چھ چھ اور آٹھ آٹھ صفحے کاٹ کر اپنی طرف سے لکھے اور انہیں کی کتابت کر دی۔ پھر ہر صفحہ میں ایسی ایسی عجیب و غریب اصلاحیں فرمائی ہیں کہ سبحان اللہ۔ جیسے ایک کاتب نے قرآن کریم میں خنزیر کی بجائے لکھوانے والے کا۔ اور شیطان کی جگہ اس کے باپ کا نام لکھ دیا تھا۔ اسی طرح ان کاتب صاحب نے بھی ناقابلِ بیان اصلاحیں کی ہیں۔ جب تصحیح کی نوبت آئی۔ اور ان غلطیوں کا انکشاف ہوا تو نہ پوچھئے کہ میرے رنج کی کیا انتہا ہو گئی۔ مگر مولانائے محترم کو خدا خوش رکھے۔ انہوں نے چار روز مسلسل محنت کر کے وہ مردود غلطیاں بنائیں۔ لیکن بیشمار غلطیاں دوسرے کاتب صاحب کہاں تک بناتے اور تصحیح کرنے والے کہاں تک تصحیح کرتے۔ مجبوری کی وجہ سے مولانا خود تصحیح نہ فرما سکے۔ اور میں مصروفیتوں کی وجہ سے یہ مبارک کام انجام نہ دے سکا۔ اس لئے ساری ہی کتاب میں کہیں کہیں کتابت و طباعت کی غلطیاں رہ گئیں۔ جو میرے دل پر خار کی طرح کھٹک رہی ہیں۔ مگر وہ باغ ہی کیا جہاں خار نہ ہوں۔ سیرت النبی کے پھولوں کی مہک کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں غلطیوں کے کانٹے بھی رہ گئے ہیں۔ حالانکہ دو دو تصحیح کنندہ تھے۔ اور بہت سی کاپیاں دو دو مرتبہ دیکھی گئی تھیں۔ پھر پروف تو ساری ہی کاپیوں کے برابر پڑھے گئے۔ اور ان میں تصحیح کی گئی۔ یہاں تک کہ

ماہر بک ایجنسی کے نیچر صوفی خلیل الرحمن صاحب داتر دلوی (سورت) کہ پریس ہی میں رہتے تھے۔ جب تک پروف ان کی آنکھوں کے سامنے نہ نچا لیتے تھے۔ لیکن دشمنت کی خوبی کہ اس احتیاط

اور محنت کے باوجود بھی کہیں کہیں کچھ کچھ غلطیاں رہ گئیں (جن میں املا کی غلطیاں بھی شامل ہیں) اور مجھے مولانائے محترم اور ناظرین دونوں سے شرمندہ ہونا پڑا بعض غلطیاں تو ایسی ہیں جنہیں پڑھ کر اہل نظر حیرت زدہ رہ جائیں گے۔ مثلاً ایک جگہ صحیحین کے بجائے صحاح ستہ لکھ دیا ہے۔ لیکن پڑھنے والے کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ مصنف صاحب ہرگز ہرگز یہاں یہ نہیں لکھ سکتے۔ سیرت اور صحاح میں فرق۔ کے عنوان میں کاتب صاحب نے غلطی سے صحیحین کی جگہ صحاح ستہ لکھدیا ہے۔ بہرکیف نگاہِ شوق ایسی غلطیوں کی جو اگرچہ بہت کم ہیں۔ ہرگز پروانہ کریگی اور اگر کوئی صاحب ان غلطیوں سے متاثر ہوں بھی۔ تو مجھے معاف فرمائیں۔ اس لئے کہ یہ ذمہ داری مولانا پر نہیں مجھ پر۔ اور صرف مجھ پر ہے۔ خادم سید سردار علی نائب نقشبندی

جذباتِ تشکر

میرے دوست (سید سردار علی) جن میں بہا اوصاف سے متصف ہیں۔ اُن کے متعلق اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ محبت۔ اُخوت۔ اخلاق اور علم وادب کی یہ ایک کم یاب مثال ہیں انہوں نے رؤف رحیم کے اہتمام میں جس قدر سرگرم حصہ لیا ہے۔ اور ساتھ ہی میری تعریف کے جسقدر پل باندھے ہیں (جو یقیناً انکے سچے اخلاص پر مبنی ہیں) اُن کا شکریہ میرے متعلق ان دوست نے جو کچھ بھی لکھا ہے اُس کے متعلق میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں "من آنم کہ من دانم"

محمد عباس حسین صاحب قاری اڈیٹر رسالہ تبلیغ نسواں میرے خاص دوست اور قریبی عزیز ہیں انکی شخصیت لیڈری اور مضمون نگاری کی سارے ہندوستان میں دھاک ہے۔ انہوں نے بھی مجھے بعض مفید مشوری دیکر مشکور فرمایا ہے۔

مولانا سید ظہور احمد صاحب وحشی مدیر رسالہ تجلی مالک تجلی پرنٹنگ ورکس کسی جدید تعارف کے محتاج نہیں آپکی علمی اور ادبی قابلیت۔ زبردست شخصیت اور آپکا تبحر بشہرتِ عام حاصل کئے ہوئے ہے۔ آپنے جس خلوص جس محبت اور جس سرگرمی سے میری کتاب طبع کرائی ہے اور جیسے جیسے بعض اہم مشورے دیئے ہیں انہوں نے مجھے آپکا ممنون منت بنا لیا ہے خدا ان سب احباب کو رہتی دنیا شاد آباد اور دلشاد رکھے۔ آمین یا رب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اعتراف اور درخواست

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

الٰہی! آج میں ذلیل عبد رب جلیل تیرے حبیب لبیب۔ سید المرسلین۔ رحمۃ للعلمین۔ آفتاب۔ عالمتاب عربستان فخر دوجہان سرورِ عالم حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ایک مختصر نقشہ پیش کر رہا ہوں جس کے متعلق میں خود بھی اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ میری زبان و قلم میں ہرگز اتنی طاقت و قوت نہیں کہ میں سرکارؐ کی مبارک سیرت کے متعلق کچھ عرض کر سکوں۔ میری تو کیا حقیقت ہے بڑے بڑے فضلاء مثلاً محمد ابن اسحٰقؒ۔ ہشام بن عروہ۔ امام طبریؒ۔ عروہ بن زبیرؓ۔ امام شعبیؒ۔ وہب ابن منبہؒ۔ عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری۔ محمد بن مسلم بن شہاب زہری۔ یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ۔ موسیٰ بن عقبہ الاسدی۔ عمر بن راشد الازدی۔ عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز الاوسی۔ محمد بن صالح دینار التمار۔ ابو المعاشر عبدالرحمٰن بن جعفر۔ عبدالملک بن محمد علی بن مجاہد الرازی الکندی۔ زیاد بن عبداللہ۔ سلمۃ بن الفضل الابرش۔ ابو محمد یحییٰ بن سعید۔ ولید بن مسلم القرشی۔ یونس بن بکیر۔ محمد بن عمر الواقدی الاسلمی یعقوب بن ابراہیم الزہری۔ عبدالرزاق بن ہمام۔ عبدالملک بن ہشام الحمیری۔ علی ابن محمد المدائنی۔ عمر بن شبۃ البصری۔ محمد بن عیسیٰ ترمذی۔ ابراہیم بن اسحاق۔ ابوبکر احمد بن ابی خیثمۃ البغدادی۔ محمد بن عائذ دمشقی وغیرہ وغیرہ

یہ وہ مبارک ہستیاں ہیں جو آفتاب رسالت سے منور ہو کر جہانِ غالدان کا

اُجلا نہیں۔ ان زبردست فضلاء نے آقائے نامدار کی سیرت اور مغازی پر انسانی حد سے بڑھ کر بہترین کتابیں لکھیں۔ مگر سب نے یہی اعتراف کیا کہ وہ آقائے نامدار کے فضائل کما حقہٗ نہیں بیان کر سکے۔ اور بیان بھی کس طرح کر سکتے تھے۔ آپ کے مراتب و مدارج۔ محامد و مناقب، فضائل و محاسن تو پورے طور پر حق تعالیٰ ہی جانتا ہے ہم تو صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں ؎

یا صاحب الجمال و یا سید البشر — من وجہک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ — بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

بہر کیف جب ایسے ایسے کملائے فاضلین سیرت نبوی پورے طور سے نہ لکھ سکے تو اس عاجز کی کیا تاب و طاقت کہ آقائے نامدار کی سیرت کا ایک شمہ بھی اہل نظر کے سامنے پیش کر سکے۔ تاہم اس نسبت سے جو غلام کو اپنے آقا سے ہوتی ہے۔ خادم کا سب سے پہلا فرض ہے کہ وہ اپنے آقا اپنے مولا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر اپنے موٹے جھوٹے الفاظ میں کچھ عرض کرے۔

صرف اس خیال نے خادم کو مجبور کیا۔ ورنہ میں کجا اور سیرت رؤف رحیم کجا

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اے اللہ! میرے سینے کو کھولدے۔ میرے دل کو فراخ کر دے اور میرے دماغ کی دنیوی کثافت دور کر دے تاکہ میں اپنے ہادی و مرشد آقا و مولا تاجدار انبیاء حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے متعلق اپنے ٹوٹے پھوٹے لفاظ میں کچھ عرض کر سکوں۔

بارخدایا! تو جانتا ہے کہ میں محض صدق دل۔ نیک نیتی اور بنیا بانہ ذوق و شوق کی وجہ سے آج اتنے اہم کام پر تیار ہوا ہوں۔ تیرا ارشاد ہے اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ سورۃ بقرہ پارہ ۲ رکوع ۶۔

(قبول فرماتا ہے۔ دعا مانگنے والے کی دعا کو جب وہ مانگے)

لہٰذا بندہ بھی تیری بارگاہ میں صدق دل سے دعا کرتا ہے کہ تو مجھے میرے آقا کی سیرت لکھنے میں پوری کامیابی عنایت فرما۔

مانا کہ میرا گندہ دل اور ناپاک زبان اس قابل نہیں کہ اس دعا کے الفاظ عرش عظیم تک پہنچیں۔ یعنی یہ دعا مقبولیت حاصل کرے۔ تاہم تیرے رحم و کرم سے امید ہی نہیں یقین ہے کہ تو اپنے گناہگار بندے کی دعا کو ضرور شرف قبولیت مرحمت فرمائیگا واقف ہے تو جرم و خطا شامل میری طینت میں ہے۔

میں جانتا ہوں جان جاں رحمت تری خطرت میں ہے

ہاں اپنے رحم و کرم کے واسطے الٰہاں اپنے لطف و انعام کے طفیل! الٰہاں رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اپنے ناچیز ناچیز کی دعا قبول فرمالے اور جو گلہائے بخیراں میں آقائے نامدار کے حضور میں نذر گزار رہا ہوں۔ انہیں مقبول فرمالے۔ اس طرح مقبول فرمالے کہ ان کی روح پرور خوشبو عالم کے مشام جان کو معطر و معنبر کر دے اور ہر متعصب سے متعصب بھی کتاب ہذا کو دیکھکر بے اختیار دل سے نہیں تو کم از کم زبان ہی سے بہ بانگ دہل پکار اٹھے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آمین۔ آمین یا رب العلمین

رؤف رحیم کی ضرورت

یوں تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سیرت پر ان گنی اور بیشمار کتابیں ضبط تحریر میں آچکی ہیں۔ تاہم ایک تو یہ کہ خیابان رسالت کے جتنے پھول فراہم ہوسکیں اتنا ہی اچھا اور زیادتی ایمان کا سبب ہے۔ یعنی اس آفتاب صداقت کی سیرت پر جتنی کتابیں زیادہ سے زیادہ لکھی جائیں اتنا ہی انسب و اعلیٰ ہے اور اظہار محبت و عقیدت کا شاید اس سے بہتر کوئی اور ذریعہ بھی نہیں۔ دوسرے یہ کہ گلزار سیرۃ النبی ایک ایسا باغ ہے جس کے پھول چننے کے لئے ہر گل چین کا دامن ناکافی ہے۔ اس لئے کہ

آنحضرت کی کماحقہٗ سیرت اور پورے پورے محامد و مناقب بیان کرنے اور لکھنے سے عالم کی زبان و قلم عاجز ہیں۔ جیسا میں ابھی لکھ چکا ہوں۔ لیکن ایک اور بات بھی ہے کہ اس گلشن ہمیشہ بہار کے زیادہ سے زیادہ پھول چننے والوں سے بھی بہت سے پھول رہ جاتے ہیں کسی کا ہاتھ تو بعض پھولوں تک پہنچتا ہی نہیں اور کوئی اس باغ ارم کے پھولوں کی خوشبو سے اتنا مست ہو جاتا ہے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کتنے پھول لوں اور کس قدر رہنے دوں۔ بہرکیف ہر سیرت میں کچھ نہ کچھ نئے پھولوں کا اضافہ ضرور ہو جاتا ہے تیسرے یہ کہ اردو زبان میں حضور کی سیرت پر یا سیرت کے کسی جزو پر جتنی کتابیں لکھی جا چکی ہیں ان میں سے اکثر ایسی ہیں جو صرف شاعرانہ تخیل پر منحصر ہیں۔

اول تو وہ صحیح روایات سے قریب قریب معرا ہیں دوسرے ضعیف اور موضوع روایتوں کے علاوہ غضب یہ ہوا ہے کہ مصنفوں نے اپنے رنگا رنگ تخیل سے کام لیا ہے جو یقیناً نادرست ہے اور پھر جہالت کی بدولت ایسی ایسی روایات دل سے گھڑ کر شامل کی گئی ہیں جن سے معاذ اللہ آقائے نامدار کی سیرت پر غلط اثر پڑتا ہے۔ بہت سے مسائل میں بیجا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اور تماشہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام کے ساتھ۔ ہاں اس مقدس ہستی کے نام کے ساتھ (جس پر ہم تو یہ ہی کہتے ہیں کہ ؎

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

اس ہی محترم نام کے ساتھ کمبختوں۔ نالائقوں اور کج فہموں نے معاذ اللہ رنگیلے کا اضافہ کیا ہے۔ اُف کس قدر سخت بے ادبی ہے۔ بُرا ہو اے جہالت تیرا بُرا ہو کہ تو اپنی گہری تاریکی کی وجہ سے انسان سے اس انسان سے (جو واقعتاً آقائے نامدار کو دنیا بھر سے افضل سمجھتا ہے۔ ہاں اسی کی زبان سے ایسے الفاظ نکلوا دیتی ہے۔ جن سے حضور کی صریح بے ادبی ہوتی ہے۔ صرف اسی رنگیلے ہی کو لے لیجئے۔

رنگیلا قارئین کرام نہ بھولے ہونگے کہ کتاب رنگیلا رسول پر کس قدر سخت مقدمہ چل چکا ہے۔ اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات (ہاں وہ جذبات جو یقیناً ہر مسلمان کو اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں) کس درجہ پامال کئے گئے ہیں۔ فرہنگ آصفیہ میں رنگیلے کے معنی خوش پوشاک خوش وضع اور عیاش وغیرہ کے ہیں نعوذ باللہ من ذالک پھر کس قدر رونے کی بات ہے کہ یہ لفظ ایک ایسے شخص کی زبان سے نکلے جو آقائے نامدار کے عاشق ہونے کا مدعی ہے۔ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ اس کی نیت بُری نہ تھی کیونکہ اُس نے آقائے نامدار کے فضائل کے متعلق نظم و نثر میں بہت کچھ لکھا ہے۔ تاہم جہالت نے اس کی زبان سے یہ لفظ نکلوا دیا۔ یہ ماننے کے باوجود بھی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مخالفین اسلام اسی کے شعر کو مثال بنالیں گے اور کہیں گے کہ جب ایک مسلمان نے یہ لکھا ہے تو ہم پر کیوں کر الزام دیا جا سکتا ہے۔

ہم بہ بانگ دہل کہیں گے کہ جس طرح شیخ المشیوخ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کے سامنے ایک شخص آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بنا کر لایا تھا۔ اور آپ نے اُسے دیکھکر فرمایا تھا کہ جس طرح میرے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح لگن میں پانی بھروا کر اس تصویر کو بھی غسل دیدو۔ چنانچہ اس حکمت اور اس ادب کے ساتھ آپ نے اس تصویر کو معدوم فرما دیا۔ کیونکہ تصویر اسلام میں جائز نہیں۔ اسی طرح قارئین کرام بھی ان تصانیف کو جن سے مسلمان اندھیرے کے گڑھے میں جا گریں اور مخالفین اسلام انہیں ہتیاروں کے طور پر استعمال کریں ہاں ان تمام تصانیف کو ہمیشہ کے لئے دریا میں غسل دے دیں۔ تاکہ مخالفین اسلام جو مسلمانوں ہی کی تصانیف سے مواد بہم پہنچاتے ہیں ان کی اس کوشش کا خاتمہ ہو جائے۔ اور سیرۃ النبی میں ایسی تصانیف کا اضافہ کیا جائے جو علماء کی تصنیف ہوں اور جن کی زبان اور طرز ادا اتنا خوش اسلوب ہو کہ مسلمانوں کے دلوں میں گھر کرے

ہم ابھی کہہ چکے ہیں کہ اردو میں سیرۃ النبی پر بڑی بڑی قابل ہستیوں کی کتابیں بھی موجود ہیں۔ تاہم اکثریت انہیں تصانیف کی ہے جو ہمارے زیر بحث ہیں۔

اب بے اختیار یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان غیر معتبر تصانیف کی مقبولیت عوام میں کیوں ہوگئی۔ جبکہ کتب معتبرہ بھی موجود ہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہ تصنیفات عام مذاق کو پیش نظر رکھکر لکھی گئی ہیں۔ اسی وجہ سے عوام انہیں نہایت دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔

اردو کتب معتبرہ میں سیرۃ النبی۔ رحمۃ للعالمین خصوصاً قابل ذکر ہیں اور جن میں کا صرف ایک ایک حصہ اس وقت ہمارے سامنے بھی موجود ہے۔

یہ کتابیں اسی طرح لکھی گئی ہیں۔ جس طرح سیرۃ النبی لکھی جانی چاہئے۔ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ عوام کا مذاق اتنا صحیح نہیں رہا کہ وہ ان ٹھیٹھ اردو زبان کی کتابوں کو بھی پورے طور پر سمجھ سکیں۔ یا اُن سے دلچسپی حاصل کر سکیں۔ اس لئے وہ انہی گمراہ تصانیف میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ جو مذکور ہو چکی ہیں۔

بھلا اُن میں ایسا مذاق سلیم کہاں کہ وہ سیرۃ النبی کے ساتھ ساتھ محدثین اور مجتہدین کے ضروری حالات سے بھی واقفیت حاصل کریں۔ اور سمجھیں کہ احادیث کس طرح لکھی گئیں سیرۃ اور صحاح میں کیا فرق ہے؟ اسماء الرجال کا کیا مقصد ہے۔ اُن کا تو حال یہ ہے کہ اگر پہلے ہی ورق میں حضور کے نور یا پیدائش وغیرہ کے حال نہیں اور دس بارہ ورق الٹنے کے بعد بھی نہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ دنیا بھر کا رونا اس کتاب میں رویا گیا ہے۔ معاذ اللہ!

ان واقعات کو دیکھتے ہوئے ایک ایسی سیرۃ کی سخت ضرورت محسوس ہوتی ہے جس میں عوام کے جذبات کا زیادہ تر لحاظ رکھا جائے۔ تاہم یہ بھی ضرور ہے کہ صحیح صحیح واقعات اُن کے گوش گزار کئے جائیں۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے قلم اٹھایا ہے خدا مجھ میں ایسی قوت دے کہ "رؤف الرحیم" ایک ایسی کتاب ہو۔ جو عوام اور خواص

دونوں کے لئے پسندیدہ ہو جائے۔ اور مسلمانوں کا بچہ بچہ سیرۃ النبی سے واقف ہو سکے۔

یہاں یہ عرض کرنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ عام طور پر جو تصانیف موجود ہیں اُن کی توجہ پر واز صرف مولود النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی تک محدود رہ گئی ہے۔ اور وہ بھی رطب و یابس سے پاک نہیں۔ پھر طرہ یہ کہ سب سے زیادہ آپ کی پیدائش ہی کے واقعات بیان کرنے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ حالانکہ حق تبارک تعالیٰ شانہٗ سورۂ والضحیٰ میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى یعنی آپ کی ہر پچھلی گھڑی میں پہلی گھڑی سے زیادہ مرتبہ بلند ہوتا ہے۔

اس حکم ربانی کا خیال ان جاہل مولود خانوں کو بالکل نہیں اور ہو بھی نہیں سکتا اس لئے کہ ان کی نظر اتنی کہاں جو یہ ارشاد ربانی کا مطلب سمجھ سکیں۔ دو چار سُنی سنائی آیتیں یاد رہ گئیں اور بس۔

بہر کیف جو تصانیف عوام کے ہاتھ میں رہتی ہیں اُن میں مولود اور زیادہ سے زیادہ وفات کے کچھ غلط سلط واقعات ملتے ہیں چونکہ پوری سیرۃ النبی لکھنے کے لئے علم اور ورق گردانی کی سخت ضرورت ہے اور خیر سے ہمارے اکثر مولود خوان بالکل کورے ہوتے ہیں۔ اس لئے سُنے سُنائے عام واقعات اور ان میں بھی ایجاد بندہ شامل کرتے ہوئے یہ لوگ مولود نامہ وفات نامہ وغیرہ دھر گھسیٹتے ہیں۔ اور نہیں سمجھتے کہ یہ کتنی بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔

خدا شاہد ہے جس وقت سے میں نے یہ اہم کام شروع کیا ہے سر پر ایک بار عظیم رکھا اور دل دھڑکتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ دست بدعا ہوں کہ اللہ یہ اہم کام اپنے ناچیز بندے سے نہایت حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے۔ آمین

اب قارئین کرام اچھی طرح سمجھ گئے ہونگے کہ میں نے "رؤف رحیمؐ" لکھنے کے لئے کیوں قلم اٹھایا۔ میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ مستند اردو کتب میں

نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ کے متعلق بہت کم لکھا گیا ہے۔ اور بعض کتابوں میں جو مورخانہ حیثیت سے تحریر ہوئی ہیں بالکل ہی نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک بہت بڑی کمی رہ گئی ہے۔

اگر قارئین کے خیال میں کمی نہ بھی رہی ہو تو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ عام مصنفین کی اصلاح کا اس سے بہتر طریقہ نہیں کہ نورِ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی جو واقعات صحیح صحیح مل سکیں انہیں ضرور بیان کر دیا جائے۔ تاکہ آئندہ تصانیف موضوع اور من گھڑت روایات سے بالکل پاک رہ سکیں۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ میرا مقصد اصلاح بھی ہے۔

لہٰذا میں نورِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کتبِ معتبرہ سے جہاں تک ممکن ہو گا کوشش کر کے گوش گذار کرونگا۔

افسوس۔ تعجب اور رونے کا مقام ہے کہ کرشن۔ رام چندر۔ وغیرہ کے حالات تو اس قدر مشہور ہوں کہ ہندوؤں کا بچہ بچہ اُن سے پورے طور پر واقف ہو اور آقائے نامدار مولائے ذی وقار رسول کریم رؤف رحیم سرورِ عالم حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے (اس حیاتِ طیبہ سے جو یقیناً ہمارے لئے آفتابِ ہدایت ہے جس کا ایک ایک شمہ اوتاروں کی لمبی چوڑی کہانیوں پر حاوی ہے اور جس کا ایک ایک جزو ایسا ہے کہ انسان اگر اس پر عمل کرے تو اس اندھی دنیا میں ماہ عالم افروز کی طرح چمک اُٹھے اور یقیناً بلا حساب و کتاب فردوسِ اعلیٰ کا مالک بنجائے ہاں اسی حیاتِ طیبہ سے) مسلمانوں کے بچوں کا تو کیا ذکر بوڑھے بوڑھے بھی ناواقف ہیں۔

پھر کہوں گا اس کی وجہ یہی اور صرف یہی ہے کہ عام مصنفین سیرۃ النبی صلعم لکھنے میں ناکام رہے اور خواص کی تصانیف عوام میں مقبولیت نہ حاصل کر سکیں۔

اس سے یہ ایک بڑا فائدہ بھی ہوگا۔ کہ رفتہ رفتہ عوام کی ذہنیت سنورتی جائیگی۔ اور ایک دن ایسا بھی آجائیگا۔ کہ وہ ہمارے قابلِ قدر مصنفین کی کتابیں پڑھنے سمجھنے اور اُن سے دلچسپی حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

خواص سے التجا

اگر آپ حضرات "رؤف رحیم" میں کچھ ایسی باتیں پائیں جن میں ٹھوس پن نہ ہو اور جو آپ کے مذاقِ سلیم کے خلاف پائی جائیں تو مجھے معاف فرمائیں اس لئے کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں میرا سب سے بڑا مقصد عوام کی ذہنیت کو سنوارنا ہے لہٰذا اگر کہیں کچھ واعظانہ رنگ آجائے اور آپ کو کسی قدر کھٹکے تو آپ عامۃ المسلمین کا مفاد پیشِ نظر رکھتے ہوئے مجھے معاف فرمائیں۔

گذارش

"رؤف رحیم" کا پہلا حصہ اہلِ نظر کے سامنے ہے جس میں نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آپ کی نبوت تک کے واقعات احادیثِ صحیحہ اور کتبِ معتبرہ سے حوالہ قلم کئے گئے ہیں۔ نیز صفی اللہ نجی اللہ خلیل اللہ اور ذبیح اللہ کے مختصر واقعات بھی ہیں جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ مراتب کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر خوش قسمتی سے یہ نذرِ بارگاہِ رسالت میں قبول ہوگئی اور حق تبارک و تعالیٰ شانہ نے اسے پسندیدہ فرماتے ہوئے عوام و خواص کے دلوں میں اس کیلئے دلچسپی پیدا فرمادی تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد رؤف رحیم کا حصہ ثانی پیش کیا جائیگا۔

چونکہ اللہ کسی کی محنت کو (خصوصاً جو اخلاص پر مبنی ہو) رائیگاں نہیں کرتا اس لئے مسرور ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ "رؤف رحیم" ہر دلعزیزی کا شاندار تمغہ امتیاز حاصل کرے گی۔

سیرت اور صحاح میں فرق

بعض لوگ تعجب سے یہ سوال کر بیٹھتے ہیں کہ سیرت اور صحاح میں کیا فرق ہو سکتا ہے تاہم اگر وہ ذرا غور کریں تو اُن پر واضح ہو جائیگا کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے جس قدر

احادیث جمع فرمائی ہیں وہ انتہائی جانچ اور پرکھ سے جمع کی گئی ہیں۔ اگر دس راویوں میں ایک راوی پر بھی غیر ثقہ ہونے کا شبہ ہوگیا ہے تو انہوں نے اس حدیث کو مسترد فرما دیا ہے۔

اللہ اکبر! کس قدر اہم کام انجام دیا گیا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ان نیک کاموں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہاتھ شریک تھا جبھی تو اس قدر دشوار گزار مراحل بخوبی طے ہوگئے اور بخاری مسلم دونوں مقدس کتابیں اس شان کی ہوگئیں کہ کتاب اللہ کے بعد ان کا جو مرتبہ ہے۔ وہ کسی کتاب کا نہیں اور نہ ہوسکتا ہے۔

دنیا ہی میں اُن کی نیک نیتی اور صدق دلی کا خلعت بارگاہِ لم یزلی سے مرحمت ہوگیا امام بخاریؒ نے ایک ایک حدیث حاصل کرنے کے لئے مہینوں کے دشوار گزار سفر (جو خوف وخطر سے خالی نہ تھے) بخوشی طے کئے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اگر کسی حدیث کے راوی کمزور معلوم ہوئے تو انہوں نے فوراً اس حدیث کو تطراز کر دیا جبھی تو کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری سب سے اعلیٰ درجہ کی کتاب ہوگئی لیکن صحاح ستہ کے علاوہ اور بہت سی کتابیں بھی تدوین حدیث میں لکھی گئیں جن میں سے بعض کتابیں تو ایسی ہیں جو صحاح ستہ کا درجہ تو نہیں رکھتیں مگر ان کے قریب قریب ضرور ہیں۔ اس لئے کہ ان میں احادیث کی اکثریت صحیح حدیثوں پر مبنی ہے۔ یہ کتابیں بخاری ومسلم کے قبل وبعد کے زمانوں میں مدون ہوئیں صحاح ستہ کے بعد جو کتابیں بہتر سمجھی جاتی ہیں۔ وہ یہ ہیں سنن ابی داؤد۔ جامع ترمذی، سنن نسائی اور مسند امام احمد،

یہ کتابیں بھی ضرور قابل عمل ہیں۔ اس لئے کہ تمام فقہانے ان سے بڑے بڑے مسائل مستنبط کئے ہیں۔ ان کے بعد تدوین احادیث میں اور بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں جن کا مقصد یہ تھا کہ صحیح اور غلط جس قدر احادیث مل سکیں قلم بند کر لی جائیں تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ضائع نہ ہوسکے۔

ان کتب کا شمار تیسرے درجہ کی کتابوں میں ہے جن سے واعظ اپنے

و عظوں میں بڑی مدد حاصل کرتے ہیں اور بعض مفسرین بھی تفاسیر میں ان کتابوں سے حسب ضرورت احادیث نقل کرتے ہیں۔

تیسرے درجہ کی کتابوں کے نام بھی حسب ذیل ہیں۔

مسند ابو یعلیٰ۔ مصنف عبدالرزاق۔ مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ۔ مسند عبد بن حمید طحاوی۔ طبرانی اور بیہقی کی کتابیں۔

ان کتب میں صحیح حسن ضعیف۔ موضوع۔ شاذ اور منکر ہر قسم کی حدیثیں جمع کر دی گئی ہیں۔

اگرچہ ان کے بعد بھی بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ تاہم ان میں صحیح حدیثوں کا وجود تو شاذ و نادر ہی ہے۔ ہاں ضعیف احادیث انہیں اچھی تعداد سے ہیں۔ تاہم اکثریت ان احادیث کی ہے جو نفس پرستوں نے تصنیف کر کے خود شامل کتاب کر دی تھیں ان کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی لفاظ واعظ دوران تقریر میں اکثر بے سروپا باتیں بیان کر جائے۔

ہم چوتھے اور پانچویں طبقے کی کتابوں کے نام بھی لکھتے اور ان کے متعلق مختصر تقریر بھی کرتے اگر یہ خیال ہمارے لئے سد سکندر نہ ہوتا کہ عوام اس تقریر و تحریر کو فضول سمجھیں گے۔ تاہم اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ چوتھے پانچویں اور چھٹے درجہ کی جو کتابیں ہیں وہ بخاری اور مسلم کے صدیوں بعد منضبط کی گئی ہیں اور ان کے اکثر راوی شیعہ ہیں جنہوں نے اپنی خواہش نفس کے ماتحت بہت سی بے سروپا جھوٹی احادیث لکھ ڈالی ہیں۔ ان درجوں کی کتابیں ہرگز قابل یقین و عمل نہیں۔ ہاں چوتھے درجہ کی کچھ کتابیں بہتر ہیں۔ اس لئے کہ ان میں شیعوں کی روایات بہت کم ہیں۔ تاہم اس درجہ میں وہ کتابیں بہتر ہیں جو موضوع اور منکر احادیث سے قریب قریب پاک ہیں اور کثرت سے ضعیف حدیثیں جن میں مدون ہیں

بہرکیف ہم جو کچھ عرض کر رہے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ اگرچہ صحاح ستہ کی کتابیں خصوصاً بخاری شریف کتاب اللہ کے بعد سب سے افضل ہیں۔ تاہم دوسرے اور تیسرے درجہ کی کتابیں بھی جن میں صحیح۔ غلط اور ضعیف۔ سب طرح کی احادیث موجود ہیں۔ وہ بھی ناقابل عمل نہیں۔ اور خصوصاً دوسرے درجہ کی کتابیں تو جیسا ہم ابھی عرض کر چکے ہیں ایسی ہیں جن سے فقہا نے مسائل استنباط کئے ہیں۔ لہٰذا عمل کے لحاظ سے یہ کتابیں ضرور مفید اور کارآمد ہیں۔ اب صحاح اور سیرت کا فرق نہایت آسانی سے سمجھ میں آجائے گا صحاح میں تین کتابیں زیادہ بلند پایہ ہیں۔ بخاری۔ مسلم اور ترمذی لیکن علمائے سیرت نگار نے دوسرے۔ تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتابوں میں سے بھی احادیث اپنی اپنی تصنیف میں لکھی ہیں۔

یہ کچھ علمائے متاخرین ہی پر موقوف نہیں۔ فضلائے متقدمین نے بھی ایسا ہی کیا ہے بلکہ کتب تاریخ سے بھی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے واقعات زیب کتب کئے گئے ہیں۔ علمائے متقدمین کے اسمائے گرامی کی مختصر فہرست ہم شروع کتاب ہی میں حوالۂ قلم کر چکے ہیں۔

ہم چاہتے تھے کہ ساتھ ساتھ قارئین کو یہ بھی بتا دیں کہ ان علمائے دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور مغازی پر کون کون سی کتابیں لکھیں اور ساتھ ہی ہم یہ بھی چاہتے تھے کہ ان مبارک ہستیوں کی مختصر سی سیرت بھی گوش گزار کر دیں۔ مگر کیا کیا جائے عوام کی ذہنیت اس درجہ خراب ہو چکی ہے کہ انہیں ان باتوں میں کچھ بھی حظ حاصل نہیں ہو سکتا۔

بہرحال ہم "رؤف الرحیم" کے کسی حصہ میں مناسب اور مختلف مقامات پر ان مقدس علماء کی مبارک حیات پر ضرور روشنی ڈالیں گے۔ جو یقیناً ان مقامات کے لحاظ سے خالی از دلچسپی نہ ہوگی۔

بہرکیف یہ امر متحقق ہے کہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے میں کبھی اس بات کا خیال نہیں کیا گیا کہ صرف صحاح ستہ سے آپ کی مبارک سیرت لکھی جائے۔ بلکہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے چوتھے درجہ کی کتابیں بھی لے لی گئیں۔ اور کتب تاریخ بھی پیش نظر رکھی گئی ہیں۔ پھر بعض کا یہ خیال کہ "سیرۃ النبی" صرف صحاح ستہ سے لکھی جائے کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ جبکہ اس پر اجماع امت ہے۔ کہ ضعیف احادیث بھی ضرور قابل عمل ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ ہمارے تمام اساتذہ (علمائے متقدمین اور متاخرین نے) اس امر کا لحاظ نہیں رکھا کہ "سیرۃ النبی" میں صحاح کے علاوہ دوسری کتابیں نہ لی جائیں۔ ان کی تصانیف زندہ گواہ ہونے کی حیثیت سے ہمارے پیش نظر ہیں۔ لہذا ہم بھی انکا تتبع اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ البتہ موضوع۔ منکر بین گھڑت احادیث سے اجتناب لازمی ہے۔

اب یقیناً آپ سمجھ گئے ہونگے۔ کہ سیرت اور صحاح میں کیا فرق ہے؟ صحاح ستہ وہ کتابیں ہیں جن میں ایک ضعیف حدیث کا بھی نشان نہیں ملتا۔ اور بقیہ کتابوں میں یہ انتظام نہیں ہے۔ جس طرح صحاح اور دوسری کتابوں میں فرق ہے۔ اسی طرح سیرت اور صحاح میں بھی فرق سمجھ لیجئے یعنی صحاح میں ایک بھی ضعیف حدیث نہیں ہوتی۔ اور سیرت میں ضعیف احادیث کے علاوہ معتبر کتب تاریخ سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں صحاح اور سیرت میں بین فرق لازمی ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ سیرت میں آنحضورؐ کے اخلاق و عادات، طرز تمدن، طریق معاشرت اور غزوات سامنے رہتے ہیں۔ لیکن احادیث میں ان کے علاوہ اور تمام چھوٹی چھوٹی مختلف چیزیں بھی ہوتی ہیں مثلاً نماز کے مسائل روزے کے فضائل۔ حج و زکوٰۃ کی فضیلتیں۔ آیات قرآنی کی تفاسیر۔ ازواج مطہرات کے پاس نشست و برخاست کے اوقات وغیرہ اور بہت سی چیزیں ہوتی ہیں۔ اس لئے سیرت نگاری اور تدوین احادیث دونوں الگ الگ فن ہیں

بہرکیف جو چیز ہم قارئین کرام کے گوش گزار کرنا چاہتے ہیں وہ یہی ہے کہ صحاح اور سیرت کو برابر نہ سمجھنا چاہیے۔ تاہم ساتھ ہی یہ بھی عرض کرنا ضرور ہے کہ چونکہ متقدمین اور بعض متاخرین کی کتب سیر میں موضوع اور منکر روایات سے اجتناب کیا گیا ہے لہذا کتب سیرت کو معاذ اللہ قصہ کہانی نہ بنانا چاہیے۔ مانا کہ صحاح کے علاوہ ان میں ضعیف احادیث اور معتبر تاریخ سے بھی کام لیا گیا ہے تاہم ضعیف احادیث کو بھی ناقابل عمل سمجھنے سے انسان علمائے حق کے نزدیک گناہگار ہوتا ہے۔ اور پھر جب تمام علماء نے سیرۃ النبی میں اس بات کا ضرور لحاظ رکھا ہے کہ ضعیف اور صحیح ہر قسم کی احادیث سیرۃ النبیؐ میں لکھ دینی چاہئیں تو ہمیں اُن مقدس نفوس کی مخالفت کی کس طرح جرأت ہو سکتی ہے۔ شاید آپ یہ خیال فرمائیں کہ ہم اس مسئلہ میں محض کوری باتوں سے کام لے رہے ہیں۔ مگر نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔ حافظ زین الدین عراقی (جو علامہ ابن حجرؒ) کے استاد تھے) سیرۃ نبیؐ میں لکھتے ہیں ؎

وَلْيَعْلَمِ الطَّالِبُ اَنَّ السِّيَرَا ۔۔۔ يَجْمَعُ مَا صَحَّ وَمَا قَدْ اُنْكِرَا

یعنی طلبگار فن کو معلوم ہونا چاہیے کہ سیرۃ میں ہر قسم کی روایات منقول ہوتی ہیں۔ صحیح بھی اور غیر صحیح بھی۔

اب تو یہ امر متحقق ہو گیا کہ بڑے بڑے علماء نے بھی ضعیف روایات نقل کی ہیں ہم چاہتے تھے کہ قارئین کرام کو اُن محترم علماء کے کسی قدر حالات اور فضائل سے آگاہ کر دیں لیکن طوالت کے خوف اور اپنے وقت کی کمی کی وجہ سے ہم اس حصہ میں کچھ نہ لکھ سکیں گے تاہم کسی دوسرے حصہ میں مقامات مناسب پر ہم ان پاک طینت اور نیک نفس علماء کی مختصر سیرۃ قارئین کرام کے گوش گزار کریں گے۔ اور وہ حالات انشاء اللہ خالی از دلچسپی نہ ہونگے۔

بہرکیف۔ جب ہمارے مقتدا اور پیشوا قابلِ قدر و منزلت علماء کا اجماع اسی

طرف ہے کہ سیرۃ النبیؐ میں صحیح اور ضعیف ہر قسم کی احادیث زیب صفحات ہوتی ہیں۔ تو کسی کو ہمارے خیال میں یہ کہنے کا حق نہیں کہ صرف صحاح ستہ سے سیرۃ النبیؐ میں کام لینا چاہیے۔ اس لئے بھی کہ جن حضرات نے اس قسم کا دعویٰ کیا ہے۔ ان کو بھی ضعیف احادیث اور تاریخ سے کام لینا ہی پڑا ہے۔

اس گزارش سے ہماری غرض یہ ہے کہ موضوع اور منکر احادیث تو سیرۃ النبیؐ میں ہرگز درج نہیں کرنی چاہیے۔ مگر ضعیف احادیث اور خصوصاً کتب تاریخ جن میں صحیح اور ضعیف ہر قسم کی احادیث ملتی ہیں۔ ان سے ضرور کام لینا چاہیے۔

لہٰذا ہم نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور بڑے بڑے علماء کی مستند کتب سے بھی اس سیرت میں کام لیا ہے۔ جن کی فہرست پیش کی جا چکی ہے۔

ایک اور گذارش

یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے جس وقت یہ مبارک کتاب لکھنی شروع کی تھی وہ وقت بھی بڑا مبارک اور نہایت سعید وقت تھا۔ صبح کی نماز کے بعد کا نورانی وقت تھا دوشنبہ کا مقدس دن اور صفر المظفر کی ۱۴ تاریخ میں چاہتا تھا کہ ربیع الاول کے مبارک مہینہ میں یہ مبارک کتاب قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہو لیکن اس قدر کم وقت میں اتنی ضخیم کتاب لکھنا اور پھر دوسری کتابوں کا مطالعہ بھی کرنا یہ دونوں کام کچھ آسان نہ تھے پھر بھی میں نے کوشش جاری رکھی اگرچہ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ میں یہ کتاب ختم نہ ہو سکی لیکن اتنا ضرور ہوا کہ میں نے ایک مہینہ ۲۷ دن کے قلیل عرصہ میں اس مبارک جلد کو ختم کر دیا ۱۱ ربیع الثانی کو یہ جلد ختم ہو گئی تھی اور اب سے کئی مہینہ قبل یہ کتاب مسلمانوں کے گھروں کا اجالا بن جاتی تاہم کچھ ایسی سخت مصروفیتیں اور مجبوریاں پیش آگئیں کہ میں ختم کرنے کے باوجود بھی "رؤف الرحیم" کی کتابت و طباعت نہ کرا سکا اب بحمد اللہ مجھے سب بکھیڑوں سے نجات مل گئی اور آج ۹ شوال ۱۳۸۸ھ کو بہزار مسرت و انبساط "رؤف رحیم" مطبع بھیج رہا ہوں خدا کرے یہ میری نظر بارگاہ رسالت میں قبول ہو جائے اور مسلمانوں کے دلوں میں اپنا گھر بنائے۔ آمین

تمہید اب آیئے جام ہائے دل میں شوق و ذوق عقیدت و محبت کی شراب طہور لبریز کرتے ہوئے۔ آیئے اور آقائے نامدار ہاں اُس آقائے نامدار کی سیرت ملاحظہ فرمایئے جس کا نور آفتاب کی طرح چمکا اور تمام دنیا کو اپنی ضیا پاشیوں سے منور کر دیا۔ بلکہ آفتاب تو ایک حد پر پہنچنے کے بعد اپنی تابش و حرارت میں کم ہوتے ہوتے غروب ہو جاتا ہے۔ اور تمام رات دنیا والوں کی آنکھوں سے اوجھل ہی نہیں رہتا بلکہ اُنہیں فائدہ بھی نہیں پہنچا سکتا۔ لیکن آفتاب رسالت کی شان اُس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى۔ (سورہ والضحیٰ)

یعنی آپ کی ہر پچھلی گھڑی کا مرتبہ پہلی گھڑی کے مرتبہ سے افضل و اعلیٰ ہے۔ آپ کے مزار مقدس میں تشریف لے جانے کے بعد بھی آپ کے نور کا انعکاس دنیا میں پھیلتا رہا۔ اور پھیلتا رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں کچھ نہ کچھ اس شمع جمال (محمدیؐ) کے پروانے اور اُس رُخ پر نور کے دیوانے نہ ملجائیں جس کا نور آفتاب و مہتاب سے کہیں افضل ہے اور جس کی شان میں سراجاً منیرا (یعنی روشن چراغ) کا ارشاد ہوا ہے۔

تفسیر روح المعانی۔ تفسیر مدارک۔ تفسیر کبیر میں چراغ سے مراد آفتاب ہے جیسا اس آیت سے ظاہر ہے۔ وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا۔ بے شک آپ کے نور کے سامنے آفتاب و مہتاب ہیچ ہیں۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ اللہ نے تو صرف آفتاب فرمایا ہے پھر آپ کا نور اُس سے افضل کس طرح ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ یہ کلیہ ہے کہ انسان کی سمجھ میں بغیر مثال کوئی بات اچھی طرح نہیں آسکتی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مثال کے طور پر آپ کے نور کو آفتاب سے تشبیہ دی ہے۔ ورنہ آپ کا نور اس مادی آفتاب سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے اگر آفتاب سے زیادہ روشن کوئی چیز ہمارے سامنے ہوتی تو حق تعالیٰ نور محمدیؐ کو اُس سے مثال دیتا۔

جس کے مبارک نُور نے چاند سورج کو ہیچ کر دیا۔ ہاں اُسی آقائے نامدار کی سیرت سے اپنے دل و دماغ منور کرنے کے لئے آیئے اور رؤف رحیم کا پہلا حصہ ملاحظہ فرمایئے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔

حمد باری

جلوت میں ہے جو عیاں وہ تو ہے
خلوت میں ہے جو نہاں وہ تو ہے

ہر نقش میں ہے تری نشانی
جس کا نہیں کچھ نشاں وہ تو ہے

بے حرف و زباں بتائے جس نے
صد معنیٔ کن فکاں وہ تو ہے

کیونکر نہ ہو جان سب کو پیاری
ہے جس پہ گمانِ جاں وہ تو ہے

کہنے کی ہے بات لامکانی
ہے وہ جو جہاں تہاں وہ تو ہے

یہ بھید بھی جان دے کے جانا
کہئے جسے جانستاں وہ تو ہے

دی تو نے زبان کو طاقتِ حمد
بخشی جس نے زباں وہ تو ہے

ہر جان میں دل میں رگ میں ہے تو
عالم سے نہاں ہے جگ میں ہے تو

گلشن میں ہے گل تو گل میں ہے بُو
عالم میں چمن چمن میں ہے جو

گردن میں رہا تو ہار بنکر
گر سر پہ چڑھا تو ہو کے گیسو

ہے دل میں نہاں تو طاقتِ دل
گر ہاتھ میں ہے تو زورِ بازو

پہلو میں کسک۔ کسک میں لذت
پُتلی میں نظر۔ نظر میں جادو

روئے تو نقاب برکشادہ
صد برق زدہ عالم ہو

ہر چار طرف توئی توئی ہو
گر چاک ہو پردۂ من و تو

دستِ موسیٰ! دمِ مسیحا
بدلے تو نے ہزار پہلو

ہر روز نئی ہے شان تیری
ہر آن جدا ہے آن تیری

نعت رسالت پناہی

پنہاں ہے قطرے تیری حکمت — وحدت سے عیاں ہوئی جو کثرت
کثرت نے کیا خلاف باہم — ہر قوم نے لی جدید ملت
معبود بنا لئے بہت سے — بدعت ہوئی شرک شرک بدعت
محکوم تھا کوئی نفس بد کا — شیطان نے کی کسی کی دُرگت
جب پھیل گیا جہاں میں عصیاں — بے پردہ ہوئی گنہ کی صورت
دنیا میں نبی وہ تو نے بھیجا — تھی رحمتِ عام جس کی بعثت
وہ فخرِ رسل وہ ہادیٔ کُل — وہ صاحبِ مصحف و شریعت

در دیدہ کشم غبارِ راہش
جانِ من و تو نثارِ راہش

پھر ملّتِ حق نے پائی رونق — قَدْ جَاءَ رَسُوْلُنَا مَعَ الْحَقِّ
ہر علم کو وہ علاقہ جس سے — مصدر سے ہے جو نظامِ مشتق
تعلیم وہ دی کہ جس کے ہوتے — تعلیمِ زمانہ جہلِ مطلق
وہ بات بتائی جس کے باعث — بوزید پہ طعنہ زن ہو ہنبق
ہمت کے قدم سے کر دیئے طے — میدان بڑے بڑے لق ودق
اُنگلی سے ہوا قمر دوپارہ — کفار کا سینہ ہو گیا شق
سیدھی وہ بتائی چال ہم کو — ہو جس سے وزیر چل کے بیدق

ہر کام کو نیک کر دیا تھا
اسلام کو ایک کر دیا تھا

پہلا باب

نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ یَّھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِہٖ وَیَھْدِیْھِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

(لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس نور یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید آچکا ہے جو لوگ خدا کی مرضی کے طلبگار ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے سلامتی کی راہ دکھاتا ہے اور اندھیروں سے نکال کر روشنی اور ہدایت کی راہ پر لاتا ہے۔)

تفسیر ابو سعود۔ فتح البیان اور تفسیر غرائب القرآن نیشاپوری میں مرقوم ہے کہ اس آیت مبارک میں نور سے مراد ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

فی الحقیقت یہی نور وہ نور ہے جس نے دنیا کی ایک ایک شے اور کائنات کا ہر ہر ذرہ روشن کر دیا چنانچہ اسی نور کا انعکاس جب حبش میں پہنچا تو نجاشی جیسا زردست اور اہل دل بادشاہ غاشیۂ حکم کو دوش ہوش پر رکھکر مثل غلامانِ کمترین بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ ترین خادم بن گیا۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔

اور جب آفتابِ رسالت کی ضیا فارس میں پہنچی تو سلمانِ فارسی جیسے رئیس زادے کو کشاں کشاں دربارِ نبوت میں لے ہی آئی۔ اگرچہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو بڑے بڑے دشوار گزار مراحل طے کرنے پڑے۔

تاہم شوقِ زیارت میں اس قدر بیتاب ہوئے کہ سخت مصائب و شدائد خوشی خوشی جھیلے اور آخر کار بہ ہزار دقت ایک دن حضور پر نور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔

(جن کے تفصیلی حالات انشاء اللہ کسی اور مقام پر پیش کئے جائیں گے)

جب آفتابِ رسالت کی نور پاش شعاعیں روم میں پہنچیں تو صہیب رومی جیسی جلیل القدر ہستی کو روم ایک آنکھ نہ بھایا۔ اگرچہ خارِ وطن ملک سلیمان سے بہتر ہوتا ہے۔ تاہم ان کو گلہائے وطن بدتر از خار معلوم ہونے لگے اور انہوں نے اپنے شان دار پُر بہار ملک پر لات مار کر چاکرانِ حلقہ بگوش کی مانند درِ دولتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر قربتِ رسالت کا شاندار فخر حاصل کر لیا۔

اللہ اللہ! نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بھی کس قدر اعلیٰ و ارفع ہے ؎

شمع رکھو اس طرف نورِ پیمبرؐ اس طرف
پھر یہ دیکھو دوڑ کر کس پر گرے پروانہ آج

شمعِ جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے چہار جانب سے جوق در جوق آئے اور شرفِ غلامی حاصل کر کے دولتِ کونین حاصل کر لی ؎

ابوہریرہؓ جن کو فرماتے ہیں بہتر چاند سے — ہاتھ لگ جائے الٰہی اُن کی دربانی مجھے
بھیک کا پیالہ بنا لوں راہ طیبہ کے لئے — کاش مل جائے کہیں اک تاجِ سلطانی مجھے

پھر یہی نہیں ہوا کہ روم سے صرف صہیبؓ رومی ہی آئے ہوں بلکہ ہرقل اعظم" بادشاہِ روم بھی دل و جان سے محبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو گیا تھا۔ جیسا کہ اس کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے اگر مجھے اپنی قوم کا یہ ڈر نہ ہوتا کہ وہ مجھے مار ڈالیگی تو میں بارگاہِ رسالت میں پہنچکر شرفِ غلامی حاصل کرتا"

رواہ بخاری عن ابوسفیانؓ قارئین کرام کی مزید معلومات کے لئے پوری روایت

یہاں نقل کی جاتی ہے۔

صحیح بخاری۔ ابوسفیانؓ بن حرب نے حضرت ابن عباسؓ سے ذکر کیا کہ ہرقل اعظم روم کے بادشاہ نے ان کے پاس ایک شخص کو بھیجا وہ اس وقت قریش کے چند سواروں میں بیٹھے تھے اور وہ لوگ شام میں تاجرانہ حیثیت سے گئے تھے (یہ واقعہ اُس زمانے کا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیانؓ اور دیگر کفار قریش سے ایک محدود عہد فرمایا تھا)

بہرکیف تمام قریش ہرقل کے سامنے پیش ہوئے (اور یہ لوگ اس وقت بیت المقدس میں تھے) جب یہ لوگ ہرقل کے دربار میں پہنچائے گئے۔ ہرقل کا دربار تمام سرداران روم سے آراستہ تھا۔ ہرقل نے قریش کو قریب بلایا اور ساتھ ہی اپنے ترجمان کو طلب کرکے اُن سے یوں گفتگو شروع کردی۔ تم لوگوں میں سب سے زیادہ اس شخص کا قریب النسب کون ہے جس نے دعوئے نبوت کیا ہے۔ (ابوسفیان فرماتے ہیں) میں نے کہا میں ان سب سے زیادہ اُن کا قریب النسب ہوں تو ہرقل نے کہا ابوسفیان کو مجھ سے زیادہ قریب کردو۔ اور اس کے ساتھیوں کو بھی پاس پاس رکھو مگر ان کو ابوسفیانؓ کے پس پشت کھڑا کردو۔ پھر اپنے ترجمان سے کہا تم ان لوگوں سے کہو میں ابوسفیان سے اُس شخص کا حال پوچھتا ہوں جس نے دعوئے نبوت کیا ہے۔ لہٰذا اگر یہ غلط بیانی سے کام لے تو تم فوراً اس کی تکذیب کردینا۔ جواب میں سب نے اظہار اطاعت کیا۔ ابوسفیان فرماتے ہیں۔ اللہ کی قسم اگر مجھے اس کی غیرت نہ ہوتی کہ لوگ مجھے جھوٹا کہیں گے تو میں آپ کی نسبت غلط بیانی سے کام لیتا الغرض میرے اور ہرقل کے درمیان یوں سوال وجواب ہوئے۔

ہرقل۔ اُس مدعیٔ نبوت کا نسب تم سب میں کیسا ہے؟

میں۔ وہ ہم سب میں بہت بڑے حسب ونسب والے ہیں۔

ہرقل۔ کیا تم میں ان سے پہلے بھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟

میں۔ کبھی نہیں۔

ہرقل۔ کیا اُن کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

میں۔ کوئی نہیں۔

ہرقل۔ دولت مندوں نے ان کی پیروی کی ہے یا مفلسوں نے؟

میں۔ مفلسوں اور کمزوروں نے۔

ہرقل۔ کیا اُن کے پیرو روز بروز زیادہ ہوتے جاتے ہیں؟

میں۔ اُن کے متبعین کی جماعت روز افزوں ترقی کرتی جارہی ہے۔

ہرقل۔ کیا اُن پر ایمان لانے والوں میں کوئی اُن سے منحرف بھی ہوجاتا ہے؟

میں۔ نہیں۔

ہرقل۔ کیا وہ کبھی وعدہ خلافی بھی کرتے ہیں؟

میں۔ ہرگز نہیں۔ مگر اب ہم اُنکی مہلت میں ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ وہ اس مہلت کے زمانے میں کیا طرزِ عمل اختیار کریں گے۔ وعدہ خلافی یا وعدہ وفائی۔ (ابوسفیانؓ فرماتے ہیں کہ سوائے اس بات کے میرا بس نہ چلا کہ میں کوئی اور غلط بات آپ کے حالات میں شامل کردیتا)

ہرقل۔ کیا تم نے کبھی اُن سے جنگ کی ہے؟

میں۔ ہاں کی ہے۔

ہرقل۔ تو تمہارا مقابلہ ان سے کیسا رہا۔

میں۔ ہماری اُن کی لڑائی ایک ڈول کی مانند رہی ہے کبھی ہم اُن سے لے لیتے ہیں۔ اور کبھی وہ ہم سے یعنی کبھی ہم فتحیاب ہوجاتے ہیں اور کبھی وہ۔

ہرقل۔ وہ تمہیں کن کن کاموں کا حکم دیتے ہیں؟

میں۔ صرف اکیلے اللہ کی عبادت کرنے اُس کے ساتھ اور اُس کی عبادت میں کسی غیر کو شریک نہ کرنے کا اور وہ کہتے ہیں کہ وہ تمام شرک جو تمہارے آباؤ اجداد کرتے تھے۔

چھوڑ دو۔ اور وہ ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے، پرہیزگار رہنے اور صلہ رحمی کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ (جب ترجمان کی وساطت سے ان سوالات کے جواب ہرقل کو مل گئے تو اُس نے پھر ترجمان کی معرفت ابوسفیان سے ذیل کی گفتگو شروع کر دی) یعنی جو سوالات ابوسفیان سے کئے تھے اُن کے متعلق اپنی رائے کا اظہار اس طرح کیا۔

ہرقل (۱) تم بیان کرتے ہو کہ وہ تم سب میں عالی نسب ہیں تو تمام پیغمبر اسی طرح اپنی قوم میں عالی نسب مبعوث ہوتے ہیں۔

(۲) جب میرے پوچھنے پر تم نے کہا کہ ان کے سوا ہم میں سے کسی نے نبوت کا دعوے نہیں کیا۔ تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا تھا کہ اگر یہ لوگ ہاں کہیں گے تو میں سمجھوں گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ شخص ہیں جو اُس ہی بات کی تصدیق کرتے ہیں جو ان سے پہلے کہی جا چکی ہے

(۳) جب میں نے تم سے پوچھا کہ ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ تھا اور تم نے کہا نہیں۔ لہٰذا میں نے دل میں سوچا تھا کہ اگر ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گزرا ہوگا تو میں کہہ دوں گا وہ ایسے شخص ہیں جو اس طریقے سے اپنے باپ کا ملک حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

(۴) اور جب میں نے تم سے سوال کیا کہ کیا وہ دعوے نبوت سے پہلے کبھی جھوٹ بولے تھے تو تم نے کہا نہیں۔ اب میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہو سکتا جو بندوں پر جھوٹ بولنا چھوڑ دے اور اللہ پر جھوٹ باندھے۔

(۵) اور میں نے جب یہ سوال کیا کہ بڑے لوگوں نے ان کی پیروی کی ہے یا کمزوروں نے تو تم نے کہا کہ کمزوروں نے۔ اور فی الحقیقت جملہ پیغمبروں کے پیرو ابتدا میں ایسے ہی لوگ ہوا کرتے ہیں۔

(۶) اور جب میں نے پوچھا کہ ان کے اطاعت گزار روز بروز زیادہ ہو رہے ہیں یا کم تو تم نے کہا کہ کم ہرگز نہیں ہوتے بلکہ ان کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا ہے

تو در اصل ایمان کی یہی کیفیت ہے۔ یہاں تک کہ کمال کو پہنچ جائے۔

(۷) اور میں نے جو پوچھا کہ کیا اُن کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص اُن کے دین سے پھر بھی جاتا ہے۔ تو تم نے کہا نہیں۔ تو واقعی ایمان کی شان ایسی ہی ہے جب اُس کا نور اور مسرت دلوں میں لبریز ہو جائے۔

(۸) اور میں نے دریافت کیا تھا کہ کیا وہ کبھی وعدہ خلافی بھی کرتے ہیں تو تم نے جواب دیا کہ نہیں۔ اور حقیقت یہی ہے کہ تمام پیغمبر اسی طرح کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے

(۹) اور جب میں نے سوال کیا کہ وہ تمہیں کس بات کا حکم دیتے ہیں تو تم نے کہا کہ وہ تمہیں صرف اللہ کی پرستش کرنے اور اس کی عبادت میں کسی غیر کو شریک نہ کرنے اور بتوں کی پوجا سے باز رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور نماز پڑھنے، سچ بولنے، پرہیزگار رہنے اور صلہ رحمی کرنے کا بھی حکم دیتے ہیں۔ اگر واقعی وہ تمہیں یہی حکم دیتے ہیں اور در اصل تم غلط بیانی سے کام نہیں لے رہے تو وہ ضرور ایک دن میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کے مالک ہو جائیں گے۔ اور بے شک مجھے کتب سابقہ سے علم تھا کہ وہ ظاہر ہونے والے ہیں۔ مگر یہ علم نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہونگے۔ لہٰذا اگر میں جانتا کہ میں اُن سے نیاز حاصل کر سکوں گا۔ تو میں ضرور اُن سے ملنے کا بڑا اہتمام کرتا۔ اور اگر میں اُن کے پاس ہوتا تو یقیناً میں اُن کے پیروں کو دھوتا۔

پھر ہرقل نے کہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس خط جو آپؐ نے داحیہ کلبی کی معرفت والیٔ بصرہ کے پاس بھیجا تھا اور والیٔ بصرہ نے میرے پاس بھیجا ہے اُسے ابھی ابھی میرے سامنے پیش کرو۔ فوراً اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور آقائے نامدار سردار عالم حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک اور مہتم بالشان خط ہرقل نے پڑھوا کر سُنا۔ جو حسب ذیل مضمون سے عبارت تھا:۔

سرورِ عالم صلعم کا نامۂ مبارک بنام قیصرِ روم

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بڑا رحم والا ہے۔
اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بادشاہ روم کی جانب۔ اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کا پیرو ہو۔ اس کے بعد معلوم ہو کہ میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لاؤ گے تو سلامت رہو گے۔ اور اللہ تعالیٰ تم کو دوہرا ثواب دیگا۔ (یعنی مسیح علیہ السلام پر اور مجھ پر ایمان لانے کا) اور اگر تم میری دعوت سے منہ موڑو گے تو بے شک تم پر تمہاری رعایا کے ایمان نہ لانے کا بھی گناہ ہوگا۔ اور اے اہلِ کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے یعنی یہ کہ ہم تم سب خدا کے علاوہ کسی کی پوجا نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور نہ ہم میں کوئی کسی کو سوائے خدا کے پروردگار بنائے) خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اہل کتاب اس سے اعراض کریں تو تم کہہ دو کہ اس بات کے گواہ رہو کہ ہم خدا کی اطاعت کرنے والے ہیں۔"

ابوسفیان رضؓ کہتے ہیں کہ جب ہرقل جو کہنا چاہتا تھا کہہ چکا اور حضورؐ کا مبارک نامہ سن چکا تو اس کے دربار میں ایک شور بلند ہوا۔ اور آوازیں بلند ہو جانے کے ساتھ ہی ہم لوگ وہاں سے نکال دیئے گئے۔ جب ہم لوگ کھلی فضا میں پہنچے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو ابوکبشہ کے بیٹے محمد الرسول اللہ صلعم کا کام ایسا بڑھ گیا ہے کہ ان سے بنی اصفر (روم کا بادشاہ) خوف رکھتا ہے۔ لہٰذا میں ہمیشہ اس کا متیقن رہا کہ وہ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) عنقریب غالب ہو جائیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام میں داخل فرما دیا۔

ابن ناطورا ایلیا کا حاکم اور ہرقل شام کے نصرانیوں کا بادشاہ تھا۔ اس

واقعہ کے بعد یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ہرقل جب انطیا میں آیا تو ایک دن صبح کو بہت پریشان خاطر اُٹھا۔ اُس کی یہ پریشانی دیکھکر چند خاص مصاحبوں نے کہا۔ اس وقت آئینہ دار پر گرد ملال کیوں ہے؟ (ابن ناظورا کا قول ہے کہ ہرقل ایک بہت بڑا کاہن تھا۔ علم نجوم میں بھی ماہر تھا)

ہرقل ۔ میں نے شب گذشتہ جب نجوم دیکھی تو معلوم ہوا کہ ختنہ کرنے والا بادشاہ سب پر غالب ہوگیا۔ لہٰذا دیکھنا چاہیئے کہ اس زمانہ میں ختنہ کون کراتا ہے؟

مصاحب ۔ یہود کے سوا کوئی ختنہ نہیں کراتا۔ مگر یہود کی طرف سے آپ اندیشہ نہ کریں اور اپنی تمام قلمرو میں لکھ بھیجیں کہ جتنے یہود وہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں وہ لوگ انہیں تدابیر میں تھے کہ ہرقل کے پاس ایک شخص لایا گیا جسے غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر بیان کرتا تھا۔ جب ہرقل نے اُس سے آپ کے متعلق حالات سُنے تو لوگوں سے کہا دیکھو یہ ختنے کئے ہوئے ہے کہ نہیں؟ جب یہ معلوم ہوا کہ یہ ختنہ شدہ ہے تو اُس سے پوچھا۔

ہرقل ۔ کیا عرب میں ختنہ کرنے کا رواج ہے؟

شخص ہاں تمام عرب ختنہ کراتا ہے۔

ہرقل ۔ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس زمانہ کے بادشاہ ہیں جو ظاہر ہو گئے۔

پھر ہرقل نے اپنے ایک دوست کو رومہ میں یہ سب حال لکھکر بھیجا جو علم نجوم میں اس کا ہم پایہ تھا۔

اس کے بعد ہرقل حمص کی جانب روانہ ہوگیا۔ حمص ہی میں اُس کے دوست کا خط اُس کے جواب میں آگیا۔ وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق ہرقل کا بالکل ہمخیال تھا۔ اور یہی اُس نے بھی لکھا تھا کہ وہ نبی ہیں۔

دوسرے دن ہرقل نے اپنے تمام سرداروں کو محل شاہی میں جمع کیا اور حکم دیا

کہ محل کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ اس کے بعد ہرقل اپنے قصر سے باہر آیا۔ اور اس طرح تقریر شروع کی۔

ہرقل۔ اے بہادر سردارو! اے سلطنت کے جان نثارو! اور اے روم کے باشندو! کیا ہدایت اور کامیابی میں کچھ تمہارا بھی حصہ ہے؟ اور کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری سلطنت نہ صرف قائم ہی رہے بلکہ اس کا جاہ و جلال ترقی کر جائے! اگر تمہاری یہ تمنا ہو تو اس نبی عربی محمدؐ الرسول اللہ صلعم کی بیعت کر لو۔ یہ سنتے ہی وہ لوگ وحشی درندوں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگے مگر کواڑ بند پائے۔ بالآخر جب ہرقل نے ان کی نفرت اس درجہ دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا تو کہا ان سب کو میرے قریب لاؤ۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی تو

ہرقل۔ میں نے ابھی ابھی جو کچھ تم سے کہا اس سے میرا مقصد تمہارا امتحان لینا تھا میں دیکھنا چاہتا تھا کہ تم اپنے دین میں مضبوط ہو یا نہیں۔ لہٰذا مجھے معلوم ہو گیا کہ تم پکے دیندار ہو (ہرقل نے یہ محض جھوٹ کہا تھا اور اس لئے کہا تھا کہ اسے ان لوگوں سے اپنی جان کا قوی اندیشہ تھا۔ ورنہ سچی بات وہی تھی جو پہلے کہی گئی)

لوگ یہ سن کر ہرقل سے خوش ہوئے اسے سجدہ کیا اور خصمت ہو کر اپنے مکان کو چلے گئے۔ لہٰذا ہرقل کی آخری حالت یہی رہی۔

ابو عبداللہ کہتے ہیں کہ اس روایت کو شعیب کے علاوہ صالح بن کیسان یونس اور معمر نے بھی زہری سے روایت کیا ہے

نوٹ چونکہ طویل احادیث و روایات کے صرف ترجمے ہی حوالۂ قلم کئے جائیں گے اس لئے روایت مذکورہ بالا کی عربی عبارت نہیں لکھی گئی۔ اور اس چیز کا سبب کرنے والا صرف خیال طوالت ہے۔ مختصر آیات و احادیث و روایات کی عربی عبارت ضرور زیب قرطاس ہو گی۔

بہرکیف قارئین کرام پر روشن ہوگیا ہوگا کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا انعکاس کہاں تک پہنچا۔ اور کس طرح ہر قلب کو شمع جمالِ محمدی کا پروانہ بنالیا تھا۔ اگر اُس پر خوفِ جان غالب نہ ہوجاتا تو وہ ضرور حضور محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف حاصل کرلیتا۔ بہرصورت اطراف وجوانب سے لوگ شوق کے قدموں سے چل کر بصد عقیدت ومحبت سردارِ دوجہان فخرِ دوعالم حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور صحابہ کے شاندار خلعت سے ممتاز ہوگئے جن کی شان میں ارشاد نبوی ہے جس نے ان سے محبت کی گویا مجھ سے محبت کی اور خدا سے محبت کی اور جس نے ان سے دشمنی کی گویا مجھ سے دشمنی کی اور خدا سے دشمنی کی۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ بارگاہِ رسالت میں پہنچنے والوں کو کتنا جلیل القدر مرتبہ مرحمت ہوا۔ (صحابہ کرام کے بیشمار فضائل ہیں جو ہم انشاء اللہ کسی مناسب موقعہ پر عرض کریں گے)

اس وقت تو ہمیں یہ دکھانا ہے کہ آقائے نامدار کے نور کی شعاعوں نے پھیل پھیل کر انجام کار فارس وروم وغیرہ بلاد کو اپنے زیرنگین بنالیا۔ کیوں نہ ہو یہ نور وہ نور ہے جس کے متعلق مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ کا ارشاد ہوا ہے۔ بیشک یہ نور اللہ تعالیٰ ہی کے نور سے ہے۔

اس تمہید کے بعد ملاحظہ فرمائیے کہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے کب اور کس وقت پیدا فرمایا۔

مواہب لدنیہ زرقانی شرح مواہب۔ تاریخ الخمیس تاریخ انس الجلیل عن جابر رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا۔)

ہاں اس وقت جب زمین۔ آسمان۔ انسان۔ حیوان۔ جنات۔ فرشتے۔ حورین

غلمان۔ عرش۔ کرسی۔ لوح۔ قلم۔ جنت اور دوزخ وغیرہ میں سے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ ہاں اس وقت جب ذات باری کے سوا مادیت یا روحانیت سے متعلق کسی شئے کا بھی وجود نہ تھا۔ وہی وہ تھا۔ اور صرف اسی کا جلوہ تھا۔ جب حق تبارک وتعالیٰ شانہ نے اپنے نور ہاں اس نور کی طرف مخاطب ہوکر جس کی وسعت لامتناہی ہے اور جس کا اندازہ ذات باری کے سوا اور کوئی نہیں لگا سکتا۔ ہاں اسی نور کے ایک ٹکڑے سے ارشاد ہوا۔

اَیُّھَا النُّوْرُ کُنْ مُحَمَّدٌ (اے نور تو محمد ہو جا) ۵

کرسی و عرش و لوح و قلم ماہ و آفتاب — حوا و آدم و ملک و انجم و سحاب
فردوس و کوثر و ارم و موقف حجاب — بالا و پست و آتش و خاک و ہوا و آب

ان سب سے پہلے خلق ہوا مصطفےٰ کا نور
ہر نور سے فزوں ہے رسول خدا کا نور

جب ہی تو ایک اہل دل شاعر نے کہا ہے ۵

آسماں خوان زمیں خوان زمانہ مہماں
صاحب خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا

(۲) مواہب لدنیہ۔ عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابرؓ ابن عبداللہ انصاری نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھ کو خبر دیجئے کہ جملہ اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کونسی شے پیدا فرمائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے جابرؓ! سب سے پہلے خدائے برتر نے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ پھر وہ نور جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا۔ اور اس وقت لوح تھی نہ قلم۔ بہشت تھی نہ دوزخ۔ فرشتے تھے نہ آسمان تھا نہ زمین۔ سورج تھا نہ چاند جن تھے اور نہ انسان کچھ بھی نہ تھا۔ جب تیرے نبی کا نور اللہ کی حمد بجا لا رہا تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا۔ تو اس نور کے چار حصے فرمائے اور ایک حصے سے قلم دوسرے سے لوح تیسرے سے عرش بنایا اور چوتھے کے پھر چار حصے کئے۔ اسی طرح جملہ اشیاء کو مثلاً زمین۔ آسمان۔ جنت دوزخ۔ فرشتے۔ حوریں۔ غلمان اور مسلمانوں کے دلوں اور تمام جہان والوں کی آنکھوں کا نور وغیرہ پیدا فرمایا۔ یہ طویل حدیث سے ملخص ہے۔ ع

وصلی اللہ علیٰ نورٍ کز و شد نور ہا پیدا

ان دونوں احادیث کے مطالعہ سے قارئین کرام کو بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سب سے مقدم اور سب سے اعلیٰ ہے۔ حق تبارک و تعالیٰ نے جو کام یکے بعد دیگرے جملہ انبیاء کے سپرد فرمایا تھا۔ اس میں سب سے زیادہ کامیاب آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوئے

مثال ایک بادشاہ چاہتا ہے کہ میرے جنت نظیر باغ کے پھولوں کی خوشبو موسم خزاں میں بھی باقی رہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے وہ ایک مالی بھیجتا ہے جو اس باغ ارم کی حفاظت اور آبیاری وغیرہ میں مصروف ہو جاتا ہے جب تک وہ باغبان باغ میں رہتا ہے غنچوں کی چٹک اور پھولوں کی مہک سے ایک عالم کا مشام جان معطر معنبر اور پرکیف رہتا ہے لیکن جب مالی اس پر بہار گلشن سے بزبان حال کہتا ہوا سدھارتا ہے ؎

کاروانِ رنگ و بو گلشن سے رخصت ہو گیا
ہو گیا برخاست ماہر جلسۂ عام بہار

تو باغبان کے جاتے ہی وہ پر بہار باغ بدتر از خار ہو جاتا ہے۔ پتے کف افسوس ملتے ہیں۔ پھول کملا جاتے ہیں۔ اور بادِ خزاں کے ایک ہی جھونکے سے انکی پتیاں زمین پر مثل اوراق پریشان بکھر جاتی ہیں مثل مشہور ہے کہ دولہا کے سر سہرا ہوتا ہے جب دولہا ہی نہیں تو برات کہاں! بس گلہائے گلشن کے مرجھاتے ہی آناً فاناً تمام

وہ خوشنما منظر غم والم کی سیاہی سے مبدل ہو جاتا ہے جب گلہائے تر ہی جو ساری باغ کی جان تھے ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے تو بھلا بلبل کس طرح بے قرار نہ ہو۔ کیوں اپنے عاشق کے فراق میں اس کی آنکھوں سے آنسو نہ بہنے لگیں ؎

یہ وداعِ فصلِ گل یہ بلبلوں کی بے بسی
کس سے دیکھے جائیں حشر انگیز انجامِ بہار

جب گلوں کی شگفتگی اور درختوں کی شادابی ہی نہ رہی تو بلبلوں کی نغمہ سنجی۔ نوجوانانِ چمن کا اکڑنا۔ اور طیور کی خوش الحانی کہاں باقی رہ سکتی ہے ؎

دشمن بھی اپنے دوست سے یارب جدا نہ ہو — نا آشنا کو بھی الم آشنا نہ ہو
صد چاک ہو وہ دل کہ جو درد آشنا نہ ہو — پھوٹے وہ آنکھ جس سے کہ آنسو بہا نہ ہو

اس باغ پر فضا کے اجڑتے ہی بے رحم صیاد باغ کے تمام طیور ایک ایک کر کے پکڑ لے جاتا ہے۔ بالفرض اگر کچھ رہے بھی تو سرنگوں فراقِ بہار میں کلیجہ خون اب ان کی نغمہ سرائی انسانی دل ودماغ کس طرح مسرور کر سکتی ہے جب نوحۂ غم والم کا دور ہو۔ اُف آناً فاناً کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ مگر صد ہزار افسوس انسان ان عبرتناک اسباق سے سبق نہیں لیتا ؎

تیرے نخلِ زیست پر بھی غافل آئے گی خزاں
دیں ہیں عبرت دے رہا ہے تجھکو انجامِ بہار

اس خزاں بھرے عالم میں عندلیبانِ خوش نوا کی زبان پر بزبانِ حال اس مفہوم کے اشعار جاری ہو جائیں تو بجا ہے ؎

ہو گئے رخصت برنگِ صبح ایامِ بہار — اب مری آنکھوں میں ہے رنگینیٔ شامِ بہار
شامِ گلشن سوگوار آئی ہے پرسے کے لئے — مر گیا ہے دشت میں کیا کوئی ناکامِ بہار
جب باغ میں صدائے بوم کے سوا — کچھ سنائی ہی نہیں دیتا تو بادشاہ

اور بہت سے باغبان یکے بعد دیگرے بھیجتا ہے جن کے آتے ہی باغ کا وہی پہلا دور شروع ہو جاتا ہے اور ایک عرصہ تک پوری بہار اور کیفیت کے ساتھ رہتا ہے۔ وہی گلوں کا مسکرانا بلبلوں کا گل کے پہلو میں بیٹھکر چہچہانا۔ پتوں کا مسرت بھرے جوش سے تالیاں بجانا۔ اس بہار افزا عالم میں طیور کی زبان پر اس مفہوم کے اشعار جاری ہو جاتے ہوں تو درست ہے ؎

پھر چلے سوئے گلستان بادہ آشام بہار — یہ سُنا ہے ابر پھر لایا ہے پیغام بہار
دشت و گلشن برگ گل میں جان تازہ آگئی — کس قدر معجز نما ہوتا ہے پیغام بہار
آئیگا کس کام پھر گلزار میں انبار گل — جھولیاں بھر بھر کے ہو تقسیم انعام بہار

وہی عنبر افشاں شمیم وہی گلوں کی عطریت وہی درختوں کا نکھار اور تمام باغ پر وہی بہار آجاتی ہے۔ گل اندام نکہت اسی طرح آب شبنم سے گلوں کا منہ دھلاتی ہے۔ باغ کے ہر گوشے۔ ہر ذرہ اور ہر پتے کی زبان پر صدائے مبارکباد بلند ہو جاتی ہو تو صحیح۔ تاہم باغبان کے بوئے گل کی طرح باغ سے رخصت ہوتے ہی وہی دور خزاں وہی زہر یلا اور گل و بلبل پر بجلی گرا دینے والا موسم آجاتا ہے۔ وہی نسیم جس کے نام کے ساتھ نزاکت لطافت اور حلاوت قدرت نے اُسے ودیعت کر دی ہے ہاں وہی نسیم باد سموم بن جاتی ہے۔ اور وہی نکہت جس میں سرور مسرت۔ اطمینان۔ طراوت وغیرہ کی لہریں موجزن رہا کرتی تھیں۔ اب وہی نکہت باد صرصر سے بھی زیادہ باغ کی دشمن ہو جاتی ہے

حاصل کلام جب بادشاہ نے سوا لاکھ کے قریب باغبان بھیجے اور اُن سے بادشاہ کے خاص مقصد کی پوری تکمیل نہ ہو سکی یعنی باغبان کے رخصت ہوتے ہی خزاں کا دور دورہ ہو گیا۔ اور کسی کے ہوش بجا نہ رہے۔ کہ وہ پھولوں کی خوشبو سے اپنا مشام جان معطر رکھ سکتا۔ تو بادشاہ نے ایک ایسا باغبان جو اُسے دنیا بھر سے پیارا اور زمانے بھر سے عزیز تھا باغ میں بھیجا۔ اس محترم باغباں کا قدم باغ میں آنا تھا کہ تمام

بد جانور درختوں سے اڑ کر سجدے میں گر پڑے۔ آناً فاناً باغ میں ایسی بہار آگئی جیسی اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی تھی۔ ہر شجر مسرت بھرے جوش سے جھومنے لگا۔ ہر برگ و بار اس باغبان کے سلام کے لئے خم ہوا۔ پھولوں میں ایسی عنبر فانی شادابی اور عطریت کی لہریں موجزن ہوگئیں کہ خود اُن کے اپنے دماغ بھی معطر و معنبر ہو گئے۔ تو جوانانِ چمن اس باغبان کے گرد پھرنے لگے بلبل اپنی نغمہ سرائی بھول گئی اور اس باغبان پر ہزار بار نثار ہوئی، عندلیبان خوشنوا اپنی خوش الحانی چھوڑ کر اس باغبان کے مصحفِ رُخ کی بلائیں لینے لگے۔ نسیم عنبر افشاں نے اپنی تمام مسرت، ساری عطریت، باغبان کے قدمِ میمنت لزوم پر نثار کر دی۔ اس باغبان نے باغ میں قدم رکھتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ پھولوں کا عرق کشید کرایا اور اس سے اُن کا جوہر (عطر) کھنچوا کر محفوظ کر لیا۔ اور اس طرح پھولوں کی خوشبو کو خزاں کے زہریلے جھونکوں سے محفوظ کر لیا تو بادشاہ نے باغبان کا یہ عظیم ترین کام دیکھ کر اُسے شاندار انعام اور گران بہا خلعت سے ممتاز فرمایا۔

تتابق۔ بادشاہوں کے بادشاہ شہنشاہوں کے شہنشاہ حق تبارک و تعالیٰ شانہٗ نے گلشنِ اسلام کے قائم رکھنے کے لئے آدم سے لیکر عیسیٰ علیہم السلام تک ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام باغِ عالم میں بھیجے۔ مگر ہوا یہ کہ جب تک وہ محترم اور مقدس ہستیاں دنیا میں رہیں اس وقت تک اسلام کی زور شور سے اشاعت و تبلیغ ہوتی رہی اور خیابانِ دین کے پھولوں کی خوشبو نے ایک عالم کے دماغ مہکا دیئے۔ مگر جب وہ انبیائے کرام دنیا سے تشریف لے گئے تو پھر کچھ عرصہ کے بعد وہی کفر کی بادِ سموم چلنے لگی۔ اور اُسی طرح سارے عالم کو کفر کی ظلمت نے گھیر لیا۔ اور گلشنِ اسلام کے پھولوں کا قدردان کوئی نہ رہا۔ جب یہی صورت ہوئی تو حق تبارک و تعالیٰ نے آقائے نامدار سید المرسلین رحمۃ للعالمین افضل الاولین والآخرین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہان والوں پر مبعوث فرمایا۔ آپ نے تشریف لاکر کفر کی ظلمت دور کی اور آپ کے نور کی شعاعیں تمام عالم میں پھیل گئیں جن کا فیض اب تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

گلشنِ اسلام پر بہار آئی۔ ایسی بہار جو حقیقی طور پر قیامت تک خزاں کی صورت میں تبدیل نہ ہوگی ؎

جب عرب کے چمن سے وہ نورِ خدا ہر طرف اپنا جلوہ دکھانے لگا
کفر غارت ہوا بت گرے ٹوٹ کر منہ پہاڑوں میں شیطاں چھپانے لگا
بدلیاں رحمتوں کی گرجنے لگیں۔ نوبتیں شادمانی کی بجنے لگیں
ہر طرف دین کی فوجیں سجنے لگیں پرچم اسلام کا جگمگانے لگا

دنیا کا ایک ایک ذرہ آپ کی نورانی شعاعوں کے انعکاس سے چمک اٹھا اور گلشنِ رسالت کی خوشبو چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ آپ نے اس خوشبو کے باقی رکھنے کا یہ انتظام فرمایا کہ اصحاب کبار کو حکم ملا۔ تم مجھ سے جو کچھ سنو اُسے محفوظ کرو۔ خدا کے کلام (قرآن مجید) کو ضبطِ تحریر میں لے آؤ۔ اور سینوں میں محفوظ رکھو جو یہ صحیح ہے کہ آپ نے ابتدا میں احادیث کے لکھنے سے منع فرمایا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ تاہم آپ نے یہ ضرور حکم دیا تھا۔ کہ لوگ مجھ سے جو کچھ سنیں اُسے اچھی طرح یاد رکھیں چونکہ عرب کا حافظہ ضرب المثل ہے اس لئے اطمینان تھا کہ احادیثِ نبوی غیر محفوظ نہ رہیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی۔ تاہم حضور کا یہ ارشاد کہ آپ کی احادیث زیبِ قرطاس نہ ہوں بلکہ صفحاتِ دل پر منقش کر لی جائیں غالباً اس لئے تھا کہ آپ کو اس سے تخصیصِ قرآن مقصود تھی یعنی اشارتاً آپ کا یہ فرمانا تھا کہ قرآن کے برابر حدیث کو نہ تصور کیا جائے ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ آپ ایسا حکم دیتے تاہم مدنیہ طیبہ کے آخر زمانۂ نبوت میں آپ سے جب عرض کیا گیا کیا ہم آپ کی احادیث نقل کریں تو آپ نے انہیں اجازت دیدی۔ جیسا صحیح بخاری میں موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک بیاض تھی جس میں وہ آنحضرت صلعم سے جو حدیث سنتے فوراً نقل کر لیتے اُن کی یہ کیفیت دیکھ کر صحابہ نے اُن سے کہا اے ابن عمرؓ تم غضب کرتے ہو کہ آنحضرت صلعم کا ہر ارشاد زیبِ قرطاس کر لیتے ہو۔ حالانکہ آپ کبھی تو خوش ہوتے ہیں اور کبھی غصے میں یہ سنکر ابن عمرؓ

نے آپ کی احادیث نقل کرنی چھوڑ دیں۔ اور ایک دن آنحضرت صلعم سے عرض کیا۔ لوگ مجھے آپ کی احادیث لکھنے سے اِس لئے منع کرتے ہیں (جیسا اوپر مذکور ہے) تو آپ نے اپنے دہنِ مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ تم ضرور لکھ لیا کرو اِس سے جو کچھ بھی نکلتا ہے۔ حق نکلتا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا پہلا فرمان ابتدائے اسلام کے زمانہ کا تھا۔ اور دوسرے یہ بھی خیال تھا کہ کہیں یہود کی طرح مسلمان احادیث کو قرآن کا جز نہ بنالیں۔ جیسا حضرت عمرؓ کے ایک قول سے ثابت ہوتا ہے۔

دیباچہ صحیح بخاری

اخرج الھروی فی ذم الکلام من طریق الزھری قال اخبرنی عروۃ بن الزبیر ان عمر بن الخطاب ارادان یکتب السنن واستشار فیھا اصحاب رسول اللہ فاشاروا الیہ عامتھم بذلک فلبث عمرؓ شھرا یستخیر اللہ فی ذلک شاکا فیہ ثم اصبح یوما وقد عزم اللہ لہ فقال انی کنت ذکرت لکم من کتاب السنن ما قد علمتم ثم تذکرت فاذا انا من اھل الکتاب من قبلکم وقد کتبوا مع کتاب اللہ کتبا فاکبوا علیھا وترکوا کتاب اللہ وانی واللہ لا البس کتاب اللہ بشی فترک الناس کتاب السنن (تنویر الحوالک)

ہروی نے علمِ کلام کی مذمت میں زہری سے روایت کیا ہے انہوں نے عروہ بن زبیر سے خبر دی کہ انہوں نے کہا عمرؓ ابن خطاب نے احادیث کی کتابت کا ارادہ کیا اور رسول اللہ صلعم کے اصحاب سے مشورہ کیا تو اکثر صحابہ نے انہیں یہ مشورہ اثبات میں دیا۔ مگر وہ ایک ماہ تک اِس امر میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ فرماتے رہے کیونکہ ان کو اس میں پس وپیش تھا یہاں تک کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے اس امر خاص میں انہیں یکسوئی عنایت فرمادی جس پر انہوں نے لوگوں سے کہا کہ میں نے احادیث لکھنے کا ذکر کیا تھا جیسا کہ تم کو علم ہے مگر اب مجھے خیال ہوا کہ تم سے پہلے اہل کتاب نے کچھ باتیں کتاب اللہ کے ساتھ لکھ لیں تھیں اور پھر وہ انہیں پر جھک پڑے اور خدا کی کتاب کو چھوڑ دیا پس خدا کی قسم کتاب اللہ

کے ساتھ کسی چیز کو مخلوط نہ کردینگا۔ پس لوگوں نے حدیث کی کتابت کے خیال کو چھوڑ دیا۔

اِس سے بخوبی معلوم ہوگیا کہ احادیث کی کتابت میں جس خیال نے رکاوٹ پیدا کی وہ یہی تھا کہ کہیں اہل کتاب کی طرح مسلمان احادیث کو جزو قرآن نہ بنالیں۔ تاہم آخر زمانہ نبوت میں آپ نے ابن عمرؓ کو اجازت دیدی تھی جس کی تفصیل ابھی پیش کی جاچکی ہے۔ اور فرمانروایانِ ممالک کے نام جو فرامین آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمائے تھے۔ اُن کی نقول بھی محفوظ رہیں اِن کے علاوہ حضرت علیؓ نے بھی قصاص کے چند احکام لکھ کر اپنی تلوار کے میان میں رکھ لئے تھے متعدد احادیث سے یہ ثابت ہوگیا کہ بعض صحابہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ کے ہی زمانہ میں قلم بند کرلیا کرتے تھے (صحیح بخاری باب العلم)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ صحابہ میں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس احادیث محفوظ نہیں البتہ ابن عمرؓ اِس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہ لکھتا تھا۔

خطیب بغدادی نے اپنی کتاب تقیید العلم میں لکھا ہے کہ جس بیاض میں ابن عمرؓ احادیث نبوی تحریر کیا کرتے تھے اُس کا نام صادقہ تھا۔

ایک مرتبہ حضور نے یہ حکم فرمایا کہ اب تک جتنے لوگ خلعتِ اسلام سے مشرف اور دولت ایمان سے مالا مال ہوچکے ہیں اُن سب کے نام قلم بند کرلئے جائیں۔ چنانچہ پندرہ سو صحابہ کے نام دفتر میں درج کئے گئے۔

خطیب بغدادی نے تقیید العلم میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب لوگ انس رضی اللہ عنہ کے پاس کثرت سے احادیث سننے جمع ہوجایا کرتے تھے تو وہ کچھ اوراق لے آتے تھے کہ یہ وہ حدیثیں ہیں جو میں نے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنکر قلم بند کرلی ہیں۔

اِن کے علاوہ بعض قبائل کو جو آپ نے صدقات و زکوٰۃ کے احکام بھیجے وہ بھی تحریری تھے اور وہ کتب احادیث میں بعینہٖ منقول ہیں۔

صحیح بخاری فتح مکہ کے دن جب ایک خزاعی نے حرمِ محترم میں ایک شخص کو قتل کردیا

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقہ پر سوار کر خطبہ دیا۔ جب آپ خطبہ دے چکے تو ایک یمن کے رہنے والے نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ خطبہ مجھے لکھوا دیجئے۔ آپ نے فوراً حکم دیا۔ کہ خطبۂ ہذا اس یمنی کے لئے تحریر کر دیا جائے۔

بہرکیف اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک حسب ذیل تحریری سرمایہ ہو گیا

(۱) جو احادیث ابن عمرؓ حضرت علیؓ اور جناب انسؓ نے قلم بند فرمائیں۔

(۲) وہ فرامین جو آپ نے مختلف فرمانروائوں کے نام بھیجے۔

(۳) وہ تحریری احکامات اور معاہداتِ حدیبیہ وغیرہ اور وہ احکامات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض قبائل کے نام بھیجے۔

(۴) پندرہ سو صحابہؓ کے اسمائے گرامی۔

آپ کی وفات کے بعد تو روایات اور احادیث کا بہت سا ذخیرہ جمع ہو گیا اور حدیثیں سننے کا جو شوق صحابہؓ اور تابعین کے دلوں میں تھا اب دس گنا بڑھ گیا۔ ولید بن یزید کے قتل کے بعد اس کے کتب خانہ سے جو کچھ برآمد ہوا اس میں صرف امام زہری کی منقولہ احادیث و روایات اس قدر تھیں کہ گدھوں اور خچروں پر لاد کر لائی گئیں۔

جب اسلام دنیا کے چپہ چپہ اور کائنات کے گوشہ گوشہ میں پھیل گیا تو خلافت کے زمانہ میں سلطنت کی طرف سے احادیث کی تدوین کا حکم جاری ہوا۔ اور علماء نے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مبارک زمانہ خصوصاً قابلِ ذکر ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ آپ ہی نے پہلے پہل کتب احادیث لکھوا کر ممالک اسلامیہ میں بھیجیں تو بیجا نہیں۔

اس طویل گزارش سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ باغبان نے پھولوں سے عرق اور عرق سے عطر کھینچ لیا یعنی گلشنِ اسلام کے مالی امت کے والی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے متعلق تو سختی سے حکم فرما دیا کہ کلام اللہ کی آیتیں تو آپ فوراً ہی لکھوا دیا کرتے

تھے۔ اور احادیث کے متعلق بھی اگرچہ ابتدائے اسلام میں نہیں مگر فتوحات کے زمانہ میں آپ نے حضرت ابن عمرؓ۔ حضرت علیؓ اور جناب انسؓ کو اجازت دیدی کہ وہ حدیثیں لکھ لیا کریں۔ جیسا ہم عرض کر چکے ہیں۔

اشارہ یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر خلفائے اسلام احادیث کی تدوین کا حکم نہ دیتے تو بعد کے مسلمانوں کو مشکل پڑ جاتی۔ اور مسائل کے استنباط وغیرہ میں دقت ہوتی۔ تاہم یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ صحیح سے صحیح حدیث بھی قرآن کریم کے برابر نہیں ہو سکتی۔ ہاں اور تمام لوگوں کے اقوال حدیث سے کم تر ہیں یعنی کتاب اللہ کے برابر تو کسی کا مرتبہ نہیں لیکن کتاب اللہ کے بعد بخاری شریف اور تمام کتب صحاح درجہ بدرجہ جہان بھر کی کتابوں سے افضل ہیں

بہرکیف جب گلشن اسلام کے پھولوں کو عطر آقائے کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھینچ دیا۔ (جس سے مراد قرآن و حدیث ہے) تو نتیجہ یہ ہوا کہ آج اگرچہ ہمارے سرپرست ہمارے آقائے نامدار ہمارے بادشاہِ اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود نہیں تاہم قرآن کریم اور آپ کے ارشادات اب بھی موجود ہیں جن کی وجہ سے کفر کی عفونت کے دفعیہ میں گلشن اسلام کے پھولوں کا یہ عطر ایک عالم کو مہکا رہا ہے اور انشاء اللہ مہکاتا ہی رہے گا۔

بہرکیف جملہ انبیاء اس مقصد کی تکمیل نہ کر سکے اس لئے آپ کی نبوت اصل ہے اور وں کے مقابلہ میں

حاصل کلام علام الغیوب کو یہ علم تھا کہ تکمیلِ دینِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہونی ہے۔ لہٰذا اللہ تبارک و تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا فرمایا۔

روایات مواہب لدنیہ ان اللہ تعالیٰ لما خلق نور نبینا صلی اللہ علیہ وسلم امرہ ان ینظر الی انوار الانبیاء فغشیھم من نورہ فقالوا یا ربنا من غشینا نورہ فقال اللہ تعالیٰ ھذا نور محمد ان آمنتم بہ جعلتکم انبیاء

قالوا امنّا به فذالك قوله واذاخذ الله میثاق النبیین الآیته۔

جب اللہ تعالیٰ نور محمدیؐ پیدا فرما چکا تو ارشاد ہوا۔ اے نور! ذرا انبیاء کے نور پر نظر کرو۔ جب آپ کے نور نے انبیاء کے نور پر نظر کی تو آپ کے نور نے سب کے انوار کو ماند کر دیا۔ انبیاء نے حیران ہو کر درگاہ احدیت میں عرض کیا کہ یا الٰہی یہ کس کا نور ہے ارشاد ہوا کہ یہ نور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اگر اس نور پر ایمان لاؤ گے تو ہم تمہیں بھی نبوت عنایت کریں گے۔ سارے انبیاء آپ پر ایمان لائے جیسا کہ آیت واذاخذ اللہ میثاق النبیین الایتہ۔ میں اس کا ذکر ہے یعنی جب خدا نے ازل میں انبیاء سے عہد و پیمان لیا۔ اس عہد سے یہی عہد مراد ہے)

سہل بن صالح ہمدانی سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے ابا جعفر محمد بن علی (امام محمد باقرؒ) سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب انبیاء سے تقدم کس طرح حاصل ہوا۔ حالانکہ آپ کی بعثت سب کے آخر میں ہوئی۔ جواب میں انہوں نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی پشت سے اُن کی اولاد کو (عالم میثاق میں) نکالا اور اُن سب سے یہ اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ تو سب سے پہلے جواب میں) بلیٰ (کیوں نہیں) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ اور اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء پر تفوق ہے۔ گو آپ کا ظہور سب کے بعد ہوا۔

احکام ابن القطان

ابن مرزوق نے کہا کہ حضرت امام زین العابدینؒ سے روایت ہے وہ اپنے والد امام حسینؓ اور وہ اپنے پدر بزرگوار علی مرتضیٰؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں آدمؑ کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار برس قبل اپنے پروردگار کے حضور میں ایک نور تھا۔

اللہ اکبر! آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب و مدارج کس قدر بلند ہیں کہ انہیں صحیح طور پر سوائے خدا کے کوئی بھی نہیں جانتا۔

اِن روایات سے قارئین کو بخوبی معلوم ہوگیا ہوگا کہ حق تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء پر فضلیت مرحمت فرمائی۔

احسن المواعظ صفحہ ۲

نکتہ ازل میں انبیاء کرام نے نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت دی۔ تو خدا نے انہیں خلعتِ نبوت سے ممتاز فرمایا قیامت کے دن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء کی صداقت اور اُن کا پیغام نبوت پہنچانے پر گواہ ہونگے تو تمام انبیاء قیامت کے حساب سے خلاصی حاصل کریں گے۔ جیسا قرآن کریم میں بھی مذکور ہے۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا

سورۃ النساء رکوع ۶۔ (جب لائیں گے ہم ہر ایک امت سے ایک گواہ اور لائیں گے تمہیں اے نبیؐ! ان سب گواہوں پر گواہ) - جعل ذلك بأن تشهد الانبياء انهم بلغو آپ گواہی دیں گے سارے انبیاء کی صداقت کی اور فرمائیں گے کہ بیشک اِن پیغمبروں نے اپنی امت کو پیغام رسالت و نبوت پہنچایا۔ شہادت کے بدلے شہادت ادا ہوئی۔

هل جزاء الاحسان الا الاحسان ۔ (نیکی کا بدلہ نیک ہے۔ ازل میں پھر دنیا میں آکر سارے انبیاء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دی تو انبیاء کا بھلا ہوا کہ نبوت اور رسالت ملی۔ اور قیامت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کی صداقت کی شہادت دی۔ تو انبیاء کا بھلا ہوا کہ احکم الحاکمین کی عدالت سے مقدمہ لے لیا۔ ہر ایک نبی کی امت مقدمہ ہار گئی اور تمام انبیاء، آپ کی شہادت سے مقدمہ جیت گئے۔

اِن جملہ اخبار سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کل انبیاء اور تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ نیز یہ بھی کہ آپ کا نور حق تبارک و تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہ آپ ہی کی وجہ سے جملہ اشیاء اور مخلوقات پیدا کی گئیں۔ لہذا آپ کی نبوت اصل ہوئی اور انبیاء کی نبوت کے مقابلہ میں اس لئے کہ جس چیز کی تکمیل جناب باری کو منظور تھی

وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں ہی سے انجام کو پہنچی یعنی آج بھی اسلام کے اس خطرناک زمانہ میں اور سخت دقتوں کو دیکھتے ہوئے بھی دنیا میں چالیس کروڑ سے زیادہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھنے والے اور اس مبارک نام پر اپنا مال وجان قربان کردینے والے موجود ہیں۔ تاریخ انبیاء نے ایسی کوئی مثال پیش نہیں کی کہ تیرہ سو برس تو کجا کسی نبی کی وفات یا شہادت کے سو برس بعد تک بھی اسلام کی پوری شان باقی رہی ہو۔ یا کم از کم اس کے پیروؤں کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا رہا ہو۔ بلکہ یورپ کے روشن دماغوں نے تو اب یہ فیصلہ ہی نہیں اس پر عمل شروع کردیا ہے کہ مذہب بالائے طاق رکھ دیا جائے کیونکہ اس سے بہت سے فتنوں کا احتمال ہے۔

پہلے خدا کے ساتھ معاذ اللہ مسیح اور روح القدس کو شریک کیا اور اس پر بھی بس نہ ہوا تو آج سرے سے مذہب ہی کا خاتمہ ہو رہا ہے اب تو مذہب صرف قانون کا نام رہ گیا ہے اسی طرح تمام مذاہب کے پیروؤں نے اپنے اپنے مذہب کا ستیاناس کردیا مگر الحمد اللہ کہ مسلمان اسی طرح اسلام کو چھاتی سے لگائے ہوئے ہیں۔ اگرچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں میں بھی بہت سے اختلافات واقع ہوگئے ہیں۔ تاہم ذرا غور سے کام لیا جائے تو مسلمانوں اور غیر مذاہب کے اختلافات میں بیّن فرق مل جائیگا۔

مسلمانوں کے بعض اختلافات تو ارشاد نبوی کے موافق امت کے لئے رحمت ہیں۔ جیسے حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ اور ان کے علاوہ جو اختلافات ہیں مثلاً رافضی۔ خارجی۔ بدعتی۔ وہابی۔ غیر مقلد۔ اہل قرآن۔ احمدی۔ وغیرہ سب میں کوئی یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ ایک نے بھی اصول اسلامی سے اختلاف کیا ہو۔ کلمہ۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج قبلہ رُخ۔ ان عملی اصولوں میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ اللہ۔ فرشتوں۔ کتابوں۔ نبیوں۔ اور قیامت پر ایمان لانا اس میں بھی کسی کو اختلاف نہیں اور یہی اصل اسلام ہے اب رہے اماموں کے اختلافات تو وہ بے بنیاد ہیں کیونکہ ہر امام نے احادیث

نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مسائل استنباط کئے ہیں یہ ممکن ہے کہ بعض نے اپنی انسانی غلطی کے ماتحت آخری احکامات نبوی یا احادیث صحیحہ پر ضعیف حدیثوں کو فضیلت دیدی ہو۔

ان کے علاوہ جملہ اختلافات فروعی ہیں۔ کوئی ایک مسلمان بھی ایسا شرک جان بوجھ کر نہیں کرتا جیسا مشرکین کرتے ہیں۔ کوئی مسلمان کسی قبر والے کو خدا نہیں سمجھتا۔ بلکہ بعض نفس پرست علماء کی غلط رہنمائی سے وہ یہ سمجھتا ہے۔ کہ قبر والے بزرگ اسکی درخواست خدا تک پہنچا کر اُس کی سفارش کردیں گے یہ صرف علماء سوء کی دنیا طلبی اور جاہ پرستی وغیرہ کی وجہ ہے پھر بھی کوئی مسلمان خدا یا خدا کا شریک کسی کو نہیں سمجھتا۔

بہرکیف ہمارا یہ کہنا بجا اور بالکل بجا ہے کہ آج تیرہ سو برس کے بعد بھی گلشن اسلام کے پھولوں کی مہک لوگوں کے مشام جان معطر کر رہی ہے۔ اور اب بھی اسلام میں روز بروز نئے مسلمانوں کا بصد شوق و ذوق اضافہ ہو رہا ہے جن میں لارڈ ہیڈلے مصطفےٰ لیون۔ جناب ہملٹن صاحبان وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اللہ اللہ! آفتاب رسالت زیر زمین چھپ جانے کے بعد بھی اپنی ضیاء باریوں سے آج تک سارے عالم کو منور کر رہا ہے اور قیامت تک انشاء اللہ تعالیٰ اُسی طرح منور کرتا رہے گا۔ یہ اُسی آفتاب کی شعاعوں کے انعکاس کا فیض ہے کہ یورپ کے بڑے بڑے ممالک میں بھی اسلام کے نام لینے والے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جان دینے والے موجود ہیں مساجد بھی تعمیر ہوئیں اور تعمیر ہو رہی ہیں۔

دنیا گواہ اور تاریخ شاہد ہے کہ آپ کے مبعوث ہونے سے قبل دنیا کفر و شرک کی کس قدر گہری ظلمت میں پڑی ہوئی تھی خدائے واحد کا نام لینے والا اور اُسی کے سامنے اپنا سر نیاز جھکا دینے والا ایک بھی نہ تھا تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ یہاں صرف اتنا ہی کافی ہے کہ آقائے نامدار کو یورپ کے اکثر مورخین نے بھی مصلح اعظم مانا ہے۔

بہر کیف ایسے موسم خزاں میں آپ تشریف لائے تھے جب ہر گل بدتر از خار ہو رہا تھا کوئی دل خدائے واحد کی توحید سے منور نہ تھا۔ ایسے وقت میں آپ کا تشریف لانا عرب کی اصلاح فرمانا۔ اور پھر ایک عالم کا راہِ راست پر لے آنا یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ دنیا سر پٹختی پھرے اور زمانہ ہزارہا سال چکر لگاتا رہے مگر ایسا خاکِ عرب سے اٹھنے والا آفتاب و مہتاب کو ماند کر دینے والا کبھی میسر ہوا نہ میسر ہو سکتا ہے۔ اب یہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ آپ نے خدا کے جس اہم کام کی تکمیل فرمائی اس کی وجہ سے آپ کو جملہ انبیاء پر تفوق حاصل ہو گیا۔

ہم جہانِ خاکدان کے رہنے والوں پر حق تبارک و تعالیٰ کا ہزار ہزار احسان ہے کہ اس نے ایسا نبی جو امت پر انتہا سے زیادہ رحیم ہے اور غمِ امت میں ایک دو مرتبہ نہیں بارہا اس مقدس ہستی کی چشمِ حق بیں سے آنسو (ہاں وہ آنسو جو اللہ کے نزدیک گوہر آبدار کو ہیچ کر دینے والے ہیں) بہہ گئے۔ ہاں وہی نبی جو مزار مقدس میں تشریف لے جانے کے بعد بھی امت کے لئے (اس نالائق امت کے لئے جو اب عرصہ سے احکام نبویؐ کے ہوتے ہوئے بدعات اور خرافات پر جھک پڑی ہے) آج تک اور قیامت تک جنابِ باری کے حضور میں استغفار بھیج رہا ہے اور بھیجتا رہے گا۔ اس پاک نبی کو ہم پر مبعوث فرمایا اللہ کا بندوں پر اتنا بڑا احسان ہے جس کا شکریہ کسی طرح ادا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ خود ہی اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

سورۃ آلِ عمران پارہ ۴ قریب نصف) ۔۔۔ (اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا ہی احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں کا ایک رسول بھیجا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو (کفر و شرک کی گندگی سے) پاک و صاف کرتا اور کتاب الٰہی اور دانائی کی باتوں) کی

اُن کو تعلیم دیتا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے تو یہ کھلی گمراہی میں تھے۔)

اس سے دنیا کی تاریکی اور خصوصاً عرب کی جہالت کی طرف اشارہ ہے جو ہمارے اس بیان کی تصدیق ہے کہ آپ کی بعثت سے پہلے تمام دنیا گمراہی میں پڑی ہوئی تھی ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ اللہ کا شکر ہے کہ ہم ایسے نبی کی امت بنائے گئے جو سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعلمین شفیع المذنبین سید الاولین والآخرین سرتاج انبیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ ترین خلعت سے ممتاز ہیں ؎

مقامِ وجد ہے اے دل! کہ بزمِ یار میں آئے
بڑی سرکار میں پہنچے بڑے دربار میں آئے

یہاں فیضِ نبیؐ سے دولتِ دارین بٹتی ہے
تونگر جس کو ہونا ہے وہ اس دربار میں آئے

خدا سے کوئی پوچھے شاہِ دیں کی شانِ رفعت کو
بلایا عرش پر کیا کیا مزے دیدار میں آئے

بہرکیف جب آقائے نامدار کے نور نے جملہ انبیائے کرامؑ کے نور کو دیکھا تو آپ کا نور سب پر غالب آگیا۔ کیوں نہ غالب آجاتا یہی نور تو وہ نور ہے جو قیامت تک کے لئے دنیا کی ظلمت میں آفتابِ توحید چمکانے والا ہے۔ ہاں اسی نور پر تو جناب باری کے کام کی تکمیل موقوف تھی۔ اسی لئے اس نور کو تمام انوار انبیا پر تفوق حاصل ہوگیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔

اشارہ آپ کا نور سب انبیاء کے انوار پر غالب آجانے یہ اشارہ ہے کہ رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے سردار ہیں جب اللہ تعالیٰ نور محمدیؐ پیدا فرما چکا تو وہ نور ہزارہا سال تک حمد باری بجالاتا رہا جس پر حق تعالیٰ نے اس نور کی طرف (جو من نور اللہ ہے یعنی اللہ کے نور کا فیض) یوں تخاطب فرمایا ؎

آئی ندائے حق کہ حبیبِ خدا ہے تو
خیر البشر ہے تو شرفِ انبیاء ہے تو

سیّد ہے تو کریم ہے تو پیشوا ہے تو
ہادی ہے تو رسول ہے تو رہنما ہے تو

ہم نے تجھے دیا ہے نبوت کا مرتبہ
سب سے بلند ہے تری امت کا مرتبہ

كُنتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (سورۃ آل عمران پارہ ۴ رکوع ۲) (تم لوگوں میں بہترین امت ہو کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو)

قربان! ایک دفعہ نہیں لاکھ لاکھ بار اس آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جس کی بدولت ادنیٰ غلاموں کو بھی اتنا بڑا مرتبہ ملا کہ اللہ تعالیٰ نے ساری اُمتوں سے اِس امت کو بہترین امت فرمایا۔

نثار اس خدائے برتر کی قدرت پر لاکھوں بار نثار جس نے ہم جیسے ذلیلوں کو بادشاہ جلیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا۔

نورِ محمدی جب تک خدا کو منظور تھا جہاں اس نے چاہا رہا پھر آدم علیہ السلام کی پیشانی میں جلوہ افروز ہو کر یکے بعد دیگرے نبی اللہ خلیل اللہ اور ذبیح اللہ علیہم السلام کی مبارک پیشانیوں میں منتقل ہوتا ہوا رفتہ رفتہ حضرت عبدالمطلب اور پھر حضرت عبداللہ میں منتقل ہوا جس کے بعد جہان کا اجالا ظلمت کو نور سے بدل دینے والا گمراہوں کو راہ راست پر لانے والا اور چار دانگ عالم میں اسلام کا ڈنکا بجانے والا نور ظاہر ہو گیا۔

(مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان بعض مقتدر ہستیوں کی مختصر تاریخ یہاں پیش کر دی جائے۔ جن کی مبارک پیشانیوں میں نور محمدی نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا رہا۔ اور جنہوں نے اس مبارک نور کا فیض اور برکتیں حاصل فرمائیں)

دوسرا باب

حضرت آدمؑ

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ بقرہ رکوع ۳ پارہ اول)

اور جب کہا تیرے رب نے ملائکہ سے کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں تو کہا انہوں نے (فرشتوں نے) کیا ایسے کو بناتا ہے جو فساد مچائے اور خونریزی کرے (اور اگر بناتا ہے تو ہم کو بنا کہ) ہم تیری حمد (وثنا) کے ساتھ تیری تسبیح وتقدیس کرتے رہتے ہیں۔ (خدا نے) فرمایا میں وہ (وہ مصلحتیں) جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

اشارہ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ سے یہ ثابت ہوگیا کہ علم غیب خدا کے سوا کسی کو بھی نہیں

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بنانا چاہا تو عزرائیل علیہ السلام زمین سے مٹی لائے اور اُسے گوندھا گیا (تفسیر کبیر۔ روح المعانی) چالیس روز تک آدمؑ کے خمیر پر غم کی بارش ہوئی اور ایک گھڑی خوشی کا مینہ برسا۔

نکتہ۔ چونکہ آدم علیہ السلام کے خمیر پر چالیس روز غم کی بارش ہوئی تھی اس لئے آپ کی ذریت کا زیادہ تر حصہ عمر غم والم ہی میں گزرتا ہے۔ ایک گھڑی خوشی کا مینہ اُس خمیر پر برسا تھا۔ تو آپ کی نسل بھی کبھی کبھی خوش ہو جایا کرتی ہے۔ (ہمیں یہاں چونکہ اختصار سے کام لینا ہے اس لئے تفصیلی حالات خود حضرت آدمؑ کی سیرت ہی میں موقعہ ملا تو انشاء اللہ تعالیٰ زیب صفحات کریں گے)

آدم علیہ السلام کو بنا کر اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام چیزوں کا علم دے دنیا میں پیدا ہیں

یا قیامت تک پیدا ہوں گی۔ سکھایا۔ (جیسا کہ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ الآیہ سے ظاہر ہے)
پھر فرشتوں سے اُن سب چیزوں کے نام پوچھے اور ارشاد ہوا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو بتاؤ یہ کیا چیزیں ہیں اور کس کس کام آتی ہیں؟

اشارہ - دعوے سے مراد اَتَجْعَلُ فِیْهَا - تا - نُقَدِّسُ لَكَ ہ مراد ہے۔

جب فرشتوں نے یہ دیکھا تو کہا اے پاک ذات! ہم ان چیزوں کے نام سے بیخبر ہیں ہم تو وہی جانتے ہیں جس کا علم تو نے ہمیں دیا ہے۔ اس میں شک نہیں تو ہی بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

پھر حق تعالیٰ کے فرمانے سے آدم علیہ السلام نے اُن چیزوں کے نام اور اوصاف عرض کر دیئے جب اللہ نے فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی بزرگی ثابت فرما دی تو فرمایا کہ زمین و آسمان میں جو کچھ غیب ہے وہ سب کا سب ہم ہی جانتے ہیں۔

پھر آدم علیہ السلام کی تعظیم کے لئے فرشتوں کو حکم ہوا کہ وہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کریں فوراً تعمیل ارشاد باری ہوئی۔ مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا بلکہ سجدہ سے انکار کیا اور تکبر کیا تو وہ کافروں میں جا پڑا۔

راز اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام سے اس لئے سجدہ کرایا تھا کہ ایک تو آدمؑ اور صالح اولادِ آدمؑ کی فضیلت فرشتوں پر ثابت کرنی منظور تھی۔ دوسرے آدم علیہ السلام کی پیشانی میں حضرت رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور جلوہ افروز تھا۔ اور فرشتوں سے اللہ کو اُس نور کی تعظیم کرانا منظور تھی۔

حق تبارک و تعالیٰ کے استفسار پر ابلیس نے کہا میں نے آدمؑ کو اس لئے سجدہ نہیں کیا کہ میں اس سے بہتر ہوں کہ آگ سے بنایا گیا اور وہ مجھ سے کمتر جو مٹی سے بنایا گیا۔ جیسا آیت اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ سے ظاہر ہے۔ پھر ابلیس پر اللہ تعالیٰ کا غصہ ہوا۔ اور قیامت تک اُس پر لعنت کی مُہر ثبت کر دی گئی (وَاِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ) ساتھ ہی بارگاہِ لم یزلی سے نکال دیا گیا۔

آدم علیہ السلام کو فردوس اعلیٰ میں رہنے کا ارشاد ہوا۔

معلومات بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ جنت سے مراد خلد بریں نہیں بلکہ عالم ارض کا ایک پُر فضا باغ ہے۔ تاہم اکثر و بیشتر مفسرین نے اس سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ جنت سے مراد وہی جنت ہے جو انبیاء۔ اولیاء۔ شہداء۔ صدیقین اور تمام نیک مسلمانوں کو ملے گی۔

تفسیر روح البیان۔ تورات کتاب پیدائش۔ جب آدم علیہ السلام اپنا کوئی ہم جنس نہ ہونے کی وجہ سے گھبرائے تو خلاق عالم نے حضرت حوا کو ان کی بائیں پسلی سے پیدا فرمایا۔ تفسیر کبیر۔ مواہب لدنیہ۔ تاریخ الانبیاء قصص الانبیاء جب آدم علیہ السلام نے حضرت حوا سے بحکم خدا خلوت چاہی تو انہوں نے مہر طلب کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ سے عرض کیا۔ میں انہیں کیا مہر دوں ارشاد ہوا۔ ہمارے حبیب پاک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تین مرتبہ درود بھیجو۔ یہی حوا کا مہر ہے۔

حق تعالیٰ نے ان دونوں کو حکم دیا تھا کہ وہ گیہوں کے درخت کے پاس جا کر بھی نہ پھٹکیں ورنہ وہ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔ جیسے وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (الآیۃ) سے ظاہر ہے

اشارہ۔ گیہوں کھانے سے اس لئے منع کیا گیا تھا کہ اس میں عالم ارض کا کثیف مادہ موجود تھا۔ تاہم حضرت حوا کو شیطان نے بہکایا۔ اور حضرت حوا نے آدم علیہ السلام کو مجبور کیا۔ انجام کار دونوں نے گیہوں کھایا اور تھوڑی دیر بعد رفع حاجت کی ضرورت درپیش ہوئی۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں جنت سے علیحدہ کر کے دنیا میں دونوں کو الگ الگ پہنچا دیا۔ حضرت حوا کو جدے میں اتارا گیا۔ جب ہی سے اس کا نام جدہ (یعنی دادی اماں کا مقام ہو گیا)۔ اور حضرت آدم کو سراندیپ پر اتارے گئے۔

کتب مذکورہ میں ہے کہ آدم علیہ السلام کے ساتھ دنیا میں یہ چیزیں جنت

سے فارغ کی گئیں۔ انجیر (جس کے پتے دونوں بزرگوں نے باندھے تھے اور جس کے سایہ میں خدا کی نافرمانی کی حالت میں کھڑے رہے تھے) گیہوں۔ مور۔ سانپ۔ ابلیس۔ وغیرہ

دلائل النبوت بیہقی
مواہب لدنیہ

دونوں بزرگ عرصۂ دراز تک جنگلوں میں بھٹکتے اور مارے مارے پھرتے رہے۔ دونوں حضرات کی آنکھوں سے ہر وقت بہ سبب خوفِ الٰہی آنسو رواں رہتے تھے۔

مدت کے بعد ایک روز آدم علیہ السلام نے دست بدعا ہو کر جنابِ باری میں عرض کیا۔ الٰہی! نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے میری خطا بخش دے۔ ارشاد ہوا کہ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے جانا۔ عرض کیا میں نے لوحِ محفوظ پر تیرے نام کے ساتھ اس مبارک ہستی کا نام دیکھا تھا۔ لہٰذا میں سمجھا کہ یہ ضرور تیرا کوئی پیارا اور مقبول بندہ ہوگا۔ جواب ملا۔ تم نے سچ کہا (ہذا صدقت)

بیشک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارا حبیب۔ ہمارا پیارا اور ہمارا سب سے برگزیدہ بندہ ہے۔ خوش ہو جاؤ کہ ہم نے اسی کے طفیل تمہاری خطا بخش دی لیکن اگر تم عمر بھر دعا اور توبہ کرتے اور یہ واسطہ نہ دیتے تو تمہاری خطا نہ بخشی جاتی۔

بعد ازاں حق تعالیٰ کے حکم سے آپ نے گیہوں کی کاشت وغیرہ کی اور دنیا کو آباد کرنا شروع کیا۔

اشارہ یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت حوا کے کہنے سے گندم کھانے پر مجبور ہوئے تھے۔ لہٰذا ان کے بیٹے بھی عورتوں کا کہنا ماننے پر مجبور ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ستر فی صدی زن مرید پائے جاتے ہیں۔

بہرکیف آدم علیہ السلام کو ایک سو تیس سال کی عمر میں اللہ نے شیث پیغمبر مرحمت فرمائے۔ حضرت آدمؑ نے قریب وفات جناب شیث علیہ السلام کو وصیت کی کہ تمہاری پیشانی میں نورِ خاتم النبیین سید الاولین والآخرین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس

کی حفاظت اور احترام میں فرق نہ آنے دینا۔

تاریخ الخمیس۔ مواہب لدنیہ خلق اللہ آدم جعل ذلک النور فی ظھرہ فکان یلمع فی جبینہ فیغلب سائر النور۔ حق تعالیٰ نے آدم کو پیدا فرما کر نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم آدم کی پشت میں امانت رکھا تھا۔ مگر وہ نور آدم کی پیشانی سے سورج کی شعاعوں کی طرح چمکتا تھا اور آدم علیہ السلام کے نور پر غالب آگیا تھا۔

نکتہ۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی سے نور محمدی کی شعاعوں کا انعکاس اور اس نور کا نور آدمؑ پر غلبہ پایا جانا واضح کر رہا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ سب کے بعد تشریف لائے تاہم آپ کا نور جملہ انبیاء کے نور پر فوق لے گیا ہے۔ اور سب سے مقدم ہے۔ جیسا کہ گزشتہ روایات اور احادیث سے ثابت ہو چکا ہے۔

مندرجۂ بالا روایات کی تفصیل اس طرح ہے کہ حضرت آدم نے عرض کیا الٰہی! میرے پس پشت بیشمار فرشتوں کی تسبیح کرنے کی آواز آتی ہے اور میری پیشانی سے ایک نور اس طرح چمکتا ہے کہ اس کی روشنی دنیا کی روشنی پر غالب آجاتی ہے۔ ارشاد ہوا۔ تم ہمارے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے امانت دار ہو۔ جو ہزارہا سال ہماری حمد و ثنا بجا لاتا رہا ہے اس لئے فرشتے تمہارے پس پشت نور محمدی کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں آدم نے عرض کیا الٰہی! مجھے بھی اس نور کی زیارت سے مشرف فرمادے۔ دعا قبول ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور آدم کی انگشت شہادت میں آگیا۔ انگلی اٹھی اور آواز آئی کَاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اِنِّی رسول اللہ۔ مگر اب بھی بعض فرشتے آدم کے پس پشت انہیں تسبیح کرتے سنائی دیتے تو انہوں نے عرض کرنے پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ خلفائے راشدین کا نور بھی تمہاری پشت میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض فرشتے اب بھی تمہیں تسبیح کرتے سنائی دیتے ہیں۔

آدم علیہ السلام کی انتجا پر خلفائے راشدین کے انوار بھی آدم علیہ السلام کی انگلیوں میں اس طرح آگئے کہ بیچ کی انگلی میں حضرت صدیق اکبرؓ کا نور اس کے پاس والی میں

فاروق اعظم کا نور۔ چھنگلیاں میں حضرت ذوالنورین کا نور اور انگوٹھے میں حضرت علیؓ شیرِ خدا کا نور آگیا ؎

زہے صدیق و فاروقؓ زہے عثمان و شیرِ حق — علی الترتیب ہیں یہ جانشینِ مصطفےٰ چاروں
انہی کے حق میں آئی ہے حدیثِ راشد و مہدی — یہی ہیں رہنما چاروں یہی ہیں پیشوا چاروں
تنِ دینِ محمدؐ کے یہ چاروں چار عنصر ہیں — یہی نجم الہدیٰ چاروں یہی ہیں مقتدیٰ چاروں

قربان! یا حنان و منان تیری شان کے قربان! کہ تو نے اپنے حبیب کے خلفاء کو بھی کس قدر بڑی عزت و عظمت سے نوازا۔ جو نالائق ان حضرات میں سے ایک بزرگ کی شان میں بھی سوءِ ادبی سے کلام لیتے ہیں۔ وہ یقیناً تیری بارگاہ کے مردود اور تیری درگاہ سے سزائے جہنم کے مستوجب ہیں۔

اے ظلمت کو نور سے بدل دینے والے خدا! گمراہوں کے دلوں کی کالک دھو ڈال اور بندوں کے دلوں کو آئینہ بنا کر ان میں اپنی تجلی پرتو فگن فرما دے ؎ آمین

وہم و خیال سے بروں وہم و خیال میں بھی آ — عالمِ حال سے بلند۔ عالمِ حال میں بھی آ
طورِ جلال ہو چکا۔ کوئی نڈھال ہو چکا — زورِ جلال ہو چکا۔ بزمِ جمال میں بھی آ
تجھ سے ہوا ہے منجلی آئینۂ سکندری — کند ہے قلبِ ساغری جامِ سفال میں بھی آ

ہاں پھر اُس ظلمت کو جو نورِ اسلام پر چھا رہی ہے دور کر دے۔ ہاں پھر مصیبت زدہ بندوں کے دلوں کو مسرور کر دے۔

بہر کیف یہ تفصیل تھی جو پیش کی گئی۔ لیکن یہ روایت کتب مستند میں نہیں ہے پانچویں اور چھٹے طبقے کی احادیث میں ضرور ملتی ہے۔ واللہ اعلم

تیسرا باب

آدمِ ثانی

تفسیر روح المعانی۔ روح البیان نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام سے
تاریخ الانبیاء۔ کتاب المعارف نو پشتوں میں منتقل ہوتا ہوا حضرت نوح علیہ السلام
کی پشتِ مبارک میں جلوہ افروز ہوا۔ نوح علیہ السلام

نے اپنی حیاتِ طیبہ میں قوم کے سمجھانے کے لئے بڑی جدّوجہد سے کام لیا مگر اُن کی قوم نے اُن کا کہنا نہ مانا اور چند نفوس کے سوا ساری قوم گمراہی میں پڑی رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا اور ہونا بھی یہی چاہیئے تھا کہ نوح علیہ السلام کی بدعا سے حق تعالیٰ نے ان کی قوم پر پانی کا عذاب بھیجا۔ طوفان اس زور و شور سے آیا کہ لوگوں کو پناہ پانی مشکل ہی نہیں ناممکن ہوگئی۔ حق تعالیٰ کے حکم سے نوح علیہ السلام اپنے فرزندوں اور رفیقوں کے کشتی میں سوار ہوئے تاہم حضرت نوحؑ کا ایک نافرمان بیٹا جو کفار کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ اب بھی انہیں کے ہمراہ رہا حضرت نوحؑ نے لاکھ چاہا کہ وہ کفار کی معیت و محبت سے ہاتھ اٹھا کر کشتی میں چلا آئے مگر اس نے نہ مانا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی کفار کے ساتھ غرق ہوگیا۔

جس پر حضرت نوحؑ نے مہر پدری کے جوش میں درگاہِ جنابِ باری میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! تو نے وعدہ فرمایا تھا کہ تو میرے اہل کو طوفان سے بچائے گا۔ تیرا وعدہ برحق اور تو تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اس پر جنابِ باری کا آپ پر ازراہ نصیحت غصّہ ہوا۔ کہ وہ تمہارا بیٹا ہی نہیں اس لئے کہ اس کے عمل اچھے نہیں۔ لہٰذا ہم نصیحت کرتے ہیں کہ ایسا سوال ہرگز نہ کیا کرو جس کا علم تمہیں نہ دیا گیا ہو۔ وغیرہ

اس واقعہ کی پوری تفصیل سورہ ہود پارہ بارہ رکوع ۳ وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ۔ تا۔ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ میں موجود ہے۔ یہاں چونکہ اختصار مدِنظر ہے اس لئے پورا رکوع اور اس کا ترجمہ زیبِ صفحات نہیں کیا گیا۔

بہرکیف نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔ اُن پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں برکتیں نازل ہوئیں اور اُن کا نافرمان بیٹا کفار کے ساتھ غرق ہوگیا

۴۔ رمضان المبارک کو حضرت نوحؑ کشتی میں سوار ہوئے۔ اور ۱۰ محرم عاشورے کے دن آپ کی کشتی کوہ جودی سے جالگی۔ آپ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے طوفان سے محفوظ و مامون رہ کر کشتی سے اُترے۔ اب ساری دنیا ہلاک ہوچکی تھی۔ چند مسلمانوں کے سوا دنیا میں کوئی موجود نہ تھا۔ بعدازاں خدا نے نوح علیہ السلام کی اولاد میں بہت بڑی برکت عنایت فرمائی۔ اور کچھ عرصہ میں انسانی آبادی بہت کافی ہوگئی۔ اس لئے آپ تاریخ میں آدم ثانی مشہور ہیں۔ آپ کی عمر شریف ساڑھے نوسو برس کی بتائی جاتی ہے۔ آپ کی وفات کے قریب کسی نے دریافت کیا کہ آپ نے تو دنیا کی بڑی بڑی سیر کی ہوگی۔ فرمایا یہ طویل عمر مجھے ایسی معلوم ہوئی گویا میں کسی بڑے مکان کے ایک دروازے سے داخل ہوکر دوسرے دروازے سے نکل گیا

تنبیہ اللہ اکبر! اس طویل عمر پر حضرت نوحؑ کا جب یہ ارشاد ہے تو ہماری پچاس ساٹھ ستر سال کی عمریں تو کچھ بھی نہیں۔ لیکن اِتنے سے زمانے میں بھی انسان خدا جانے کیا کیا کچھ کرگزرتا ہے۔ اپنے نظام شقاوت۔ اور گناہوں کے ہاتھوں رحمت سے ہزاروں کوس دور ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ بے شک اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں ہی کے قریب ہوتی ہے۔

چوتھا باب

ابوالانبیاء

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جدّ امجد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرۂ گرامی بھی زیب صفحات کر دیا جائے۔ تاکہ قارئین کرام کی معلومات میں اضافہ ہو سکے۔

شجرۂ طیبہ (یہ شجرہ جہاں تک ہم نے تحقیق کیا صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اسے چند پرانی کتابوں سے محنت کے بعد مرتب کیا گیا ہے یعنی علامہ ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الکاتب الدینوری روح اللہ روحہ متوفی ۲۷۶ھ کی تصنیف کتاب المعارف نسب نامہ رسول مقبول صلعم (مطبوعہ نولکشور) اور بعض دیگر مستند کتب سے)

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بن آزر[1] بن ناخور بن شاروخ بن ارغو بن قانع بن غابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ (ادریس[2]) بن یارد بن مہلائل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام

مذکورۂ بالا شجرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی انیس پشتیں گزرنے کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ پیدا ہوئے۔

آپ کی حیات طیبہ کے بے شمار کارنامے اور آپ کے بے شمار فضائل سے کتب تاریخ جگمگا رہی ہیں۔ آپ خلیق متواضع منکسر المزاج صابر شاکر رحیم لوگوں پر

---

[1] تورات اور بعض کتب دیگر میں حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارخ لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب المعارف صفحہ ۱۵۔ اور تورات کتاب پیدائش

احسان کرنے والے وغیرہ وغیرہ صفات سے موصوف تھے بہ وجہ اختصار ہم آپ کی پوری سیرت پیش نہیں کر سکتے تاہم آپ کے سوانح سے چند مشہور واقعات لیکر حوالۂ قلم کئے ہیں آپ کی کنیت ابوالانبیاء بھی ہے اور ابو محمد بھی۔ ابوالانبیاء تو اس لئے کہ آپ کے بعد جتنے انبیاء مبعوث ہوئے آپ ہی کی مبارک پشت سے ہوئے ہیں حتیٰ کہ ختم المرسلین رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہی ہیں۔ آقائے نامدار نے خود ارشاد فرمایا ہے

(صحیحین)۔ لوگو! مجھے خدا نے شریعت ابراہیمی عنایت فرمائی ہے۔ وہ میرے جد امجد تھے اور ان کی سنّت پر عمل کرنا مجھ پر اور میری امت پر ضروری ہے قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے۔

(۱) ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ سورۂ نحل رکوع ۱۵ (پھر ہم نے وحی فرمائی کہ اے نبی! ابراہیم کا طریقہ اختیار کرو جو ایک خدا کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے)

(۲) قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ سورۂ بقر رکوع ۱۵ (کہو بلکہ ہم ابراہیم کے طریقے پر ہیں جو ایک خدا کے ہو رہے تھے)

(۳) مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ سورۂ حج رکوع ۱۰

(یہ تمہارے نبی) کے باپ ابراہیم کا دین ہے جو تم کو ملا ہے۔ اسی (خدا) نے تمہارا نام پہلی کتابوں اور قرآن میں مسلمان رکھا ہے۔

بہر کیف حضرت ابراہیم کے بعد آپ ہی کی نسل سے تمام انبیاء ہوئے (جن کی تعداد چالیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ خود حق تعالیٰ بھی فرماتا ہے۔ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ سورۂ عنکبوت رکوع ۳۔ اور ہم نے نبوت و کتاب کو ابراہیمؑ کی ذریت کے لئے مخصوص کر دیا۔ آپ کا لقب آدم ثالث ہے۔ امور ذیل کے بانی مبانی بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی ہیں۔

مونچھوں کے بال کتروانا۔ موئے زہار صاف کرانا۔ ناخن ترشوانا مسواک کرنا۔ ختنہ کرانا۔ کلی کرنا۔ ناک میں پانی ڈالنا۔ اور پانی سے استنجا کرنا وغیرہ یہی وہ چیزیں ہیں جو آج شریعت محمدیہ میں بھی رائج ہیں

آپ کا بچپن

اکثر کتب تاریخ میں مروی ہے کہ خلیل اللہ کا سن تقریباً پانچ سال کا تھا۔ جب آپ نے اپنی والدہ سے یہ سوال کئے۔

خلیل اللہ۔ اماں جان! میرا رب کون ہے؟

ماں۔ میں کہ تمہیں پرورش کرتی ہوں۔

خلیل اللہ۔ اور آپ کا رب کون ہے؟

ماں۔ تمہارے باپ

خلیل اللہ۔ میرے ابا جان کا رب کون ہے؟

ماں۔ نمرود

خلیل اللہ۔ اس کا رب کون ہے؟

ماں نے اس عاقلانہ سوال پر اپنے پیارے بچے اور خدا کے برگزیدہ نبی کے رخسار پر دو طمانچے لگائے اور کہا چپ خبردار! اب ایسا کلمہ نہ کہنا۔ نمرود سارے ملک مصر کا خدا ہے۔

خلیل اللہ مگر اماں جان میری عقل تو تسلیم نہیں کرتی۔ اس پر آپ کی والدہ آپ سے خفا ہو کر چلی گئیں۔

نکتہ خلیل اللہ کو اس قدر کم سنی میں معرفت الٰہی کا ایسا زبردست شوق کیوں ہوا۔ رؤف رحیم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور وہ نور جس نے عالم میں توحید کا ڈنکہ بجا دیا جس نے خاک عرب سے اٹھ کر دنیائے ظلمت پر آفتاب توحید چمکا دیا اور جہان کی بڑی بڑی طاقتوں کو ایک زبردست مقدس ہستی کے سامنے سرنگوں کر دیا۔ ہاں وہی نور

اپنے دادا جان حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی پیشانی میں جلوہ افروز ہو کر سورج کی شعاعوں کی طرح چمک رہا تھا۔ ہاں اسی نور کی برکت تھی کہ خلیل اللہ کو بچپن ہی میں اور اس زمانہ میں جبکہ خدائے واحد کا نام لینے والا روئے زمین پر کوئی بھی موجود نہ تھا اپنے معبود حقیقی کے ڈھونڈ لینے کا شوق و ذوق پیدا ہو گیا۔

قرآن کریم میں ہے دیکھو فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ الآیہ پارہ ۷، حضرت ابراہیم کو اپنے خالق کی تلاش میں اسقدر انہماک تھا کہ آپ اکثر اوقات اسی سوچ میں رہتے تھے۔ یہانتک کہ ایک دن جب شاہ انجم سپاہ نے آفتاب عالم تاب کو شکست دیکر قلعہ مغرب میں روپوش کیا۔ اور کواکب نے اپنے سردار (چاند) کے استقبال میں آسمان کو چمانا شروع کیا تو خلیل اللہ علیہ السلام درۂ کوہ سے نکلے۔ اور ایک تارے کو ملاحظہ فرماتے ہوئے کہنے لگے یہی میرا خدا ہے۔ اس لئے کہ تاریک رات میں دنیا اسی کیوجہ سے روشن ہے مگر جب تارہ چھپ گیا تو آپ نے فرمایا نہیں میں ایسے سے محبت نہیں کرتا جسے بقائے دوام حاصل نہیں پھر جب چاند نکل آیا تو آپ نے فرمایا یہ ہی میرا خدا ہے کہ اس کی روشنی سے تارے بھی پھیکے پڑ گئے ہیں لیکن جب چاند بھی چھپ گیا تو آپ نے فرمایا اگر میرے خدا نے ہی مجھ کو راہ نجات نہ دکھائی تو میں یقیناً گمراہوں میں ہو جاؤں گا جب رات خدا برحق کی تلاش اور پہچان میں ختم ہو گئی۔ اور آفتاب جہاں تاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ مشرق سے برآمد ہو کر عالم کو منور کرنے لگا۔ تو حضرت خلیل اللہ نے اسے دیکھکر فرمایا۔ بیشک یہی میرا خدا ہے کیونکہ یہ سب سے بڑا ہے۔ اس کے سامنے تارے پھیکے اور چاند ماند ہی نہیں۔ بلکہ فنا ہو گئے۔ مگر جب شام ہوئی اور آفتاب کے سرخ چہرے پر زردی چھا گئی۔ یہانتک کہ وہ قلعہ مغرب میں روپوش ہو گیا تو آپ نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا! لوگو! میں تو اس شرک سے بیزار ہوں۔ تم نے جن جن چیزوں کو شریک خدا بنایا ہے میں انہیں پسند نہیں کرتا میں نے تو اس اکیلے ہی خدا کو اپنا بنا لیا۔ جو زمینوں اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور اے مشرکو میں تمہارا ہمخیال کبھی نہیں ہو سکتا۔

اشارہ - اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ سے معلوم ہوا کہ خلیل اللہ نے اپنے اکیلے اللہ کو ان بکھیڑوں میں پڑنے سے پہلے ہی پہچان لیا تھا اور جس طرح عام قاعدہ ہے کہ مشکل بات مثال سے اچھی طرح لوگوں کی سمجھ میں آجایا کرتی ہے۔ اسی طرح خلیل اللہ نے بھی تارے کو دیکھکر قوم سے فرمایا تھا کہ یہ میرا رب ہے لیکن آپ کا منشاء مشرکین کو غیر خدا کی پرستش پر تنبیہ فرمانا تھا اگر آپ ابتداءً مصلحتاً یہ طریق گفتگو اختیار نہ کرتے تو آپ کی قوم آپکے دعوئے توحید کے بلا دلیل نہ ہونے کا عذر پیش کر دیتی اس لئے آپنے انہیں کے خیالات سے ترقی کرتے کرتے ان کے سامنے ہی آخری نتیجہ اور اٹل فیصلہ پیش کیا کہ اے قوم میں تو اسی اکیلے خدا کی پرستش کروں گا جو زمینوں اور آسمانوں کا بنانے والا ہے۔ اور میں تو مشرکوں میں سے کبھی نہ ہوں گا۔ مطلب یہ تھا کہ اتنی جرح کے بعد اور اسقدر مضبوط دلائل کے ہوتے ہوئے میرا دعوی صحیح ہو گیا۔ اور میں تو اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کروں گا جو جملہ اشیاء کا خالق ہے۔ اور تم بھی اسی کی پرستش کرو۔

تنبیہ - آج اگر مسلمانوں کے بیس سالہ بچے سے بھی خدائے واحد کے خلاف جرح کیجائے تو یقیناً وہ دلائل یقین ہو جائیگا۔ یہ بھی نہیں تو کم از کم وہ مشرکین کے اعتراضات کا جواب نہ دیسکیگا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ مسلمانوں کے لئے شرم کا مقام نہیں کہ وہ جملہ انبیاء اور خصوصاً اپنے نبی کی سیرت سے واقف ہو نا تو کجا توحید اور معرفت الٰہی سے بھی بیخبر ہیں۔ جس کی وجہ یقیناً یہ ہے کہ وہ اپنی مذہبی کتابیں خصوصاً قرآن کریم نہیں پڑھتے اور پڑھتے بھی ہیں تو سمجھکر نہیں پڑھتے۔

میں برادران اسلام سے عرض کروں گا کہ برائے خدا اسلام کی رسی مضبوط پکڑیئے اور آقائے نامدار صلے اللہ علیہ وسلم کی اس پیشینگوئی کے مصداق نہ بنئے (صحیحین) لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ (میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ ان میں اسلام کی شان باقی نہ رہیگی مگر نام باقی رہجائے گا اور وہ یہ سمجھینگے کہ یہی اسلام ہے۔ اور قرآن بھی باقی نہ رہے گا مگر بطور رسم و رواج رہجائیگا۔)

یعنی قرآن پڑھنے اور اسپر عمل کرنے تو چھوڑ دیں گے لیکن رسم و رواج کے طور پر اپنے گھروں کی آرائش۔ طاقوں کی سجاوٹ اور جہیز کی زینت بنالیں گے۔ لیکن افسوس! مسلمانو! قرآن اس لیے نہیں آیا کہ تم اُسے اپنی زیب و زینت کے کام میں لاؤ۔ اس کی ہوا دو یا اس سے تعویذ لکھو۔ بلکہ اس لئے آیا ہے کہ اسے پڑھو۔ اور اُسپر عمل کرو۔ تاکہ رحمت الٰہی تمہارے ساتھ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامنِ دولت کا سایہ تمہارے سروں پر ہو۔ اور تم اپنے آقائے نامدار کے ساتھ ساتھ فردوسِ اعلیٰ میں پہونچ جاؤ۔ راسخ علیہ الرحمۃ نے یہ تمنا بڑے دلکش انداز میں ظاہر کی ہے ؎

سوا نیزے پہ ہو جو وقت سورج　　رہوں میں زیرِ دامانِ محمد

(صلی اللہ علیہ وبارک وسلم۔)

میں جگہ جگہ اس قسم کے اشارات اس لئے کرتا جا رہا ہوں کہ "سیرۃ النبی" سے میرا مقصد عامۃ المسلمین کی ہدایت ہی ہے اور اگر معاذ اللہ "سیرۃ النبی" کو بطور قصے کہانی کے پڑھ لیا۔ اور بس تو یہ تحصیل لاحاصل ہوگی۔ ایسی کتب کے لکھنے سے علمائے حق کا منشا یہی رہا ہے کہ یہ کتب مسلمانوں کے لئے رہنما بنجائیں۔ اور وہ اس آفتاب کی روشنی میں اپنی غلط کاریوں اور گمراہیوں سے چھٹکارا پاکر صراطِ مستقیم پر چلنے لگیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں خود آتا ہے۔ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (سورہ یوسف رکوع ۱۲)۔ (بلاشبہ عقل والوں کے لئے ان لوگوں کے واقعات میں بڑی عبرت ہے) بہر کیف ہمیں سیرۃ النبیؐ کے ایک ایک حرف سے سبق لینے اور اُن پر عمل کرنے چاہئیں۔

ہمارا منشا یہ ہو کہ ہم اپنے آقائے نامدارؐ کے قدم بقدم چلنے لگیں۔ آپکے ایثار و اخلاق وغیرہ کے نمونہ بنکر دنیا کو دکھا دیں کہ فدایانِ نبی اور جان نثارانِ مصطفوی ایسے ہوتے ہیں ؎

وہ دل ہی کیا اگر اثرِ امرِ حق نہ ہو　　سینہ وہ کیا جو درد رکھے اور شق نہ ہو

یہ کیا کہ کجروی ہی ہو اور ہر قلق نہ ہو　　ہمنے جو پڑھ لیا ہے وہ الٹا سبق نہ ہو

آتش نمرود خلیل اللہ پر گلزار ہوگئی

حضرت خلیل اللہ کی جوانی کا واقعہ ہے کہ نمرود اور اس کے تمام مردود شہر کے باہر شرکیہ میلہ منانے گئے۔ خلیل اللہ نے اُس کی شرکت سے یہ عذر پیش کر کے انکار کر دیا کہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ (میں بیمار ہوں)، لوگوں نے آپ کا یہ عذر تسلیم کر لیا۔ اور چلے گئے۔

معلومات ۔ یہی وہ پہلی بات ہے جو بظاہر سچ کے خلاف خلیل اللہ کی زبان سے نکلی۔ اگرچہ واقعتاً یہ غلط بیانی نہیں تھی۔ اِنی سقیم سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ میرا دل تمہاری شرک کی وجہ سے بیمار ہے یعنی تمہارے گناہ ایسے ہیں جو مجھے گھلائے دیتے ہیں

شہر خالی ہوا۔ اللہ کے خلیل بتخانہ میں گھس گئے۔ اور سوائے ایک بڑے بُت کے تمام بت توڑ ڈالے جس اوزار سے بت توڑے گئے تھے۔ وہ بڑے بت کے ہاتھ میں دیدیا۔ اور چلے آئے جب کفار آئے اور انہوں نے بتخانہ کو تاراج پایا تو دوڑے ہوئے نمرود کے پاس گئے اور اُس سے یہ واقعہ بیان کیا۔ نمرود کو خلیل اللہ پر پورا شبہ گذرا۔ اور اُس نے انہیں پکڑوا بلوایا اور آپ سے کہا۔ ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ (اے ابراہیم کیا یہ کیا دھرا تمہارا ہے؟) خلیل نے بت پرستوں کو ذلیل کرنے کی غرض سے فرمایا۔ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَاسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ (یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے اگر وہ بول سکتے ہوں تو ان سے دریافت کر لو۔)

معلومات ۔ یہ وہ دوسری بات ہے جو بظاہر خلاف صداقت کہی گئی۔ ورنہ اصلیت بت پرستوں کا ذلیل کرنا تھا۔

اس عاقلانہ جواب پر تمام اہل دربار منفعل ہوئے۔ اور جھینپ گئے۔ مگر ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے۔ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ (تم جانتے ہی ہو کہ ان بتوں میں قوتِ گویائی نہیں) خلیل اللہ نے معاً فرمایا اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (تف ہے

تم پر جو تم اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہو)

خلیل اللہ کی باتوں کا اہل دربار پر پورا اثر ہوا۔ اور نمرود کو تو سکتہ ہو گیا اس نے سوچا کہیں ایسا نہ ہو کہ ساری بنی بنائی خدائی برباد ہو جائے اس نے کچھ سوچ کر کہا۔

نمرود۔ ابراہیم! بتاؤ کہ تمہارا خدا کون ہے؟

خلیل اللہ۔ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ (میرا پروردگار وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے)

نمرود۔ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ (میں بھی زندہ کر سکتا اور مار سکتا ہوں۔) چنانچہ فوراً دو اجل رسیدہ دربار میں لائے گئے۔ اور نمرود کے حکم سے ایک قتل اور دوسرا رہا ہو گیا جس پر خلیل اللہ مسکرائے۔

نمرود۔ یہ کام تو میں نے بھی کر دکھایا کوئی بات ایسی کہو جو مجھ سے نہ ہو سکے اور تمہارے خدا سے ہو جائے۔

سبحان اللہ موت و حیات کا کیسا فلسفہ نمرود نے پیش کیا ہے اگر کسی مردے یا کم از کم بیمار قریب المرگ کو جلا دیتا یا اچھا کر دیتا تو بھی ایک بات تھی۔ مگر وہاں تو جس طرح خدا اور نمرود میں فرق ہے۔ اسی طرح نمرود کے جلانے اور مارنے اور خدا کے جلانے اور مارنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اس لغویت کے بعد نمرود پھر خلیل اللہ علیہ السلام کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا۔

نمرود۔ کوئی ایسی بات بتاؤ جو مجھ سے نہ ہو سکے۔ اور تمہارے خدا سے ہو جائے ورنہ مجھ میں اور تمہارے خدا میں (معاذ اللہ) کوئی بھی فرق نہیں

خلیل اللہ۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ (بہتر میرا خدا تو روز مشرق سے سورج نکالتا ہے۔ اگر آج تم مغرب سے سورج نکالدو تو میں جانوں)

نمرود۔ گھبرا گیا۔ سٹ پٹا گیا۔ اور کچھ بھی جواب نہ دے سکا۔ حیران حیران ایک ایک درباری کا منہ دیکھنے لگا۔ اہل دربار بھی مارے ندامت کے گڑے جاتے تھے۔ مگر خلیل اللہ

کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر نمرود نے میرے سوال کو مجھ پر ہی الٹ دیا تو کیا ہوگا۔ اس خیال کے آتے ہی فوراً بحکم خدا جبریل امین تشریف لائے۔ سلام اور مزاج پرسی کے بعد کہنے لگے۔

آپ بالکل پریشان نہ ہوں حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر نمرود نے بھی یہی سوال کیا۔ تو میں ابھی ابھی آفتاب کو مغرب سے نکالکر دکھا دوں گا۔ فبعزتی وجلالی۔ مجھے اپنے عزت اور جلال کی قسم جب تک ایک مرتبہ مغرب سے آفتاب نہ نکالدوں ہرگز قیامت قائم نہ کروں گا۔

نمرود کا اور تو کچھ بھی بس نہ چلا۔ کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔ کہنے لگا خلیل کو فوراً ہمارے آتش کدے میں ڈالدو۔ اُسی وقت اس ناپاک حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور آپ کو منجنیق میں بٹھا کر آتش کدے میں لڑکا دیا گیا۔ زمین و زمان میں لرزہ پڑ گیا۔ فرشتوں میں شور مچ گیا اے رب جلیل اگر تیرا خلیل جلا دیا گیا تو چپہ بھر زمین میں بھی کوئی موحد نہ رہ سکیگا۔ اجازت دے کہ ہم تیرے خلیل کی مدد کریں۔

بارگاہِ لم یزلی سے ارشاد ہوا اگر ہمارا خلیل تمہاری مدد کا طالب ہو تو فوراً اس کی مدد کرو۔ پھر کیا تھا جبریل میکائیل یکے بعد دیگرے منجنیق میں آئے اور خلیل اللہ سے کہا۔

اَلَکَ حَاجَۃٌ۔ کیا آپ کی کوئی حاجت ہے)

خلیل اللہ۔ اَمَّا اِلَیْکَ فَلَا (حاجت تو ضرور ہے مگر آپ سے نہیں خدا سے۔)

ملائکہ۔ پھر خدا ہی سے درخواست کیجئے۔

خلیل اللہ۔ حَسْبِیْ سُؤَالِیْ عِلْمُہٗ بِحَالِیْ (یہی درخواست کافی ہے کہ وہ میرے حال سے باخبر ہے۔)

تنبیہ۔ اللہ اکبر خلیل اللہ تو خدا کے سوا فرشتوں کی مدد بھی پسند نہ کریں مگر بعض مسلمان غیر اللہ کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھیں۔

جب خلیل اللہ نے فرشتوں کی مدد بھی منظور نہ فرمائی تو سمندرِ رحمت الٰہی جوش

میں آیا۔ قریب تھا کہ خلیل اللہ منجنیق سے چھوٹ کر آتش کدے میں جا رہیں کہ آگ سے سمیع وبصیر کا حکم ہوا۔ یَا نَارُ کُونِی بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ (اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث ہو ابراہیم کے لئے)

پھر کیا تھا ادھر خلیل اللہ آتش کدے میں پہونچے ادھر ساری آگ گلزار ہو گئی

خدا ہو دوست جس کا اسکو کیا اندیشہ دشمن — خلیل اللہ جتنی آگ سے گلزار میں آئے

نکتہ۔ اگر سَلٰمًا عَلٰی اِبْرَاهِیْم کا ارشاد نہ ہوتا تو آگ زہریر سے زیادہ ٹھنڈی ہو جاتی۔ دوسرے یہ کہ دنیا بھر میں کُونِی بَرْدًا کے حکم کے بعد آگ کا نام ونشان بھی باقی نہ رہتا۔

اشارہ۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی مبارک پیشانی میں جلوہ گر تھا اسکی برکت سے اللہ نے آپ پر آگ کو گلزار کر دیا۔ اگر امت محمدیہ کے دلوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نور جلوہ افروز ہو گا تو انہیں جہنم کی آگ کس طرح جلا سکیگی۔

مشکوٰۃ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب پل صراط سے میری امت کے ایماندار لوگ گذریں گے تو دوزخ بے اختیار چلا اٹھے گی۔ جریا مومن جریا مومنۃ جلدی گذر جاؤ اے ایماندار مرد عورتو۔ کیونکہ تمہارے نور کی چمک مجھے بجھائے دیتی ہے۔

اللہ اکبر آقائے مامدار کی وجہ سے ادنیٰ غلاموں کو بھی کتنا بڑا مرتبہ ملا کہ ان کے نور ایمان کی وجہ سے دوزخ کی آگ بھی ٹھنڈی ہونے لگے گی۔

اے کاش! مسلمان رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو صحیح معنوں میں اپنا شعار بنالیں تو کیسا اچھا ہو کہ قیامت کے ہولناک دن اور دہشت ناک ہنگامے کے وقت جہاں ماں اپنے بچے کا جنا بھول جائے گی۔ یہ جناب باری کے حضور میں پیش ہوتے ہی قریب قریب بلاحساب وکتاب بخش دیئے جائیں

نمرود کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب اُس نے خلیل اللہ کو چالیس روز بعد ہشاش بشاش آتش کدے میں جلوہ افروز دیکھا۔ اس نے یہ معجزہ دیکھکر آپ کو آئندہ کبھی

نہ ستانے کا عہدہ کر لیا۔ تا ہم ۷۵ سال کی عمر میں خلیل اللہ نے ارشاد باری کے بموجب اپنے وطن سے ہجرت فرما کر مع حضرت سارہ (زوجہ مبارکہ) اور اپنے بھتیجے جناب لوط علیہ السلام سرزمین کنعان میں پہونچے۔ اور ایک عرصہ یہاں قیام فرمانے کے بعد آپ مع زوجہ مبارکہ مصر تشریف لے گئے۔ (یہاں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہوگا کہ حضرہ سارہ جہان کی ان عورتوں میں تھیں کہ دنیا پیٹتی اور زمانہ سرگرداں رہے۔ گر ایسا نادر الوجود حسن ناممکن)

حضرۃ سارہ اور فرعون مصر بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرہ سارہ آپ کی چچا زاد بہن تھیں۔ **سنان بن علوان**۔ فرعون مصر جو انتہا درجہ کا خبیث النفس اور بدطینت تھا اس نے مقدس سارہ کے حسن کی دھاک سن پائی۔ اور گندے جذبات سے مغلوب ہو کر اس نے حضرت سارہ کو پکڑوا بلوایا۔ اور مردود نے آپ سے بے ادبی کا ارادہ کیا۔ مورخین اور مفسرین لکھتے ہیں کہ جب فرعون بُرے ارادے سے حضرۃ سارہ کیطرف ہاتھ بڑھاتا تو ملعون کا سارا ہاتھ خشک ہو جاتا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اس کے سارے بدن کو کسی نے جکڑ رکھا ہے۔ اس نے اپنی یہ کیفیت دیکھکر محترمہ سارہ سے معافی کی درخواست کی اور انہوں نے فوراً ہی اسے معاف کر دیا۔

کتب معتبرہ میں ہے کہ تین مرتبہ فرعون نے یہی گندہ ارادہ کیا۔ اور تینوں مرتبہ اسے حضرۃ سارہ سے معافی مانگنی پڑی۔

روح البیان خلیل اللہ علیہ السلام کو فرعون نے قید خانہ میں بھجوا دیا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے قید خانہ سے محل شاہی تک کی تمام دیواریں شیشے کے مثل بنا دیں اور وہاں جو کچھ گندا خلیل اللہ علیہ السلام یہاں بیٹھے بیٹھے ملاحظہ فرماتے رہے۔

انجام کار سنان بن علوان نے حضرت سارہ کو بڑے ادب اور احترام کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اور یہی نہیں بلکہ اپنی اکلوتی لڑکی اور چاہیتی بیٹی حضرہ ہاجرہ کو بھی آپکے ساتھ کر دیا

صحیح بخاری کتاب الہبہ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال

ھاجرا ابراھیم بسارۃ فاعطوھا آجر فرجعت فقالت اشعرت ان اللہ عزوجل کبت الکافر واخدم ولیدۃ (ابوہریرہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حضرت ابراہیم سارہ کے ساتھ ہجرت فرما کر گئے تھے وہاں حضرت سارہ کو جناب ہاجرہ ہبہ میں ملیں۔

حضرۃ سارہ (حضرت ابراہیمؑ سے) کیا آپ نے سنا کہ خدا نے کافر کو ذلیل کر دیا۔ اور ہمیں ایک لڑکی خدمت کے لئے بھی اس نے دلائی۔

حضرت ابراہیم۔ مجھے خدا نے سب کچھ دکھا دیا اس نے میرے لئے تمام دیواریں شیشہ نما کر دیں تھیں۔

بہرکیف دونوں مقدس ہستیوں کو ظالم کے ستم سے نجات مل گئی۔ اور ساتھ ہی حضرت ہاجرہ بھی برائے خدمت گذاری ملیں اسی لئے حضرۃ ہاجرہ کا نام آجرہ بھی ہے یعنی یہ اس مصیبت کا بدلہ ہیں جو دونوں بزرگوں کو بھگتنی پڑی تھی۔

معلومات۔ سخت افسوس کا مقام ہے کہ اہل کتاب حضرۃ ہاجرہ کی رفیع شان گھٹانے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ وہ لونڈی تھیں۔ اول تو خدا کے نزدیک لونڈی اور بیگم سب یکساں ہیں۔ وہاں کوئی بیگم ہو کر نیک عمل کئے بغیر عذاب الٰہی سے بچ نہیں سکتی۔ اور لونڈی ہو کر اچھے عمل کرنے کے بعد یقیناً اس کا مرتبہ بیگم سے افضل ہو جاتا ہے۔

رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اعملی اعملی یا فاطمۃ۔ عمل کرو عمل کرو اے فاطمہ، قیامت کے ہولناک میدان میں تمہارا میری بیٹی ہونا کام نہ آئیگا بلکہ تمہارے اعمال ہی کام آئیں گے۔

اللہ اکبر! اس صاف اور صریح حدیث کے بعد آپ ہی بتائیے کہ دنیا کے ادنیٰ اعلیٰ۔ لونڈی بیگم ہونے سے کیا فرق ہو سکتا ہے۔ وہاں تو نیک اعمال جسکے زیادہ ہوں وہی بیگم ہے۔ خواہ وہ لونڈی ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرے ابن خلدون نے تو اس

معاملہ کو بالکل ہی صاف کر دیا ہے۔

ابن خلدون۔ ہاجرہ شاہ مصر کی بیٹی نہیں جو اوبار کی وجہ سے بابل چھوڑ کر مصر آ بسا تھا اور اسنے اپنی ذاتی حیرت انگیز قابلیت اور لیاقت سے سارے مصر کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا یہانتک کہ اراکین سلطنت میں ممتاز ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ مصر کا خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔ سب سے پہلے جسکا لقب فرعون ہوا وہ یہی تھا۔ اسی کے عہد حکومت میں خلیل اللہ بوجہ قحط سالی فلسطین سے مصر میں آ بسے تھے اور حضرۃ سارہ کی کرامت دیکھکر اسنے اپنی بیٹی سیدہ ہاجرہ کو ان کی خدمت میں بطور نذر پیش کیا تھا۔" لہذا ہمیں کوئی حق نہیں کہ حضرۃ ہاجرہ کو خواہ مخواہ اہل کتاب کے کہنے پر جو صرف ان کے تعصب کا نتیجہ ہے۔ خدانخواستہ لونڈی تسلیم کریں۔

مبارک ہیں حضرۃ سارہ خاتون کہ انہیں حضرۃ ہاجرہ جیسی شہزادی بطور نذر ملیں۔ اور مبارک سیدہ ہاجرہ کہ وہ حضرت خلیل علیہ السلام سے منسوب ہوئیں۔ اور آقائے نامدار حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی جان والدۃ ذبیح اللہ ام العرب وغیرہ وغیرہ (آپ کے بہت بڑے بڑے مدارج ہیں) بن گئیں

آزمایش۔ چونکہ یہ کلیہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو ضرور آزمایا کرتا ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ الآیۃ (اور یقیناً ہم تمہیں آزمائیں گے تھوڑے سے خوف اور بھوک سے) پھر بیلا سیدہ ہاجرہ خدا کی آزمائشوں سے کس طرح بچ سکتی تھیں۔ یہ بھی کلیہ ہے کہ جتنا مرتبہ بلند ہوتا جاتا ہے اتنی ہی آزمائشیں سخت ہوتی جاتی ہیں۔

جنکے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے ۔۔۔ سہل ہے عشق بشر عشق خدا مشکل ہے

خلیل اللہ اور سیدہ ہاجرہ سے جیسا سخت امتحان لیا گیا ظاہر ہے کہ حضرۃ سارہ کو ایسا شدید ترین امتحان نہیں دینا پڑا جس سے سیدہ ہاجرہ اور حضرۃ سارہ کے مراتب میں جس قدر فرق پایا جاتا ہے اظہر من الشمس ہے۔ خلیل اللہ کا پہلا امتحان تو وہی تھا۔

جب آپ آتش نمرود میں ڈالے جارہے تھے بعض مفسرین کا قول ہے کہ ملائکہ نے مولا سے کریم سے عرض کیا الٰہی تو نے ابراہیم کو خلت کے خلعت سے کیوں نوازا؟ ارشاد ہوا آج وہی ہمارا ایک بندہ ہے جو ہماری مرضی پر چلنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کرتا اور دنیا میں توحید پر جان دینے والا ابھی اسوقت ہمارے خلیل کے سوا کوئی نہیں۔ فرشتوں نے عرض کیا الٰہی! اگر خلیل کسی مصیبت میں مبتلا ہو کر بھی اپنے رب جلیل کو اسی طرح یاد رکھیں تو ہم جانیں کہ وہ واقعی خلیل ہیں۔ چنانچہ جب آپ آتش نمرود میں ڈالے گئے اور فرشتوں نے آپکی مدد کرنا چاہی تو آپ نے صاف فرما دیا مجھے خدا کے سوا اور کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ ملائکہ سے یہ سنکر کہ خدا ہی سے درخواست کیجئے۔ آپنے فرمایا حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ عِلْمُہٗ بِحَالِیْ یہ درخواست کافی ہے کہ وہ میرا حال جانتا ہے۔ بہرکیف اسوقت فرشتوں نے یہ تسلیم کیا کہ اے رب جلیل بیشک یہ تیرا خلیل ہے تاہم ایسے جلیل القدر بزرگوں سے ایک ہی امتحان پر اکتفا نہیں کیا جاتا ہے نکتہ۔ حق پرست مسلمانوں! اگر تم کسی مصیبت میں ڈالے جاؤ۔ تو بجائے غمگین ہونے کے خوش ہوا کرو کہ تم سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ادا ہو رہی ہے۔ اور اگر تم اس امتحان میں کامیاب ہو گئے تو یقیناً جنت تمہاری مشتاق حوریں تمہاری منتظر اور تجلیات الٰہی تمہارے ہی لئے ہیں۔

خلیل اللہ اور حضرۃ ہاجرہ کی آزمائش۔ حضرۃ سارہ خاتون کو یہ ابھی طرح معلوم تھا کہ اب ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوگی اس لئے انہوں نے خود خلیل اللہ کا نکاح حضرۃ ہاجرہ سے کر دیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد حق جل مجدہ نے خلیل اللہ علیہ السلام کو ایک فرزند ارجمند پیدا ہونے کی بشارت مرحمت فرمائی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ (سورہ صفت پارہ ۲۳۔ رکوع ۳) ابراہیم نے کہا اے پروردگار مجھے نیک بختوں سے ایک فرزند مرحمت فرما لہذا ہمنے انہیں ایک برگزیدہ فرزند کی بشارت دی۔

اشارہ جس طرح یہاں غلام سے مراد بیٹا ہی۔ اسی طرح اگر توراۃ میں کہیں حضرۃ ہاجرہ کے متعلق لونڈی کا لفظ مل بھی جائے تو یقیناً وہ لڑکی ہی کے معنوں میں لیا جائیگا۔

بہرکیف حضرۃ ہاجرہ جس روز سے حاملہ ہوئیں اسی دن سے حضرۃ سارہ کے دل میں رشک کی آگ بھڑک اٹھی اور انہوں نے خواہ مخواہ یہ سمجھ لیا کہ اب سیدہ ہاجرہ مجھ کو حقیر سمجھنے لگی ہیں لہذا انہوں نے خلیل اللہ سے اس طرح گفتگو کی۔

جناب سارہ۔ (۱) میں سمجھتی ہوں کہ آپ اب ہاجرہ سے زیادہ خلاملانہ رہا کریں۔ (۲) اور ہاجرہ کے بطن سے جو بچہ پیدا ہوا سے آپ کبھی گود میں نہ لیں۔ پیار نہ کریں یہ سب کچھ میں خود کروں گی۔

خلیل اللہ۔ (منشائے الٰہی سے آگاہ ہوکر) جو کچھ تم کہتی ہو۔ وہی ہوگا اب جناب سارہ کو کسیقدر اطمینان ہوا۔

جب حضرت اسماعیلؑ (جدامجد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) آغوش مادر گرامی میں تشریف لائے تو خلیل اللہ نے اپنے اقرار کے مطابق وہی کیا جو حضرۃ سارہ نے آپ سے کہا تھا۔ تاہم ایک روز جب خلیل اللہ گھر میں تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ میرا چاند سا بچہ اسماعیل پڑا ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ باپ کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی بچہ کھیلتے کھیلتے اٹھتا ہے اپنی بساط سے زیادہ گھٹنیوں دوڑتا ہوا باپ کی ٹانگوں سے لپٹ جاتا ہے یہ وہ منظر تھا کہ اگر خلیل اللہ اس سے متاثر نہ ہوتے تو یقیناً محبت پدری کے علاوہ آپکی شان خلق کے بھی خلاف تھا ایک سنگدل سے سنگدل باپ بھی جب اس منظر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تو خلیل اللہ کس طرح نہ ہوتے۔ جب خلیل اللہ نے دیکھا کہ پیارا اور اکلوتا بیٹا ٹانگوں سے لپٹا ہوا ابا آبا کہہ رہا ہے تو عنان ضبط آپ کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اور آپ نے فوراً ذبیح اللہ علیہ السلام کو گود میں اٹھا لیا۔ ابھی آپ اچھی طرح اپنے چاند سے بچہ کو دیکھکر خوش ہونے اور پیار کرنے بھی نہ پائے تھے۔ کہ حضرت سارہ نے یہ دیکھ لیا

کہ آپ بچے کو گود میں لئے پیار کر رہے ہیں اور ساتھ ہی سیدہ ہاجرہ بھی سامنے ہی بیٹھی خلیل اللہ علیہ السلام پر محبت بھری نگاہیں ڈال رہی ہیں۔ بس پھر کیا تھا فوراً حضرۃ سارہ نے خلیل اللہ کو اپنا یہ اٹل فیصلہ سنا دیا۔

آپ ان دونوں ماں بیٹوں کو ابھی ابھی یہاں سے لیجائیے۔ اور کسی ویران مقام پر چھوڑ آئیے یہاں تو یہ ہو رہا تھا اور وہاں آسمان پر فرشتوں میں یہ ذکر تھا۔

وہ شخص اللہ کا خلیل کیسے ہو سکتا ہے جو اپنے بچے سے اسقدر محبت کرے۔

جناب باری سے فرشتوں کے ان الفاظ پر یہ حکم یا فیصلہ صادر ہوا۔

ہم ابھی ابھی اسماعیل اور ان کی والدہ کو ابراہیم سے علیحدہ کرائے دیتے ہیں اب دیکھنا ہمارے خلیل پر اسماعیل کی محبت غلبہ پاتی ہے یا ہماری۔ ادھر خلیل اللہ نے سارہ کا یہ فیصلہ سنتے ہی آسمان کی طرف نظر کی فوراً مشیت ایزدی نے آپ کو سمجھا دیا کہ آپ حضرۃ سارہ کے حکم کو ہمارا حکم سمجھیں اور فوراً تعمیل کریں۔ پھر کیا تھا خلیل اللہ نے کچھ کھجوریں اور ستو تھیلے میں بھرے۔ پانی کا بھرا ہوا مشکیزہ ساتھ لیا۔ پیاری بیوی اور لاڈلے بچے کو لیکر نکل چلے جب آپ کچھ عرصہ کے بعد مکہ کی اس خشک اور ریتلی زمین میں پہونچے جہاں اب خانۂ کعبہ ہے اور اسوقت کوئی انسان نظر نہ آتا تھا تو اونٹ چلتے چلتے رک گیا۔ خلیل اللہ نے ہزار چاہا کہ اس غیر آباد زمین سے اپنی بیوی اور بچہ کو کہیں اور لیجا کر بسا دیں مگر نتیجہ کچھ نہ ہوا۔ بلکہ اونٹ آگے بڑھنے کے بجائے وہیں بیٹھ گیا۔ تب خلیل اللہ سمجھے کہ یہ سب کچھ اسی رب جلیل کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ آپ نے فوراً اپنے جان سے زیادہ عزیز (معصوم) بچے اور پیاری بیوی کو اسی جلتے بہلتے ریتلے جنگل میں صفا و مروہ دو پہاڑیوں کے درمیان لا بٹھایا۔ ستوؤں کھجوروں کا تھیلا اور پانی کا مشکیزہ سامنے رکھکر چاہا کہ فوراً یہاں سے چلدیں کیونکہ جناب سارہ نے یہی کہدیا تھا

آپ راستے بھر ان سے کوئی بات نہ کریں اور جنگل میں چھوڑتے ہی بلا کوئی بات

کئے ہوئے فوراً وہاں سے چلے آئیں ساتھ ہی خلیل کو رب جلیل کا یہی یہ حکم ملا تھا کہ جس طرح سارہ کہیں اسی طرح کرو۔ بہرکیف جب خلیل اللہ حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ کو اس سنسان میدان میں چھوڑ کر جانے لگے تو حضرہ ہاجرہ سے ضبط نہ ہو سکا دامن ضبط و تحمل دست استقلال سے چھوٹ گیا۔ دوڑیں اور شوہر کا دامن پکڑ لیا جس کے بعد مقدس شوہر اور محترمہ زوجہ میں یوں گفتگو ہوئی۔

سیدہ ہاجرہ ۔ الی من تترکنا (آپ ہمیں کس پر چھوڑ چلے)

خلیل الی اللہ (اللہ پر)

حضرۃ ہاجرہ ۔ رضیت باللہ۔ یہ کہکر جلدی سے شوہر کا دامن چھوڑ دیا (میں اللہ پر راضی ہوں)۔ میرے ایسے نصیب کہاں کہ میری اور میرے بچے کی جان خدا کے رستے میں کام آسکے بسم اللہ آپ تشریف لیجائیے مجھے یہی اطمینان ہے کہ جب آپ ہمیں خدا پر چھوڑے جاتے ہیں تو وہ ہمیں ضائع نہ کرے گا

خلیل اللہ کی چشم حق بیں میں آنسو بھر آئے ساتھ ہی بیگم کا یہ استقلال دیکھکر مسرور بھی ہوئے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر جناب باری میں یوں عرض کرنے لگے

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ (سورہ ابراہیم۔ پارہ ۱۳۔ رکوع ۵۔ (اے اللہ میں نے تیرے پاک گھر کے پاس اپنی کچھ اولاد کو بسایا ہے جہاں کاشت بالکل نہیں ہوتی اس لئے کہ اے اللہ! یہ تیرے گھر کے پاس رہکر نماز پڑھیں پھر لوگوں کے دل ان کی طرف کھنچنے لگیں۔

اِدھر دعا کے الفاظ ختم ہوئے اُدھر خلیل اللہ اونٹ پر سوار ہو کر بیوی اور بچے کی محبت سے منہ موڑ کر اور خدا کے اس دوسرے امتحان میں بھی ثابت قدم رہ کر روانہ ہو گئے

فرشتوں میں شور مچ گیا اے رب جلیل واقعی یہ تیرا خلیل ہے جس نے پہلے تیرے حکم کے سامنے اپنی جان کی پرواہ نہ کی اور اب چاہتی بیوی اور بچے کو اس سنسان جنگل میں چھوڑ کر چلا گیا

صحیح بخاری ۔لیس یومئذ بمکۃ احد ولیس بھا ماء ۔ جس وقت حضرۃ ہاجرہ اور ان کا معصوم بچہ دونوں مکہ کے پر خار جنگل میں پہونچا دیئے گئے ۔ تو وہاں اسوقت نہ تو کوئی ذی روح چیز ہی نظر آتی تھی نہ پانی ہی تھا۔

حکمت ایسے جنگل میں خلیل اللہ کا اپنی بیوی بچہ کو چھوڑ کر چلے آنا کیسے بڑے جگرے کا کام تھا۔ چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو حضرت اسماعیلؑ سے یہاں خانۂ کعبہ بنوانا تھا اور نبی اسماعیل کو اسکا محافظ مقرر کرنا تھا اس لئے سیدہ ہاجرہ مُنہ اپنے ننھے سے بچے کے یہاں لائی گئیں۔ یہ مصلحت وحی الٰہی نے حضرت ابراہیم کو سمجھا دی۔ تو آپ کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ اور آپ دونوں کو خدا کے سپرد کر کے واپس ہو گئے۔

آب زمزم کس طرح جاری ہوا

تاریخ الانبیا ابن خلدون وغیرہ ۔ جب خلیل اللہ سیدہ ہاجرہ کو چھوڑ کر چلے گئے تو آپ بشاش بشاش اسی خوفناک اور وحشت انگیز جنگل میں ریت کی ایک ڈھیری سر کے نیچے رکھکر لیٹ گئیں اور اپنے معصوم بچے کو دودھ پلانے اور اس ننھے سے کھلونے سے کھیلنے لگیں۔ جب بھوک بہت لگتی اور پیاس کی بہت شدت ہوتی تو چند کھجوریں یا تھوڑے سے ستو کھا پانی پی شکر الٰہی بجا لاتیں۔ تاہم آب و طعام کا یہ قلیل ذخیرہ ختم ہو گیا۔ اور ایک دو نہیں پورے سات وقت صاف گذر گئے تو حضرۃ ہاجرہ بھوک پیاس سے بہت بیتاب ہوئیں۔ زیادہ اضطراب کی یہ وجہ تھی کہ آب و طعام نہ ملنے کے سبب سے دودھ خشک ہو گیا تھا اور سرورِ عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جان اسماعیل علیہ السلام بھوک پیاس کے مارے

ریت پر ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔ بھلا ماں اپنے بچہ کی یہ حالت دیکھکر کب ہوش میں رہسکتی ہے۔ سیدہ بیقرار ہوکر اٹھیں معصوم کو وہیں چھوڑا اور دوڑکر کوہ صفا پر چڑھ گئیں اس لئے کہ شاید کہیں پانی نظر آجائے۔ مگر جدھر آنکھ اٹھاتیں جہاں نظر دوڑاتیں۔ ریت کے دریا یا چند بے برگ و بار درختوں کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ مامتا نے اجازت نہ دی کہ وہ تھوڑی دیر اور یہاں ٹھیر سکیں۔ خیال آیا کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی موذی درندہ میرے بچے کے پاس آجائے اور معصوم کو منہ میں دبا کر لے بھاگے۔ قیامت کا اندیشہ تھا فوراً دوڑتی ہوئی پہاڑی کے نیچے اتریں بھوکے پیاسے بچے کے پاس آئیں زمین سے گود میں اٹھایا گلے لگایا پیار کیا۔ پھر وہیں لٹا دیا اور دوڑکر کوہ مروہ پر جا چڑھیں۔ اسی طرح سات مرتبہ پانی کی تلاش میں سیدہ صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر دوڑ دوڑ کر چڑھیں اور اتریں۔ سیدہ کا یہ بے اختیارانہ فعل حق جل مجدہ کو اسقدر پسند آیا کہ قیامت تک کے مسلمانوں کیلئے حج کے موقعہ پر صفا و مروہ پر سات سات مرتبہ دوڑنا لازمی کر دیا۔ جب سیدہ اس دوڑ دھوپ سے تھک گئیں۔ تو بیحال ہوکر اپنے پیارے بچے اسماعیلؑ کے پاس آکر گر پڑیں اور ان کی نگاہیں آسمان کیطرف جا لگیں۔ خدا جانے ان نگاہوں میں کیسا زبردست اثر تھا کہ زمین لرز گئی۔ آسمان کانپ گیا اور عرش تھرا گیا۔ جہاں معصوم اسماعیل ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔ وہیں فوراً خدا کی قدرت کا ایک نمونہ نظر آیا حضرت ہاجرہ نے دیکھا کہ جہاں میرا معصوم ایڑیاں رگڑ رہا ہے وہاں سے ایک پانی کا چشمہ ابل پڑا۔

حق تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ کی یہ بیچینی دیکھکر ارشاد فرمایا۔ یا جبریل۔ لبیک ربنا وسعدیک فوراً جاؤ اور ہمارے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد اسمعیلؑ، اور انکی والدہ کے لئے زمزم کھود دو۔

فوراً حکم کی تعمیل ہوئی۔ پلک جھپکنے میں یہ سب کچھ ہوگیا۔ جہاں ذبیح اللہ ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔ جبریل امین نے اپنا پر مارا اور وہاں سے زمزم کا ایک چشمہ جاری ہوگیا۔

صحیح بخاری / فاذا ھی یصوت فقال اغث ان کان عندک خیر فاذا جبریل وغمز عقبہ علی الارض فانبثق الماء رسیدہ نے سنا کہ ایک پکارنے والا پکار رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم سے ہمیں کچھ فائدہ پہونچ سکتا ہے تو ہمارے پاس آؤ جبریل امین تشریف لائے اور اپنی ایڑی زمین پر ماری ساتھ ہی پانی کا ایک چشمہ زمین سے ابلنے لگا۔

زمزم کی خوش قسمتی

زہے نصیب اس پانی کے جو جبریل امین کے پاؤں مارنے سے ذبیح اللہ جدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی والدہ کی بھوک پیاس بجھا دینے کے لئے جاری ہوگیا اور یہ ہی نہیں بلکہ شب معراج میں رسول کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک قلب دھونے کے لئے بھی یہی زمزم لایا گیا۔ ؎

ذرا زمزم کی قسمت دیکھنا معراج کی شب میں رسول اللہ کا دل دھونے کو لایا گیا زمزم آئے

اے زمزم تو کتنا قابلِ رشک ہے کہ تو ذبیح اللہ علیہ السلام اور امِ ذبیح اللہ کے کام میں آنے کے لئے جاری ہوا اور پھر تو داد ادادی کا وارثہ ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے مشرف ہوا۔ واقعی تو اپنے اوپر جتنا ناز کرے صحیح اور جسقدر فخر کرے بجا ہے۔

حضرت ہاجرہ نے جب زمین سے چشمہ ابلتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے معصوم ذبیح اللہ کو پانی پلایا۔ اور خود بھی پیا۔ پھر چاروں طرف سے بالوریت، سمینٹ کر منڈیر بنائی کہ کہیں ایسا نہ ہو یہ قدرتی چشمہ جو میرے لئے جاری ہوا ہے بہہ جائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خدا ہاجرہ کا بھلا فرمائے اگر وہ اس پانی کو روکنے کے لئے منڈیریں نہ بنا دیتی۔ تو یہ ایک جاری چشمہ ہو جاتا۔ اور میرے ادنیٰ ادنیٰ امتی کے گھر میں بھی جاری پایا جاتا۔

نکتہ۔ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آتش نمرود گلزار ہوگئی۔ اور جب یہ نور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کی پیشانی میں جلوہ افروز

ہوا تو آپ اور آپ کی والدہ جو بھوک پیاس کی وجہ سے قریب المرگ ہو گئے تھے۔ بچ گئے۔ اور زمزم جیسا بابرکت پانی پایا جسے پی کر کھانے پینے کی ضرورتیں رفع ہو جاتی تھیں۔

اللہ اکبر! نور محمدی کی برکتیں بھی کس قدر عظیم ترین برکتیں ہیں کہ اُن کی وجہ سے دو نبیوں اور ایک زوجۂ نبی تینوں کی مقدس جانیں بچ گئیں۔ اگر اُمّت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں میں اپنے مبارک نبی کی محبت کا نور جلوہ فرما ہے۔ تو قیامت کا وہ دن جس کا اندازہ پچاس ہزار سال ہو گا ان پر بالکل آسان ہو جائے گا۔ اور محبت رؤف رحیم کی برکت سے پچاس ہزار برس کی پیاس بجھ جائے گی ایسے آقائے نامدار پر ہزار بار امت قربان ہو جائے جس کے باعث ادنےٰ غلاموں اور لونڈیوں کے بھی اُن کی بساط سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر خدا کے فضل سے مرتبے بلند ہو گئے صلے اللہ علیہ وبارک وسلم۔

جنگل میں منگل

اب سیدہ ہاجرہ بہ اطمینان اس جنگل کو اپنے اور اپنے بچے کے نور سے روشن فرما رہی ہیں بھوک لگتی ہے تو زمزم اور پیاس لگتی ہے تو زمزم نوش فرما لیتی ہیں اور تشنگی کے ساتھ اشتہا بھی بجھ جاتی ہے آپ کو اس جنگل میں ایک عرصہ ہو گیا یہاں تک کہ ذبیح اللہ اس لمبے چوڑے جنگل میں اپنی والدہ محترمہ کی آنکھوں کے سامنے دوڑنے کھیلنے لگے۔ اور محترمہ کا کلیجہ وفور مسرت سے اچھلنے لگا۔ ایک روز قبیلۂ بنو جرہم کے کچھ لوگ اسطرف گذرے اور وہ خدا کی یہ قدرت دیکھکر حیران رہ گئے کہ اس خشک جنگل میں پانی کا چشمہ کس طرح جاری ہو گیا۔ اور وہاں بیٹے اس ہو کے عالم میں ہشاش بشاش کس طرح رہ رہے ہیں۔

بنی جرہم حیرت زدہ ہو گئے اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے۔
ہم اکثر ادھر سے گذرے ہیں۔ مگر کبھی ٹیلیں میدان اور خشک بیابان کے سوا
یہاں کچھ نہیں دیکھا آج یہ پانی کا چشمہ اور خصوصاً یہ مبارک خاتون مع ایک معصوم
بچہ کے یہاں موجود ہیں۔ یہ خدا کی عجیب و غریب قدرت نہیں تو کیا ہے؟۔
سردارِ قافلہ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاتون خدا کی بہت پیاری اور بڑی برگزیدہ
بندی ہیں جن کی وجہ سے حق تبارک و تعالیٰ شانہ نے پانی کا چشمہ جاری فرما دیا ہے
میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم لوگ ان مبارک خاتون کے قریب آبسیں تو یقیناً ہم بھی
خدا کی برکتیں حاصل کر سکیں گے۔
سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ سردار قافلہ آگے بڑھا۔ سیدہ کو سلام
کیا۔ اور کہنے لگا۔ کیا آپ اجازت دیتی ہیں کہ ہم آپ کی ہمسائیگی کا فخر حاصل کریں اور
آپ کی خدمت فخر سلطنت سمجھیں۔
سیدہ ہاجرہ۔ بڑے شوق سے مگر کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ لوگ چاہ زمزم پر قبضہ جمالیں
سردار۔ ہرگز نہیں۔ ہم آپ کے خدام کی حیثیت سے یہاں رہیں گے۔
سیدہ ہاجرہ۔ خدا تمہیں برکت دے۔
فوراً قافلے بھر نے اپنا سفر ملتوی کیا سب اپنے اپنے گھر گئے اور اپنی بیوی بچوں
کو ساتھ لیکر اسی جنگل میں آبسے
چھوٹے چھوٹے کچے مکان بنا لئے گئے۔ اور سیدہ ہاجرہ ان سب کی ملکہ
بنکر رہنے لگیں۔ خدا کی قدرت تھوڑے ہی عرصہ میں جنگل میں منگل ہو گیا۔ جہاں دور دور
تک انسان کا نام نہ ملتا تھا۔ اب خدا کے فضل سے اچھی خاصی آبادی ہو گئی۔
معلومات۔ یہی وہ عرب ہیں جن میں رؤف رحیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم مبعوث فرمائے گئے۔ اور بنی جرہم ہی کی جو زبان تھی وہی یہ زبان ہے جو عربی کہلاتی ہے

اور اسی میں قرآن کریم نازل ہوا۔

اگرچہ لوگوں نے عربوں کی وجہ تسمیہ میں طول طویل حواشی لکھے ہیں۔ تاہم میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کو ان چیزوں میں وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں بس یہ سمجھنا کافی ہے کہ بنی اسمٰعیل کی نسل عرب کہلائی گئی۔

ذبیح اللہ اپنی والدہ محترمہ کے آغوش محبت میں پلے بڑھے۔ جوان ہوئے اور تربیت پائی۔ بنی جرہم کی زبان ہی آپ کی زبان ہوئی۔ یہی وہ عربی ہے جو آجتک کسیقدر ترمیم و تنسیخ کے ساتھ بولی جاتی ہے۔

پانچواں باب

حضرت ذبیح اللہ کے کچھ اہم واقعات

اسمٰعیل علیہ السلام اسوقت مادر گرامی کی آغوش کا اجالا ہوئے جب خلیل اللہ علیہ السلام کی عمر ۹۰ سال کی تھی۔ آپ ہی جدِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کا مبارک لقب ذبیح اللہ ہے۔ آپ کا مع والدہ مکرمہ کے مکہ میں آنا تو قارئین کرام پڑھ ہی چکے ہیں۔

بہرکیف جب آپ جوان ہوئے تو آپ کی شادی بنو جرہم کے سردار کی لڑکی سے ہوگئی۔ جو نہایت خوبصورت نیک سیرت پاک طینت خوش اخلاق اور سلیقہ شعار تھیں۔ آپ سے پہلے سیدہ ہاجرہ نے ذبیح اللہ کا نکاح ایک مصری عورت سے کردیا تھا۔ مگر ذبیح اللہ نے اپنے والد کے ارشاد کے مطابق اسے طلاق دیدی تھی

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سارہ خاتون کی اجازت سے خلیل اللہ اپنی

پیاری بیگم اور چاہتے بیٹے سے ملنے مکہ معظمہ تشریف لائے اتفاقاً ذبیح اللہ مکان پر نہ تھے شکار کھیلنے کے لئے ذرا فاصلے سے جنگل میں تشریف لے گئے تھے

سارہ خاتون نے خلیل اللہ کو اجازت تو دیدی تھی مگر ساتھ ہی یہ بھی کہدیا تھا کہ سواری سے اترے بغیر خیر و عافیت پوچھتے ہی فوراً ہی واپس تشریف لے آیئے اس لئے خلیل اللہ جب اپنے مدت کے بچھڑے فرزند کے مکان پر پہنچے اور یہ معلوم ہوا کہ ذبیح اللہ شکار کو گئے ہیں تو آپ نے ان کی زوجہ سے فرمایا۔ اگر کھانے کی کوئی چیز موجود ہو تو لے آؤ۔

بہو۔ ہمارے پاس تو ایک دانہ بھی موجود نہیں۔

خلیل اللہ۔ تو تمہارا گذر کس طرح ہوتا ہے۔

بہو۔ سخت تنگدستی اور فاقہ کشی رہتی ہے کبھی اچھی طرح پیٹ بھر کر روٹی کھانے اور تن ڈھکنے کو کپڑا میسر نہیں آتا۔

خلیل۔ اپنے شوہر سے کہدینا کہ تم اپنے دروازہ کی چوکھٹ بدلڈالو۔ یہ ہرگز تمہاری شان کے لائق نہیں ہے۔

یہ کہکر خلیل اللہ واپس ملک شام میں تشریف لے گئے۔ اور شام کو جب ذبیح اللہ گھر تشریف لائے تو آپ کی بیوی نے خلیل اللہ کا پیغام کہہ سنایا۔ اور ساتھ ہی ان کا حلیۂ مبارک بھی میاں کے استفسار پر بتا دیا۔

ذبیح اللہ۔ وہ میرے ابا جان تھے۔ اور یہ حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں فوراً طلاق دیدوں۔ لہذا میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ اور آج سے تم میرے نکاح سے باہر ہو

اس واقعہ کے بعد ذبیح اللہ کی شادی بنو جرہم کی سردار زادی سے ہوگئی جیسا ہم ابھی عرض کر چکے ہیں

معلومات۔ تورات میں یہ پایا جاتا ہے کہ اگرچہ حضرت اسمٰعیلؑ کی شادی ایک مصری

عورت سے ہوئی تھی۔ لیکن یہ قطعی ہے کہ اولاد بنو جرہم کی سردار زادی سے ہوئی۔
آپ کی پہلی بیوی کو طلاق ہو جانے کا ذکر ابن خلدون۔ تاریخ الکامل۔ ابن اثیر
تاریخ الانبیاء وغیرہ میں موجود ہے۔

ان ٹکڑوں کو جوڑ کر ہمنے جو نتیجہ مرتب کیا وہ آپ سطور بالا میں ملاحظہ فرما چکے
ہیں۔ یعنے آپ کی پہلی شادی مصری عورت سے ہوئی اور جب انہوں نے کفران
نعمت کیا تو انہیں طلاق مل گئی۔ پھر ذبیح اللہ کی شادی بنو جرہم میں ہو گئی۔

تنبیہ۔ مسلم عورتو! اسوقت تم اور صرف تم میری مخاطب ہو۔ خدا کے لئے کان
کھولو غفلت کی روئی نکال پھینکو۔ اور عارضی بیگم بنکر اترانہ جاؤ۔ اس لئے کہ مستقل
بیگم وہی ہو سکتی ہے جو خدا کے نزدیک اچھی ہو۔ آج تمہاری ناشکری اس قدر حد سے
بڑھ گئی ہے جس کے اظہار سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ تم شوہر کو اتنا بھی نہیں سمجھتیں جیسے
کوئی اپنے محبوب جانور کو سمجھتا ہے۔ ذرا سی لڑائی میں آپے سے باہر اور غصے سے
بیقابو ہو جاتی ہو بے سوچے سمجھے کہہ اٹھتی ہو۔

میں نگوڑی نصیبوں جلی مقدر پھوٹی جب سے اس کے گھر میں آئی آج تک
چین نہ ملا۔ اسوقت تک اس نے کبھی دو پیسے کے پھول بھی مجھے نہ پہنائے
اب تک ننگی فاقہ کشی اور دکھڑا پیٹنے ہی میں گذری۔

میں پوچھتا ہوں کیا تم سنت ابراہیمی کے مطابق طلاق کی مستوجب نہیں
ہو؟ چاہے شوہر نے اپنی حیثیت سے کہیں بڑھ چڑھ کر بیوی بنو کی حسرتیں امنگیں
ارمان حوصلے نکالے ہوں مگر ناشکر بیوی کی زبان پر وہی آئیگا جو میں کہہ چکا ہوں
دیکھو خلیل اللہ علیہ السلام اسی کفران نعمت کے ہاتھوں بہوسے ناراض ہو گئے
اور ساتھ ہی ان کو طلاق دینے کا بھی حکم دے گئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں معراج کی شب جب مجھے تمام چیزیں

کے ساتھ ساتھ دوزخ بھی دکھائی گئی تو میں نے دیکھا کہ عورتیں جہنم میں کثرت سے جھونکی جا رہی ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ ذرا ذرا سی بات میں لڑائی جھگڑا مول لے لیتی ہیں۔ اور خدا کی ناشکری اکثر کرتی رہتی ہیں۔

کیا تمہاری عبرت کے لئے یہ چیز کچھ کم ہے؟ مجھے معلوم ہے کہ تم میں ایسی بھی ہیں جو اخلاق کا آفتاب اور سیرت کا چاند ہیں۔ تاہم اکثریت انہیں عورتوں کی ہے جو میری مخاطب ہیں۔

خدا کے لئے اس کج خلقی۔ تیز مزاجی۔ ناشکری سے باز آؤ۔ اور جہنم کی سلگتی ہوئی آگ۔ بھڑکتے ہوئے شعلوں۔ دہکتے ہوئے انگاروں سے بچ جاؤ۔ مجھے معلوم ہے کہ مردوں کی ایک بڑی تعداد بھی عورتوں پر ظالمانہ جابرانہ حکومت کر رہی ہے۔ تاہم اگر عورتوں کا طرز عمل اپنے مردوں کے ساتھ روز بروز اچھا ہوتا جائے اور ساتھ ہی اپنے بچوں کی تربیت بھی اعلیٰ پیمانہ پر کریں تو وہ اس مصیبت سے یقیناً جلد چھٹکارا پا سکینگی اگر مائیں بچوں کی تربیت صحیح کر دیں تو وہ بڑے ہو کر بیویوں پر ظلم نہیں کر سکتے وما علینا الا البلاغ

شکر گزار بیگم جب دوبارہ خلیل اللہ اپنے فرزند ذبیح اللہ کو دیکھنے آئے اور اب بھی اتفاق سے وہ نہ مل سکے تو آپ نے ان دوسری بہو سے کہا پانی لاؤ وہ پہلے کچھ کھانا لائیں جب آپ کھانا کھا چکے تو انہوں نے ٹھنڈا پانی پلایا

خلیل اللہ۔ بیٹی تمہاری کس طرح گذر ہوتی ہے۔؟

بہو۔ خدا کا شکر ہے بہت اچھی طرح۔ منہ نہیں جو معبود کا شکریہ ادا کیا جائے۔

خلیل اللہ۔ اپنے شوہر سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ میاں! اس چوکھٹ کی بہت حفاظت اور قدر کرنا

یہ فرما کر آپ تشریف لے گئے۔ اور ذبیح اللہ نے شام کو جب آکر سنا تو فرمایا وہ میرے ابا جان تھے اور مجھے تمہاری قدر اور حفاظت کرنے کا حکم دیگئے ہیں

مرحبا نصیب اُن بہو کے جو خلیل اللہ جیسے خسر کی نظروں میں عزیز ہوگئیں
ان کے قدم بہ قدم چلنے والی عورتیں بھی یقیناً عزت اور مرتبت کی مستحق ہونگی

ختنہ کی ابتداء ننانوے سال کی عمر میں جب ذبیح اللہ تیرہ سال کے تھے تو خلیل اللہ کو جناب باری سے ختنہ کرنے کا حکم ہوا۔ یہ سنت آج تک مسلمانوں میں جاری ہے۔ اور قیامت تک جاری رہے گی۔

ایک اور سخت امتحان

معبود ہم دیکھتے ہیں کہ تیرا خلیل اپنے بچے اسمٰعیل سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔ کیا خلیل کی یہی شان ہونا چاہئے؟

کیا تم میرے خلیل کو پھر آزمانا چاہتے ہو۔؟

لَا رَیْبَ۔!

انتظار کرو۔

ذی الحجہ کا مہینہ ساتویں تاریخ آٹھویں شب جب خلیل اللہ مکہ معظمہ اپنی بیگم اور صاحبزادے کے پاس تھے تو آپنے یہ عجیب خواب دیکھا کہ۔

آپ کسی چاہیتی چیز کو خدا کی راہ میں قربان کر رہے ہیں صبح خلیل اللہ نے ایک بکرا قربانی کر دیا۔ دوسری شب آپنے دیکھا۔

میں اپنے بچے اسمٰعیل کو منا کے مقام میں خدا کے لئے ذبح کر رہا ہوں۔

آنے والا دن آپکے لئے بہت سخت پس و پیش کا تھا۔ تاہم جب تیسری رات بھی آپ نے یہی خواب دیکھا تو سمجھ گئے کہ اشارہ ربانی ہے۔

صبح اٹھے تو ذی الحج کی دسویں تاریخ تھی آپنے سیدہ سے فرمایا اسمٰعیل کو نہلا دھلا کر اچھے کپڑے پہنا دو۔ میں انہیں ایک بڑی سرکار میں لیجا رہا ہوں۔ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور سات یا تیرہ سال کی ننھی سی قربانی دولہا بنکر کھڑی ہوگئی

معلومات۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ ہاجرہ کی وفات ہو چکی تھی۔ تاہم یہ متحقق ہے کہ ذبیح اللہ پندرہ سال کے تھے جب آپ کی والدہ ۹۰ سال کی عمر میں اس فانی دنیا سے رخصت ہوئیں۔ اور قربانی کی روایات دیکھئے تو دو ہیں۔ سات سال اور تیرہ ۱۳ سال۔ اگر تیرہ سال کی روایت ہی صحیح مان لیجائے تو بھی حضرت ہاجرہ کا حیات ہونا ثابت ہے ہاں آپ ہی کے مبارک ہاتھوں نے اس پیاری قربانی کو دولہا بنایا تھا خلیل اللہ کے ارشاد کے موافق لمبی رسی اور تیز چھری دونوں چیزیں ذبیح اللہ نے اپنے ہاتھ میں لیں اور مقدس باپ کے پیچھے روانہ ہو گئے۔

دوسری روایت اس طرح ہے کہ آٹھویں شب جب خلیل اللہ نے خواب دیکھا تو یہ دیکھا کہ ایک پکارنیوالا پکار رہا ہے اے خلیل! رب جلیل کے نام پر ذبیح اللہ کو ذبح کر دو۔

آپ اچھی طرح اس خواب کے معنے نہ سمجھ سکے اور بہت سے اونٹوں کی قربانی کی۔ جب نویں شب میں پھر دیکھا کہ خود رب جلیل ارشاد فرما رہا ہے "اے خلیل! اسمٰعیل کو ہمارے نام پر ذبح کر دو تو عرض کیا۔

الٰہی کس طرح ذبح کروں؟

دسویں شب خلیل اللہ نے دیکھا کہ اسمٰعیل کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں انہیں بکرے کیطرح لٹایا گیا ہے۔ اور میں ان کے گلے پر چھری چلا رہا ہوں مگر پاس ہی ایک دنبہ کھڑا ہے جو خلیل اللہ سے ذبیح اللہ کی سفارش کر رہا ہے۔

کہتا ہے کہ انہیں چھوڑ دیجئے۔ اور مجھے ذبح کیجئے۔

دسویں ذی الحجہ کا دن ایک نہایت مبارک دن تھا جس میں دونوں مقدس نبیوں نے قرب الٰہی کے لاکھوں مرحلے طے کر لئے۔ اور باپ بیٹے دونوں مکان سے نکلکر حکم الٰہی بجالانے کے لئے روانہ ہو گئے۔ شیطان لعین یہ دیکھکر گھبرا گیا۔ اور جلدی سے ایک

بڈھے کی صورت میں حضرۃ ہاجرہ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

شیطان ۔ آپ کو خبر ہے خلیل اللہ اسمٰعیلؑ کو کہاں اور کیوں لے گئے ہیں؟

سیّدہ ہاجرہ ۔ ہاں میں جانتی ہوں وہ دونوں کسی بڑے آدمی کے ہاں دعوت میں گئے ہیں۔

شیطان ۔ بھولی بیگم یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ خلیل اللہؑ ذبیح اللہؑ کو ذبح کرنے کے لئے جنگل میں لے گئے ہیں۔

سیّدہ ہاجرہ ۔ بوقوف ہے دیوانہ ہے آج تک کسی باپ نے اپنی اولاد کو قتل کیا ہے جو خلیل اپنے فرزند کو قتل کریں گے۔

شیطان ۔ آپ کو خبر نہیں انہیں خدا کی طرف سے یہی حکم ملا ہے۔

سیّدہ ہاجرہ ۔ اگر ایسا ہے تو زہے نصیب اس بچے کے جو مولا کی راہ میں قربان ہو۔ اے کاش! میرے شوہر مولا کے نام پر مجھے بھی ذبح کر دیں تو میرے لئے یہ دن سب سے بڑی مسرت کا دن ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے تو شیطان ہے اور مجھے بہکانا چاہتا ہے۔ دور ہو مردود شیطان اپنا سا منہ لیکر رہ گیا اور بھاگا۔ دوڑتا ہوا ذبیح اللہ کے پاس آیا اور وہی کہنے لگا جو ابھی سیدہ ہاجرہ سے کہہ رہا تھا آپنے فرمایا۔

اگر میرا خون خدا قبول کرلے تو میرے لئے اس سے زیادہ مسرت کا موقعہ نہیں ہو سکتا دور ہو لعین میرے سامنے سے۔

اب شیطان خلیل اللہ کے پاس آیا اور کہا۔

شیطان ۔ آپ کو کیا ہو گیا کہ آپ شیطانی خواب کے پیچھے اپنے معصوم بچے کو قتل کئے ڈالتے ہیں۔

خلیل اللہ ۔ یہ انشاء ربانی ہے۔ بھلا میں تیرے بہکاوے میں کب آسکتا ہوں۔ چل دور ہو۔

شیطان - ابراہیم خدا سے ڈرو جس طرح قابیل نے ہابیل کو مار ڈالا اور گناہ میں گرفتار ہوا کہیں تم بھی غضب الٰہی کے مستوجب نہ ہو جاؤ۔

ابراہیمؑ - اولعین قابیل نے بھائی کو نفس کی خاطر اور خوبصورت عورت کے لئے مارا تھا میں اسمٰعیل کو مولا کے لئے ذبح کر رہا ہوں مردود مجھے قابیل سے مثال نہ دے اس نے بھائی کو مار کر بھاوج کو اپنے لئے خاص کر لیا تھا اور میں اپنے بچے کو ذبح کر کے اپنا دل معبود کے لئے خاص کر لوں گا۔ کہ میرے اور مولا کے درمیان کسی اور محبت کا پردہ ہی حائل نہ رہے۔

اب شیطان رونکھا ہو کر ایک خونخوار صورت بنائے راستہ روک کھڑا ہو گیا جب شیطان جمرۂ اولیٰ کے پاس مہیب صورت میں ڈٹ کر کھڑا ہو گیا تو خلیل نے اللہ کے حکم سے اسپر سات کنکریاں پھینک ماریں اسی طرح بقیہ دونوں مناروں کے پاس بھی یہی صورت ہوئی تینوں مقامات پر آپنے شیطان کو سات سات کنکریاں ماریں جو آج تک اور قیامت تک مسلمانوں کے لئے ارکانِ حج میں داخل ہیں اور رہیں گی۔

جب اللہ کے خلیل منا کے میدان میں پہونچے۔ (جہاں حاجی لوگ اپنی اپنی قربانیاں کرتے ہیں) جس کے متعلق مولائے کریم ارشاد فرماتا ہے۔ فلما بلغ معہ السعی (پھر جب نوجوان بیٹا اور باپ دوڑ پہونچے) تو خلیل اللہ نے اپنے پیارے بچے سے یوں گفتگو شروع کی۔

ابراہیمؑ یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی (اے میرے پیارے فرزند میں نے کئی مرتبہ خواب میں دیکھا کہ میں تمہیں خدا کی راہ میں ذبح کر رہا ہوں اب تم سوچ کر بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے) سورۂ صٰفّٰت پارہ ۲۳ رکوع ۲۔

اسمٰعیلؑ - یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۵ (ابا جان

خدا کے کام میں جلدی کیجئے۔ آپ عنقریب خدا چاہے تو مجھے بڑھا پا پائیں گے۔)
خلیل اللہ نے فرمایا۔ شاباش! مرحبا!! اور خدا کی رحمتیں تم پر تمہارے حوصلے
پر اور تمہاری دانشمندی پر اے فرزند! تمہاری مرضی کے بغیر میں اللہ کا یہ کام پورا
نہیں کر سکتا تھا۔ الحمد اللہ کہ تم بھی میرا ہاتھ بٹانے میں میرے برابر ہی کے ثابت ہوئے۔
نعم المعین انت یا بنی۔ (اے فرزند! تم خدا کا حکم پورا کرنے کے لئے میرے بڑے
اچھے مددگار ہو۔

اسمٰعیلؑ جلدی کیجئے ایسا نہ ہو۔ دیر ہو جانے سے مولا ناخوش ہو جائے۔ مگر
میری تین وصیتیں یاد رکھئے۔ (۱) میرے ہاتھ پاؤں رسی سے باندھ دیجئے تاکہ
میں تڑپوں تو آپ کے کپڑے میرے خون سے آلودہ نہ ہوں اور میں ناشکروں
میں نہ ہو جاؤں (۲) مجھے اس طرح زمین پر لٹائیے کہ میرا منہ آپ کی طرف نہ ہو
کہ آپ محبت پدری سے مجبور ہو کر میرے ذبح کرنے میں دیر لگائیں۔ (۳) میرے
خون بھرے کپڑے میری اماں جان کو دیدیجئے تاکہ وہ انہیں دیکھکر مجھے یاد
کر لیا کریں۔

خلیل اللہ نے بیٹے کی وصیتیں قبول کیں اُن کے ہاتھ پاؤں رسی سے
باندھ دیئے۔ اور انہیں زمین پر پچھاڑ کر پیشانی پر چھری رگڑتے ہوئے پیارے بچے کے
گلے پر رکھدی۔

ذبیح اللہ۔ ابا جان جلدی کیجئے۔ دیر نہ لگائیے مجھے واصل الی اللہ ہونے
کا شوق بیتاب کر رہا ہے ؎

پھیرے اللہ اکبر کہکے گردن پر چھری میں ترے قربان تو کر ڈال قربانی مجھی

خلیل اللہ نے زور سے چھری چلائی۔ ایک دفعہ نہیں تین مرتبہ مگر ذبح
اللہ کا ایک رواں بھی نہ کٹا

ذبیح اللہ۔ کیا آپ مجھ کو آزمائے ہی جائیں گے جواب تک الٹی چھری میرے گلے پر پھیر رہے ہیں

جب خلیل اللہ نے کئی مرتبہ چھری تیز کر کے پیارے بچے کے نازک گلے پر چلائی۔ اور خط تک نہ پڑا۔ تو ننھی سی بولتی ہوئی قربانی نے کہا۔

ذبیح اللہ! ابا جان! چھری کی نوک میرے گلے پر رکھکر اپنا پورا زور اُس پر دیدیجئے گرہاں دیکھئے۔ میرے ہاتھ پاؤں رسی سے کھولدیجئے کہیں ایسا نہ ہو فرشتے مجھے بے صبرا کہدیں

خلیل اللہ نے ایسا ہی کیا اور ذبیح اللہ سجدے میں سر رکھکر اللہ کے لئے قربان ہونے کو تیار ہو گئے۔

خلیل اللہ نے چھری کی نوک فرزند کے گلے پر رکھی اور اپنا پورا زور دیدیا

آسمانوں کے دروازے کھل گئے۔ فرشتوں میں شور مچ گیا۔

فرشتے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر

ذبیح اللہ۔ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔

خلیل اللہ۔ اللہ اکبر و للہ الحمد۔

(یہی وہ کلمے ہیں جو ایام تشریق میں پڑھے جاتے ہیں)

معبود! اپنے اسمٰعیل پر رحم کر

تمہاری تو خواہش تھی کہ ابراہیم سے امتحان لیا جائے اب دیکھو۔ ابراہیم کو بچہ زیادہ پیارا ہے۔ یا ہم

الٰہی! رحم فرما۔

جب خلیل اللہ نے اپنا پورا زور چھری پر دیدیا تو سارا پھل دستے

میں جا رہا۔ مگر ذبیح اللہ کا ایک رواں بھی نہ کٹا۔ اب خلیل اللہ نے چھری پتھر پر پھینک دی۔

چھری گویا ہوئی۔

چھری۔ مجھ پر کیوں غصہ ہے؟

خلیل اللہ۔ اس لئے کہ تو میرے ننھے سے بچے کا نازک گلا نہ کاٹ سکی۔

چھری۔ نمرود کی آگ بھی تو آپ کو نہ جلا سکی۔

خلیل اللہ۔ اُسے تو خدا کا حکم تھا۔

چھری اور مجھے بھی خدا ہی کا حکم ہے۔ یا ابراہیم الخلیل یقول مرۃ اقطعی والجلیل یقول سبعین مرۃ لا تقطعی۔ (اے ابراہیم الخلیل ایک دفعہ کہتا ہے کہ اے چھری کاٹ اور جلیل ستر دفعہ کہتا ہے کہ نہ کاٹ۔ اب خلیل کا کہنا مانوں یا رب جلیل کا)

اتنے میں خلیل اللہ نے ایک آواز سنی جو یقیناً خدا کی آواز تھی ارشاد ہوتا ہے

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ عین ذبح کے وقت ہمنے ابراہیم کو پکارا بس کر تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا اور ارشاد باری کی تعمیل کر چکے۔

ساتھ ہی قریب سے ایک آواز آئی قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا (آپ نے خواب سچا کر دکھایا)

خلیل اللہ نے پلٹ کر دیکھا تو پاس ہی ایک دنبہ کھڑا ہے اور وہ بے زبان اشاروں میں ذبیح اللہ کی سفارش کر رہا ہے۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ (سورہ صٰفّٰت رکوع ۲) (بیشک ہم نیک بندوں کے مرتبے اسی طرح بلند فرمایا کرتے ہیں۔ یقیناً یہ بڑا امتحان تھا۔ اور ہمنے ایک بڑی قربانی اسمٰعیلؑ کے فدیہ میں دی)

سبحان اللہ! اللہ نے دونوں نبیوں کو کیسے بڑے خلعت سے نوازا وہ ہمیشہ اپنے پیارے بندوں کے مراتب یوں ہی بلند فرماتا ہے۔

جب خلیل اللہ نے دنبہ کو اپنے پاس کھڑا دیکھا تو آپ کو اپنا خواب یاد آگیا جو اس وقت بالکل سچا ہو رہا تھا۔ اور یہ بھی سچ ہو گیا کہ اے اسمٰعیل! ہم جنگل میں چلکر ایک بڑی قربانی کریں گے۔

فوراً جبریل امین بحکم رب العالمین تشریف لائے اور ذبیح اللہ کو زمین سے اٹھا کر فرمایا یہ بڑی قبولیت کا وقت ہے اس وقت جو دعا مانگو گے قبول ہو گی۔

ذبیح اللہ دونوں ہاتھ جناب باری میں بلند کرتے ہوئے۔ اے اللہ مشرکین کے سوا سب کو بخشدے۔

واہ کیا عمر ہے اور کیا دعا ہے۔!! اپنے لئے کچھ نہ مانگا اور سب کے لئے ایسی اچھی دعا مانگی جس کے قبول ہونے میں شک نہیں کیا جا سکتا معمولی آدمی کو بادشاہ بنا دو تو وہ سب کو بھول جاتا ہے۔ مگر ذبیح اللہ نے اس معراج کمال کے وقت سب کو یاد رکھا اور اپنے لئے کچھ دعا نہ کی۔ کیوں نہ ہو۔ افضل الاولین والآخرین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین نبی کریم رؤف رحیم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جان ہیں۔ کس طرح سب کے لئے دعا نہ مانگتے۔

ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا جب دندان مبارک شہید ہوا اور معبود نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو ہم ان سب کو غارت کر دیں۔ تو آپ نے یہی عرض کیا رَبِّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔ (الٰہی! میری قوم کو ہدایت دے کہ یہ لوگ مجھ کو جانتے نہیں ہیں۔)

معراج میں اللہ تعالیٰ سے بارہ ہزار کلام ہوئے۔ مگر سب کے سب امت ہی کے بارے میں تھے تفصیل اپنے مقام پر آئیگی۔

پہلا نکتہ۔ حضرت ذبیح اللہ کی مبارک گردن کیوں نہ کٹ سکی اس لئے کہ آپ کی پیشانی میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم چمک رہا تھا۔ اسی نور کی برکت سے

خدا نے آپ کو دوبارہ زندگی دی۔ اور آپ کے فدیہ میں دنبہ بھیجدیا۔
اللہ اللہ! تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا بڑا مرتبہ ہے۔

دوسرا نکتہ دنبے کو بڑا ہدیہ کیوں فرمایا اس لئے کہ یہ دو نبیوں کے بدلے میں ذبح ہوا تھا۔ ایک حضرت اسمٰعیل جو عمر میں بڑے اور دوسرے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو عمر میں چھوٹے۔ مگر مرتبہ میں سب سے بڑے ہیں

بہرکیف ۔ خلیل اللہ اور ذبیح اللہ نے تھوڑی دیر میں قربِ الٰہی کی لاکھوں منزلیں طے کرلیں اور دونوں خوش خوش اپنے مکان تشریف لائے دنبے کا گوشت پکوا کر لوگوں کو کھلایا۔ کھال کا دسترخوان بنایا اور اون کی چادر بنوا کر بی بی سارہ کو اڑھائی۔ یہی چادر جبریل امین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ لائے تھے۔ جو آپ نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرحمت فرمادی تھی۔ (تاریخ ابن خلدون۔ سیرۃ الانبیاء وغیرہ

کسی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ۱۰ ذی الحجہ کو قربانی کرنے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا۔

سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ (میاں! یہ تمہارے نبی کے باپ ابراہیم کی سنت ہے) پھر آپ نے پورا واقعہ زبانِ فیض ترجمان سے بیان فرمایا۔

اگرچہ ہم نقل کرتے ہیں اور نقل میں وہ ثواب نہیں تاہم ان تین دن میں قربانی کرنیکا بہت بڑا ثواب ہے۔

ذبیح اللہ کون تھا؟

خلیل اللہ ؑ کو اللہ نے ایک دوسرے فرزند کی بشارت دی۔ وَبَشَّرْنٰہُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ سورہ صفت رکوع ۳۔ (اور خوشخبری سنائی اللہ نے (خلیل اللہ ؑ کو) اسحٰق نبی کی جو صالحین سے تھے)

اہل کتاب کہتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق تھے مگر یہ سراسر غلط ہے زیادہ الجھن میں نہ پڑیئے اور فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ سے يَا إِسْحَٰقُ نَبِيًّا مِّنَ الصَّٰلِحِينَ تک پڑھ جایئے اور خود ہی فیصلہ کر لیجئے۔ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۝ (اور اللہ تعالیٰ کے قول سے بڑھ کر کس کا قول سچا ہے۔)

پہلے اللہ نے حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کی خلیل اللہ کو بشارت دی فَبَشَّرْنَٰهُ بِغُلَٰمٍ حَلِيمٍ پھر ذبیح اللہ کے ذبح کا واقعہ بیان فرمایا۔ ان سب کے بعد اپنی خوشنودی کا پروانہ مرحمت فرماتے ہوئے ابراہیم پر سلام فرمایا اور جب خلیل اللہ کی اس سخت ترین آزمائش میں پورے اترے تو جلیل نے انہیں ایک اور فرزند کی بشارت دی مطلب یہ تھا کہ اے نبی! تم اپنے اکلوتے فرزند اسمٰعیلؑ کو ہماری راہ میں قربان کرنے لائے تھے۔ مگر ہم نے یہ ہی نہیں کیا کہ تمہارے اور اپنے پیارے اسمٰعیلؑ کو دوبارہ خلعتِ حیات مرحمت فرمایا اور اُن کے بدلے میں جنت سے ذبیحہ بھیجا۔ بلکہ ساتھ ہی اس کے صلہ میں ایک دوسرے فرزند نبی صالح کی بشارت بھی سنا دی۔

جو ہمارے لئے اتنا ایثار کرتے ہیں ہم ان کو ایسے ہی ایسے گراں بہا انعام دیا کرتے ہیں لیجئے فیصلہ ہو گیا اور اہل کتاب کے خیالات کی تردید قرآن مجید ہی سے ہو گئی وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ۝ (اور اللہ کی بات سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہو سکتی ہے۔)

ہم اس موضوع پر بہت طویل بحث کرتے اور خود توراۃ سے یہ ثابت کر دکھاتے کہ اہل کتاب کی تردید توراۃ سے بھی ہو سکتی ہے۔ یورپ اور عرب کی تاریخ بھی ساتھ ساتھ [illegible] کرتے کہ اسلامی مورخین کے علاوہ یورپ کے تاریخداں کی ایک جماعت بھی ہماری ہمنوا ہے۔ سب کچھ لکھتے۔ مگر اسکو کیا کیجئے کہ عوام کی ذہنیت ابھی اس قابل نہیں کہ وہ یہ کارآمد مضامین پڑھ سکیں اور اُن سے نتیجہ نکال سکیں۔

اور ایک بات یہ بھی ہے کہ وقت کم رہجانے کی وجہ سے ہمیں خود بھی یہاں زیادہ عرض کرنیکا موقعہ نہیں ملا۔ یہاں تو قرآن کریم سے اسمٰعیلؑ کا ذبیح اللہ ہونا ثابت کر دیا گیا مگر رؤف رحیم کی جلد ثانی میں کسی مناسب موقعہ پر عرب اور یورپ کے مورخین کے اقوال اور ساتھ ہی مفسرین تورات کی کہلی ہوئی رائے جو ہمارے دعوے کی صداقت میں ہے وغیرہ وغیرہ سب کچھ بشرط حیات مستعار ہدیۂ ناظرین کرینگے۔

چونکہ مسلمانوں کے لئے قرآن کریم کے برابر دنیا میں کوئی کتاب ہے نہ ہوسکتی ہے اور ہم رؤف رحیم زیادہ تر مسلمانوں ہی کے لئے لکھ بھی رہے ہیں۔ لہذا قرآن کریم کی صاف وصریح شہادت مسلمانوں کے لئے دوسری کتابوں سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے۔ اسلئے بھی ہمنے یہاں زیادہ لکھنا مناسب نہ سمجھا۔ ہاں جہاں افضل الاولین والآخرین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل تورات وانجیل سے زیب قرطاس کئے جائینگے۔ وہیں اس بحث کا بھی بہت اچھا موقع ہوگا۔ کیونکہ اُس اب میں آقائے نامدار کے فضائل بیان کرنے میں صرف تورات وانجیل ہی سے کام لیا جائیگا

تاہم یہاں بھی اپنے دعوے کی تصدیق میں اہل کتاب سے ایک سوال کرنے کو جی چاہتا ہے۔

اگر ذبیح اللہ حضرت اسحاق تھے۔ تو یہودیوں میں قربانی کی رسم جاری ہونی چاہیئے تھی اب فیصلہ یہی اور صرف یہی ہوسکتا ہے کہ اگر قربانی یہود میں جاری ہے تو حضرت اسحاق کے ذبیح ہونے پر روشنی پڑتی ہے۔ اور اگر مسلمانوں میں قربانی رائج ہے تو کیا وجہ کہ جدّ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیل کے ذبیح اللہ ہونے سے انکار کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اہلِ کتاب اس کا جواب نہ دیسکیں گے۔ اسلئے کہ ساڑھے تیرہ سو برس سے مسلمانوں میں بحد اللہ ذی الحجہ کی ۱۰-۱۱-۱۲ تاریخوں میں قربانی ضروری ہے جو برابر ہوتی رہتی ہے اور ہوتی رہے گی۔ بہرکیف ہمارے اور اہلِ کتاب کے طرز عمل ہی

سے اُن کے دعوے کی تردید اور ہمارے قول کی تصدیق ہو گئی۔

نمرود کی خدائی کا خاتمہ

جس زمانہ میں خلیل اللہ نے بیت المقدس میں سکونت اختیار فرمائی اُسی زمانہ میں جبریل امین کی معرفت حضرت خلیل اللہ کو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم پہونچا کہ آپ نمرود کو سمجھانے کے لئے بابل جائیں فوراً آپ نے ارشادِ الٰہی کی تعمیل کی اور بابل پہونچکر نمرود کو بہت سمجھایا مگر اس مردود متکبر کی سمجھ میں خاک بھی کچھ نہ آیا بلکہ اُس نے کہا کہ میں تمہارے آسمانی خدا سے (معاذ اللہ) مقابلہ کروں گا۔

یہاں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ نمرود نے ایک تابوت بنوایا اور اُس میں چار بھوکے گدھ باندھ کر سوار ہوا۔ ایک مصاحب کو پاس بٹھالیا اور گوشت کے چند ٹکڑے تابوت کے اوپر کی جانب باندھ دیئے گدھ گوشت کھانے کے لئے اوپر کی جانب متوجہ ہوئے اور اس ترکیب سے نمرود کا تابوت فضائے آسمانی میں اڑنے لگا مصاحب نے جب نمرود کے اس فعل پر اسے برا بھلا کہا تو اُس نے مصاحب کو تابوت سے دھکیل دیا جو غالباً زمین پر پہونچنے سے پہلے ہی ختم ہو گیا اب نمرود مردود تابوت اُڑاتا ہوا بہت بلند ہو گیا اور ایک مقام پر اُس نے گمان میں تیر جوڑ کر آسمان کی طرف لگایا فوراً معبود کے حکم سے مردود کے تیر میں تازہ خون لگا کر واپس کر دیا گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ بے غیرت جامے سے باہر ہو گیا خوشی کے مارے اچھل پڑا۔ اور کہا وہ مارا۔ اب ہر جگہ میری ہی خدائی ہو گئی۔ بھلا یہ تیر کب رکتا تھا اس نے آسمانی خدا کا (معاذ اللہ نقل کفر کفر نہ باشد) خون بہا کر ہی چھوڑا۔

اِس کے بعد فوراً ہی مردود نے گوشت کے ٹکڑے نیچے کی جانب باندھ دیئے اور گدھ نیچے اترنے لگے۔ یہانتک کہ کچھ عرصہ میں نمرود کا تابوت زمین کے نچلے حصّہ میں آپہونچا۔ اب نمرود کی خوشی کا کیا کہنا تھا۔ مردود ازلی جوشِ مسرت سے ابلا پڑتا تھا تاہم جیسا کے زمین پر اترتے ہی لوگوں پر ایسی ہیبت چھائی کہ سب دھم دھم گرے اور بیہوش ہو گئے۔

جب ہوش میں آئے تو سب کی زبانیں الگ الگ ہوگئیں اور کوئی کسی کی بات نہ سمجھ سکا۔ نمرود ہزار چیخا پیٹا۔ مگر کسی نے بھی اس کا مطلب نہ سمجھا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہی منشا تھا

بہرکیف نمرود نے خلیل اللہ سے کہا

نمرود۔ دیکھو میں نے تمہارے خدا کو ہلاک کر دیا یہ خون بہر تیر شاہد ہے۔ اب آسمانوں پر بھی میری خدائی ہوگئی۔

خلیل اللہ۔ مردود واہیات نہ بک۔ میرا خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا کس کی مجال جو اُس کی جناب میں بے ادبی کرنا تو کجا اُسے دیکھ بھی سکے۔ اے گمراہ یہ گمراہی چھوڑ دے کبر و نخوت کو دماغ سے نکال ڈال۔ اور صراط مستقیم پر چل۔

نمرود۔ میرا تیر اب تک خون میں بہرا ہوا ہے میں کیسے یقین کروں کہ تم سچ کہتے ہو۔ اچھا یہ تو بتاؤ تمہارے خدا کا لشکر کتنی تعداد میں ہے۔

خلیل اللہ۔ لاتعداد۔ (وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ۔ (خدا کے سوا تیرے رب کے لشکر کی تعداد کوئی نہیں جانتا)

نمرود۔ کچھ پرواہ نہیں جب میں تمہارے آسمانی خدا کو مارا اور اُس کا ملک چھین چکا۔ تو اُس لشکر کی کیا حقیقت سمجھتا ہوں۔ اچھا جاؤ اور اپنے خدا کا لشکر تیار کرو۔

خلیل اللہ۔ مردود میرے خدا کے لشکر کو تیاری کی ضرورت نہیں۔

اسکے بعد نمرود نے چالیس لاکھ کا لشکر جمع کیا جو منزلوں تک پھیلا ہوا تھا بعض روایات میں لشکر نمرود کی تعداد ساٹھ لاکھ مذکور ہے۔

بہرکیف عرصہ دراز تک مردود ان ہی بیہودہ اور لغو مشاغل میں پڑا رہا۔ آخر ایک دن جب پورا لشکر اچھی طرح آراستہ ہوگیا۔ اور چالیس یا ساٹھ لاکھ زرہ پوش سوار صفیں باندھ باندھ کر کھڑے ہوگئے۔ تو نمرود نے خلیل اللہ سے کہا۔

نمرود۔ اب اپنے خدا کے لشکر کو بلاؤ اور اُس سے کہو اگر تجھ میں طاقت ہے تو میری حکومت چھین لے۔

خلیل اللہ۔ کفر نہ کب بیہودہ گوئی سے باز آ۔ اور اللہ کو وحدہ لاشریک سمجھ تاکہ دنیا کی بادشاہت کے ساتھ ساتھ آخرت کی بادشاہت بھی تجھے ملجائے۔

خلیل اللہ نے ہر اچھا یا عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ مگر نمرود وہی کفر بکتا رہا جسکا دہرانا فضول ہے۔ آخر کار خلیل اللہ نے نمرود سے مایوس ہو کر ربّ خلیل کی بارگاہ میں دست دعا بلند کئے

اے اللہ۔ اے زیروں کو شیر تلوں کو پہاڑ۔ اور کمزوروں کو طاقت ور بنانے والے۔ اب نمرود کا غرور حد کو پہنچ گیا اور وہ معاذ اللہ تجھ سے مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ اسے معہ اسکی فوج کے ہلاک کر دے۔

دعا قبول ہوئی اور چالیس یا ساٹھ لاکھ مچھروں کا لشکر جو دیکھنے میں سب سے زیادہ حقیر معلوم ہتا ہی، نمرود اور نمرودیوں پر آگرا۔ تیر کیطرح ایک ایک مچھر سب کے دماغ میں گھس گیا اور بھیجا کھانے لگا۔ کچھ ہی دیر میں سطح زمین پر لاشوں کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ اس طرح نمرود اور اُس کی ساری خدائی کا خاتمہ ہو گیا۔

اللہ اکبر! کیسے طاقتور لشکر کے مقابلہ میں کتنی حقیر فوج بھیج گئی جس نے اپنی جانوں کے نقصان کے بغیر سب کا کام تمام کر دیا۔ اور خدا کا لشکر یہ ادا کرتی ہوئی غائب ہو گئی۔

نکتہ۔ نمرود نے خلیل اللہ سے کہا تھا کہ تمہارے خدا کی حکومت تو ایک مچھر پر بھی نہیں۔ یہی فقرہ پکڑ لیا گیا۔ اور اللہ نے مچھروں ہی کا ایک لشکر بھیجکر اُسے معہ لشکر کے غارت کر دیا۔

ڈرا اے انسان ڈرا! خدا کے قہر و غضب سے ڈر!!! اور اُس کا نافرمان نہ بن

تیری عزت حکومت۔ دولت۔ امارت۔ طاقت کیا چیز ہے جس خدا نے بڑے بڑے سرکشوں کو خاک میں ملا دیا۔ اس کے سامنے۔ ع

تیری ہستی کیا ہے تیری بات کیا
تیری ہستی کیا تری اوقات کیا

ناشکرا نافرمان نادان انسان کبھی اپنی زبان سے غرور کا کلمہ نہ نکال اپنے آپ کو دنیا بھر سے زیادہ حقیر سمجھ۔ اور موتوا قبل ان تموتوا کا مصداق بنجا تاکہ خدا کی رحمت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت تیرے ساتھ ہو۔

بہرکیف نمرود کے جھگڑے سے فراغت پاکر خلیل اللہؑ نے خداوند جلیل کی درگاہ میں سجدۂ شکر ادا کیا۔

نوٹ = آپ کی حیات طیبہ کے بہت سے کارنامے اور آپ کے بشمار فضائل ہیں جو طوالت کے خوف سے زیب صفحات نہ ہو سکے۔

خانہ کعبہ کی تعمیر

خلیل اللہ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اسی چٹیل میدان اور گھنے جنگل میں جاؤ جہاں اپنی بیوی اور بچے کو چھوڑ آئے تھے اور خانہ کعبہ کی تعمیر کرو حکم ربانی کی تعمیل کے لئے فوراً خلیل اللہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ اسوقت ذبیح اللہ کی عمر تیس سال بتائی جاتی ہے۔

صحیح بخاری جب خلیل اللہؑ کعبۃ اللہ کی تعمیر کے ارادے سے مکہ معظمہ پہونچے تو ذبیح اللہ شکار کھیلنے کے لئے تیروں کو درست کر رہے تھے۔ بہرکیف خدا کے دونوں برگزیدہ بندوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی۔ خود حق جل مجدہ فرماتا ہے

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

سورہ بقرہ رکوع ۱۴۔ (اور جب ابراہیمؑ اسمعیلؑ علیہ السلام کے ساتھ خانہ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے۔ تو یہ دعا کرتے تھے۔ الٰہی! ہماری یہ خدمت قبول فرمائے کیونکہ تو ہی

سننے اور جاننے والا ہے۔)

اللہ اکبر! ان دونوں پیغمبروں کے مراتب اللہ نے کس درجہ بلند فرمائے ہیں کہ اپنے خاص گھر کی تعمیر ان دونوں مقدس ہستیوں سے کرائی۔

اُسوقت جب دونوں بزرگ خانۂ کعبہ بنانے میں مصروف تھے آفتابِ عالم تاب رسالت ماہتابِ فلکِ نبوت سرورِ عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس نور حضرت آمینہ کی پیشانی مبارک سے سورج کی شعاعوں کیطرح چھن چھنکر اُس مقام کو نورٌ علیٰ نور کر رہا تھا۔ ہاں اُس خانۂ کعبہ کی تعمیر میں رسول کریم رؤف رحیم محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور بھی شریک تھا۔

بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اینٹ پر گارا لگاتے تھے تو اینٹ خود بخود ہاتھ سے چھوٹ کر دیوار میں لگجاتی تھی۔ اسی وجہ سے خلیل اللہ نے تھوڑی سی مشقت کے بعد خانۂ کعبہ تعمیر کر دیا۔

ہاں یہ اُسی نورِ محمدیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت تھی کہ دو نبیوں کے ہاتھوں بہت تھوڑے عرصہ میں بیت اللہ کی تعمیر ہوگئی۔ آدم علیہ السلام کے واقعہ سے لیکر یہانتک نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ ہر اہم واقعہ میں نورِ محمدیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب انبیاء کرام کو کامیابی حاصل ہوگئی۔ اور ہمارے اِس دعوے کی تصدیق کہ آپ کی نبوت اصل ہے جملہ انبیاء کی نبوت کے مقابلہ میں

حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک اللہ نے بندوں کو بتدریج ترقی مرحمت فرمائی۔ جس طرح بچہ پیدا ہوتے ہی نہیں چلنے لگتا۔ اِسی طرح دنیا پیدا ہوتے ہی مہذب خلیق۔ متواضع۔ متمدن وغیرہ نہیں ہوگئی تھی بلکہ جس طرح بچہ رفتہ رفتہ ترقی کرکے جوان ہوتا ہے۔ اسی طرح اہلِ دنیا بھی تدریجی ترقی کرتے کرتے اُسوقت جوان ہوئے۔ جب آقائے نامدار مولائے ذی وقار۔ امت کے والی۔ گلشن اسلام کے مالی۔ فخرِ

دو عالم حضور محمد رسول اللہ علیہ وسلم جہانِ خاکدان کا اجالا ہوئے۔ وہ اُجالا جسکے سامنے چاند سورج گرد ہو گئے

چونکہ بچوں کی تعلیم کے لئے آتالیق کی ضرورت ہوتی ہے اور شریعت کے احکام کا اپنے پورا نفاذ نہیں ہوتا اِس لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام نے دنیا میں تشریف لاکر اہلِ دنیا کو تعلیم اور تربیت دی۔

کتاب المعارف۔ جن میں تین سو پندرہ نبی اور رسول تھے۔ اسی لئے جملہ انبیاء کا دین بھی کامل نہ تھا۔

جب اہلِ دنیا جوان ہو گئے۔ تو سرتاجِ انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کا حکم نافذ ہو گیا یعنی جب بچوں کی تعلیم و تربیت کا زمانہ ختم ہو گیا اور انہوں نے گلشن شباب میں قدم رکھا تو باغبان قضاء و قدر نے اپنے حبیب اپنے پیارے اور اپنے سب سے برگزیدہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گلشنِ عالم میں بھیجا۔ چنانچہ آجتک اور قیامت تک آپ ہی کی شریعت جاری ہے اور رہیگی۔ اب اس کامل شریعت میں کسی قسم کی تبدیلی ہونا غیر ممکن ہے۔

بہرکیف جملہ انبیاء کے مقابلہ میں آپ کی نبوت اصل ثابت ہے۔ اللھم صل علی سیدنا و مولٰنا محمد و علی آل سیدنا و مولٰنا محمد و بارک وسلم

ایسے آقائے نامدار پر امت ہزار بار کیوں نثار نہ ہو جائے جو اپنی امت ہی کے نہیں بلکہ جملہ انبیاء کے بھی سردار ہیں۔ بدنصیب ہیں وہ لوگ۔ بدقسمت ہیں وہ انسان جن کے دلوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نور نہیں جگمگا رہا۔ اور خوش نصیب ہیں وہ ہستیاں خوش بخت ہیں وہ آدمی جن کے دل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے مزین ہیں اور جن کے لبوں پر اکثر اوقات محبت بھرے انداز میں درود جاری ہو جاتا ہے۔ اللھم صل علی سیدنا محمد بقدر

حسن و جمال

اے گمراہ ہستی کب تک جہالت کی تاریکی میں بھٹکتی رہیگی۔ آفتاب توحید کی روشنی میں آ اور ماہتاب نبوت کے نور سے مستفیض ہو جا۔ تیرے اللہ سے دل میں اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور محبت کی شمع روشن ہو اور اس وجدان کے عالم میں بے اختیار دل سے اللہ اللہ کی صدا بلند ہو جائے اور لبوں پر درود شریف جاری ہو جائے تو تو ہی وہ ہستی ہوگی جو آسمان انوار پر ایک درخشندہ ستارہ ہو جائے۔ اور مرنے کے بعد بھی رحمۃ اللہ علیہ کے شاندار لقب سے ممتاز ہو سکے ؎

دل میں ذکر اللہ کا لب پر محمد مصطفےٰ — وہ اگر کعبہ بنا تو یہ مدینہ ہو گیا
ہو نبی کی بھی محبت عشق رحمانی کیساتھ — وہ نبی انگشتری تو یہ نگینہ ہو گیا

صلے اللہ علیہ وبارک وسلم

جب خانہ کعبہ کی دیواریں قد آدم تک پہونچیں تو ایک سڈول پتھر کی ضرورت محسوس ہوئی جس پر کھڑے ہو کر خلیل اللہ نے بیت اللہ کی تعمیر انجام کو پہنچائی اس پتھر پر آپ کے مبارک قدموں کے نشان ہو گئے۔ یہ پتھر اب بھی موجود ہے۔ اور مقام ابراہیم کے شاندار نام سے مشرف ہے

جب خانہ کعبہ کی تکمیل ہو گئی تو جبریل علیہ السلام کی معرفت اللہ تعالیٰ نے بہشت سے ایک پتھر بھیجا جو حرم محترم میں نصب کیا گیا۔ ساتھ ہی معبود برحق نے دونوں مبارک نبیوں سے یہ عہد لیا وَعَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَٰعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِينَ وَٱلْعَٰكِفِينَ وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ ۵ سورہ بقرہ۔ پارہ اول۔ رکوع ۱۴ اور جب عہد لیا ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل سے کہ (اس) ہمارے پاک گھر کو طواف کرنے اعتکاف کرنے۔ اور رکوع و سجود بجا لانے والوں کے لئے پاک و صاف رکھو۔

تاریخ گواہ ہے کہ سرور عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ ہجری میں

خانہ کعبہ کو تین سے پاک فرما کر اپنے دادا جان خلیل اللہ کے جہد کی از سر نو تکمیل فرما دی جس کی حرمت آج تک قائم ہے۔ اور انشاء اللہ قیامت تک رہیگی خلیل اللہ ہر سال آتے اور حج کر جاتے تھے۔

کچھ اور مختصر واقعات

جب حضرۃ سارہ کے بطن سے حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔ تو خلیل اللہؑ کی عمر ایک سو سال کی تھی۔ مقدسہ سارہ نے ایک سو ستائیس سال کی عمر میں وفات پائی۔

(کتاب المعارف) اور سرزمین کنعان کے ایک قریہ "حبرون" میں (جو جبارہ کی ملک میں تھا) جسے حضرت خلیل اللہ نے خرید لیا تھا۔ دفن ہوئیں۔

سیدہ ہاجرہ اور مقدسہ سارہ کے بعد خلیل اللہ نے جناب قطورا اور حضرۃ حجورا سے نکاح کیے قطورا سے یقشان۔ زمران۔ مدان۔ مدین۔ چار فرزند پیدا ہوئے۔ اور حجورا سے اشبق۔ شوخ۔ کیسان۔ فروخ۔ ابراہیم۔ لوطان۔ نافس۔ سات لڑکے پیدا ہوئے اور اس طرح حضرت خلیل اللہ کے تیرہ فرزند نرینہ ہوئے۔

حضرت خلیل اللہ نے ایک سو پچھتر سال اور بقول دہب دو سو سال کی عمر میں وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ کے جنازہ میں حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحاق دونوں مقدس نبی اور اُن کے بھائی شامل تھے۔ آپ مقدسہ سارہ کے پاس ہی حبرون میں دفن ہوئے

آپ ہی کی ریش مبارک میں پہلے پہل سفید بال آئے تھے۔ اور آپ ہی کی شریعت کی بہت سی باتیں اس شریعت میں جاری ہیں۔

حضرت اسمٰعیلؑ عرب میں اور حضرت اسحاقؑ شام میں مقیم رہے۔ ذبیح اللہ کے بارہ فرزند ہوئے جو بارہ قبیلوں کے سردار تھے۔ تاریخ میں اُن کے یہ نام بتائے جاتے ہیں۔

نبیت۔ قیدار۔ ادبئیل۔ مبسام۔ مشما۔ دومہ۔ مشا۔ حدر۔ تیمہ۔ اطور۔ نفیس۔ قدمہ
آپکے دوسرے فرزند قیدار نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے امین ہوئے۔
حضرت ذبیح اللہ نے ایک سو سینتیس ۱۳۷ سال کی عمر میں وفات پائی اور اپنی والدہ
ماجدہ حضرۃ ہاجرہ کے پاس مقام حجر میں دفن ہوئے۔
اللہ اکبر! خلیل اللہ کی دعائے قبولیت کا کسقدر بلند ترین درجہ حاصل کیا کہ
آپ کے زن و فرزند وفات کے بعد بھی خانہ کعبہ کے قرب میں ہی رہے۔

دعا کے الفاظ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ
رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ
يَشْكُرُونَ سورہ ابراھیم کوع ۵ اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد میں سے کچھ اس جنگل میں جہاں
کھیتی نہیں ہوتی۔ تیرے محترم گھر کے پاس لا بسائی ہے۔ اے ہمارے رب تاکہ یہ نمازیں
پڑھیں۔ تو ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہوں۔ اور انہیں پیداوار میں سے
روزی دے۔ تاکہ یہ تیرے شکر گذار ہوں)

کتاب المعارف جب ذبیح اللہ کی اولاد کثرت ہوگئی اور مکہ میں نہ سما سکی۔ تو
بہت سے لوگ مختلف شہروں میں گئے۔ اور خدا کے فضل سے انہیں دشمنوں پر
فتح حاصل ہوئی اور وہ وہیں رہنے لگے۔

الٰہی ہزار ہزار درود و سلام بھیج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور
ان کی آل پر جیسے تو نے درود و سلام بھیجے۔ ابراہیم اور آل ابراہیم پر ۔

بھیج پیغمبر اور ان کی آل پر
کل مسلمانوں کی تسلیمات تو

آمین یارب العالمین

چھٹا باب

شجرۂ طیبہ اور کچھ متعلقات

اطلاع ہم چاہتے ہیں کہ شجرہ مبارکہ کے ساتھ ساتھ آبار الکرام و امہات العظام کے اسمائے گرامی بھی زیب قرطاس کرتے۔ مثلاً حضرت عبداللہ کی والدہ ان کے والد حضرۃ آمنہ کی والدہ ان کے والد دادا پردادا نانا نانی پرنانا پرنانی ان سب حضرات کے شجرے حوالہ قلم کریں۔ تاہم یہ دیکھکر کہ بظاہر ابھی سیرۃ النبی شروع نہیں ہوئی اور حجم کافی ہوگیا۔ اگرچہ اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اسکے ہر ہر جزو سے سیرۃ النبی پر روشنی پڑتی ہے۔ تاہم عوام کو یہ کہنے کا موقعہ ضرور مل سکیگا کہ سیرۃ النبی کے ساتھ آدم۔ نوح۔ ابراہیم۔ اسمٰعیل علیہم السلام کی سیرت کیوں لکھی گئی۔ حالانکہ ہم متعدد مقامات پر عرض کرچکے ہیں کہ مذکورہ انبیاء کرام نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے بڑے بڑے مصائب و شدائد سے محفوظ رہے اُن کے مدارج اور مراتب اسی نور کے باعث زیادہ بلند ہوئے ہیں لہٰذا جب تک ان حضرات کی مختصر سیرۃ احاطۂ تحریر میں نہ آتی اسوقت تک جملہ انبیاء پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کس طرح ثابت کی جاتی۔ ہمارا دعویٰ تھا کہ رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اصل ہے جملہ انبیاء کے مقابلہ میں اور اس دعوے کی تصدیق مذکورہ انبیاء کرام کی مختصر سیرت ہی کرسکتی تھی۔ یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ ہمنے تمام مشہور انبیاء کی سوانح کیوں نہ لکھی تاہم اگر ہم ایسا کرتے تو اصل چیز کے لئے قارئین کو بڑا انتظار کرنا پڑتا جن جن انبیاء کی مبارک پیشانیوں میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پاک منتقل ہوتا رہا ضرور

اُن ہی کی حیات طیبہ کا ایک مختصر اور بہت ہی مختصر نقشہ پیش کر دیا گیا۔ اس میں ایک یہ فائدہ بھی ہے کہ اگر واعظ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کرنا چاہیں یا کوئی اور مرد عورت گھر میں اہلِ خانہ کو سنانا چاہیں تو وہی باب نکالکر پڑھ لیں۔ پھر اگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مولودِ مسعود کا بیان کرنا چاہیں تو بیچ کے تمام ابواب چھوڑ دیں اور وہی باب پڑھ لیں۔ اسی طرح جو چیز پڑھنا چاہیں وہی باب نکال کر پڑھ سکتے ہیں۔

لیکن اگر نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سلسلہ قائم رکھنے کے لئے کوئی آدم علیہ السلام اور ان مذکورہ بالا انبیاء علیہم السلام کے واقعات بھی سننا چاہے تو پڑھنے والا مسلسل پڑھ جائے۔

جس طرح واعظ قرآن کریم کی ایک آیت لیکر مختلف واقعات پر اس کا تطابق کرتے ہیں اسی طرح ہم نے بھی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیکر مذکورہ مقدس انبیاء کرام ؑ کی سیرۃ بیان کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ تاجدارِ انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء کرام ؑ کے سردار ہیں وغیرہ وغیرہ۔ تفصیل عرض کیجا چکی ہے۔

ہم آبا الکرام اور امہات العظام کا شجرہ بنظرِ اختصار پیش نہیں کر سکے تاہم اگر کوئی صاحب دیکھنا چاہیں تو کتاب الانساب۔ کتاب الانتساب اور رحمۃ للعالمین میں دیکھ سکتے ہیں جن سے یہ معلوم ہوگا کہ آدم علیہ السلام سے لیکر جناب عبداللہ تک حق تبارک و تعالیٰ شانہ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کی خود حفاظت فرمائی ہے۔ آبا و اجداد کا نسب تو یہی ہے لیکن ننہال در ننہال اور ددہال در ددہال کے شجرے بھی موجود اور محفوظ ہیں جن میں سے ایک بزرگ بھی ایسے نہیں بتائے جا سکتے جو خدانخواستہ اپنی زوجہ کے علاوہ

کسی اور کو بُری نظر سے دیکھ بھی سکے ہوں۔

اللہ اکبر! اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کی کس قدر زبردست حفاظت کی گئی ہے کہ سارا عالم ایسی دوسری مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ جس طرح موتیوں کی ڈھیریوں میں سے چند ہی موتی منتخب ہوتے ہیں اور اُن چند میں بھی دیکھتے دیکھتے ایک موتی سب پر فوقیت حاصل کر لیتا ہے اسی طرح ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام میں چند نبی اپنی اولوالعزمی ایثار۔ اخلاق وغیرہ کی وجہ سے بارگاہ رب العزت میں زیادہ ممتاز ہوئے (جیسے آدم نوح۔ ابراہیم۔ اسمٰعیل۔ موسےٰ۔ عیسےٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

اس سے دوسرے انبیاء کی شان میں فرق نہیں آتا جس طرح ہر موتی قدر کے قابل ہے اور دنیا بھر کے کنکروں اور پتھروں کا بادشاہ ہے اسی طرح ہر نبی ایک ایسا گوہر آبدار ہے جس کی ضو نے دور تک دنیا کو منور کر دیا۔ اور ہر نبی جہان بھر کے انسانوں سے لاکھوں کروروں درجہ افضل ہے۔

لیکن دنیا بھر کے بڑے بڑے بادشاہوں کو جمع کر لیجئے پھر بھی چند میں خصوصیات پائی جائیں گی جس طرح چند بادشاہوں کی خصوصیات سے تمام بادشاہوں کے مرتبوں میں کمی نہیں ہوتی۔ اسی طرح چند انبیاء کی تخصیص سے جملہ انبیاء کے مراتب میں فرق نہیں آسکتا۔

ہاں چند انبیاء بارگاہِ الٰہی میں ممتاز ہوئے اور اُن چند میں ایک اور صرف ایک درِ یتیم آفتابِ عالم تابِ عرب ستان فخرِ دو جہان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چن لیے گئے۔ اور اسی لئے روزِ ازل ہی سے اللہ تعالیٰ نے اس مبارک نبی کے نسب کی خود حفاظت فرمائی۔ مقدس میں وہ نبی جنہیں سوا لاکھ انبیاء کرام میں سے معبود نے ممتاز فرما دیا۔ اور مبارک ہے یہ امت جو خدا کے ایسے

پیارے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلام بنا دی گئی صلی اللہ علیہ وبارک وسلم

شجرۂ مبارکہ

جو شجرہ پیش کیا جا رہا ہے وہ ہمارے نزدیک اتنا صحیح ہے کہ اس سے بہتر حضور اکرم کا شجرہ نسب تمام عالم نہیں پیش کر سکتا۔ یہ شجرہ طیبہ ہم نے کہاں سے لیا کون کون سی کتابیں ہمارا ماخذ ہیں۔ انساب عرب محفوظ رکھنے کی تاریخ کیا ہے ہم اس شجرۂ مبارک کو سب سے زیادہ صحیح کیوں سمجھتے ہیں۔ وغیرہ۔ اِن تمام سوالات کا جواب انشاء اللہ جلد ثانی میں پیش کیا جائیگا۔ یہ تفصیل عوام وخواص کے لئے اسقدر نئی دلچسپ اور پُر از معلومات ہوگی۔ کہ قارئین کرام متحیر رہجائیں گے اور اس عنوان کو ایک بہترین مخزن معلومات سمجھیں گے۔ چونکہ یہاں شجرۂ طیبہ لکھنا ضروری تھا اس لئے شجرہ مبارک پیش کر دیا گیا اور اس کے تمام متعلقات کی دلچسپ تفصیل انشاء اللہ جلد ثانی میں مناسب مقام پر پیش کی جائیگی۔ جہاں ہمیں عربوں کے اقسام پر بھی بحث کرنی ہے۔ مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شجرۂ طیبہ پیش کرنے سے پہلے آقائے نامدار کی بارگاہ میں خلوص سے لبریز دل اور محبت بھری زبان سے بہزار ادب واحترام درود شریف کا تحفہ نذر گذاریں ہاں اُس آقائے نامدار کے حضور میں جسکا شجرۂ نسب تمام جہان سے افضل اور جسکی ذات والا صفات ساری دُنیا سے ارفع واعلیٰ ہے۔ جسے بارگاہِ لم یزلی سے سید المرسلین خاتم النبین رحمت للعالمین رؤف رحیم وغیرہ کے بیمثال اور لازوال خلعت رحمت ہوئے اور جسکے باعث یہ گناہ گار اُمت بھی کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ کے بہترین لقب سے ملقب ہوگئی ہاں اُسی آقائے نامدار کے حضور میں شجرۂ طیبہ بطحظہ فرمانے سے پہلے درود وسلام عرض کیجئے کیونکہ ادب کا یہی طریقہ ہے۔ عقیدت اور محبت کا تقاضا یہی ہے۔

درود وسلام اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید ۔

یا خدا سلطانِ عالم پر سلام ۔۔۔ یا خدا سردارِ اعظم پر سلام
یا خدا اُس فخرِ آدم پر سلام ۔۔۔ یا خدا اُس ذاتِ اکرم پر سلام
جان و دل صدقہ ہو جسکے نام پر ۔۔۔ ہو سلام اُوس سیدِ اعلام پر

شجرۂ مبارکہ

حضرت ابراہیم خلیل اللہ سنہ ۹۹۰ قبل مسیح
آپکے صاحبزادے اسمٰعیل سنہ ۱۹۱۰ ،،
اُن کے بیٹے قیدار
ان کے ،، عوام
ان کے ،، عوص اول
ان کے ،، مُر
ان کے ،، سماے
ان کے ،، رزاخ
ان کے ،، ناجب
ان کے ،، معصر
ان کے ،، یہام
ان کے ،، افتاد
ان کے ،، عیسے
ان کے ،، حسان
ان کے ،، عقان
ان کے ،، ارعوا
ان کے ،، ہری
ان کے ،، یمن

ان کے بیٹے حمران
ان کے ،، الرعا
ان کے ،، عبید
ان کے ،، عنف
ان کے ،، عسقی
ان کے ،، ماحی
ان کے ،، ناجور
ان کے ،، فاجم
ان کے ،، کالح
ان کے ،، بدلان
ان کے ،، یلدارم
ان کے ،، حسرا
ان کے ،، ناسل
ان کے ،، ابی العوام
ان کے ،، متساویل
ان کے ،، برد
ان کے ،، عوص دوم
ان کے ،، سلامانِ اول

ان کے بیٹے الہمیع اول	ان کے بیٹے کنانہ
ان کے " ادد اول	ان کے " النضر
ان کے " عدنان اول ۱۰۰ قبل مسیح	ان کے " مالک
ان کے " معد اول ۵۰۰ قبل مسیح	ان کے " فہر
..... ہمعصر یرمیاہ نبی	ان کے " غالب
ان کے " حمل	ان کے " لوئی
ان کے " نابت	ان کے " کعب
ان کے " الیسع	ان کے " مرہ
ان کے " ادد دوم	ان کے " کلاب
ان کے " اد	ان کے " قصی
ان کے " عدنان دوم	ان کے " عبد مناف
ان کے " معد ثانی	ان کے " ہاشم
ان کے " نزار	ان کے " عبد المطلب
ان کے " مضر	ان کے " عبد اللہ
ان کے " الیاس	اور
ان کے " مدرکہ	ان کے فرزند ارجمند حضرت محمد
ان کے " خزیمہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

عدنان کے بعد سے علمائے انساب میں کچھ اختلاف ہے۔ مگر تلاش و تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ عدنان کے بعد کا شجرہ بھی جو ہم نے پیش کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے

حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک شجرۂ طیبہ ہم باب

ابوالانبیاء میں پیش کر چکے ہیں۔ لہٰذا حضرت آدمؑ سے حضور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک شجرہ طیبہ مکمل ہو گیا۔

اِس شجرہ کے ساتھ ساتھ اُن تمام حضرات کی مختصر کیفیات بھی لکھنے کا خیال تھا اور کچھ لکھا بھی تھا۔ مگر اس خیال سے کہ کہیں قارئین کی طبیعت اُلجھنے نہ لگے اور طوالت نہ سمجھی جائے قلم زن کر دیا گیا

تاہم اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ یہ سب حضرات اپنے اپنے قبائل میں ممتاز حیثیت رکھتے اور معرکہ آرائیوں میں نورِ مصطفوی کے طفیل فتح یاب رہتے تھے اِن میں اکثر کثیر العیال اور بعض قلیل الاولاد تھے اُنمیں کسی ایک کی کتابِ حیات کا ایک صفحہ بھی ایسا نہیں بتایا جا سکتا جس میں اُن لوگوں نے کسی پر بھی بیجا ظلم و ستم کیئے ہوں یا نفسانی خواہش کے تحت کسی ایک کے دل میں بھی کوئی گندہ خیال آسکا ہو۔

اِن تمام حضرات کی سیرت شرمناک گناہوں سے بالکل پاک ہے۔ اس لئے کہ اِن آئینوں میں نورِ محمدی کا انعکاس موجود تھا۔ لہٰذا اللہ نے ان آئینوں کو ہر قسم کی کدورت سے پاک و صاف رکھا۔

خود آقائے نامدار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

(۱) اوسط طبرانی حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں۔ سفاح (بدکاری) سے نہیں۔ از آدم تا والد بزرگوار سفاح سے سب کے سب پاک و صاف رہے۔ زمانۂ جاہلیت میں جو بدکاری ہوتی تھی اُس سے میرے تمام آباء و امہات العظام بالکل پاک رہے ہیں۔ لہٰذا میرا نسب ہر برائی اور گندگی سے منزّہ ہے۔

(۲) ھوا ھب لدنیہ ابونعیم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے سنا

کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے تمام بزرگوں میں کوئی ایک مرد عورت بھی سفاح کی غرض سے نہیں ملے۔ یعنی جس قربت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں دخل نہیں تھا وہ بھی بغیر نکاح کے نہیں ہوئی۔

غرض آپ کے تمام آباؤ امہات سفاح (بدکاری) کی گندگی سے مبرا اور منزہ رہے۔ جبھی تو میں کہتا ہوں کہ حضور اکرم فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کی خود حق جل مجدہ نے حفاظت فرمائی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی۔ کہ آج ایسا ارفع و اعلیٰ حسب و نسب ساری دنیا پیش نہیں کر سکتی۔ کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کا نسب بھی دھبوں سے پاک نہیں۔ لیکن سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب ایسا نسب ہے جو تمام انساب میں ممتاز ہے۔

(۳) **مشکوٰۃ** حضرت عباس رضؓ کہتے ہیں۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں محمد عبداللہ کا بیٹا ہوں۔ اور عبدالمطلب کا پوتا ہوں۔ حق تعالیٰ نے جب دنیا کو پیدا فرمایا۔ تو مجھکو سب سے اچھے گروہ میں بنایا۔ (عرب میں) پھر عرب کے کئی قبیلے بنائے اور مجھے سب سے اچھے قبیلے قریش میں پیدا کیا۔

قریش میں متعدد خاندان بنائے اور مجھے سب سے اچھے خاندان بنی ہاشم کا فرزند بنایا۔ لہٰذا میں ذاتی طور پر بھی سب سے اچھا ہوں اور خاندانی حیثیت میں بھی سب سے افضل۔

سبحان اللہ وبحمدہٖ آپ ہر حیثیت اور ہر مرتبہ میں سب سے ممتاز کیوں نہ ہوتے۔ خدا کو آپ ہی کے سر تو الیوم اکملت لکم دینکم کا سہرا باندھنا تھا۔ پھر بھلا آپ سے بہتر کون ہو سکتا تھا۔ آپ ہی نے تو عرب کی جنگلی اور وحشی قوم کو متمدن اور مہذب بنایا۔ اور آپ ہی کے آفتابِ رسالت کی نورانی شعاعوں نے ایک عالم کو اسلام کا گرویدہ بنا دیا۔ کیا تاریخ عالم کوئی ایسا مصلح اعظم پیش کر سکتی ہے جس

نے مدینہ منورہ کی دس سالہ حیات طیبہ میں ایک لاکھ چوبیس ہزار غلام بنالئے ہوں ان کے علاوہ بہت سے اور کفار بھی مشرف بہ اسلام ہوئے ہوں یہی نہیں آج بھی اس نام پر جان و دل قربان کرنے والے چالیس کروڑ سے زیادہ موجود ہوں نہیں قطعاً تاریخ عالم ایسی کوئی مثال پیش نہیں کرسکتی۔ ہم حضورؐ کے عالی نسب ہونے کے متعلق اور احادیث بھی زیب قرطاس کرتے لیکن خیال طوالت ہمیں مجبور کر رہا ہے کہ ہم سر دست ان ہی احادیث پر اکتفا کریں۔ انشاء اللہ رؤف رحیم کی دوسری جلد میں ہم اور احادیث بھی مناسب عنوانات میں زیب صفحات کریں گے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عرب کا مختصر جغرافیہ اور کچھ متعلقات کی چند سطور حوالہ قلم کی جائیں۔

عرب کا مختصر جغرافیہ

ملک عرب ایک جزیرہ نما ہے جو براعظم کے جنوبی مغربی گوشہ کی حد پر واقع ہے اس کی مشرقی حد بحیرۂ فارس دریائے عمان جنوبی بحر ہند اور مغربی بحر احمر (رومی) ہے۔ یہ جزیرہ نما چار حصوں میں تقسیم ہے۔ الحضہ۔ حجاز جس میں یمن بھی شامل ہے۔ نجد۔ اور عمان۔ اس جزیرے کے بیشتر حصص سوائے طائف و موخہ وغیرہ کے بیگستان اور کوہستان ہیں جہاں زراعت قطعی طور پر پیدا نہیں ہوتی اس کے باشندے دودھ اور گوشت پر بسر اوقات کرتے ہیں۔ سمندر کے کنارے رہنے والے تجارت پیشہ ہیں ان کے علاوہ مویشی پال کر کوہستانوں میں پھرتے ہیں جن زبانوں کے اثرات نے دنیا کو الٹ پلٹ کر دیا۔ ان میں بھی عرب

کی حالت پر کوئی خاص برا اثر نہیں پڑا۔ اگرچہ ایشیا، افریقہ اور یورپ پر زبردست انقلاب ہو گئے۔ مختلف سلطنتوں میں عروج و زوال کے دل ہلا دینے والے مرقعے پیش ہوئے تاہم عرب میں اس قسم کی کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ عرب اپنے ریگستان کی آغوش میں اسی طرح بے کھٹکے رہا جیسا تھا۔

اُسے اپنے مہدِ راحت سے چونکنے کی ضرورت نہ ہوئی

ملک کے اندرونی حصے میں غارتی تبدیلیاں ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن اس قسم کی چیزیں اور حجاج بن یوسف وغیرہ کے ظالمانہ طرزِ عمل چونکہ پورے ملک کی حالت پر برا اثر نہ ڈال سکے اس لئے ان کا ذکر فضول سمجھا گیا۔

عرب کی وجہ تسمیہ

طوفانِ نوح کے بعد پہلے پہل سام بن نوح کے پروتے قحطان کے فرزند عرب نامی نے یمن کو بسایا۔ اور دوسرے بیٹے برحام نے حجاز آباد کیا۔ حجاز بحرِ احمر کے کنارے ہے جب ذبیح اللہ معہ اپنی والدہ کوہ فاران پر پہونچائے گئے۔ زمزم جاری ہوا۔ اور بنو جرہم نے اس جنگل میں سکونت اختیار کرلی۔ جیسا قارئین کرام اس سے قبل ہی تفصیلاً ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

تو ذبیح اللہ ہی کی نسل عرب کہلائی اور آپ ہی کی نسل میں ہاشم والدِ عبدالمطلب پیدا ہوئے۔ جو خانہ کعبہ کے خدمت گذار رہے تھے۔ اور اسی خدمت نے انہیں ساری قوم کا سردار بنا دیا تھا۔ چنانچہ حضرت ہاشم کی وفات کے بعد اُن کے صاحبزادے حضرت عبدالمطلب باپ کے جانشین اور قوم کے سردار ہو گئے آپ نے جس حسن و خوبی کیساتھ خانہ کعبہ کی خدمات انجام دیں اظہر من الشمس ہیں اگرچہ سردارِ عرب حضرت عبدالمطلب کا گرویدہ تھا تاہم بنی امیہ کو آپکا یہ اقتدار ایک آنکھ نہ بھاتا تھا وہ آپ کی ہر دلعزیزی دیکھ کر رشک و حسد کی آگ میں جل جاتے تھے۔ بنی امیہ اور بنی ہاشم کی خاندانی عداوت کا ذکر کسی اور مناسب مقام پر پیش کیا جائیگا۔

ساتواں باب

مولود النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا ہوا حضرت ہاشم کی مبارک پیشانی میں جا چکا۔

زرقانی شرح مواہب وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی وجھہ یتوقد شعاعہ ویتلالؤ ضیاءہ ولا یراہ حبر الا قبل یدہ ولا یمر بشیء الا ویسجد الیہ تعظیما والیہ قبائل العرب وفودا کاحبار یحملون بناتھم یعرضون علیہ ان یتزوج بھن حتی بعث الیہ ھرقل ملک الروم وقال ان لی ابنۃ لم تلد النساء اجمل منہا ولا ابھی وجھا فاقدم علی حتی ازوجکھا فقد بلغنی جودک وکرمک وانما اراد بذلک نور المصطفٰی الموصوف عندھم فی الانجیل خاتمی ھاشم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہاشم کی پیشانی سے اس طرح چمکتا تھا کہ جو یہودی عالم آپکو دیکھتا تو آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا۔ اور آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ جدھر ہاشم چلے جاتے ہر چیز آپ کو سجدہ کرتی۔ عرب کے رہنے والے اور اہل کتاب کے علماء آپ سے اپنی اپنی بیٹیوں کی درخواست بصد آرزو کرتے۔ اُن کی یہ خواہش تھی کہ ہاشم ہماری بیٹیوں سے نکاح کر کے اُنہیں شاندار عزت دیں ہاشم کے نورانی جمال کا شہرہ دور دور ہوں یہاں تک کہ ہرقل اعظم شاہ روم نے درخواست کی کہ میری حسین وجمیل لڑکی آپ نکاح کر لیں اس لئے کہ میں نے آپکے اخلاق

حمیدہ کی بہت تعریف سنی ہے۔ لہذا آپ یہاں تشریف لے آئیں تاکہ میں آپ سے رشتہ کی عزت حاصل کر سکوں۔ ظاہر تو یہ باتیں تھیں۔ مگر حقیقتاً نور مصطفوی کو ہرقل اپنے گھرانے میں لینا چاہتا تھا۔

حضرت ہاشم نے ہرقل جیسے بادشاہ کی درخواست نامنظور کر دی اور آپ کا عقد حضرۃ سلمہ بنت عمرو بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم خزرجی سے ہو گیا۔

محترمہ سلمیٰ اپنے حسن و جمال کے لحاظ سے حجاز بھر میں ممتاز تھیں۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑے عرصہ کے بعد حضرت عبد المطلب کی پیشانی میں چمک اٹھا۔ جنکا حسن و جمال اور رعب و داب ایسا تھا کہ آپ سارے قریش کے سردار بنا دیئے گئے

مواہب لدنیہ وکان عبد المطلب یفوح من جمرۃ المسک الاذفر وکان نور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یضیئ فی غرتہ۔ وکانت قریش اذا اصابھا قحط شدید تاخذ بید عبد المطلب فتخرج بہ الی ثبیر فیقربون الی اللہ ویستسقون بہ فیسقیھم اللہ الغیث فکان اللہ یغیثھم ویسقیھم ببرکۃ نور محمد رسول اللہ علیہ واصحابہ وسلم غیثا عظیما۔ حضرت عبد المطلب کے جسم سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ اور نور محمدی آپ کی پیشانی سے چمکتا تھا۔ جب قریش کو قحط سالی ستاتی۔ تو لوگ عبد المطلب کا ہاتھ پکڑ کر کوہ ثبیر پر لیجاتے۔ اور حق تعالیٰ سے مینہ کی دعا مانگتے۔ خدا ان کی دعا قبول فرماتا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی برکت سے فوراً مینہ برسنے لگتا۔)

تاریخ الخمیس تاریخ الکامل شمس التواریخ وغیرہ۔ زمانہ عبد المطلب سے

قبل چاہ زمزم بند ہو کر لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو گیا تھا وجہ یہ تھی کہ عمرو بن الحارث سردار مکہ دشمنوں کے خوف سے بدحواس ہو کر عذاب الٰہی سے ڈر کر کچھ مال و اسباب ساتھ لیکر یمن چلا گیا۔ اور چلتے وقت چاہ زمزم بند کرتا گیا۔ چار سو سال سے زیادہ زمانہ تک زمزم کا کنواں بند رہا۔ اور کچھ ایسا نسیاً منسیاً ہو گیا کہ اس کی جگہ تک لوگوں کو یاد نہ رہ سکی۔ ایک رات حضرت عبدالمطلب حطیم میں آرام فرما رہے تھے۔ یکایک خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک پکارنیوالا پکار رہا ہے۔ عبدالمطلب! ایک پاک چیز مخفی ہے زمین کھود کر نکال لو۔ عبدالمطلب کی سمجھ میں نہ آسکا کہ انہیں کس چیز کا اشارہ ہو رہا ہے۔ دوسری رات پھر خواب میں یہ آواز سنی۔ عبدالمطلب! زمین سے ایک مبارک چیز نکال لو۔ تیسری شب پھر بشارت ہوئی (احفر زمزم لا تنزف ولا تذمر) اے عبدالمطلب! زمزم کھود کر نکال لو یہ ایک کنواں ہے جس کا پانی نہ کبھی کم ہوتا ہے۔ نہ خشک، حضرت عبدالمطلب کے استفسار پر ہاتف نے کہا بین الفرث والدم عند نقرۃ الغراب الاعظم (اُس کے بیچوں بیچ جہاں ذبح کے جانوروں کا خون اور گوبر پڑا ہے۔ ایک ابلق رنگ کا کوا تمہیں زمین میں چونچ مار کر نشان بتا دے گا۔

دوسرے دن حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حارث کو ساتھ لیکر چاہ زمزم کا نشان ڈھونڈھ نکالا۔ اور تھوڑی محنت کے بعد زمزم کا کنواں ظاہر ہو گیا۔ جو اب تک ایک عالم کو مستفیض کر رہا ہے۔

چاہ زمزم کا جاری ہونا تھا کہ قریش اُس پر ٹوٹ پڑے اور اپنا اپنا دعویٰ ثابت کرنے لگے۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا۔ عرصہ دراز سے یہ کنواں مخفی تھا۔ مجھے میرے خدا نے اسکا علم دیا اور میں اسکے ڈھونڈھ نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ لہذا اسے میری ملکیت ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ بڑی بحث کے بعد یہ تجویز

پاس ہوئی کہ سعد نامی راہب جو شام کے قریب رہتا ہے اُس سے فیصلہ کرایا جائے۔ دوسرے ہی دن سب چل کھڑے ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک روز یہ قافلہ ایک ایسے خشک اور وحشت ناک جنگل میں جا پڑا۔ جہاں پانی تو پانی انسان وحیوان کا نشان بھی دور تک نہ ملتا تھا۔ پیاس کی شدت نے سب کی جان پر بنا دی۔ اور زندگی سے بیزار ہو کر سب نے اپنے اپنے لئے قبریں کھود لیں۔ جب حضرت عبدالمطلب نے یہ دیکھا تو تسلی آمیز گفتگو کرتے ہوئے خدا کے بھروسے پر سب سے آگے چلنے کو فرمایا۔ لوگوں کی ہمتیں بندھیں اور چلنے پر تیار ہو گئے عبدالمطلب کی اونٹنی نے جوں ہی آگے قدم بڑھایا فی الفور اُس کے پاؤں کے نیچے سے پانی کا ایک قدرتی ٹھنڈا اور میٹھا چشمہ بہنے لگا۔ سب نے پانی پیا۔ گئے ہوئے ہوش وحواس دوبارہ آئے یا یوں کہئے کہ جانہائے رفتہ تنوں میں آگئیں۔ اب خواجہ عبدالمطلب نے اُن لوگوں سے راہب کے پاس چلنے کو کہا۔ لیکن تمام اہلِ قافلہ نے یہ جواب دیا۔

اے سردار! اب تو آسمانی خدا نے فیصلہ کر دیا کہ ایسے خشک جنگل میں اِس قدر شیریں اور سرد پانی کا چشمہ جاری کر دیا۔

غرض سب نے چاہِ زمزم حضرت عبدالمطلب ہی کی ملکیت سمجھا۔ راہب کے پاس جانا فضول ٹھہرا۔ اور سب مکہ معظمہ واپس آگئے۔

مواہب لدنیہ ایک صبح جب خواجہ عبدالمطلب حطیم میں سو کر اٹھے تو آنکھوں میں سرمہ لگا، سر میں تیل پڑا ہوا تھا۔ اور حسن وجمال آپ کے چہرۂ انور کی بلائیں لیکر آپ کو حسینوں کا سرتاج بنا رہا تھا۔ جب یہ واقعہ اُنہوں نے اپنے چچا سے بیان کیا۔ اور خود اُن کے چچا نے بھی مشاہدہ کیا تو وہ اپنے بھتیجے کو ہمراہ لے قریش کے ایک بڑے کاہن کے پاس گئے اور یہ کیفیت بیان کی۔ کاہن نے کہا۔

عبدالمطلب کو نکاح کا حکم ہوا ہے۔ چنانچہ آپ کا نکاح قیلیہ اور اُن کی وفات کے بعد فاطمہ سے ہو گیا۔

زرقانی شرح مواہب لدینہ

بینما عبدالمطلب نائم فی الحجر اذ رای منامًا کان سلسلۃ من فضۃ خرجت من ظہرہ لہا طرف فی السماء وطرف فی الارض وطرف فی المشرق وطرف فی المغرب ثم عادت کانہا شجرۃ قد نال راسہا السماء وضربت باغصانہا المشرق والمغرب وما رایت نورا ازہر منہا اعظم من نور الشمس سبعین ضعفا ورأیت العرب والعجم لہا ساجدین وہی تزداد کل ساعۃ عظما ونورا وارتفاعا ورأیت قریشا من قریش قد تعلقوا باغصانہا ورایت قوما من قریش تریدون قطعہا فاذا دنوا منہا اخذہم شبا لم ارقط احسن منہ وجہا ولا اطیب منہ ریحا فیلم اضرہم ویقلع اعینہم فرفعت یدی لاتناول منہا نصیبا فلم انل فقلت لمن النصیب فقال للطلاء الذین تعلقوا بہا وسبقوک۔ (عبدالمطلب نے ایک شب حطیم میں سوتے ہوئے خواب دیکھا کہ چاندی کی ایک زنجیر میری کمر سے نکلی جسکا ایک سرا آسمان اور دوسرا زمین پر تیسرا مشرق اور چوتھا مغرب میں ہے پھر یکایک وہ زنجیر درخت کی صورت میں تبدیل ہو گئی۔ جس کے اوپر کی شاخیں تو آسمان سے باتیں کر رہی ہیں اور نیچے کی ٹہنیاں مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی ہیں۔ درخت انتہا سے زیادہ روشن منور اور حسین ہے یہانتک کہ اُس میں آفتاب سے ستر حصّے زیادہ چمک دمک ہے عرب اور عجم کے لوگ اِس انوکھے درخت کو سجدہ کرتے ہیں۔ لحظہ بہ لحظہ اُس درخت کی روشنی کی شان و رفعت زیادہ ہوتی جاتی ہے کچھ اہل قریش اُس کی ٹہنیاں پکڑ کر لٹکے ہوئے ہیں اور بعض اِس عجیب و غریب شجر کو کاٹنا چاہتے

ہیں مگر جب اس بُرے خیال سے درخت کے پاس پہونچتے ہیں تو ایک حسین جوان درخت کی رکھوالی کرتا اور اُن دشمنوں کی آنکھیں پھوڑتا نظر آتا ہے۔ عبدالمطلب نے اُس درخت کی ٹہنی پکڑنی چاہی۔ مگر آپ کا ہاتھ نہ پہونچ سکا ساتھ ہی ایک غیبی آواز آئی۔ یہ نور تمہاری قسمت میں نہیں ہے۔ اُن کے نصیب کا ہے جو تم سے پہلے اِس میں لٹک چکے ہیں۔

یہ خواب دیکھکر خواجہ عبدالمطلب بہت ڈرے۔ اور سخت بدحواس ہوئے اِسی اضطراب میں یہ خواب آپ نے ایک کاہنہ سے بیان کیا تو اُس کی رنگت زرد پڑگئی۔ اور کہنے لگی۔ اے عبدالمطلب! اگر تم نے یہ خواب سچ مچ دیکھا ہے تو عنقریب تمہاری پشت سے ایک فرزند ارجمند پیدا ہوگا جو مشرق سے مغرب تک کا مالک ہوجائیگا آسمان کی مخلوق اُسپر ایمان لائے گی۔ زمین کے لوگ کانوں میں اُس کا حلقۂ غلامی ڈالیں گے۔ کونین میں اُس کی مدح سرائی ہوگی

بہت دن حضرت عبدالمطلب اُس کا انتظار کرتے رہے۔ یہانتک کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ جہاں تاب سے عالم منوّر ہوگیا۔

حضرت عبدالمطلب کے اور بہت سے فضائل اور نورِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے برکات حاصل کرنے کی بہت سی روایات ہیں۔ مگر اختصار کیوجہ سے ہم زیادہ پیش نہ کرسکے۔

عبدالمطلب سخی، فیاض، جری، عالی ہمت، بلند حوصلہ، مہمان نواز خلیق اور منصف مزاج کے شاندار اوصاف سے متصف تھے یہی وجوہ تھے کہ آپ کو سارے قریش نے اپنا سردار تسلیم کرلیا تھا۔

خواجہ عبدالمطلب نے منت مانی کہ اگر خدائے عزّوجل مجھے دس فرزند مرحمت فرمائیگا تو میں ایک بچّہ راہِ خدا میں ذبح کردوں گا۔ اور جس وقت چاہِ زمزم کی تلاش میں زمین کھودتے ہوئے دو روز گذر گئے۔ اور زمزم کا نشان نہ ملا تو خواجہ عبدالمطلب نے اپنی اُس منت کی تجدید اس طرح کی۔

اے اللہ اگر زمزم اور اُس کے ساتھ جو خزانہ مدفون بتایا جاتا ہے۔ ظاہر ہوگیا تو میں اپنے ایک بچے کو تیری راہ میں قربان کردوں گا۔

دوسرے ہی روز چاہِ زمزم بہت سا سونا، چاندی، برتن، ہتھیار اور کچھ خود و زرہ وغیرہ یہ سب چیزیں برآمد ہوگئیں اس دولت سے مکہ معظمہ کا فولادی پھاٹک وغیرہ بنایا گیا۔

اب حضرت عبدالمطلب نے ایک کاہن سے اپنی منت بیان کی۔ اور اُس نے یہ سُنکر کہ واقعی آپ کو ایک فرزند راہِ خدا میں قربان کرنا چاہیے۔ آپ نے اپنے بچّوں پر قرعہ ڈالا۔ تو حضرت عبداللہ کا نام نکلا۔ لیکن آپکے عزیز و اقارب نے بہ الحاح و زاری کہا۔

عبداللہ سب سے زیادہ حسین جمیل، فیاض، سخی خلیق، ملنسار اور محبوب ہیں۔ ہم انہیں ہرگز ذبح نہ ہونے دیں گے۔

تو حضرت عبدالمطلب نے کاہن کے مشورے کے موافق دس اونٹ ذبح کرائے (اُس زمانے میں نذر کی قبولیت اس طرح سمجھی جاتی تھی کہ آسمان سے ایک آگ آتی اور قربانی کی چیزوں کو جلا جاتی۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو نذر مقبول نہ سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ جو اونٹ ذبح کئے گئے تھے انہیں آگ نے آکر نہ جلایا۔ تو خواجہ عبدالمطلب نے دس دس اونٹ ذبح کرائے اونٹوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی مگر آگ آسمان سے نہ آئی اب خواجہ عبدالمطلب وغیرہ بہت بیقرار ہوئے اور سب نے ملکر دعا کی۔

اے اللہ! اے آسمان کے خدا! اعبداللہ کی بجائے یہ قربانیاں قبول فرمالے۔ دعا قبول ہوئی۔ اور آسمان سے ایک سفید رنگ کی آگ زمین پر آکر ساری قربانیاں جلا گئی۔ یہ دیکھکر سارا مکہ معظمہ خوشی اور مسرت کے نعروں سے گونج اٹھا۔

نکتہ قرعہ میں حضرت عبداللہ کا نام کیوں نکلا حالانکہ آپ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد ہونے والے تھے۔

(۱) اس لئے کہ اگر کسی دوسرے صاحبزادے کا نام نکلتا تو اوّل تو عبدالمطلب کے قرابتی اُن کے بچانے میں شاید ایسا اصرار نہ کرتے دوسرے اگر اُن کے بدلے میں اونٹ ذبح بھی کئے جاتے تو حق جل مجدہٗ انہیں قبول نہ فرماتا۔

(۲) نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھا کہ عبدالمطلب کے ایک فرزند کی جان بھی اس طرح قربان ہو۔ اسی لئے حضرت عبداللہ کا نام قرعہ میں نکلا۔ اور نورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے آپ ذبح ہونے سے محفوظ ہو گئے۔

(۳) جس طرح خلیل اللہ کو خواب میں ذبیح اللہ کے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا اور عین معرکۂ ذبح میں حق تعالیٰ نے ذبیح اللہ کے بدلے جنّت سے دنبہ بھیجکر آپ کو ذبح نہ ہونے دیا تھا۔ اسی طرح قرعہ میں حضرت عبداللہ کا نام نکلوا کر انہیں پہلے ذبح ہونے کا مستحق بنا کر پھر سَو اونٹ آپکے بدلے میں قبول فرمالئے۔ اور رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابا جان حضرتِ عبداللہ بھی اُسی دن سے ذبیح مشہور ہو گئے۔

خود آقائے نامدار فرماتے ہیں اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ (میں دو ذبیح شخصوں کی اولاد سے ہوں۔)

بہرکیف حضرت عبداللہ ذبح ہونے سے محفوظ رہے۔

معلومات۔ خواجہ عبدالمطلب کا نام عامر اور لقب شیبہ ہے شیبہ ضعیف العمر کو کہتے ہیں۔ اس لقب کی وجہ یہ ہوئی کہ جب حضرت خواجہ عبدالمطلب پیدا ہوئے تو آپ کے سر میں چند سفید بال بھی تھے۔

آپ کو آپ کے چچا مطلب نے پرورش کیا تھا۔ آپ اپنے چچا کے اسقدر زیر بار احسان تھے کہ آپ اپنے کو عبدالمطلب کہنے لگے۔ اور یہ لقب ایسا مشہور ہوا کہ آپ تمام قریش میں اسی نام سے پکارے جانے لگے۔ اہل عرب آپ کو شیبۃ الحمد، فیاض مطعم طیر السماء، سید اور شریف قریش بھی کہتے تھے۔

حضرت عبدالمطلب کے یہ صاحبزادے تھے۔

جامع التواریخ وغیرہ حارث۔ ابوطالب۔ ابولہب، غیداق، امیر حمزہؓ عباسؓ، ضرار، زبیر، عبداللہ، مقوم، قثم، عبدالکعبہ، اور جل۔ کل تیرہ (۱۳)

صاحبزادیاں حسب ذیل تھیں۔ ام حلیمہ، صفیہ، برہ، عاتکہ، اروی اور امیمہ

حارث کے پانچ بیٹے تھے۔ مغیرہ، ابوسفیان، نوفل، عبداللہ اور ربیعہ

ابولہب کے دو بیٹے، عتبہ اور عتیبہ۔ اس کی بیوی امیر معاویہ رضؓ کی پھوپھی تھی

غیداق، امیر حمزہ، ضرار اور زبیر یہ چاروں لاولد تھے۔

ابوطالب کے چار بیٹے تھے عقیل۔ طالب، جعفر طیارؓ، اور حضرت علی مرتضیٰ دو بیٹیاں ام ہانی اور جمانہ تھیں۔

عبداللہ سب بھائیوں سے صورت اور بزرگی میں زیادہ تھے۔ اور انہیں کے صلب سے سید کونین پیدا ہوئے

عباسؓ کے چھ بیٹے۔ عبداللہ، فضل، عبیداللہ، قثم، سعید اور عبدالرحمن اور ایک بیٹی صفیہ نامی تھیں۔

حضرت عبداللہ بقید حیات صاحبزادوں نے شہرت نہیں پائی۔ اور اکثر کتبِ تاریخ اُن کے اذکار سے خالی ہیں۔

تاریخ خلفاء عرب و اسلام شمس التواریخ وغیرہ

عبدالمطلب کے جن صاحبزادوں نے اسلام یا کفر کے باعث بہت زیادہ شہرت پائی۔ وہ امیر حمزہ رضؓ، عباسؓ، ابو طالبؓ، ابو لہب اور خواجہ عبداللہ تھے۔

خواجہ عبداللہ پدر بزرگوار آقائے نامدار رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حسن و جمال کی وجہ سے عرب بھر میں ممتاز تھے۔ بڑی وجہ یہ تھی کہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی پیشانی سے سورج کی شعاعوں کی طرح چمکتا۔ اور خواجہ عبداللہ کے حسن میں دس گونہ اضافہ کرتا تھا۔ چونکہ حضرت عبداللہ کے بعد ہی اِس نور کا ظہور ہو گیا اس لئے جو قرب و اتصال حضرت عبداللہ میں اس نور کا پایا جاتا ہے۔ وہ حقیقتاً آپ سے پہلے کسی میں نہیں تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ سارے عرب میں آپ ہر دل عزیز تھے

اکثر اربابِ سیر نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ جس جنگل میں چلے جاتے وہاں کے سنگریزے تک آپ کو سلام کرتے۔ اور بشارت دیتے کہ آپ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ ماجد ہیں۔ آپ جس خشک درخت کے نیچے جا کھڑے ہوتے وہ ہرا بھرا ہو جاتا۔

عرب میں جو قحط سالی اور تنگدستی رہا کرتی تھی۔ وہ اب غلّے کی ارزانی اور فارغ البالی سے مبدّل ہو گئی تھی۔

کیوں نہ ہو جاتی۔ خدا کا حبیبؐ نبیوں کا سردارؐ اور امّت کا محبوب اپنے مبارک جلووں سے عالم کو منوّر کرنے والا تھا۔

ہاں یہ ساری برکتیں اور تمام عجیب باتیں اُسی نورِ کرامت ظہور کی بدولت تھیں۔

خواجہ عبداللہ کے حسن کا شہرہ دور دور پہونچا۔ اور بہت سی عورتیں آپ سے محبّت کرنے اور آپ کے عشق کا دم بھرنے لگیں بعض غفلت اور کاہنہ عورتیں حضرت عبداللہ کے نور افگن چہرے کو دیکھکر یہ سمجھتی تھیں کہ اِن سے ضرور کوئی خدا کا برگزیدہ بندہ پیدا ہونے والا ہے جس کے حسنِ عالم افروز سے دنیا کا ذرّہ ذرّہ چمک اٹھے گا۔ اور تعجب نہیں کہ جس پیغمبر آخرالزماں سرورِ دوجہاں خاتم النبیین رحمۃ للعالمین رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت خدا نے پچھلی آسمانی کتابوں میں مرحمت فرمائی ہے۔ وہ عبداللہ ہی کا مقدّس اور محترم فرزند ہو۔

تاریخ الخمیس عجائب الحکایات وغیرہ

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب نوشیرواں عادل کی تاج پوشی کے چوبیسویں سال ماں کے آغوش کی زینت۔ باپ کے آنکھوں کی ٹھنڈک۔ اور کنبہ بھر کیلئے باعثِ مسرت ہوئے۔ آپ کے تولّد ہونے کی خبر شام کے یہودیوں سے بھی پوشیدہ نہ رہی۔ وذلك انه كانت عندهم جبة صوف بيضاء مغموسة فى دم يحيى عليه السلام وكانوا قد وجدوا فى كتبهم اذا رايتم الجبة البيضاء والدم يقطر فاعلموا ان محمد المصطفى قد ولد تلك الليلة (وجہ یہ تھی کہ یہودیوں کے پاس ایک لمبا سفید کُرتا تھا۔ جو حضرت یحییٰ ؑ کی شہادت کے خون میں رنگا ہوا تھا۔ کتبِ یہود میں مذکور تھا کہ جب اُس کُرتے سے تازہ خون ٹپکنے لگے تو سمجھ لینا کہ اُس رات حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ ماجد پیدا ہوئے۔

چنانچہ جسوقت حضرت عبداللہاں کی گود کا اُجالا ہوئے۔ اُسی وقت اُس کُرتے میں سے تازہ تازہ خون ٹپکنے لگا اور کُرتا صاف شفاف ہوگیا۔ یہودی یہ دیکھکر گھبرائے اور کچھ حضرت عبداللہ کے قتل پر آمادہ ہوکر مکہ معظمہ آپہونچے۔ عرصۂ دراز تک وہ اپنی ناپاک خواہش کی تکمیل میں لگے رہے تاہم حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت عبداللہ کو موذیوں کے شر سے محفوظ رکھا جس مبارک نور کی آدم علیہ السلام سے آجتک خدا کیطرف سے حفاظت کی گئی۔ اُس نور کو یہودی۔ مکّار یہودی۔ حاسد اور کینہ پرور یہودی کسطرح مٹا سکتے تھے۔

بے حمیّت اپنی ملعون کوششوں میں ناکام رہکر واپس چلے گئے۔ یہ سب اس مبارک نور کی بدولت تھا جسے خلّاق دوعالم نے ازل ہی سے انبیا کی تاجداری جہان کی فرمانروائی اور اپنی محبوبی کے بے مثل و بے نظیر خلعت سے ممتاز فرمادیا تھا

یہاں کم از کم اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ آدم علیہ السلام سے خواجہ عبداللہ تک آقائے نامدار کے اکثر بزرگوں کو مہلک خطرات کا سامنا ہوا لیکن اُس نور کرامت ظہور کی برکت سے سب محفوظ و مامون رہے اگر ہم اُن واقعات کی تفصیل لکھتے تو آپکے آبار الکرام کی سیرت ہی میں ایک بڑا دفتر درکار تھا۔ لہذا بہ نظر اختصار ہم اُن واقعات کی تفاصیل نہ لکھ سکے۔

بہرکیف اگر یہودی حضرت یحییٰ کے کُرتے سے سبق لیتے تو کامیابی ان کے سامنے اور منزل مقصود ان کے قدموں کے نیچے ہوتی جس طرح حضرت یحییٰ کے کُرتے سے تازہ خون ٹپک کر کُرتا صاف ہوگیا تھا۔ اسی طرح یہودیوں کا دل بھی ہر قسم کی آلودگی سے پاک و صاف ہوجاتے۔ مگر اُنھوں نے اِس کے خلاف کیا اس لئے وہ ارگاہ خداوندی کے مغضوب ہوگئے یہی وجہ ہے کہ دنیا کی چپہ چپہ زمین پر بھی اُن کی حکومت قائم نہ رہی۔

یہ بڑی علامت دیکھنے کے بعد جو یہودی مکہ معظمہ میں آتا اور حضرت عبداللہ کا نور افگن چہرہ دیکھتا تو کہتا۔

صاحبو! یہ نور عبداللہ کا نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدِ مناف کا ہے۔ جو دنیا بھر کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ اور غیرِ خدا کی پوجا کا سدِ باب فرماتے ہوئے خانہ کعبہ کو بتوں کی نجاست سے پاک و صاف فرما دیں گے۔

یہ واقعات تھے جن کی بدولت حضرت عبداللہ کو ملک بھر میں ہر دل عزیزی حاصل ہو گئی

مگر تعجب یہ ہے کہ جس نبی کی آمد کا عرصہ سے شوق بھری آنکھوں اور ذوق بھرے دلوں کو انتظار تھا۔ یہاں تک کہ ہاشم عبدالمطلب اور عبداللہ کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے کی گئی تھی لیکن جب یہ نور ظاہر ہو گیا۔ اور آفتابِ عالم تابِ عربستان و ماہتابِ فلکِ وجہان عرصۂ نبوت کا شہسوار۔ امتِ عاصی کا سردار۔ یثرب کا دولہا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کا سہرا باندھنے والا۔ عرب و عجم کا آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رونقِ عالم اور زینتِ عرب ہوا تو سب سے پہلے یہی لوگ اُس مقدس ہستی کے دشمن ہو گئے۔ جنہیں کا ایک گروہ تو آپ کے معجزات وغیرہ دیکھ کر دولتِ ایمان سے مالا مال ہو گیا۔ مگر دوسرا اُسی کفر و شرک، نافرمانی، غداری، احسان فراموشی، جفا کاری۔ بے رحمی، خود غرضی، بغض، حسد اور کینہ وغیرہ کا شکار رہا۔ اور تادمِ مرگ کفر کے خارستان سے نکل کر گلشنِ اسلام کی سیر کرنا نصیب نہ ہوئی۔

خدا کی رحمت اُن ہستیوں پر جو مشرف باسلام ہوئیں۔ اور لعنتِ الٰہی ان لوگوں پر جو سرکار کے بڑے بڑے معجزات دیکھنے کے بعد بھی کافر ہی مرے۔ اور

ابدی جہنمی ہو گئے

کاہنہ ابو نعیم ابن عساکر نے ابن عباس رضؓ سے روایت کیا کہ جب عبدالمطلب خواجہ عبداللہ کو نکاح کی غرض سے لیکر چلے تو راہ میں ایک کاہنہ ملی۔ جو یہودیہ اور کتب سابقہ کی عالمہ تھی۔ اُسے فاطمہ خثعمیہ کہتے تھے۔ اُس کی نگاہ جو خواجہ عبداللہ کے منوّر چہرے پر پڑی۔ بیقرار اور ساتھ ہی متحیّر ہو گئی۔ اِس لئے کہ اُس نے آپ کی پیشانی میں نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ دیکھ لیا تھا۔ اُس نے عبداللہ کو پاس بلایا۔ مگر آپ نے انکار کر دیا اور اپنے والد کے ہمراہ بڑھے چلے گئے۔

شوقِ نکاح سیرت ابن ہشام جب خواجہ عبداللہ نے اٹھارہویں سال میں قدم رکھا۔ (جو آغازِ شباب کا زمانہ ہوتا ہے) تو بہت سی عورتیں آپ پر فریفتہ ہونے لگی۔ اور آپ کو بہت لالچ دینے لگیں اِن عورتوں میں خواہر رقیہ بنتِ نوفل خصوصاً قابلِ ذکر ہے جو دولت حسن کیساتھ ساتھ جواہرِ علوم سے بھی ممتاز تھی۔ اُس نے خواجہ عبداللہ کے سامنے بصد اشتیاق یہ تمنّا پیش کی کہ آپ مجھے اپنی لونڈی بنا لیں۔ میں آپ کے حسن جہان تاب پر اپنا دل قربان کر چکی ہوں۔ اگر آپ نے مجھ سے نکاح کر لیا۔ تو میں شکریہ میں نوّے اونٹ جو ماں و خزانہ سے لدے پھندے ہونگے پیش کروں گی۔

بنتِ نوفل اچھی طرح سمجھتی تھی کہ خواجہ عبداللہ سے کسی مقدّس اور ممتاز ہستی کا ظہور ہونے والا ہے۔ حضرت عبداللہ نے والد سے اجازت لینے کا عذر پیش کیا اور اپنے دولت کدے کیطرف مراجعت فرما ہو گئے۔

نکاح جب خواجہ عبدالمطلب نے یہ سنا کہ خواجہ عبداللہ پر بہت سی عورتیں مائل ہیں۔ اور چہار جانب سے نکاح کے پیغام چلے آرہے ہیں۔ تو آپ بی بی آمنہ کے چچا وہیب کے پاس تشریف لیگئے (جو حضرت آمنہ کی پرورش کر رہے تھے۔

خواجہ عبداللہ کے نکاح کا پیغام ایسا نہ تھا جسے کوئی مسترد کرتا تو کجا۔ اپنی انتہائی خوش نصیبی نہ سمجھتا۔ جب خواجہ عبدالمطلب نے وہیب کو جناب عبداللہ کے نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے شوق سے منظور کیا۔ اور حضرت عبداللہ کا نکاح قریش کے اس معزز گھرانے کی زہرہ میں وہب کی صاحبزادی شاہزادی آمنہ سے ہوگیا۔ جس مبارک دولت کی تمنا میں بہت سی عورتیں بیتاب و بیقرار تھیں وہ حضرت آمنہ کو میسر ہوئی۔

مبارک ہیں وہ ماں جن کے بطن سے رؤف رحیم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (جو افضل الاولین والآخرین کے نادر خطاب سے ممتاز ہیں) پیدا ہوئے اور خوش نصیب ہیں وہ باپ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد ہوئے۔

اسی مبارک دن میں حضرت عبدالمطلب نے بھی وہیب کی صاحبزادی ہالہ سے عقد کیا۔ جنکے بطن سے حضرت حمزہ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے

چونکہ حضرت ہالہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دودھ پلایا ہے اس لئے حضرت حمزہ رض حضور کے دودھ شریک بھائی بھی تھے۔

حضرت حمزہ رض جنگ احد میں وحشی کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور سید الشہداء کے شاندار خلعت سے مخلع ہوگئے آپ کی شان میں سید الشہداء حمزہ کے الفاظ موجود ہیں۔

بہرکیف حضرت عبداللہ کا نکاح ہوگیا۔ اور جس دولت کی بہت سی عورتیں متمنی تھیں وہ بے مانگے قسام ازل نے حضرۃ آمنہ کو مرحمت فرمادی تو بہت سی عورتیں رشک کی آگ میں جل بھنیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ جس دن سرور عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظلمت کدۂ عالم کے لئے آفتاب ہدایت بنا کر بھیجے

گئے اُس روز بہت سی عورتوں نے اِس رشک و حسد میں اپنی جانیں دیدیں۔
کہ ہائے سید المرسلین کی ماں ہم کیوں نہ ہوئے۔

نکتہ: جب حضرت زلیخا کو مصر کی عورتوں نے بدنام کیا۔ اور آپ نے اُن سب کی دعوت کی تو یوسف علیہ السلام کو سات پردوں میں چھپا دیا۔ اور کہا جسوقت میں اشارہ کروں آپ فوراً پردے ہٹا کر باہر نکل آئیں۔ لیموں دسترخوان دعوت پر رکھے جاتے تھے جب عورتوں نے ایک ایک لیموں ہاتھ میں اُٹھا لیا۔ اور چھری سے کاٹنا چاہا۔ تو حضرت زلیخا نے اشارہ کیا۔ اور حضرت یوسف ساتوں پردے اُٹھا کر سامنے آگئے۔ پھر کیا تھا۔ ایک بجلی تھی جو ابر کے پردے سے نکلکر گری اور ساری عورتوں کی نگاہیں خیرہ ہوگئیں۔ لیموؤں کی بجائے سب نے اپنے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ اور اُنہیں خبر بھی نہ ہوئی جسکو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قطعن ایدیھن

جب حضرت زلیخا کے کہنے سے عورتوں کو یہ معلوم ہوا کہ اُنھوں نے لیموؤں کی بجائے اپنے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے ہیں۔ تو سب عورتیں یک زبان ہو کر کہنے لگیں "حاشا وکلا۔ یہ انسان نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تو فرشتے ہیں۔ اِسی کو معبود فرماتا ہے۔ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا ھٰذَا بَشَرًا اِنْ ھٰذَا اِلَّا مَلَکٌ کَرِیْمٌ۔

اگر مصر کی عورتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر سکتیں تو ہاتھوں کی بجائے اُن کے جگر کٹ جاتے جیسا ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ ولادت رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بہت سی عورتوں نے رشک کے مارے اپنی جانیں دیدیں ؎

کٹی تھیں اُنگلیاں گرواں تو یاں بیشک جگر کٹتے
زنانِ مصر کو نظارہ گر ملتا محمد کا
(صلی اللہ علیہ وبارک وسلم)

مثال حضرت عبداللہ اُس زمانہ کے دستور کے موافق تین روز سسرال رہے اور چوتھے دن اپنی چاندسی دلہن کو لیکر مکان تشریف لے آئے نہیں نہیں چاند سی اُن مبارک خاتون کو مثال دینا غلط ہے۔ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّ محترم ہیں۔ اور جن میں عبداللہ سے نورِ محمدی منتقل ہو چکا ہے۔ اگر کسی حسین و جمیل کے چہرے پر سات نقابیں پڑی ہوں۔ اور اُن میں سے ایک نقاب الٹ دی جائے تو یقیناً چھ نقابیں رخِ روشن پر حائل ہونے کے باوجود بھی اُس کے بے پناہ حسن کی ضیا باریاں عشاق پر بجلی گرا دینگی۔ اور جب اکھٹی چھ نقابیں الٹ دی جائیں۔ اور صرف ایک باریک سی نقاب رخِ روشن پر رہجائے۔ تو آپ ہی بتائیے کہ اُسوقت دنیائے عشق کی کیا کیفیت ہوگی۔ ؎

ترا نقاب الٹنا ارے معاذاللہ نہ ہوش رہنے کا موقعہ نہ ہوش جانیکا

آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عبداللہ تک کے تمام پردے اُٹھ جانے کے بعد اب صرف اس مقدس نور کے ظاہر ہونے میں ایک ہی پردہ باقی رہگیا ہے۔ پھر آپ ہی بتائیے کہ جب سید المرسلین رحمۃ للعالمین رؤف رحیم رسول کریم تاجدارِ عالم حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شکم مادر گرامی میں تشریف لائے تو اُس نور کی ضیا باریوں کا کیا ٹھکانا رہا ہوگا۔

حضرت آمنہ کے چہرۂ مبارکہ پر نگاہ نہ ٹھہر سکنا قرین بہر میں شہزادی آمنہ کا حسن و جمال کے لحاظ سے ممتاز ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ جو نور ربہت سے پردوں میں حائل رہنے کے باوجود آدم کا شفیع نوح کا نجات دلانے والا خلیل پر آتش نمرود گلزار کرنے والا۔ ذبیح اللہ کو ذبح سے بچانے والا۔ ہاشم کو امیہ کے مقابلہ میں کامیاب کرانے والا عبدالمطلب کو چاہِ زمزم اور خزانۂ مخفی دلوانے والا عبداللہ کو قربانی سے بچانے میں پہاڑوں، پتھروں، درختوں سے سلام کرانے والا ثابت ہوا۔

وہ نور جب اپنی اُمِّ محترم سیدہ آمنہ کے لئے نشاطِ روح ہو جاتے۔ تو اُس نور کی برکات۔ فضائل اور محاسن جس قدر بھی زیادہ ظہور میں آئیں بجا۔ اور مولود النبی صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت جسقدر خرقِ عادات باتیں ظاہر ہوں درست ہے۔

نیچریوں سے دو دو باتیں

تعجب ہے اُن نیچری طبقہ کے مسلمانوں پر جو ہر بات کا موازنہ اور جانچ اپنی ناقص عقل کے موافق کرتے ہیں۔ یہانتک کہ خدا کے وجود اور اُس کی وحدانیت کے متعلق بھی طرح طرح کے اعتراضات چھیڑے جاتے ہیں۔ پھر انبیاء کرام کا تذکرہ ہی کیا ہے میں اُن عقل کے اندھوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے زمانے میں مافوق الفطرت باتیں ظاہر نہیں ہوتی رہتیں۔ کیا ریل گاڑی۔ موٹر کار۔ ہوائی جہاز گراموفون ٹیلیفون ٹیلیگراف۔ وائرلس وغیرہ یہ طرح طرح کی ایجادات کیا تمہارے سامنے موجود نہیں اِن کے وجود سے پہلے تمہاری عقل اگر اِن کے ہونے کی تائید میں قرآن کی آیت بھی سنتی۔ تو ہرگز تم یقین نہ لاتے اس لئے کہ سلیمان علیہ السلام کے تختِ رواں کا واقعہ جب کبھی تم لوگوں کو سنایا گیا ہے تو تم نے ہنستے ہوئے اُسے ایک دلچسپ کہانی سے تعبیر کیا ہے محض اسوجہ سے کہ تمہاری عقل نے تختِ رواں کا واقعہ تسلیم نہیں کیا لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ آج۔ ہوائی جہاز دیکھنے کے بعد تمہارا کیا خیال ہے۔ میں سمجھتا ہوں تم یہی کہو گے کہ آج سائنس کا دَور دَورہ ہے۔ اور اِسی کی بدولت طرح طرح کی ایجادات ہو رہی ہیں۔ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں سائنس کہاں تھی جو ہم اُن کے تختِ رواں کو تسلیم کریں۔ واہ کیا معقول جواب ہے جو سرے ہی سے خدا اور اُس کی عجیب و غریب قدرتوں کے قائل نہیں۔

اُن کے سامنے تو ہم نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور لاجواب ہو گئے لیکن جو ہستیاں خدا اور اُس کی زبردست طاقت کی قائل ہیں اور اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ

شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ پر یقین رکھتی ہیں ہیں اُن سے گذارش ہے کہ آج ہوائی جہاز وغیرہ سائنس کی بدولت ایجاد ہوئے۔ اور پہلے سلیمانؑ کا تختِ رواں سائنس کے بنانے والے نے ایک لفظِ کن میں بنا دیا تھا۔

حاصلِ کلام یہ کہ اگر کسی نبی سے مافوق العادت امور کا اظہار ہو تو اسے اپنی ناقص عقل کی کسوٹی پر نہ کسو اور سمجھ لو کہ جو خدا کن فیکون میں چودہ طبق پیدا کر سکتا ہے وہی خدا انبیائے کرام سے مافوق الفطرت باتیں بھی ظہور میں لاتا ہے

ہماری مراد اس گذارش سے یہ ہے کہ جس نیّرِ تاباں۔ ماہِ درخشاں سرورِ دو جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی برکت سے حق جل مجدہٗ نے آپ کے آباؤ اجداد کو مصائب و شدائد سے نجات دی۔ اُس نور کے ظہور کے وقت اگر تمہاری عقل میں نہ آنے والی باتیں بیان کیجائیں تو معاذ اللہ اُن کا مذاق نہ اُڑاؤ اور انہیں صحیح سمجھو۔ تم اِس کے تو قائل ہو کہ تم سے زیادہ عقیل و فہیم بھی دنیا میں موجود ہیں۔ جب یہ صحیح ہے تو اپنی ناقص عقل سے خدا کی قدرتوں کا اندازہ کس طرح کر سکتے ہو۔

سچے مسلمانوں سے گفتگو میری یہ باتیں تو اُن لوگوں کیلئے ہیں۔ جو نیچری ہیں۔ یا نیچری طبقے کے کسی قدر ہم خیال ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ سچے اور پکے مسلمانوں کے دل اول تو بفضلہ تعالیٰ اِن مہمل اعتراضات سے بالکل پاک و صاف رہتے ہیں۔ تاہم اگر بفرضِ محال کسی کے دل میں کوئی شبہہ پیدا بھی ہو تو اُس کے جواب کے لئے سطورِ بالا کی ضرورت نہیں۔ اُس کی تسکین کلّی تو صرف اس ہی جواب سے ہو جائے گی کہ جب اللہ نے اِس نور کی بدولت آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ اسمٰعیلؑ وغیرہ انبیائے کرام کو آفات سے نجات دی تو اُس کے اظہار کے وقت (جو خدا کا سب سے زیادہ پیارا

اور برگزیدہ ہے۔ اگر مافوق الفطرت باتیں ظہور میں آئیں تو کیا تعجب ہو سکتا ہے جن کے سر روز ازل ہی سے کامیابی کا سہرا باندھا جا چکا جن کی نبوت جملہ انبیائے کرام کی نبوت کے مقابلہ میں اصل ٹھہری۔ جو قیامت کے دن تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پیغام حق پہنچانے کی گواہی دیں گے جو اپنی گناہ گار امت کو جہنم کیطرف جہنم کے کنارے۔ یا جہنم کے اندر سے لیکر فردوس اعلیٰ میں پہنچا دینگے وغیرہ وغیرہ۔ ان محترم نبی کی ولادت کیوقت اگر مافوق العادت باتیں ظہور میں آئیں تو ہرگز ہرگز تعجب نہ کیجئے۔ اگر کیجئے تو اپنی قسمتوں پر کہ خدا نے ایسے مقدس نبی کو (جو افضل الاولین والآخرین سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین فخر دو عالم حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے مثال خلعتوں سے ممتاز ہیں، ہم سیاہ کاروں خطاواروں کے آقائے نامدار بنا کر بھیجدئے گئے۔ بیشک یہ ایسی بات ہے کہ اگر ہم اسپر عمر بھر تعجب کریں تو بجا۔ اور زندگی بھر خدا کے سامنے سجدۂ شکر میں پڑے رہیں تو درست۔

ایسے آقائے نامدار پر گنہگار امت ایک دفعہ نہیں۔ لاکھوں بار قربان جسکے قدموں کی بدولت غلام بھی پچھلی امتوں سے افضل ہو گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سب کو لیجائیگا جنت میں وہ جنت والا!

ہوں مے عشق محمد سے نہ کیوں متوالا
کہ ہے محبوب مرا چاندسی صورت والا

داغ عشق نبوی کی جسے دولت مل جائے
کوئی بھی اس کے برابر نہیں دولت والا

کیوں نہ ہو ناز بھلا اسکی شفاعت پہ ہمیں
جو ہے امت کے لئے رحمت و شفقت والا

جو فدا عشق میں کر دے دل و جان و متاع
اُسے کہتے ہیں محمد کی محبت والا

(لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین) تم میں سے

(ایک شخص بھی پورا ایماندار نہ ہوگا جب تک اپنے ماں باپ اور ساری دنیا سے زیادہ مجھسے محبت نہ کرے۔ لاریب)

جسکو مل جائے ترے در کی غلامی یا شاہ — اُس سے بڑھکر تو نہیں کوئی بھی عزت والا
کیوں نہ سو جان سے قربان ہو اُمت تجھپر — کہ ہے مدّاح ترا عرش کی رفعت والا
اپنا دیدار دکھاؤ کہ مدینہ بلوا دو — جاں بلب ہجر میں ہے ایک محبت والا
جاں نثاروں کو وہ محشر میں نہ بھولیگا کبھی — سب کو لیجائیگا جنت میں وہ جنت والا
سبز گنبد میں جو آرام سے خوابیدہ ہے — اُس سے کہدے کوئی مرتا ہے ترا متوالا
خواب میں جس کو میسّر ہو جمال محبوب — قابلِ رشک ہے وہ جاگتی قسمت والا
اُن کے در کا ہو گدا چھوڑ کے سب مال و متاع — اور کرے جاں بھی فدا ہے کوئی ہمت والا
لو خبر ماہر مہجور کی آقا للہ — جل رہا ہے تپ فرقت میں محبت والا

الدہ کیسا خوش نصیب ہے۔ جو وطن سے دور۔ در محبوب سے قریب ہے ؎

ماہر خستہ گام وہ ہند میں خوش نصیب ہے — جسکے سلام ہوں قبول بارگہِ حجاز میں

رخصتی حضرت عبداللہ (چاند سورج کو شرما دینے والی) دلہن کو گھر لیکر پہونچے۔ تو اہلِ قرابت کی خوشی کا کیا پوچھنا تھا۔ برسوں کی دلی امیدیں بر آئیں۔ سب نہال ہو گئے۔ اس مسرت کی تکمیل میں خواجہ عبدالمطلب جسقدر مہمان نوازی کرتے کم تھی۔

ایک دن حضرت عبداللہ بنتِ نوفل کے پاس گئے اور فرمایا۔

اب میں آیا ہوں کہ تمہاری تمنا پوری کردوں یعنی تمہاری درخواست کے مطابق تم سے نکاح کرلوں۔ بنتِ نوفل نے نظر اُٹھائی تو جنابِ عبداللہ کی پیشانی میں نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نہ پایا بے اختیار پکار اُٹھی۔

اے عبداللہ! معلوم ہوتا ہے تم نکاح کرآئے ہو اس لئے کہ جو نور تمہاری پیشانی میں پہلے جلوہ گر تھا اب نہیں۔ میں صاف کہوں مجھے تم سے محبت نہ تھی۔ اُس نور

کی عظمت نے میرے دل میں گھر بنا لیا تھا۔ اور میں چاہتی تھی کہ میں اُس دولت سے مالا مال ہو جاؤں۔ مگر آہ! وہ دولت میرے نہیں بلکہ کسی اور پاک خاتون کے نصیب میں تھی۔

وفات اسپر قاضی ہشام ابن خلدون وغیرہ۔ اسکے بعد حضرت عبداللہ گھر واپس ہو گئے۔

ایک روز حضرت عبداللہ تجارت کی غرض سے ملک شام روانہ ہو گئے واپسی کے وقت مدینہ طیبہ میں سخت علیل ہوئے۔ جب خواجہ عبدالمطلب کو یہ خبر وحشت اثر پہونچی تو آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے حارث کو مدینہ طیبہ بھیجا۔ تاکہ وہ مدینہ طیبہ جاکر اپنے باپ کے راج دلارے بیٹے اور اپنے پیارے بھائی حضرت عبداللہ کو لے آئیں مگر افسوس اُن کے پہونچنے سے پہلے ہی جناب عبداللہ کا پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا۔ اور وہ دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئے۔ فرشتوں میں ایک قیامت خیز شور مچ گیا جناب باری میں عرض کرنے لگے۔

اے اللہ! اب تیرے حبیب کی کون پرورش کرے گا۔ کون انہیں خونخوار دشمنوں کے پنجۂ ستم سے بچائیگا۔

جواب ملا۔ ہمارے حبیب کی پرورش اور نگہبانی اگر پہلے عبداللہ کے ذمہ تھی تو اب ہمارے ذمہ ہے۔ آج ہمارا حبیب یتیم ہوا۔ کفار کی کیا مجال جو ہمارے پیارے حبیب کا بال بیکا کر سکیں

حارث نے مدینہ پہونچکر اپنے پیارے بھائی کو دفن کیا۔

اے یثرب! تو کسقدر قابلِ رشک اور کتنا خوش قسمت ہے کہ تجھ میں ہاں تجھ میں پہلے والد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہوئے۔ اور پھر خود آقائے نامدار ہجرت فرما کر تیری آغوش میں جلوہ افروز ہوئے۔ یہی نہیں بہت سے مبارک صحابہ

بھی تیری ہی پاک گود میں پڑے آرام کی میٹھی میٹھی نیند لے رہے ہیں ۵

الٰہی زندگی ہو تو محمدؐ کا مدینہ ہو — مقامِ موت بھی ہو تو محمدؐ کا مدینہ ہو

پہونچ جاتا میں جینے جی مدینے کاش اے آذر — وہاں مرتا تو مر کر ہی قریبِ مصطفیٰ ہوتا

جب جناب عبداللہ کی خبرِ رحلت حارث کی زبان سے مکہ میں پہونچی تو کہرام مچ گیا۔ اور جناب عبدالمطلب کا تو جو حال ہوا ناقابلِ بیان ہے۔ فخرِ دو عالم محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حملِ مادرِ گرامی میں اُس وقت دو ماہ کے تھے

تنبیہ آج اگر کوئی باپ اولاد کو ماں کے حمل میں چھوڑ کر مرجاتا ہے تو دنیا والے اُس بچہ کو بڑا بدنصیب سمجھتے اور کہتے ہیں۔ مگر افسوس نہیں جانتے کہ آفتابِ اقبال و جلال خوش نصیبی کا بدرِ کمال فخرِ دو عالم محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا مقدس نبی ابھی مادرِ گرامی کے حمل ہی میں تھا کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ دنیا والو! ایسے بچوں کو بدنصیب نہ کہو۔ یہ بڑا خوش قسمت ہے۔ کہ اس سے سنتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ادا ہوئی۔

ترکہ حضرت عبداللہ نے ترکہ میں کچھ اونٹ تھوڑی بکریاں اور ایک لونڈی اُمِّ ایمن نامی یہ چیزیں چھوڑیں۔ جو آقائے نامدار کو ورثہ میں ملیں۔ اُمِّ ایمن کا اصلی نام برکتہ تھا

اصحابِ فیل ولادتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک ماہ ۲۲ دن باقی تھے کہ ابرہہ ملعون فرمانروائے یمن خانہ کعبہ کے انہدام کی غرض سے بہت سے ہاتھی لیکر مکہ معظمہ چڑھ دوڑا ہم مناسب خیال کرتے ہیں کہ یہ واقعہ تفسیرِ عزیزی سے نقل کر دیں جو تاریخ سے بھی زیادہ معتبر ہے۔

تفسیرِ عزیزی سورۂ فیل کی ہے۔ پانچ آیتیں تیئیس کلمے اور ۹۹ حرف ہیں۔ الم ترکیف فعل ربک باصحب الفیل الم یجعل کیدھم فی تضلیل وارسل علیھم طیرا ابابیل

تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ (کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا کیا اُن کا داؤں غلط اور بیکار نہیں کر دیا اور اُن پر غول کے غول اڑتے ہوئے جانور بھیج دیئے وہ جانور اُن لشکر والوں کو کنکروں سے مارتے تھے۔ پھر اُن لشکر والوں کو کھائے ہوئے بھُس کے مانند کر ڈالا۔

ملخص شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے اس مبارک سورۃ کی تفسیر بھی نہایت شد و مد کے ساتھ پوری وضاحت سے فرمائی ہے۔ لیکن اگر ہم سب کی سب نقل کریں تو خارج از مضمون ہو اس لئے جہاں تک ہمارے مضمون سے تعلق ہے پیش کرتے ہیں

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ولادت باسعادت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ دنوں پہلے یہ واقعہ رونما ہوا تھا۔ اور بہ برکت نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ نے اس بڑے فتنہ کا سدباب کر دیا تھا یہ سورۃ اس لئے نازل فرمائی کہ کفار قریش اس عینی شہادت کے دیکھتے ہوئے تو حضور اکرم پر ایمان لے آئیں اس سورۃ کا گہرا تعلق قرب ولادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ لہذا عبرت اور نصیحت کے لئے یہ سورۃ نازل فرمائی گئی۔

واقعہ ابرہہ بادشاہ حبش کا خراج گذار جب یمن کا صوبہ دار مقرر ہو کر آیا اور اُس نے دیکھا کہ چہار جانب سے ایام حج میں لوگ جوق در جوق خانۂ کعبہ جاتے ہیں۔ اور بڑے سے بڑا کام بھی اس مبارک فرض کے سامنے پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ تو حاسد حسد کی آگ میں جل بھنا اور اُس نے حکم دیا کہ ہمارے شہر میں بھی ایک قصر عالی تعمیر ہو جس کے تکلف۔ آرایش اور زیب و زینت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے۔ اُس کے گرد چند چھوٹے چھوٹے قصر بھی بنائے

اور ضروری سامان سے سجائے جائیں حکم کی تعمیل شروع ہوئی۔ اور تھوڑی ہی عرصہ میں وہ قصر اور اُس کے متعلق عمارات تیار ہوگئیں۔ ابرہہ بہت خوش ہُوا۔ اور حکم دیا کہ بجائے خانۂ کعبہ جانے کے لوگ ہمارے اس قصرِ عالی کا طواف کرنے آیا کریں۔

بھلا اِس موذی کے حکم کی تعمیل کون کرتا۔ اہلِ عرب اور خصوصاً قریش کو تو بہت ہی ناگوار ہوا۔ جب اُس کے من مانے کعبہ کا طواف کرنے کوئی بھی نہ آیا۔ تو موذی اپنے ہی حسد کی آگ میں جل بُجھا۔ ایک دن اتفاق سے ایک عرب یمن پہونچا اور اُس کے قصرِ عالی کے نگہبانوں میں شامل ہوگیا۔ ایک شب جب اُس نے موقعہ پایا تو اُس قصرِ عالی کے تمام پُرتکلف مقامات پر مِگ کر چلا گیا۔ ابرہہ نے جب یہ سُنا۔ اور مجرم کی تحقیق کی گئی۔ تو معلوم ہوا یہ ایک عرب کا کام تھا۔ پھر کیا تھا۔ بے حیا۔ ابرہہ سراپا شعلۂ آتش بن گیا۔ اور موذی نے خانۂ کعبہ کے شہید کرنے کا مصمّم ارادہ کرلیا۔ یہ مردود تیاریٔ لشکر ہی میں مصروف تھا کہ ایک نیا گُل کِھلا۔ اہلِ حرم کا ایک قافلہ حسبِ اتفاق اُس قصرِ عالی کے قریب ایک رات شب باش ہوا۔ صبح جب قافلہ والے چلنے لگے تو آگ جلانی اور اُس کی روشنی میں گری پڑی چیزیں اُٹھانے لگے۔ خداوندِ قضا و قدر کے حکم سے تیز تیز ہوا چلنے لگی اور آگ کی کچھ چنگاریاں اُڑ کر اُس شیطانی قصر میں جا گریں۔ پھر کیا رکھا تھا۔ آناً فاناً سارا قصر معہ سامان جلکر خاک ہوگیا۔ جو عمارت بچی بھی وہ اس قدر سیاہ ہوگئی کہ شاید شب دیجور بھی ایسی نہ ہوتی ہو۔ اہلِ قافلہ یہ ہوشربا سانحہ دیکھکر ڈر گئے۔ اور بھاگم بھاگ یمن سے دور نکلکر دشمنوں کی زد سے محفوظ ہوگئے۔ ابرہہ بیچارہ یہ سُنکر سُن ہوگیا۔ اور چھان بین کے بعد جب معلوم ہوا کہ یہ کام انہیں اہلِ قافلہ کا تھا تو غصّے سے بے آپے ہوگیا۔ فوراً لشکر

تیار کرایا۔ بارہ ہاتھی جن میں ایک کا نام محمود تھا ساتھ لئے۔ اور خانۂ کعبہ پر چڑھ دوڑا ہر چند اُس خدا کے دشمن کو راہ میں اہلِ قریات نے روکا۔ اُس کا نقصان دیدینے کو کہا۔ مگر کم بخت نے ایک نہ سُنی۔ یہانتک کہ مکّہ معظّمہ کے قریب جا پہونچا۔ اور وادیٔ محسّر میں خانۂ کعبہ سے پانچ کوس ہٹ کر عرفات کے راستے پر ڈیرے ڈالدیئے جب یہ وحشت ناک خبر مکّہ میں پہونچی تو کل اہالیانِ شہر کے مارے خانۂ کعبہ سے بھاگ بھاگ کر مختلف پہاڑیوں پر جا چڑھے لیکن آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ بزرگوار حضرت عبدالمطلب وہیں ٹھہرے اور تائیدِ غیبی کا انتظار کرتے رہے۔

جب ابرہہ نے خانۂ کعبہ پر حملہ کرنے کے لئے قدم بڑھایا تو جدّہ کیطرف سے (جو سمندر کی ایک بندرگاہ ہے۔) بہت سی سبز چڑیاں اڑتی ہوئی پرے باندھے ہوئے ابرہہ اور اُس کے لشکر کیطرف آئیں۔ ہر چڑیا کے پاس تین تین کنکر تھے ایک ایک چونچ اور دونوں پنجوں میں دبائے تھیں جب اُس لشکر پر پہنچیں تو نور کنکریاں پھینکنی شروع کیں۔ ایک ایک کنکری کی تاثیر بڑے بڑے خوفناک گولوں کے برابر ثابت ہوئی۔ کنکریاں اہلِ فوج کے سروں پر پڑتی تھیں اور مثلِ تیرِ شہاب ٹانگوں کے بیچ سے نکل جاتی تھیں۔ دم بھر میں سارا لشکر فی النار ہوگیا۔ خدا نے ابرہہ کو اس سے پہلے ایک تنبیہ بھی فرمائی تھی۔ کہ وہ اِس ارادۂ فاسد سے باز آجائے۔ مگر اُس کے سر پر شیطان سوار تھا۔ قدرت کی نشانیوں کی ذرا پرواہ نہ کی۔ صورت یہ تھی کہ جب حملے کیلئے یہ لوگ آگے بڑھے تو محمود ابرہہ کی سواری کا ہاتھی زمین میں گڑ گیا۔ قدم نہ بڑھا سکا۔ اور ساتھ ہی دوسرے ہاتھیوں نے بھی گھٹنے ٹیک دیئے۔ بڑی کوششوں کے باوجود بھی کوئی ہاتھی نہ بڑھا۔ چاہئے تھا کہ ابرہہ اُس سے سبق لیتا توبہ کرتا۔ پلٹ جاتا۔ مگر اس کے خلاف اُس نے فیل بانوں کو دھمکاتے

ہوئے کہا۔ تم چاہتے ہو میں خانۂ کعبہ کا متقد ہو جاؤں لیکن مطمئن رہو کہ میرا ارادہ بدلنے اور میں واپس پلٹنے والا نہیں۔ یہ آخری لفظ اُس کے زبان سے نکلا ہی تھا کہ چڑیوں نے کنکروں کی بوچھار کی۔ اور موذی سمیت لشکر کیفرِ کردار کو پہونچ گیا۔

اشارہ اِس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ اشارہ تھا کہ اے کفارِ قریش اگر تم نے میرے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کی تو اصحابِ فیل کیطرح تم بھی غارت کر دیئے جاؤ گے۔

دیکھو جو نبی دنیا میں ابھی تشریف بھی نہ لائے تھے۔ اُن کی برکت سے ہمنے ابرہہ جیسے دشمن کو حقیر جانوروں سے ہلاک کرا دیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا بھی ایسا ہی حشر ہو جائے۔

مذکورہ کنکریاں زمانہ نبوت تک موجود تھیں بلکہ اُس کے ایک عرصہ بعد تک لوگوں کے گھروں میں پائی جاتی تھیں جو اُنہوں نے عبرت کے لئے رکھ چھوڑی تھیں بہت سے صحابہ کرامؓ نے وہ کنکریاں دیکھی تھیں۔

جب دشمن مارے گئے تو اہلِ مکہ نے اُن کا سارا مال و متاع لوٹ لیا اُسی دولت سے اہلِ عرب مالا مال ہو گئے۔ اور خوش خوش اپنے مکان چلے گئے۔

اس قصے کے پچپن روز بعد آقائے نامدار رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جہانِ خاکدان میں تشریف لائے۔

آفتابِ رسالت برجِ حمل میں

سیرت ابن ہشام (۱) بی بی آمنہ بنت وہب فرماتی ہیں کہ جب آپ حمل میں تشریف لائے تو انہیں خواب میں بشارت ہوئی کہ آپ کے حمل میں اس امت کے سردار تشریف رکھتے ہیں جب آپ تولد ہوں تو یوں کہنا اعیذہ

بِالْوَاحِدِ مِنْ شَرِّ کُلِّ حَاسِدٍ (اکیلا اللہ آپ کو حاسدوں کے شر سے محفوظ رکھے اور اپکا نام محمد رکھنا۔

(۲) جس شب بی بی آمنہ حاملہ ہوئیں اُسی رات آپنے ایک نور دیکھا جس کی روشنی میں آپ کو شہر بصرہ علاقۂ شام کے محلات نظر آنے لگے۔

دلائل النبوت تاریخ الخمیس خصائص کبریٰ سیرت حلبیہ مواہب لدنیہ

روی سهل بن عبد الله التستری عن خلق محمد صلے الله علیه وسلم فی بطن امه امنة لیلة رجب وکانت لیلة الجمعة امر الله تلك اللیلة خازن الجنان ان یفتح الفردوس وناد فی السموات والارض الا ان النور المخزون الذی یکون منه النبی الهادی یستقر فی هذه اللیلة فی بطن امنة ویخرج الی الناس بشیرا ونذیرا (رجب آفتاب رسالت برج حمل میں آیا یعنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس رات اپنی اماں جان آمنہ کے حمل میں تشریف لائے تو رجب کا مہینہ اور جمعہ کی شب تھی۔ رضوان کو اشارہ ہوا فوراً جنت کے دروازے کھولدو ساتھ ہی زمین و آسمان میں پکار دو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آج اپنی امِ محترمہ کے مبارک حمل میں تشریف لے آئے ہیں جو عنقریب پیدا ہو کر لوگوں کو جنت کی بشارت سے مسرور فرمائیں گے۔ اور کافروں کو عذاب دوزخ سے ڈرائیں گے

خوشخبری جب آفتاب رسالت کے برج حمل میں آتے ہی جنت کے دروازے کھل گئے تو آپ جسوقت اپنی پاک تعلیم سے امت کے دل منور فرمائیں گے اس وقت اس امت پر کس درجہ رحمت الٰہی سایہ فگن ہوگی۔

تاریخ الخمیس نطقت کل دابة فی قریش وقالت حل برسول الله ورب

الکعبۃ ھوامان الدنیا وسراجھا (قریش کے گھروں کا ایک ایک جانور بول اٹھا۔ کہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی ماں) کے حمل میں تشریف لے آئے۔ ربِ کعبہ کی قسم وہ زمانہ بھر کے لئے امن کے سبب اور جہان بھر کے چراغ ہوں گے)

خصائص کبریٰ سیوطی مواہب لدنیہ

وفرت وحوش المغرب الی وحوش المشرق وکذالک اھل البحار یبشر بعضھم بعضا (مغرب کے رہنے والے وحشی جانور مشرق کی طرف خوشخبری لیکر دوڑے۔ اور اسی طرح دریائی جانور ایک دوسرے کو بشارت دیتے تھے۔

زرقانی

وکانت قریش فی جدب شدید وضیق عظیم فاخضرت الارض وحملت الاشجار واتاھم الوفد من کل جانب وسمیت تلک السنۃ سنۃ الابتھاج (قریش سخت خشک سالی تنگی اور مصیبت میں تھے۔ لیکن جس سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہان خاکدان میں تشریف لائے خشک زمین ہری بھری ہوگئی۔ سوکھے درخت شاداب ہوکر پھولوں سے لدگئے چہار سو خوشحالی نصیب ہوئی اسی لئے یہ سال خوشحالی کے نام سے موسوم ہوا۔

مواہب لدنیہ

لم یبق فی تلک اللیۃ دار الا اشرقت ولا مکان الا دخلہ النور (جس شب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حمل میں تشریف لائے۔ مکے کے سارے گھر روشن ہوگئے)

خصائص کبریٰ سیوطی

واذن لنساء الدنیا تلک السنۃ ان یحملن ذکورا کرامۃ لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم (تمام جہان کی عورتوں کے رحم کو ارشاد باری پہونچا کہ اس سال ہر عورت کے بطن سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی ثابت کرنے کے لئے لڑکے پیدا ہوں

مسامرۃ الاخبار۔

اثار الاول عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال فی

کل شهر من شهور حمله یسمع نداء من السماء ان ابشروا فقد آن لابی القاسم ان یخرج میمونا مبارکا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور کے مبارک ایام حمل میں ہر مہینے آسمان سے ایک آواز آتی تھی۔ لوگو! خوش ہو جاؤ۔ ابوالقاسم بڑے برکت والے نبی کے دنیا میں تشریف لانے کا مبارک وقت آگیا۔

عجائبات **مواہب لدنیہ** فاصبح عرش ابلیس منکوسا والملک یغطہ فی عمق البحار اربعین صباحا فانقلب اسود محترقا ولم یبق سریر املک من ملوک الدنیا الا صار منکوسا وکلت السنۃ الملوک حتی لم یقدروا فی ذلک الیوم علی التکلم واصبحت اصنام الدنیا منکوسۃ۔ ابلیس کا تخت اوندھا کیا گیا۔ اور اُسے ایک فرشتہ چالیس روز تک کھاری سمندر میں غوطے دیتا رہا جس سے مردود کی رنگت بالکل کالی پڑ گئی۔ اور ساتھ ہی تمام بادشاہوں کے تخت بھی الٹ دئے گئے۔ اُن کی زبانیں کچھ عرصہ کے لئے گونگی ہو گئیں۔ اور تمام جہان کے بت سجدے میں گر پڑے۔

دلائل النبوت عن بریدۃ قال رأت آمنۃ فی منامها فقیل لها انک قد حملت بخیر البریۃ وسید العالمین وآیۃ ذالک ان یخرج نور یتلألأ منہ قصور ابصری والشام فاذا وقع فسمیہ محمدا۔ حضرت بریدہؓ کہتے ہیں ایک رات بی بی آمنہؓ حالت رویا میں دیکھا ایک پکارنیوالا پکار رہا ہے۔ آمنہ! تم ایسے جلیل القدر فرزند کی ماں ہو جو سارے جہان سے افضل اور دنیا بھر کے سردار ہیں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ جب وہ پاک فرزند ظلمت کدۂ عالم کا اجالا بنیں گے۔ تو ایک ایسا نگاہوں کو خیرہ کر دینے والا مبارک نور پھیلے گا جس سے بصرہ اور شام کے قصر روشن ہو جائیں گے۔ اور جب آپ پیدا ہوں تو نام نامی محمد رکھنا۔

معلومات بعض اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرۃ آمنہ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے احمد صلی اللہ علیہ وسلم نام بتایا گیا تھا اور آپ کے دادا جان خواجہ عبدالمطلب نے آپ کا نام محمد صلعم رکھا تھا اس لئے آپ کا اسم گرامی محمد بھی ہے اور احمد بھی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔)

انجیل میں آپ کا نام فارقلیط ہے جس کا ترجمہ احمد ہے چنانچہ حضرت عیسے علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو اپنی رسالت کی دعوت دی تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا۔ کہ میرے بعد ایک جلیل القدر نبی تشریف لائیں گے جنکا مبارک نام احمد صلعم ہوگا جسے حق جل مجدہٗ یوں ارشاد فرماتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ سورہ صف رکوع اول (مریم کے صاحبزادے عیسے علیہ السلام نے فرمایا۔ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس خدا کا رسول ہو کر آیا ہوں۔ یہ کتاب تورات جو مجھسے قبل نازل ہو چکی ہے میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور تمہیں ایک بڑے پیغمبر کی خوش خبری سناتا ہوں۔ جو میرے بعد تشریف لائیں گے جنکا نام احمد (صلعم) ہوگا)

زہے شان سرور دو جہان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ کی خوشخبری سنانے کے لئے عیسے روح اللہ جیسے مقدس نبی تشریف لائے۔ اگرچہ توراۃ وانجیل میں یہود و نصاریٰ نے تحریف کر دی۔ پھر بھی اگر زیادہ نہیں تو آج سے ۴، سال پہلے کی تورات اور انجیل اٹھا کر دیکھئے تو ان میں بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی کھلی بشارتیں ملتی ہیں۔

جب حضرت عیسے علیہ السلام آسمان پر اٹھائے جانے والے تھے۔ تو آپ کے یہ الفاظ پرانی انجیل میں ملتے ہیں۔ لوگو! میں اپنے اور تمہارے خدا

کے پاس جارہا ہوں۔ میرے بعد ایک جلیل القدر نبی آنے والے ہیں اُن کی اطاعت کرنا۔ ورنہ میں زمانہ آخر میں آکر تمہیں تہ تیغ کروں گا

اِس قسم کی بہت سی باتیں پرانی اناجیل میں ملتی ہیں جو آج کم کرتے کرتے لوگوں نے اپنے نزدیک بالکل مٹا دی ہیں۔ تاہم سچی بات چھپائے سے بہت کم چھپتی ہے۔ موجودہ انجیل پر بھی گہری نظر ڈالئے تو ظلمت کے اِس گھٹا ٹوپ میں سے بھی کہیں کہیں صداقت کے سورج کی کرنیں نظر آجاتی ہیں انجیل کے اِن الفاظ پر غور کیجئے۔

(۱) "یہ امور میں نے تم سے کہے جبکہ تمہارے ساتھ ہوں لیکن پیرکلیطاس (پاک روح) جس کو باپ بھیجے گا۔ میرے نام سے ہر بات تم کو سکھائیگا۔ اور یاد دلائیگا تم کو تمام وہ باتیں جو کہ میں نے تم سے کہی ہیں"۔ (انجیل یوحنا باب ۱۴۔ آیت ۲۵-۲۶۔

(۲) "تاہم میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ یہ بھلا ہے تمہارے لئے کہ یہاں سے میں چلا جاؤں کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں تو پیرکلیطاس تمہارے پاس نہ آئیگا"۔ (انجیل یوحنا۔ باب ۱۶۔ آیت ۷۔

اب آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اِن چھپے چھپائے یا یوں کہئے کہ مٹے مٹائے اشارات سے کیا مفہوم ہوتا ہے۔ یہی کہ پیرکلیطاس کا لفظ جو عبرانی فارقلیط کا ترجمہ ہے اور عربی میں جس کا صحیح ترجمہ احمد ہے جو اگر حضور اقدس کی ذات گرامی کے متعلق نہیں تو پھر کس کے لئے ہو سکتا ہے۔ تمام اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح نے عبرانی کے الفاظ استعمال کئے ہیں جو اُن کی مادری زبان تھی اور جس میں خالدی زبان کے الفاظ بھی ملے ہوئے تھے۔ بھلا مسیح کو یہاں یونانی بولنے کی خدانخواستہ کیا مصیبت پڑی تھی۔ اگرچہ موجودہ انجیل میں پیرکلیطاس

انہیں حرفوں میں لکھا ہے جن میں ہم نے پیش کیا۔ لیکن ہماری تو کیا کسی کی عقل بھی یہ تسلیم نہیں کر سکتی کہ حضرت مسیح نے یونانی لفظ استعمال فرمایا تھا چنانچہ بشپ مارش صاحب بھی اس باب میں ہمارے ہمخیال ہیں جب اناجیل یونانی میں لکھی گئیں تو ظاہر ہے کہ یہ لفظ بھی یونانی میں لکھا گیا مگر ہمارے دوستوں نے پیرکلیطاس کا ترجمہ تسلی دینے والا کر دیا حالانکہ پیرکلیطاس کا ٹھیک ترجمہ ہے لفظ فارقلیط۔ اور فارقلیط کا صحیح ترجمہ احمد ہے۔ لیکن اُن دوستوں کو تو اس روشن پیش گوئی کا تعصب کے تاریک پردوں میں چھپانا منظور تھا اس لئے فارقلیط سے پیرکلیطاس بنایا اور پھر آسانی سے اُس کا ترجمہ تسلی دینے والا کر دیا۔

اب اگر ہم اپنے دوستوں کی خاطر تھوڑی دیر کے لئے اُن ہی کے من مانے ترجمہ کو صحیح سمجھ لیں تو بھی یہ پوری کی پوری پیش گوئی ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر صادق آتی ہے کیونکہ جیسا تسلی دینے والا خدا نے ہمارے نبی اکرم صلعم کو بنا کر بھیجا ہے اگر دنیا کوئی ایسا نبی پیش کر سکے تو ہم پیشین گوئی اُس کے حق میں مان لیں گے۔ ذرا ہمارے پیغمبر صلعم کی شان ملاحظہ ہو۔ کہ آپ کے طفیل اور آپ کی معرفت کیسا زبردست تسلی بخش پیغام سنایا جاتا ہے۔ قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔ (سورۂ زمر رکوع ۵ پارہ ۲۴۔ (اے پیغمبر ہمارے اُن بندوں سے کہدیجئے جنہوں نے گناہوں کی وجہ سے اپنے نفوس پر زیادتیاں کی ہیں کہ وہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں کیونکہ اللہ تمام گناہوں کو بخشنے والا ہے یقیناً وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

کیا تاریخ عالم کوئی ایسی ہستی پیش کر سکتی ہے جس کی زبانی اللہ تعالےٰ نے گنہگاروں کو ایسی شاندار تسلی دی ہو۔ حضرت مسیح کے بعد تو کیا آغاز دنیا سے آج

تک کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کی زبانی حق تبارک وتعالیٰ نے گناہگاروں کو اتنی بڑی تسلی دی ہو۔ حق کو کوئی لاکھ چھپائے کبھی نہیں چھپتا۔ ہمیشہ خورشید جہاں تاب کیطرح روشن رہتا ہے۔

ہمارے دوستوں نے اپنی دانست میں غلط ترجمہ سے فائدہ اٹھانا چاہا لیکن یہ پیشگوئی اس ترجمہ سے آپ کے متعلق پہلے سے بھی زیادہ صاف ہوگئی۔

ہم جہاں تورات وانجیل کی پیشین گوئیاں حوالہ قلم کریں گے۔ وہاں انشاء اللہ اوروں کے ساتھ ساتھ یہ پیشین گوئی بھی بالتصریح لکھینگے۔ مزید وضاحت کے لئے جلد ثانی ملاحظہ فرمائیے۔

بہرکیف اس پیشین گوئی سے ثابت ہوگیا کہ اہل کتاب حضور اقدس کے مراتب پر خواہ کیسے ہی پردے کیوں نہ ڈالیں تاہم برج ظلمت سے رسالت کے نیر تاباں کی شعاعیں اس طرح منعکس ہوتی ہیں کہ اہل کتاب کی آنکھیں بھی خیرہ ہوجاتی ہیں۔

ہاں آپ ہی وہ مقدس نبی ہیں جن کی آمد کی بشارت کل انبیاء کرام سناتے چلے آئے ہیں۔ انجیل کی مذکورہ بالا آیات سے صاف ثابت ہوگیا کہ آپ ہی وہ نبی ہیں جن کا نام مسیح عیسیٰ نے فارقلیط یعنے احمد بتایا ہے۔ اور بی بی آمنہ کو بھی ہاتف نے آپ کا نام احمد (صلعم) ہی رکھنے کی تاکید کی ہے۔

بعض روایتوں میں یہ لکھا ہے کہ بی بی آمنہ کو خواب میں بشارت دینے والے حضرت عیسیٰ روح اللہ تھے۔ غالباً اس لئے کہ انجیل میں آپ کا مبارک نام احمد (صلعم) بتایا گیا ہے۔ لہٰذا یہ بشارت دینے والے بھی روح اللہ ہی ہونگے

سبحان اللہ حضورؐ کے مراتب ومدارج کسقدر بلند ہیں کہ سارے نبی اپنی اپنی قوم کو حضور کے تشریف لانے کی بشارت سناتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ

حضرت ابراہیم خلیل اللہ جنابِ باری میں بصد تمنا یہ دعا مانگتے ہیں۔ ربنا وابعث فیہم رسولا منہم یتلوا علیہم آیتک ویعلمہم الکتب والحکمۃ ویزکیہم انک انت العزیز الحکیم (سورہ بقر رکوع ۱۴)۔ (اے ہمارے پروردگار (اور تو یہ بھی کر) کہ اُس جماعت کے اندر اُن ہی میں کے ایک ایسے رسول مقرر فرما دے جو اُن لوگوں کو تیری مبارک آیتیں پڑھ پڑھ کر سُنایا اور اُنہیں کتاب کا علم اور حکمت کی باتیں سکھایا کریں۔ اور اُنہیں (کفر و شرک سے) پاک کر دیں۔ یقیناً تو ہی (قضا و قدر پر) غالب زبردست حکمت والا ہے)

سبحان اللہ وبحمدہٖ کیا دعا ہے کن مبارک لبوں سے نکلی ہوئی۔

اور کس اچھے وقت کی دعا ہے۔ کہ حق تبارک و تعالیٰ شانہٗ نے اس دعا کی قبولیت میں عرب جیسے وحشی، جنگلی، موذی، شرابی، بت پرست، مگر ساتھ ہی بہادر لوگوں میں رسالت کا نیر تاباں چمکا دیا جس کی ضیا باریوں نے نہ صرف عرب بلکہ ایک عالم کو مسخر کر لیا صلی اللہ علیہ وبارک وسلم۔

بہر کیف بی بی آمنہ کو بتایا گیا کہ وہ آپ کا نام احمد (صلعم) رکھیں۔ اس خواب کے بعد مقدس آمنہ اچھی طرح سمجھ گئیں کہ میرے فرزند یقیناً خدا کے برگزیدہ بندے ہوں گے۔

سیرتِ حلبیہ: انہ صلے اللہ علیہ وسلم بقی فی بطن امہ تسعۃ اشہر لا تشکو وجعاً ولا شیئاً مما یعرض للذوات الحمل من النساء (آفتاب رسالت پورے نو مہینے برج حمل میں رہا۔ اس اثنا میں مقدسہ آمنہ نے کسی قسم کی تکلیف نہیں اُٹھائی۔

جب مقدسہ آمنہ نے قریش کی جاہل عورتوں میں اپنا خواب بیان فرمایا۔ تو اُنہوں نے اسے سب کا خلل تجویز کیا۔ ساتھ ہی لوہے کا ایک کڑا اور ایک

طوق حضرۃ آمنہ کو دیا کہ وہ ان چیزوں کو ہاتھ اور گلے میں پہن لیں۔ اپنے
اُن عورتوں کے کہنے سے یہ چیزیں پہن لیں مگر اُسی رات خواب میں دیکھا کہ
ایک نورانی صورت والے بزرگ جن کی وجہ سے تمام حجرہ منوّر ہو گیا ہے
میرے سرہانے کھڑے فرما رہے ہیں بی بی تمہیں خبر ہے۔ تم کیسے جلیل القدر
فرزند کی ماں بننے والی ہو۔ جو دنیا کی ظلمتِ کفر و شرک کو دور کر کے آفتابِ توحید
سے تمام جہان کو منوّر فرما دینگے۔ بھلا تم ایسے مقدّس نبی کی ماں ہو کر یہ طوق
اور کڑا پہنو۔ یہ کہکر اُن بزرگ نے ہاتھ سے کچھ اشارہ کیا۔ کڑا اور طوق ٹوٹ
کر زمین پر گر پڑے۔ صبح جب مقدسہ آمنہ خوابِ راحت سے بیدار ہوئیں۔
تو دیکھا طوق اور کڑا دونوں ٹکڑے ٹکڑے ہوئے پڑے ہیں۔ آپ نے کسی
سے کوئی بات نہ کہی اور اب آپ کو یقین کامل ہو گیا کہ میرے فرزند ضرور
خدا کے برگزیدہ بندے ہونے والے ہیں۔

سبحان اللہ وبحمدہ اُس مبارک رسول نے والدۂ محترمہ کے شکم میں
آتے ہی شرک کی بنیاد ہلا ڈالی۔ ان چیزوں کے علاوہ اور بہت سی عجیب
وغریب روایات ہیں جو ہم بخوفِ طوالت نظر انداز کرتے ہیں ان اخبار سے
معلوم ہو گیا ہو گا کہ رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے حمل میں تشریف لاتے
ہی خدا کے انوار و برکات کا مینہ برس گیا۔

دلائل ان اخبار کو پڑھ سن کر بعض لوگ تعجب ہی نہیں بلکہ معاذ اللہ ان واقعات
کو صریح جھوٹ سے تعبیر کرتے ہیں اس بنا پر کہ قدرت کے یہ کرشمے اُن کی
ناقص عقل میں نہیں آتے۔ ہم ان لوگوں کے جواب میں اس سے پہلے بہت کچھ
لکھ چکے ہیں۔ اور اب کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ تاہم اتنا اور
کہے دیتے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سیرت پر نظر ڈال جائیے۔

اور پھر بتاتے کہ کیا آپ کی اکثر باتیں خرقِ عادت نہیں جس خدا میں یہ قدرت ہے کہ وہ آپ عیبوں کو جن کی اصل دو ناپاک قطرے ہیں اتنی قوت عنایت فرما سکتا ہے کہ آپ قدرتِ الٰہیہ کے نمونوں پر اعتراض کریں تو جسے قضا و قدر نے ازل ہی سے سب سے زیادہ ممتاز، برگزیدہ اور پیارا بنا لیا ہے اس محترم ہستی کے مولودِ مسعود کے وقت اگر خرقِ عادات باتوں کا ظہور ہو تو کیا تعجب ہے۔ شق القمر، شقِ صدر، معراج وغیرہ وغیرہ اِن معجزات کو دیکھتے ہوئے یقین کر لینا چاہئے کہ یہ خلافِ عقل باتیں بھی اُسی مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مولود کے متعلق ہیں۔ جس نے بہت سے عقل میں نہ آنے والے معجزات دکھا کر دنیا کو دنگ اور عالم کو ساکت و متحیر کر دیا۔

چونکہ ہم میں اور آقائے نامدار میں زمین و آسمان کا نہیں ارض و عرش کا فرق ہے۔ اس لئے مولود النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اُن خرق عادت باتوں کا ظہور ہوا جن کی مثال جہان والوں کے لئے ناممکن ہے۔ پھر ایسی صورت میں روایاتِ مذکور پر کیوں شک کیا جا سکتا ہے۔

اِن تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ شانہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جہان بھر پر تخصیص منظور تھی۔

عرب کی قحط سالی کا رفع ہونا۔ شیاطین کے تخت الٹنے۔ مقدسہ آمنہ کو بارِ حمل سے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونا۔ وغیرہ وغیرہ۔ تمام چیزیں حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے افضل ترین مراتب پر دلالت کرتی ہیں۔ پانچسو اکہتر یا اہتر سال سے جو عالمگیر ظلمت کفر و شرک جہان پر طاری تھی جس کی وجہ سے طرح طرح کے مصائب اہلِ دنیا کو بھگتنے پڑتے تھے۔ لیکن آج وہ آفتابِ تاباں برجِ حمل میں درخشاں ہے جس کی تابندگی سے تمام ظلمت کافور ہو جائے گی

اس لئے حق تبارک و تعالیٰ شانہٗ کی رحمت نے اہل دنیا پر بارانِ کرم برسادیا۔
ہم سمجھتے ہیں کہ اِن عجیب و غریب واقعات سے حق جل مجدہ کا مقصد لوگوں کے دلوں میں اپنے حبیب کی عزّت و عظمت جاگزیں کرنی تھی۔

ولادتِ باسعادت سے قبل کی دنیا آج عرب ہی نہیں تمام دنیا پر کفر و شرک کی ظلمت چھائی ہوئی ہے جہالت کا دور دورہ ہے، علم و فضل کا چھوٹا سا چراغ کہیں نظر بھی آتا ہے تو ٹمٹماتا ہوا۔ خدا کا وہ گھر جسے خلیل اللہ اور ذبیح اللہ نے خاص خدا کی پرستش کے لئے تعمیر کیا تھا۔ آج کفر و شرک کی گندگی سے اٹا ہوا ہے تین سو ساٹھ بت خاص حرمِ محترم میں خدائی کے راج راج رہے ہیں۔ سارا عرب اُن ہی بتوں کی پوجا میں ایسا لگا ہوا ہے کہ معبودِ حقیقی کو بالکل ہی فراموش کر دیا ہے۔ شراب نوشی، جوا بازی، دختر کشی، ذرا ذرا سی بات میں بڑی بڑی جماعتوں کا کٹ مرنا، زنا کاری، عیاشی۔ وغیرہ وغیرہ کوئی بُری بات ایسی نہ تھی جو عرب میں نہ ہوتی ہو۔ آج تو کسی کی برائی میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ فلاں پانچوں عیب شرعی ہے مگر عرب کو اگر ہزاروں عیب شرعی کہا جائے تو بجا ہے۔ جب خانۂ کعبہ ہی کی یہ گت بن رہی ہے تو بھلا اور مقامات کا تو ذکر ہی کیا؟ ؎

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

روم شام اور تمام یورپ میں صلیب کے جھنڈے گڑے ہوئے ہیں تثلیث کے نغمے زمین تو زمین فضائے آسمانی کو بھی مکدر کر رہے ہیں۔ توحید کا نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔ اِن تثلیث کے فدائیوں کی معاشرتی زندگی بھی اچھی نہیں ہے۔ اور ہو بھی کس طرح سکتی ہے جبکہ خدائے واحد کی پرستش میں (معاذ اللہ) مسیح اور روح القدس کو بھی شریک کر لیا گیا ہے۔ اِن میں بھی خانہ جنگیاں

جاری ہیں، غداری، سفاکی، زناکاری، شراب خواری جوے بازی وغیرہ تمام آفات اِن کا مقصدِ زندگی بنی ہوئی ہیں۔ فارس کی طرف نظر اٹھائیے تو وہاں بھی آگ کی خدائی کے دور دورے ہیں کم و بیش ہزار سال سے آتش کدہ روشن ہے اور لوگ اُس کی پوجا میں مصروف۔ اُن کی حاجت روا مشکل کشا۔ فریادرس اگر ہے تو آگ۔ معاذ اللہ ہمارا فارس کفر و شرک کی آگ سے بھرا ہوا ہے۔ روز صبح شام آگ کو دھڑا دھڑ سجدے ہوتے ہیں۔ اگرچہ نوشیرواں عادل کا زمانہ ہے لیکن اُس کی حکومت میں بھی اتنا بڑا ظلم ہو رہا ہے کہ خدائے واحد کو چھوڑ کر آگ کی پوجا کی جا رہی ہے۔ ہندوستان کے تختِ خدائی پر آج کل دو قسم کے خدا متمکن ہیں ایک اُن بادشاہوں کے بُت جنھوں نے کسی قدر شرافت سے حکومت کی تھی اور کسی نہ کسی طرح عوام کے دلوں میں اپنی جگہ حاصل کر لی تھی۔ ظلمتِ کفر کے اِس گھٹا ٹوپ میں یہی ہونا تھا کہ اُن بادشاہوں کے مرتے ہی اُن کی صورت کے بت بنائے گئے۔ اور پوجے جانے لگے۔

دوسرے خدا وہ اوتار ہیں جنھوں نے اپنے ایثار و اخلاق سے عوام کو مسخر کر لیا ہے اور لوگ اُن کی پوجا میں مصروف ہو گئے۔

یہ تو بڑے خدا ہیں لیکن یہاں صرف اِنہیں پر بس نہیں بلکہ اور بھی چھوٹے چھوٹے خدا تسلیم کئے گئے ہیں۔ دیو۔ پری۔ بھوت۔ پلید۔ جن کا وجود قصے کہانیوں کے سوا کہیں بھی نہیں مگر ان کے خدا بن گئے ہیں اگر کسی کاریگر نے کوئی بدڈول لمبا تڑنگا فرضی صورت کا بُت بنا لیا ہے تو دنیائے ہندوستان دھڑا دھڑ اسی کو سجدے کرنے لگی ہے۔

الغرض یہاں تو لاتعداد خدا بہت سے مندروں اور شوالوں میں تختِ خدائی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اب بتائیے دنیا کا کونسا حصّہ ہے۔

جہاں خدائے واحد کی پوجا کی جارہی ہے

کائناتِ عالم کا اضطراب

زمین بیقرار۔ آسمان لرزہ بار
سمندر میں طغیانی، دنیا کی کشتی
حیات طوفانی۔ ذرّات چیخ۔ کائنات ساکت اور عالم مضطرب ہے کہ الٰہی!
جس زمین پر جس آسمان کے نیچے جس سمندر کے سامنے جن ذرّات کی موجودگی
میں جس کائنات کے روبرو اور جس عالم کے اندر تیری اور صرف تیری پوجا
ہونی چاہیئے تھی آج زمانے کی ایسی ہوا بدلی۔ دنیا کا ایسا رُخ پھرا کہ تیرا پوجنے
والا عالمِ ارض میں ایک بھی نظر نہیں آتا۔

اے اللہ! رحم فرما۔ اب تو شرک کی گندگی سے فضائے ارض کا جی اُکتا
گیا۔ زمین کہتی ہے دھنس جاؤں اور ان غیر خدا کے پوجنے والوں کو نگل جاؤں آسمان
کا قول ہے ٹوٹ پڑوں اور تمام مشرکین کو پیس ڈالوں۔ سمندر کا ارادہ ہے کہ
بڑھوں اور تمام اہلِ دنیا کو ڈبو دوں۔ اِس طوفان خیز ہنگامے اور دہشت انگیز
موقعہ پر جب کائناتِ عالم کا ذرّہ ذرّہ چیخ اُٹھا۔ الٰہی! اب ہمسے یہ شرک و کفر
نہیں دیکھے جاتے۔ تو رحمتِ الٰہی کا سمندر بھی جوش میں آیا۔ دنیا پر ابرِ کرم محیط ہوگیا
زمین و آسمان کو بشارت پہونچی۔ خوش ہوجاؤ۔ تمہاری دعائیں قبول درخواستیں
منظور ہوگئیں۔ جس کے سر روزِ ازل ہی سے افضل الاولین والآخرین خاتم النبیین
رحمت للعلمین صلعم کا سہرا باندھا جاچکا تھا وہ ذاتِ گرامی عالمِ قدس سے دنیائے
امکان میں جلوہ افروز ہونے والی ہے۔ یہ روح پرور اور فرحت افزا مژدہ ایسا
تھا جیسے سنکر کائنات کے گوشے گوشے اور دنیا کے چپے چپے سے مبارک باد کی
صدائیں آنے لگیں۔ آسمان و زمین سے الحمدللہ کی آوازیں بلند ہوئیں۔ ذرّہ
ذرّہ چمک اُٹھا۔ پتے پتے میں جان آگئی اور کلی کلی کھل گئی۔

بہرکیف ذات گرامی کے ظہور سے پہلے دنیا کی یہ حالت تھی جو سطور بالا میں پیش کی گئی۔ انسانوں کے علاوہ ہر ذی روح یہ شرک و کفر دیکھکر خدا سے پناہ مانگتا تھا۔ مولانا حالی نے یہ منظر بڑی خوبی سے پیش کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ؎

عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ وہ کیا تھا — جہاں سے الگ اک جزیرہ نما تھا
زمانہ سے پیوند جس کا جدا تھا — نہ کشور ستاں تھا نہ کشور کشا تھا
تمدن کا اُس پر پڑا تھا نہ سایہ
ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا

نہ آب و ہوا ایسی تھی روح پرور — کہ قابل ہی پیدا ہو خود جس کے جوہر
نہ کچھ ایسے سامان تھے واں میسر — کنول جس سے کھل جائیں دل کے سراسر
نہ سبزہ تھا صحرا میں پیدا نہ پانی
فقط آب باراں پہ تھی زندگانی

زمیں سنگلاخ اور ہوا آتش افشاں — لوؤں کی لپٹ باد صرصر کے طوفاں
پہاڑ اور ٹیلے سراب اور بیاباں — کھجوروں کے جھنڈ اور خار مغیلاں
نہ کھیتوں میں غلہ نہ جنگل میں کھیتی
عرب اور کل کائنات اسکی یہ تھی

نہ واں مصر کی روشنی جلوہ گر تھی — نہ یونان کے علم و فن کی خبر تھی
وہی اپنی فطرت پہ طبع بشر تھی — خدا کی زمیں بن جتی سر بسر تھی
پہاڑ اور صحرا میں ڈیرہ تھا سب کا
تلے آسماں کے بسیرا تھا سب کا

کہیں آگ پجتی تھی واں بے محابا — کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا
بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا — بتوں کا عمل سو بسو جا بجا تھا

کرشموں کا راہب کے تھا صید کوئی
طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا — خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا — کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہدا کا
وہ تیرتھ تھا اک بت پرستوں کا گویا
جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا

قبیلے قبیلے کا اِک بت جدا تھا — کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عجزہ پہ وہ نائلہ پر فدا تھا — اِسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا
نہاں ابر ظلمت میں تھا مہر انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

چلن اُن کے جتنے تھے سب وحشیانہ — ہر ایک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا اُن کا زمانہ — نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے — سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے — تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے
بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا
تو اُس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی — صدی آدھی جس میں انہوں نے گنوائی
قبیلوں کی کردی تھی جس نے صفائی — تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی
نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ

کرشمہ اک اُن کی جہالت کا تھا وہ

اسی طرح اک اور خوں ریز بیدا — عرب میں لقب حرب واجس ہے جس کا
رہا ایک مدّت تک آپس میں برپا — بہا خون کا ہر طرف جس میں دریا

سبب اس کا لکھا ہے یہ اصمعی نے
کہ گھوڑ دوڑ میں چھیڑ کی تھی کسی نے

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا — کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا
کہیں جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا — کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا

یوں ہی روز ہوتی تھی تکرار اُن میں
یوں ہی چلتی رہتی تھی تلوار اُن میں

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر — تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پہرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور — کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اُس کو جا کر

وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

جُوا اُن کی دن رات کی دل لگی تھی — شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیش تھا غفلت تھی دیوانگی تھی — غرض ہر طرح ان کی حالت بُری تھی

بہت اس طرح ان کی گذری تھیں صدیاں
کہ چھائی ہوئی تھیں نیکیوں پر تہیں بدیاں

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت — بڑھا جانبِ بوقبیس ابرِ رحمت
ادا خاک بطحا نے کی وہ ودیعت — چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا — دعائے خلیل اور نوید مسیحا

نورِ اطہر کا ظہور

باغبانِ ازل کی قدرت سے گلستانِ سعادت میں ایک نہیں ہزاروں مرتبہ بہاریں آئیں۔ مگر دورِ خزاں کا کھٹکا ایسا لگا رہتا تھا کہ پھول آغوشِ بہار میں اچھی طرح مسکرا بھی نہ سکتے تھے

تھے۔ ادکھلی کلیاں مرجھانے لگتی تھیں اس لئے کہ دورِ خزاں اپنا جلتا بھلتا چہرہ دکھا دیتا تھا۔ اور پھولوں کی امنگوں بلبلوں کی آرزوؤں نوجوانانِ چمن کی تمناؤں پر بجلی گر جاتی تھی یعنی انبیائے کرام کے سدھارتے ہی گلشنِ سعادت کا رنگ دگرگوں ہو جاتا تھا۔ اور بہارِ اسلام کی گود میں پرورش پانے والے مسلمان ادکھلی کلیوں کی طرح کفر و شرک کی خزاں کی وجہ سے پامال ہو جاتے تھے۔

آج مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان پر گئے ہوئے پانچسو اکہتر سال ہوتے ہیں خیابانِ سعادت سوکھا پڑا ہے۔ پتے پتے پر اداسی اور ڈالی ڈالی پر مایوسی برس رہی ہے۔ چپہ چپہ خزاں رسیدہ ہو رہا ہے میکدۂ توحید (مساجد) خالی پڑے ہیں۔ دنیا میں خاک اڑ رہی ہے

انسانوں کے سوا ہر ذی روح بے چین ہے۔ روئے زمین بیتاب اور آسمان بے قرار کہ دیکھیں بوستانِ سعادت پر کب بہار آتی ہے۔ یہ خزاں جو عرصہ سے ہمارا دامن پکڑے ہے کب دور ہوتی ہے۔ عین اسی انتظار میں ہاتفِ غیبی ندا دیتا ہے اے اہلِ دنیا مبارک ہو آج یثرب کے دولہا کونین کے آقا اُمت کے والی گلشنِ عالم کے مالی آمنہ کے چاند اور خدا کے حبیب محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ نور سے دنیائے امکان میں جلوہ افروز ہونے والے ہیں۔

ہاں جس مقدس ہستی کے لئے دنیا بنائی گئی جس محترم نبی کے فراق میں دنیا چشم انتظار وا کئے ہے جس کی فرقت میں فلکِ پیر بیقرار کیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا ہے اور بے اختیار چاہتا ہے کہ کسی طرح یہ زمانۂ فراق کٹے صبحِ وصال اپنا نورانی چہرہ دکھائے۔ اسی دھن میں جلدی جلدی بہت سی

کروٹیں لے ڈالیں جن سے عالم زیروزبر۔ جہان الٹ پلٹ ہو گیا مشرق سے مغرب تک جن کی حکومتوں کے ڈنکے تھے آج اُن کا نشان صفحۂ ہستی پر نظر نہیں آتا۔ دہر نے سے کفر و شرک ہوا کیا۔ زور و شور سے معبودِ یکتا کے مقابلے میں لوگوں کی خدائیاں قائم ہوئیں۔ دنیا کا تختِ خدائی فرعون نمرود شداد وغیرہ کے پاس یکے بعد دیگرے منتقل ہوتا رہا۔ کفر کی چڑھائی اور اسلام کی تباہی سب کے دور دورے ہوئے۔ شمع ہدایت بنکر برطرف انبیائے کرام تشریف لائے۔ تاہم کفر کی آندھیاں اس زور و شور سے چلیں کہ انبیاء کے تشریف لیجانے کے بعد اُن شمع ہائے ہدایت کی روشنی عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ انجام کار بالکل گھپ گھاپ ہو گیا۔ تاریکیوں کا ایسا دور دورہ ہوا کہ راہ نجات کا ملنا ہی دشوار ہو گیا۔ سب کچھ ہو چکا اسی انتظار میں یہ سب گوارا ہوا۔ کہ عرب کے ریگستان سے نیر تابانِ رسالت کب بلند ہو اور کب دنیائے ظلمت کو شکست دیکر عالم میں نور ہی نور پھیلا دے۔ ہاں اسی انتظار اور سخت انتظار میں آسمان کو انقلابات کی کروٹیں بدلتے ہزاروں برس گذر گئے تھے آج ہاتف غیبی کی صدا نے اُسے غم فراق سے چھٹکارا دلا دیا۔ اور یہ محبوبِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر ولادت سنتے ہی برائے تعظیم جھک پڑا۔ کہ کب آفتاب صداقت برج حمل سے طلوع ہو۔ اور کب یہ اُس کی ضیائے حسن سے منور ہو جائے فضا میں جب ہاتف کی آواز گونجی تو وہ دولتِ مسرت سے مالا مال ہو گئی گل و بلبل نے جب یہ مژدہ سنا خوشی سے پھول گئے۔ سارا غم خزاں فراموش عشرت و مسرت کا جوش۔ ہر بے زبان جانور اس خوشی میں سربسجود ہو کر معبود کا شکریہ ادا کرنے لگا۔ درخت جوشِ مسرت میں جھومنے لگے پتے تالیاں بجانے اور عندلیبانِ خوشنوا حمد باغبانِ قضا و قدر کا ترانہ گانے لگے۔

باغ میں گل کھلے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں انگلیاں سر اٹھاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

وہ گستاخ نسیم جو مشوقانِ جہاں کی زلفوں سے چھیڑ چھاڑ کیا کرتی۔ اور ان کے رخ روشن پر کاکل بکھیر دیا کرتی ہے آج اُس کی بھی عمر بھر کی تمنائیں پوری ہوئیں۔ حضور کی ولادتِ باسعادت کی خبر جب اُس نے اپنی گود میں لی تو بخوفِ ادب تھم گئی۔ نظارۂ جمالِ محبوب کے لئے سراپا چشمِ شوق بن گئی۔ لیکن اس کے ایک جگہ ساکت ہو جانے سے دنیا کی جان پر بننے لگی بے قرار ہوئی۔ کہیں ایسا نہ ہو جہان والے پھڑک کر مر جائیں اور ساری ذمہ داری مجھ پر ہو۔ اکڑ کر چلنا بھی خلافِ ادب تھا۔ اس لئے چلی تو سہی مگر بہزار ادب و احترام

ایسی بہار افزا نکہت کبھی چلی۔ نہ چلے۔ انسانی روئیں روئیں میں جان آگئی۔ طراوت۔ سکون۔ نشاط ان سب چیزوں کی لہریں دوڑنے لگیں۔ زمین مارے خوشی کے سرسبز و شاداب ہو گئی۔ جدھر نظر دوڑائیے نور ہی نور پھیلا ہوا نظر آتا ہے آج زمین نے اپنا سر نیاز اٹھایا۔ اور آسمان سے گویا ہوئی۔

اللہ کا ہزار ہزار شکر آج میں تجھ سے افضل ہو گئی کہ مجھ میں نبیوں کے تاجدار امت کے سردار فخرِ دو عالم محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوئے۔ کیا تو آپ جیسی ہستی اپنے میں پیش کر سکتا ہے۔

مغرور آسمان لاجواب ہو کر رہ گیا

ان سب چیزوں کی کایا پلٹ نے دنیا پر جسقدر نور برسا دیا اُس کے بیان سے زبان و قلم قاصر۔ زمین آسمان فضا۔ ہوا۔ اشجار۔ طیور۔ نباتات وغیرہ وغیرہ سب ہی پر تو بہار مسرت و انبساط چھائی ہوئی ہے اور سب ہی نے تو اپنی انتہا سے زیادہ خوبصورتی، لطافت، نکھار، بہار، عطریت وغیرہ پیش کی ہیں ایسی صورت میں دنیا کا منظر جتنا بہترین بیان کیا جائے کم۔ پھر یہی نہیں جانور بھی

ایک دوسرے کو نغماتِ مسرت سنا رہے ہیں فرشتے بھی نورِ مسرت سے سبحان اللہ وبحمدہ کی تسبیح پڑھتے خانۂ کعبہ پر محیط ہوئے جا رہے ہیں۔ جہان میں ایک ایسی خوشبو کیوں نہ پھیل جاتی۔ گویا کسی نے عطر کے لاکھوں قرابے زمین پر لنڈھا دیئے ہیں۔ بیشک زمین کے چپے چپے کو ایسا ہی معطر و معنبر ہو جانا چاہئے تھا کیونکہ گلشن رسالت کا ایک ایسا پھول کھلنے والا ہے جس کی عطریت کفر کی تمام عفونت دور کرتے ہوئے عالم کو مہکا دے گی ہاں آج وہی نبی کریم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہونے والے ہیں جن کے مبارک پسینے کی خوشبو کے سامنے مشک و عنبر کی خوشبو گرد ہو جائے گی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

مشک و گلاب و عطر میں خوشبو جو بس گئی　　کیا انہیں مل گیا ہے پسینہ رسول کا

صلی اللہ علیہ وبارک وسلم

محبوب کی آمد آج کی صبح وہ صبح تھی جس کے انتظار میں دنیا کا ہر ذرہ کائنات کی ہر شے فضائے آسمانی کی ہر چیز بے قرار نظر آتی تھی۔ یوں کہئے تو بجا کہ ان سب چیزوں میں روحانیت اسی اور صرف اسی لئے آئی تھی کہ یہ سب محبوب ربّ العالمین افضل الاولین والآخرین سرورِ عالم حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرّف ہو جائیں ورنہ شاید مادیت کے تہ بتہ اجزا میں روحانیت کی لطافتیں کسی خاص صورت میں تبدیل ہو جانا اس قدر شوق و ذوق سے پسند نہ کرتیں۔ آپ ہی کی ذاتِ گرامی کا مژدۂ فرحت افزا سنکر بے اختیارانہ اور ناقابلِ بیان خوشی کے عالم میں مختلف شکلوں میں تبدیل ہو گئیں اور سب کی چشمِ انتظار کھل گئیں کہ دیکھیں وہ یثرب کا دولہا جہان کا آقا سید المرسلین رحمۃ للعالمین نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کب ہمیں اپنے نور کی ضیا پاشیوں سے منوّر فرماتا ہے۔ آج جب خدا

خدا کرے کے صدیوں کا نہیں ہزاروں برس کا زمانہ شوق و انتظار میں کاٹا گیا۔ اور اب خدا نے اِن سب کو یہ روزِ سعید دکھا دیا تو اُن کی خوشی کا کیا پوچھنا۔ بچھڑا ہوا عاشق اپنے محبوب سے جب ملتا ہے تو انتہائی اظہارِ مسرّت کرتا ہے۔ اور کوئی تو اس خوشی میں شادیٔ مرگ ہی ہو جاتا ہے۔

جب معمولی انسان کے عشق کی یہ کیفیت ہے تو جس کی شان ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر

ہے۔ اُس کے دیدار کی مسرّت کس درجہ بڑھی چڑھی ہوگی! جسکا بیان احاطۂ تحریر سے یقیناً باہر اور تقریر سے بلند تر ہے۔

ہوا کے نکھار، پھولوں کی مہک، زمین کی سرسبزی، آسمان کی چمک دمک درختوں کی شادابی۔ جانوروں کی حمدِ الٰہی میں نغمہ باری وغیرہ ان سب چیزوں کا حسن یکجا ہونے پر دنیا جنّت معلوم ہونے لگی ہو تو بجا۔ پھر اسپر بھی لطف یہ ہوا کہ فرشتے جو صفیں باندھ باندھ کر غول کے غول آسمان سے اُترے تو مذکورہ چیزوں کا یکجائی حسن ہزار گونہ ہو گیا۔ ؎

زمیں نور کی آسماں نور کا　　جدھر دیکھئے اک سماں نور کا

جب دنیا کی یہ حالت تھی تو مقدسہ آمنہ کے حجرۂ منوّرہ کی کیا کیفیت ہوگی۔ شہزادے کے پیدا ہونے کا جشن اگرچہ سارے ہی شہر میں ہوتا ہے تاہم اس کے محل میں اور خصوصاً اسکے مہدِ راحت کے اردگرد جس قدر بہار نظر آتی ہے کہیں بھی نہیں پائی جاتی۔ اسی طرح مقدسہ آمنہ کے مبارک حجرہ کے انوار و برکات بیان کرنے سے زبان گونگی اور قلم بے دم ہے۔ ؎

زبانِ لال کہاں اور مدیحِ تاجِ خروس
گرا ہے خاک پر کیا تاجِ افسرِ کاؤس

اس صورت میں اگر بی بی آمنہ عجائبات الٰہیہ ملاحظہ فرمائیں۔ تو میں نہیں سمجھ سکتا کیوں تعجب کیا جاتا ہے۔ جس طرح شاہی محلسرائے کی آرائش کی شان و شوکت شہر بھر سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح محترمہ آمنہ کے حجرہ کی عظمت شوکت کو رانیت دنیا سے ہزاروں درجہ بڑھ چڑھ کر تھی۔ اگر بی بی آمنہ کے دیدۂ ظاہر بیند چشم حقیقت وا ہو جائیں اور وہ شام کے محلات اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ دودھ کا پیالہ اُن کے سامنے آئے فرشتے اور حوریں انہیں آسمان سے اترتے ہوئے نظر آئیں آسمانوں کے دروازے کھلنے کی آوازیں سنیں وغیرہ وغیرہ تو کچھ بھی تعجب نہیں بلکہ اگر اُمّ محترمہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدرت کے عجائبات نہ دیکھتیں تو تعجب کی بات تھی۔ اس لئے کہ جہاں پر تو یہ برکات نازل ہوں اور اُمّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم محروم رہ جائیں

شوق دید آج کا دن دیکھنے کے لئے آسمان کی آنکھ ذرا بھی نہ جھپکی۔ زمین منتظر دید رہی۔ کائنات بیتاب اور فضا بیقرار تھی۔

آدمؑ کا خلق شیثؑ کی معرفت، نوحؑ کا شکر، ابراہیمؑ کی خُلّت، اسمٰعیلؑ کی زبان، اسحاقؑ کی رضا، صالحؑ کی فصاحت۔ لوطؑ کی حکمت، یعقوبؑ کی بشارت، موسیٰؑ کی قوت، ایوبؑ کا صبر، یونسؑ کی اطاعت، داؤدؑ کا لحن۔ یحییٰؑ کی عصمت، عیسیٰؑ کی مسیحائی، وغیرہ یہ تمام متاع گراں بہا مضطرب اور بیتاب تھیں کہ کب وہ جامع صفات ذات تشریف لائے اور کب ہم سب اُس پر نثار ہو جائیں۔

اللہ اکبر! جو گراں قدر معجزات ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کو ایک ایک ودیعت کر کے مرحمت فرمائے۔ وہ سب کے سب حضور اقدس محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہو گئے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ متاعِ گراں بہا اصل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے تھی تاہم جس طرح نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم انبیائے کرام کی پیشانیوں سے سورج کی شعاعوں کی طرح چمکتا رہا اسی طرح کمالاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوے بھی انبیائے کرام میں نظر آتے ہیں چونکہ نورِ محمدی کے امانت دار چند ہی نبی تھے۔ اس لئے کمالاتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک دو دو تمام انبیاء کو عطا ہوئے۔ تاکہ یہ معجزات و کمالاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے امانت دار ہو جائیں۔

اللہ اللہ! حضور والا کا مرتبہ کیسا بلند اور کتنا عدیم المثال ہے کہ انبیاء کے آنے کی غرض حضور کی خوشخبری سنانا۔ اس مبارک نور کا امانت دار ہو کر آنا۔ اور کمالاتِ مصطفوی کا امین ہو کر مبعوث ہونا ٹھہری۔

جب ہی تو ولادتِ باسعادت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت فرشتوں، حوروں، زمینوں، آسمانوں، سورج، چاند، تاروں، حیوانوں غرض دنیا کے چپے چپے اور کائنات کے گوشے گوشے میں مبارک باد کا شور بلند ہو گیا۔ جو سورج چاند تارے روزانہ اپنے محبوب کے فراق میں بیتاب گردش کیا کرتے تھے آج اپنی مدت العمر کی تمنائیں بر آتے دیکھکر ان سب کی روشنی میں چاچاند لگ گئے۔ اور نورانی ضیا باریوں۔ مسرت کے غلغلوں سے دنیائے ظلمت چمک اور گونج اٹھی ؎

جہاں والوں کو مژدہ ہو وہ شاہِ مرسلیں آیا
کہ ہمسر جس پیمبر کا نہیں آیا نہیں آیا

فلک تو ہی بتا ایسا پیمبر بھی کہیں آیا
پکارا ہر طرف جوشِ عشرت میں نہیں آیا نہیں آیا

بلائیں آفتیں تاریکیاں جس نے مٹا ڈالیں
مبارک ہو کہ وہ رحمۃ للعالمین آیا

زمیں تعظیم شہ میں گر گئی فرطِ محبت سے
برائے سجدۂ تعظیمیہ خورخ بریں آیا

مبارک آج وہ نورِ رسالت ہو گیا تارم
بشارت جس کی ہے ہر خوشہ چیں آیا

نہ اب دونخ کا کھٹکا ہے نہ شوق دید جنت ہے	کہ گلزارِ رسالت فخرِ فردوس بریں آیا
لگی رہتی تھیں آنکھیں انتظار دید میں جسکی	وہ شاہِ مرسلیں آیا شفیع المذنبیں آیا
پیمبر کی اطاعت عین مولا کی اطاعت ہے	کلامِ حق میں یہ فرمانِ ربّ العلیں آیا
ہے جس کی خاک پا کحل البصر چشم ملائک کو	مبارک باد وہ محبوبِ ربّ العلیں آیا
ستارے چاند سورج ہیں تصدق جسکی جلوؤں پر	جہانِ کفر کی ظلمت مٹانے وہ حسیں آیا
گری جسکے قدم پر شانِ قیصر عظمتِ کسریٰ	مبارکباد اب وہ مالکِ ہر ئے زمیں آیا
ہیں جسکے نام پر آہر کر دروں ہستیاں قرباں	نبی ایسا بھی دنیا میں کوئی دیکھا کہیں آیا

صلی اللہ علیہ وبارک وسلم

اظہارِ تشکر مبارک اے عالم کے شہریار انبیوں کے تاجدار حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ کو اللہ تبارک و تعالیٰ شانہ نے جملہ انبیائے کرام کے کمالات عطا فرما اور سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین کا سہرا باندھکر دنیا میں بھیجا۔ زہے نصیب اس امت کے جس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جیسے نبی بناکر بھیجے جائیں جس دولت کی تمنا بعض نبیوں نے کی تھی وہ دولتِ لازوال (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا) ہمیں بے مانگے مل جائے۔

الٰہ العالمین! ساری عمر شکریہ ادا کرتے کرتے صرف ہو جائے۔ تب بھی تیرے اس احسان سے کہ تو نے ہمیں انسان اور امتِ محمدیہ کا فرد بناکر بھیجا۔ سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ اُس رؤف رحیم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی میں زبانیں گھس جائیں تو بھی آپ کی مدح کا ایک نمہ اور آپکے احسانات کا ایک حصّہ بھی نہیں بیان کر سکتے۔ صرف ایک ہی احسان لیجئے کہ آپ کے قدموں کی بدولت ہم دولتِ اسلام سے مالا

مال ہوگئے۔ کیا اس ایک احسان کا بھی شکریہ ادا کیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں

بنے ہم آدمی احساں خدا کا ✤ ملا اسلام احسانِ محمدؐ

اللھم صل علے سیدنا ومولانا محمدؐ وعلی آل سیدنا ومولانا محمدٍ وبارک وسلم

آج آدم کی خلافت ہو مبارک تم کو
نوح کے شکر کی عادت ہو مبارک تم کو

تم کو بخشی ہے خداوند نے میراثِ خلیل
یعنے وہ خلعتِ خُلّت ہو مبارک تم کو

حسنِ یوسف دمِ عیسےٰ یدِ بیضا داری
لحنِ داؤد کی دولت ہو مبارک تم کو

ہم نے مانا کہ عبادت تھی بہت یونس کی
قائم یدعوہ کی آیت ہو مبارک تم کو

صبرِ ایوبؑ ملا اور رضائے اسحٰقؑ
حضرتِ لوط کی حکمت ہو مبارک تم کو

حشر میں آپ کا اجلاس مقامِ محمود
سامنے عرش کے عزّت ہو مبارک تم کو

صورت و شکل و شمائل حرکات و سکنات
سارے محبوبوں کی خصلت ہو مبارک تمکو

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

نورِ قدس کہوارۂ حیات میں اوہ روز سعید۔ وہ ساعت ہمایوں۔ وہ صبح منوّر۔ وہ وقت جاں نواز آگیا جب عبداللہ بن عبدالمطلب تیم آمنہ کے چاند فلک نبوت کے آفتاب۔ فرمانروائے عرب۔ بادشاہ عجم شہنشاہِ عالم آقائے کونین حضور صلی اللہ

علیہ وسلم عالم اطہر سے دُنیائے امکان میں جلوہ افروز ہوئے جہانِ تیرہ و تار آفتابِ رسالت کی درخشندگی سے منور ہوگیا۔ ذرّہ ذرّہ چمک اُٹھا۔ خانۂ کعبہ کے تین سو ساٹھ بت اوندھے گر پڑے۔ فارس کا آتش کدہ جو تقریباً ہزار برس سے روشن تھا یکلخت سرد پڑ گیا۔ بحر ساوہ خشک ہوگیا۔ ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے۔

پہلا نکتہ خانۂ کعبہ کے بُت منہ کے بل گرنے سے اشارہ تھا کہ آج دُنیا میں اُس ذاتِ گرامی کا ظہور ہوا ہے جو بت پرستی کا نشان بھی صفحۂ ہستی پر نہ رہنے دیگی۔ بتوں اور بت خانوں کی بنیادیں جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیجائینگی۔

دوسرا نکتہ فارس کا آتشکدہ بجھ جانے سے یہ اشارہ تھا کہ شرک و کفر کی جو آگ ہزار ہا سال سے شعلہ زن تھی اس محترم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے وہ تمام کفر و شرک بغض و حسد۔ کینہ و عداوت کی آتش سرد پڑ جائیگی

تیسرا نکتہ ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر جانے سے یہ واضح ہو رہا تھا۔ کہ وقار عجم شانِ روم اور عظمتِ فارس ان سب چیزوں کا خاتمہ ہوجائیگا فارس میں صرف چودہ بادشاہ اور تخت نشین ہونگے جنکے بعد روئے زمین پر اُن کی سلطنت کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا (چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی۔ خلافت فاروقی میں فارس مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ اور آتش پرستوں کی سلطنت دُنیا کے کسی گوشہ میں بھی قائم نہ رہی)

باغِ سعادت میں بہار آئی۔ ایسی روح پرور بہار جس نے خارستان کفر کے کانٹے دُور کر دیئے اور توحید کے پھولوں کی نشاط افزا خوشبو نگہتِ اسلام کے سرور طراوت اور تازگی نے کفر کے خارستان کو بھی گلستانِ ارم بنا دیا۔ ایک سفید نورانی ابر خانۂ کعبہ پر محیط ہوگیا۔ سکانِ افلاک میں مبارک سلامت کا شور مچ گیا۔ ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ بوقت صبح صادق مقدسہ آمنہ کی آغوشِ محبت آفتابِ رسالت سے

چمک اُٹھی۔

نکتہ صبح صادق کے وقت میں کیا بات تھی۔

(۱) دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سب سے زیادہ نور افزا اور پر بہار وقت صبح صادق ہی کا وقت ہوتا ہے

(۲) اگر نورِ اطہر کا ظہور دن کو ہوتا تو رات اس غم میں کہ ہائے یہ شرف مجھے کیوں نہ میسّر ہوا۔ اور بھی زیادہ تاریک ہو جاتی کسی حرماں نصیب عاشق کا بخت سیاہ ایسا نہ ہوتا جیسی رات کی تاریکی اور اگر شب میں ظہورِ قدسی ہوتا تو دن اس غم میں کہ یہ فخر اُسے کیوں نہ حاصل ہوا کالا پڑ جاتا۔

حق تبارک وتعالیٰ شانہ نے دونوں میں ایک کو بھی رنج کا موقع نہ دیا۔ اور اپنے حبیبِ کریم رؤف رحیم صلعم کو صبح صادق کے وقت جب دن رات دونوں گلے ملتے ہیں پیدا فرمایا۔ تاکہ اس سب سے زیادہ مسرت وانبساط کے وقت لیل ونہار کو بھی رنج نہ ہو۔ دونوں خوشی میں چمک اُٹھے۔ آفتابِ رسالت کی ضیا باریوں سے سورج چاند تاروں نے فیض حاصل کیا۔ اور پہلے سے بھی زیادہ روشن ہو گئے

اخبارِ ولادت ہم نے مولود النبی صلے اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ۹ ربیع الاول بیان کی ہے تاہم یہ ایک ریاضی داں کا قول ہے اُسنے حساب کر کے یہی ثابت کیا ہے۔ اگر ہم اُسکی نقل کریں تو بہت سے صفحات گھر جائیں اسلئے ہم یہی لکھدینا کافی سمجھتے ہیں کہ محمود پاشا فلکی مصر کے مشہور ریاضی داں نے دلائلِ ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول بروز دوشنبہ ہے۔

لیکن ارباب سیر نے تاریخ ولادت ۸ یا ۱۲ ربیع الاول بتائی ہے مگر دوشنبہ کے دن اور ربیع الاول کے مہینے میں کسی کو اختلاف نہیں اور اس میں بھی کہ اسی

سال اصحاب فیل کا واقعہ ہوا ہے۔

مواہب لدنیہ محمد بن سعد نے ایک جماعت کے روبرو کہا کہ آمنہ بنت وہب (اُمِّ محمدؐ رسول اللہ صلعم) فرماتی ہیں جب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے جلوے سے زمین چمک اٹھی تو ساتھ ہی ایک نور پیدا ہوا جس سے مشرق سے مغرب تک سب کچھ منور ہو گیا جب آپ زمین پر جلوہ افروز ہوئے تو دونوں ہاتھوں پر سہارا دیئے تھے۔ آپ نے زمین سے خاک کی ایک مٹھی لی اور آسمان کی طرف دیکھا۔

نکتہ اس سے یہ اشارہ تھا کہ ساری زمین آپکی مٹھی میں آجائیگی اور آپ اللہ تعالےٰ کی جناب میں سب سے زیادہ حمد کرنے والے ہونگے۔

خصائص کبریٰ۔ دلائل ابونعیم عن عثمان بن ابی العاص قال حدثتنی امی انہا شہدت ولادۃ امنۃ رسول اللہ صلعم لیلتہ۔ قالت فما شئی انظر الیہ فی البیت الا نورًا وانی لانظر الی النجوم تدنو حتی انی لاقول لیقعن (عثمان بن العاص کی ماں کہتی ہیں کہ جس رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے میں مقدسہ آمنہ کے پاس موجود تھی مجھے آپکے مکان میں نور کے سوا کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان کے ستارے (شوق زیارت میں) حضرت آمنہ کے حجرے سے قریب ہوتے جاتے ہیں۔ میں ڈرتی تھی کہیں ایسا نہ ہو یہ ستارے مجھ پر ٹوٹ پڑیں)

اشارہ یہ نور جو اُمِّ عثمان نے دیکھا ملائکہ کا نور تھا جو شہریار عالم محمدؐ رسول اللہ صلعم کے استقبال کیلئے جوق در جوق چلے آتے تھے اور خورشید رسالت کے نزول اجلال فرمانے کا انتظار کر رہے تھے۔

مواہب لدنیہ مقدسہ آمنہ فرماتی ہیں کہ مولود النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیوقت

میں نے ایک ایسا نور دیکھا جس سے مجھے شام کے محل اچھی طرح نظر آگئے۔ خود حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں میری امّاں جان نے میرے مولود کی شب ایک ایسا نور دیکھا جس سے انہیں شام کے محل نظر آنے لگے اور اسیطرح جملہ انبیاء کرام کی مائیں نور دیکھا کرتی ہیں۔

شواہد النبوت قال عبد المطلب انہ قال لیلۃ میلاد محمد صلے اللہ علیہ وسلم کنت فی الطواف فلما مضی نصف اللیل رئیت الکعبۃ سجدت نحو مقام ابراھیم وسمعت صوت التکبیر اللہ اکبر اللہ اکبر الآن طھرت من انجاس المشرکین۔ (عبد المطلب کہتے ہیں کہ میں حضور کی شب ولادت میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا یکایک کیا دیکھتا ہوں کہ کعبۃ اللہ مقام ابراہیم کی طرف جھکا۔ اور سجدہ میں گر پڑا ہے۔ کعبہ سے آواز آئی اللہ اکبر اللہ اکبر اور کہا آج میں مشرکین کی نجاستوں سے پاک ہوگیا)

چنانچہ دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ سنہ آٹھ ہجری میں خانہ کعبہ بتوں اور مشرکین کی نجاستوں سے ابدالآباد تک کیلئے بالکل پاک وصاف ہوگیا۔ اور کلام ربانی کی اس آیت پر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا پورا عمل کر دکھایا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا

خصائص کبریٰ سیوطی عن ابن عباس قال فتح اللہ لمولدہ ابواب السماء وجنانہ فکانت آمنۃ تحدث عن نفسھا وتقول لقد اخذنی ما یاخذ النساء ولم یعلم بی احد من القوم فسمعت وجبۃ شدیدۃ وامرا عظیما فھالنی ذلک فاذا انا بشربۃ بیضاء لبنا وکنت عطشی فتناولتھا فشربتھا فذھب عنی کل رعب وکل وجع کان، فکشف اللہ عن بصری فرئیت رجالا قد وقفوا فی الھواء بایدیھم اباریق فضۃ ورئیت

قطعتہ من الطیر منا قیرھا من الزمرد واجنحتہا من الیاقوت قد غطت حجرتی ورئیت ثلاثتہ اعلام علما بالمشرق وعلما بالمغرب وعلما علی ظہر الکعبۃ۔ (ابن عباس فرماتے ہیں کہ آپکی ولادت کے وقت خدا نے آسمان اور جنت کے دروازے کھول دیئے بی بی آمنہ نے وقتِ ولادت کے عجائبات اس طرح بیان فرمائے ہیں کہ جب مجھے دردِ زہ شروع ہوا تو مجھے ایک خوفناک آواز سُنائی دی اور میں ڈر گئی فوراً مجھے ایک سفید دودھ جیسا شربت کا پیالا نظر آیا میں نے اُسے لیکر پی لیا۔ اُسی وقت میری تمام دہشت دُور ہوگئی ساتھ ہی جو درد مجھے ہو رہا تھا بالکل کافور ہوگیا۔ پھر خدا نے میری آنکھوں کے آگے سے پردہ ہٹا لیا مجھے بہت سی انسانی صورتیں زمین و آسمان کے درمیان معلق کھڑی نظر آئیں جنکے ہاتھوں میں چاندی سونے کے آفتابے تھے۔ پھر جانوروں کی ایک جماعت دکھائی دی جنکی چونچیں زمرد کی تھیں اور پر یاقوت کے ان جانوروں نے اپنے پروں سے میرا حجرہ چھپا لیا۔ پھر مجھے تین جھنڈے دکھائی دیئے جو مشرق مغرب میں اور کعبہ کی چھت پر نصب تھے۔

دلائل زیادہ سے زیادہ یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ نیچری مقدسہ آمنہ کی ان کیفیات کو خواب سے تعبیر کرلیں لیکن یہ کسیطرح نہیں ہوسکتا کہ وہ ان عجائبات کا بالکل ہی انکار کردیں اسلئے کہ انکی آنکھوں کے سامنے روزانہ قدرت کے رنگا رنگ عجائب و غرائب کے مناظر پیش ہوجاتے ہیں۔ زیادہ بکھیڑے میں نہ پڑیئے صرف مسمریزم ہی کو لے لیجئے جسکا عامل معمول کو دنیا بھر بیا بتک کہ جنت۔ دوزخ کی بھی سیر کرا دیتا ہے اور بہت سی ایسی چیزیں معمول بتا دیتا ہے جو لوگوں کی جیبوں اور ہاتھوں میں مخفی یا میلوں کی مسافت میں ہوتی ہیں اب بتایئے آپ اسے مانیں گے یا نہیں اگر خیر سے کوئی صاحب ہمیں جھٹلانا چاہیں تو پہلے کسی

اچھے مسمرائز کو تلاش کر کے اُسکے معمول بنیں اور دیکھیں کہ وہ انہیں کہاں کہاں کی سیریں کرا اور کن کن لوگوں سے ملا دیتا ہے یا اس علم میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں انہیں پڑھکر خود یہ علم حاصل کریں اور پھر بتائیں کہ جو خدا ایک گندے بندے کو اتنی قابلیت عطا فرما سکتا ہے کہ وہ دنیا بھر کی سیر کرا دے پوشیدہ چیزیں بتا دے تو کیا وہ خدا یہ نہیں کر سکتا کہ اُمّ محترمہ محمد رسول اللہ صلعم کو ایسے ایسے عجائبات دکھا دے۔ اگر اسکا معقول جواب ہمیں دیدیا جائے تو ہم بھی اُن لوگوں کے ہمنوا ہو جائینگے ورنہ انہیں اپنے فاسد خیالات سے توبہ کرنی چاہیئے۔

اِن عجائبات کو خواب سے تعبیر کرنا تو ہم نے صرف نیچریوں کیلئے اور وہ بھی اُسوقت لکھا تھا جبتک ہم نے دلائل اور مشاہدات سے مقدسہ آمنہ کے عجائبات ثابت نہیں کئے تھے لیکن اب جب ہم نے ثابت کر دیا کہ اِن عجائبات کا ظہور میں آنا بالکل ممکن اور عین عقل ہے تو ہم اُن نیچری بھائیوں سے بھی یہی کہینگے کہ یا تو وہ ہمارے دلائل غلط ثابت کر دیں یا سچے دل سے اِن عجائبات کا ظہور میں آنا تسلیم کریں

ازدیادِ تیقّن اہلِ دل مسلما نو! اگرچہ میں جانتا ہوں کہ تمہیں اِن عجیب باتوں کے تسلیم کرانے میں دلائل کی ضرورت نہیں۔ تاہم مزید ازدیادِ تیقّن کیلئے گزارش ہے کہ تمام اولیاء اللہ کی سیرت میں یہ چیز آفتاب کیطرح روشن ملتی ہے کہ خدا کے انوار و برکات کا ظہور اولیاء کرام پر مختلف صورتوں سے ہوا اور ہوتا ہے۔

تجلیاتِ الٰہی سے بھی بہت سے کملائے اولیاء اللہ مشرف ہوئے ہیں عامّۃ المسلمین میں سے بھی اکثر لوگوں پر کبھی کبھی خاص کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ مثلاً نماز پڑھتے ہوئے روشنی کا دیکھنا۔ التحیّات میں کسی صورت کا سامنے آجانا۔ اور کچھ ہی دنوں کے بعد اُسی صورت سے منقطع ہو جانا۔ خواب میں کسی خوشبو کا سونگھنا اور بیداری کے بعد بھی عرصہ تک خوشبو کا باقی رہنا۔ اس قسم کی بشارتیں ہونا کہ

فلاں مقام پر جا۔ وہاں فلاں چیز دستیاب ہو جائیگی یا فلاں شخص سے ملاقات ہوگی اور پھر اسیطرح اس خواب کی تصدیق ہو جانا وغیرہ وغیرہ بہت سی باتیں ہیں جو اکثر عوام پر بھی گزر جاتی ہیں میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ عجائبات نہیں ہیں جب خاصان خدا اور اکثر عام مسلمانوں پر بھی عجائبات کا ظہور ہوتا ہے تو افضل الاولین والآخرین شفیع المذنبین رحمۃ للعلمین خاتم النبیین فخر دو عالم حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدۂ مقدسہ سے اگر مذکورہ عجائب و غرائب دیکھے تو اُنکے صحیح ہونے میں کیا تعجب ہو سکتا ہے۔ اور کیوں کج فہموں کی عقل میں نہیں آتا جو وہ ان عجائبات میں شک ہی نہیں کرتے بلکہ سرے سے انکا انکار ہی کر دیتے ہیں اُن لوگوں سے پوچھیں جنپر بعض یا اکثر اوقات عجیب حالتیں طاری ہو جاتی ہیں اور پھر بتائیں کہ مذکورہ عجائبات میں شک و شبہ کی گنجایش کہاں باقی رہتی ہے یہ سب تسلیم کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سارے جہان سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ پھر خورشید رسالت کی تابندگی کے وقت اگر خدا کی قدرت کاملہ کے ناقص عقلوں میں نہ آنے والے عجائبات بیان کئے جائیں تو میری سمجھ میں نہیں آتا اُن میں چون چرا کی کیا مجال ہو سکتی ہے جسطرح آپ سارے جہان سے افضل ہیں اسیطرح مولود النبی صلعم کے وقت جو عجائبات دیکھے گئے خاصان خدا کے عجائبات سے ارفع و اعلے ہیں جو فرق غلام اور آقا میں ہوتا ہے وہی فرق مذکورہ عجائبات اور خاصان خدا کی خاص حالتوں میں بھی ہے میں سمجھتا ہوں کہ اب شبہ کی کوئی شکل باقی نہیں رہی اور بحمد للہ میں اپنے آقائے نامدار کے مولود مسعود کے عجائبات دنیا بھر کو تسلیم کرانے میں کامیاب ہو گیا وما علینا الا البلاغ

خصائص شواہد النبوت فلما خرج من بطنی نظرت الیہ فاذا ھو ساجد قد رفع اصبعہ ویقول بلسان فصیح لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ (جب حضور اکرم صلعم تولد ہوئے تو

حضرت آمنہ نے دیکھا کہ آپ سجدہ میں تشریف رکھتے ہیں پھر سجدہ سے سر اٹھا کر انگلی اٹھائی اور نہایت فصیح زبان سے فرمایا لا الہ الا اللہ انی رسول اللہ

اشارہ تمام اذکار میں سب سے زیادہ افضل لا الہ الا اللہ کا ذکر ہے اسلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سب سے پہلے یہی مبارک کلمہ فرمایا۔

حضور اکرم فرماتے ہیں افضل الذکر لا الہ الا اللہ لہٰذا افضل الانبیاء نے سب سے پہلے وہی ذکر کیا جو افضل الذکر ہے۔ اُمّت محمدیہ کو بھی اس سے سبق لینا اور اس مقدس کلمہ کا ورد رکھنا چاہیئے کیونکہ یہی وہ ذکر ہے جس سے بندے کو مولا سے قرب ہو جاتا ہے

مواہب لدنیہ قالت آمنۃ فرأیت سحابۃ بیضاء قد اقبلت من السماء حتی غشیتنی فخبیتنی عنی ثم سمعت منادیا ینادی طوفوا بمشارق الارض ومغاربھا لیعرفوہ باسمہ ونعتہ وصورتہ واعطوہ خلق آدمؑ ومعرفت شیثؑ وشجاعتہ نوحؑ وخلتہ ابراھیمؑ ولسان اسمٰعیلؑ ورضا اسحٰقؑ وفصاحتہ صالحؑ وحکمتہ لوطؑ وبشری یعقوبؑ وشدۃ موسیٰؑ وصبر ایوبؑ وطاعۃ یونسؑ وعصمتہ یحییٰ واغمرہ فی اخلاق النبیین ثم ابحبنی عینی فنظرت الیہ فاذا ھو کالقمر لیلۃ البدر ریحہ تفوح کالمسک (حضرۃ آمنہ فرماتی ہیں جب حضور پیدا ہوئے میں نے ایک سفید نورانی ابر دیکھا جس نے آپکو اپنے اندر چھپا لیا پھر ایک آواز آئی آپ کو لیجاؤ تاکہ مشرق اور مغرب آپ کی زیارت سے مشرف ہو جائیں اور آپ کا نام جمال اور عظمت سب پر روشن ہو جائے آپکو آدمؑ کا خلق شیثؑ کی معرفت۔ نوحؑ کی شجاعت۔ ابراہیمؑ کی خلت اسمٰعیلؑ کی زبان اسحٰقؑ کی رضا صالحؑ کی فصاحت لوطؑ کی حکمت یعقوبؑ کی بشارت موسےٰ کی قوت ایوبؑ کا صبر یونسؑ کی اطاعت یحییٰ کی عصمت وغیرہ تمام نبیوں کے مقدس اخلاق میں رنگ دو۔ کچھ عرصہ کے بعد ابر کھل گیا اور آپ مجھے نظر آنے لگے آپکا

حسن و جمال چودھویں رات کے چاند کی مانند اور جسم اطہر کی خوشبو مشک کی مثل تھی)

مواہب لدنیہ

جس شب خورشید رسالت صلعم نے اپنی ضیاء باریوں سے دنیا کو منور کیا اس رات ایک یہودی مکہ معظمہ پہنچا اور چاروں نور پھیلا ہوا دیکھکر قریش سے کہا کہ آج یہاں کوئی لڑکا پیدا ہوا ہے۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی اور تحقیق کے لئے ادھر اُدھر چلے کچھ ہی دیر میں معلوم ہوگیا کہ مقدسہ آمنہ کے ہاں ایک صاحبزادہ تولد ہوا ہے۔ یہودی حضرت آمنہ کے مکان پر آیا اور اسکی درخواست پر حضور اکرم صلعم باہر لائے گئے جب یہودی نے آپکا مبارک جمال دیکھا تو چلّا اٹھا اے گروہ قریش یہ نبی آخر الزماں ہیں جو بڑی عظمت و جلال والے ہونگے اور جنکی حکومت مشرق سے مغرب تک پھیل جائیگی افسوس آج بنی اسرائیل سے نبوت رخصت ہوگئی (ایسے کلمات کہکر یہودی گر کر بیہوش ہوگیا)

مواہب لدنیہ

ابو نعیم عبدالرحمٰن بن عوف سے اور وہ اپنی والدہ شفاء سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت شفاء مولود النبی کے وقت مقدسہ آمنہ کے حجرے میں موجود تھیں۔ جب حضور پیدا ہوئے تو شفاء نے اپنے ہاتھوں پر لیا۔ اور حسب معمول آپ کی آواز نکلی تو انہوں نے سنا کوئی کہتا ہے رحمک اللہ (آپ پر اللہ تعالےٰ کی رحمت ہو) اُسوقت مشرق سے مغرب تک روشنی پھیل گئی جس سے انھوں نے روم کے بعض محل دیکھے۔ پھر انھوں نے آپ کو مقدسہ آمنہ کا دودھ دیا۔ تھوڑی دیر میں اُن پر ایک ہیبت عظمت اور تاریکی چھاگئی۔ اور آپ اُن کی نظر سے چھپ گئے۔ پھر انہوں نے ایک آواز سنی ان مبارک نبی کو کہاں لے گئے تھے دوسری آواز آئی مشرق کی طرف۔ اس واقعہ کی عظمت اُن کے دل میں برابر طاری رہی یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے حضور کو خلعت نبوت سے ممتاز فرمایا اور وہ (شفاء) اول

اسلام لانے والوں میں سے ہوئیں۔

اشارات آپ کی ولادت باسعادت کے متعلق بہت سی روایات ہیں جن میں سے چند زیبِ قرطاس کی گئیں۔

جس نور کو اللہ تبارک وتعالےٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا اور اُسکی حفاظت فرمائی اُس کے ظہور کے وقت حسب ذیل عجائبات اشارہ ہیں آپکی عزت۔ رفعت اور مرتبت پر جب گوہر آبدار شکم صدف سے نکلکر اپنی ضو سے اردگرد کی جگہ روشن کر دیتا ہے تو عبداللہ کا دُرِ یتیم آمنہ کے بطنِ مبارکہ سے برآمد ہو کر اپنے نور کی شعاعوں سے عالم کو جسقدر منور فرمائے اور جو جو عجائبات ظہور میں آئیں درست۔

ان مافوق الفطرت عجائبات دکھائے جانے کا غالباً یہ مقصد بھی تھا کہ قریش یہ انوار و برکات دیکھکر محوِ حیرت اور آپکی عظمت وجلال سے مرعوب ہو جائیں تاکہ نبوت ملنے کے بعد آپ پر ایمان لانے میں پس وپیش نہ کریں چنانچہ جن کے دل پاک وصاف تھے اُن میں اخلاقِ محمدی کے آئینے کی چمک پڑی اُس آئینہ کی چمک جو پرتو قدس سے چمک کر عالم کو چمکا رہا تھا یہاں اُسی مبارک آئینہ کی چمک جب اچھے قلوب پر پڑی تو وہ فوراً مشرف باسلام ہو گئے مثال کے طور پر ثانی اثنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو لے لیجئے۔ حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں نے ایسا کوئی شخص نہیں پایا جس کے سامنے اسلام پیش کیا گیا ہو اور اُس نے کچھ نہ کچھ حجتیں نہ کی ہوں مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سامنے جب میں نے اسلام پیش کیا تو اُنہوں نے بلا کسی حجت وتکرار کے کہا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بہرکیف اسیطرح جن کے دلوں میں بتوں کی گندگی نے سیاہ داغ

نہیں بنا لئے تھے اُنکے دل اخلاقِ محمدی کے آئینہ کی ضیاء سے چمک اُٹھے۔ اور لبوں پر کلمہ طیبہ جاری ہو گیا۔ وہ عمر فاروقؓ جو حضورِ اقدس کو شہید کرنے کے ارادہ سے چلے تھے۔ بہن بھنوئی سے قرآن پاک کی آیتیں سنکر دنگ ہو گئے اور کہنے لگے کلام عجیب (عجیب کلام ہے) واقعی اتنا عجیب کہ فاروقِ اعظم کے غصّے کی آگ سرد پڑ گئی اور اُن کے دِل میں ارادۂ قتل کے بجائے ندامت اور انفعال کے جذبات پیدا ہو گئے۔ ہاتھ پاؤں بند ہوئے ہوئے کشاں کشاں دربار رسالت میں آئے۔ شمع جمالِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے گرد پھرے تصدق ہوئے۔ اور کلمۂ توحید پڑھکر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اسی طرح بہت سے پاک نفوس اپنے مبارک سول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آفتابِ رسالت کی ضیاء باریوں سے منوّر ہو کر صحابہ کے شاندار خطاب سے ممتاز ہو گئے۔ لیکن جن کے دل لوہے اور پتھر سے زیادہ سخت تھے وہ اُسیطرح کفر پر اڑے۔ اور بدستور بتوں کی پوجا کرتے رہے۔ حضورِ اکرم صلعم نے ہر چند کوشش کی کہ وہ راہِ راست پر آجائیں۔ لیکن اُن مردودوں نے مشرف باسلام ہونے کے بجائے اُمّت کے آقا تاجدارِ انبیاء محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں پہونچائیں۔ اُن کی ایذا رسانیاں بیان کرنے سے دل خون ہوتا ہے۔ تاہم یہ آفتیں سہنے کے بعد بھی حضورِ اکرم صلعم نے یہی دُعا فرمائی کہ الٰہی میری قوم کو ہدایت فرما دے۔ تاکہ یہ لوگ مجھے پہچان لیں۔ حاصل کلام حضور صلعم نے کٹّے کافروں کو دائرۂ اسلام میں لانے کی سخت ترین کوششیں فرمائیں طرح طرح کے معجزات دکھائے بڑے بڑے عبرت اور نصیحت

کے سبق سُنائے مگر اُن پتھروں پر خاک بھی اثر نہ ہوا۔ یہاں تک کہ حق جل مجدہٗ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ ۝ وَّلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ سورۃ بقر رکوع اول (بے شک جو لوگ کافر ہوئے اُن کے حق میں برابر ہے چاہے آپ اُنہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں۔ وہ ایمان نہ لائیں گے مُہر لگا دی اللہ نے اُنکے دلوں اور کانوں پر اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ اور اُن کے لئے بڑی سزا ہے) اِس ارشادِ باری کا مطلب یہ تھا کہ اے پیغمبرؐ تم جو اِن نالائقوں کے پیچھے اپنی جان کھپا رہے ہو اور اُن کے سمجھانے کی دُھن میں رات کو رات اور دن کو دن نہیں سمجھتے۔ اُن بدبختوں کے لئے تمہارا سمجھانا اور نہ سمجھانا دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ اِن کم بختوں کے دلوں اور کانوں پر ہم نے کفر کی مُہر لگا دی ہے۔ اور آنکھوں پر غفلت کے پردے ڈال دئے ہیں۔ اور بڑی بھاری سزا اُن کے لئے تجویز کی ہے۔ اس لئے کہ یہ تم جیسے مقدّس رسُولؐ کا کہنا ماننا تو کجا اپنے ہمدرد اپنے ناصح۔ اپنے خیرخواہ اور اپنے محبّت کرنے والے۔ کو طرح طرح کی ایذائیں دیتے ہیں۔ اِن عظیم ترین جرائم نے اُنہیں اِس قابل نہیں رکھا کہ یہ دولتِ اسلام سے مالا مال ہو سکیں۔ چونکہ یہ لوگ نافرمانی اور تمہاری ایذا رسانی پر اڑے رہے۔ اور ہم نے نصیحت وہدایت کی انتہا کر دی۔ اِس لئے ہم نے اُن کے دلوں اور کانوں پر کفر کی مُہر لگا دی اور آنکھوں پر غفلت کے پردے

ڈال دئے۔ اور اُن کے لئے بڑی بھاری سزا مقرر کر دی۔ لہذا تم اُن کو سمجھانے کے لئے اپنی دُنیا بھر سے زیادہ عزیز جان کو ہلکان نہ کرو۔ بہرکیف آپ کی ولادتِ باسعادت کے وقت عجائبات قدرت اِس لئے بھی دکھائے گئے تھے۔ کہ لوگ آپ کی نبوت کے وقت آپ کی صداقت میں ذرا بھی شبہ نہ کریں۔ کیونکہ یہ وہی مقدّس ہستی ہے جس کی ولادت کے وقت بت اوندھے منہ گر پڑے۔ فارس میں زلزلہ آیا۔ ایوانِ کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے۔ بحرِ ساوہ خشک ہو گیا۔ آتش کدہ سرو پڑ گیا وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام عجائبات اُس ہستی کے مقدّس محترم اور برگزیدہ ہونے پر گواہی دے رہے ہیں۔ پھر کیا وجہ کہ تم ایسے مقدّس نبی پر ایمان نہ لاؤ۔

کاش! قریش جنابِ باری کا یہ اشارہ سمجھ لیتے اور آقائے نامدار پر ایمان لاکر ابدی جہنمی ہونے سے بچ اور فردوسِ اعلےٰ کے وارث بنجاتے۔

جب اُن کے ایمان پر اتنے گراں بہا انعام ملنے کا وعدہ تھا تو یقیناً اُن کی مخالفت نے انہیں سخت سے سخت سزا کا بھی مستوجب بنا دیا۔ جس طرح دنیا کے بادشاہ کا فرمانبردار غلام انعام کا مستحق اور اور نافرمان سخت سزا کا مستوجب ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے ایمان والوں کو بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا اور کفّار کو سخت سے سخت سزاؤں میں مبتلا فرمایا۔

عجائبات کی تصدیق مراد اِس بیان سے یہ ہے کہ ولادتِ

باسعادت کے وقت جو عجائبات بیان کئے جاتے ہیں اُنکی صداقت پر مذکورہ اشارات سے روشنی پڑتی ہے یقیناً یہ عجائبات ظہور میں آئے۔ اسلئے کہ اللہ تعالےٰ کو قریش کے دلوں میں نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عزّت وعظمت جاگزیں کرنی تھی۔

مذکورہ عجائبات کی تصدیق میں ہم اگرچہ، کئی مقالات پیش کرچکے اور دلائل و براہین سے یہ ثابت کرچکے ہیں کہ ان مافوق الفطرت امور میں شک وشبہ کی گنجایش نہیں۔ تاہم یہ ہمیں بھی تسلیم ہے۔ کہ مذکورہ روایات کا اکثر حصہ کتبِ صحاح میں موجود نہیں۔ ہم رؤفٌ رّحیم کے شروع صفحات پر ہی عرض کرچکے ہیں کہ کتبِ سیر میں صحیح اور غیر صحیح دونوں قسم کی روایات لکھی جاتی ہیں اور اپنے دعوے کی تصدیق میں علاّمہ زین الدین عراقی کا قول بھی پیش کرچکے ہیں اس ہی لئے حسن اور ضعیف روایات زیبِ صفحات کردی گئیں ہیں لیکن اتنی احتیاط ضرور کی گئی کہ موضوع اور منکر احادیث درج نہیں کی گئیں۔ حسن اور ضعیف روایات کو چونکہ جھوٹی احادیث سے تعبیر نہیں کیا جاتا بلکہ صحیح حدیثوں کے بعد دوسرا اور تیسرا درجہ دیا جاتا ہے اِس لئے کوئی وجہ نہ تھی کہ ہم مذکورہ روایات سے اجتناب کرتے اور اِن عجائبات کی تصدیق میں جو دلائل و براہین پیش کئے گئے ہیں اُن سے تو مذکورہ روایات کی صداقت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ سمندرِ سعادت کے جس دُرِّ رسالت کو حق تبارک وتعالےٰ شانہ نے روزِ ازل ہی میں سب سے زیادہ محبُوب بنا لیا تھا۔ اُسکے مولودِ مسعود کے وقت اگر مذکورہ عجائبات دکھائے گئے ہوں تو تعجّب کا

مقام نہیں ہے۔

اِن سب باتون کے باوجود بھی اگر کوئی صاحب مذکورہ روایات کو اس خیال سے کہ وہ صحاح ستہ میں شامل نہیں صحیح نہ بھی سمجھیں تو بھی اول تو عقل ہی یہ چاہتی ہے کہ افضل الاولین والاخرین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے وقت اَن ہونی باتیں ضرور ظہور میں آنی چاہئیں۔ اور جب اسی خیال کی تصدیق مذکورہ روایات سے بھی ہوتی ہے تو پھر صداقت میں کیوں شبہ کیا جا سکتا ہے۔

اِن سب کے باوجود بھی اگر کچھ لوگ ایسے ہوں جنہیں مذکورہ روایات کا یقین نہ ہوتا ہو تو وہ منتظر رہیں کہ انشاء اللہ صحاح ستہ ہی سے سیرت النبیؐ کے متعلق بہت سی احادیث اور آیاتِ قرآنی بھی زیبِ صفحات کی جائینگی۔ جو مذکورہ روایات سے کہیں بڑھ چڑھکر حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اعلےٰ ترین فضائل وغیرہ سے مزّین ہوں گی۔ جیسے معراج، شقِ صدر۔ شقُ القمر وغیرہ وغیرہ جو سب کی سب احادیث صحاح ستہ میں موجود ہیں اور جنکے پڑھنے سے انسان کی زبان پر بے اختیار جاری ہو جائے گا ؎

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جب صحاح میں مذکورہ عجائبات سے کہیں بڑھ چڑھکر مافوق الفطرت امور مطالعہ میں آئینگے تو ہم سمجھتے ہیں جو اصحاب مذکورہ روایات بالکل غلط سمجھ رہے ہیں انہیں تسلیم کرنا ہی پڑیگا کہ بیشک وقتِ ولادت مذکورہ عجائبات ضرور دکھائے گئے ہونگے کیونکہ جو خدا اپنے مبارک نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک رات میں

ساری دنیا تمام آسمانوں جنت و دوزخ وغیرہ کی سیر کرا سکتا ہے اور اپنے حبیب پاک سے تقریباً بارہ ہزار کلام فرما سکتا ہے۔ جس کی تفصیل (انشاء اللہ) تعالےٰ آگے آئے گی۔ تو وہ خدا وقت ولادت شریف یہ تعجب خیز عجائبات بھی ضرور دکھا سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ عجائبات معراج سے زیادہ تو کیا برابر بھی نہیں۔

بہرکیف یہ تعجب انگیز عجائبات نقل کے ساتھ ساتھ عقل کی کسوٹی پر بھی باون تولے پاؤ رتی اترے۔ الحمد للہ علی ذالک۔

آٹھواں باب

رضاعت شریف سے سن بلوغ تک

رضاعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نام محمدؐ رکھنے کی عزت خواجہ عبدالمطلب کو نصیب ہوئی۔ آپ کا گہوارہ اکثر از خود ہلا کرتا تھا جسے یقیناً فرشتوں کے ہاتھ ہلاتے ہوں گے جب ولادت باسعادت کی خوشخبری ثوبیہ لونڈی نے ابولہب کو پہونچائی تو اُس نے فرط مسرت سے اُسے آزاد کر دیا۔ افسوس ولادت نبوی کی تو ایسی خوشی ہوئی۔ لیکن جب آپکو حق تبارک و تعالیٰ نے پروان چڑھایا۔ یعنے خلعت نبوت سے متمتع فرما کر سارے

نبیوں کا سردار بنایا تو اُس وقت یہی ابولہب اور اُس کے مردود ساتھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن بن گئے۔ ہائے حسرت! افسوس! اُن بدبختوں پر جن کے اندھے دل خورشیدِ رسالت کے انعکاس سے روشن نہ ہو سکے بلکہ کوئی بدترین تکلیف باقی نہ رہی تھی جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دی گئی ہو۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابولہب کے مرجانے کے بعد اُسے حضورِ اکرم نے خواب میں دیکھا اور فرمایا کہو کیسی گذرتی ہے۔ عرض کیا ناقابلِ بیان عذاب میں گرفتار ہوں۔ تاہم پیر کی رات مجھ پر عذاب نہیں کیا جاتا اس لئے کہ آپ کی ولادتِ باسعادت کی خوشی میں میں نے اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا۔

اللہ اللہ! اِس چھوٹی سی بات کے بدلے میں حق تعالیٰ نے ابولہب پر اتنا عظیم احسان فرمایا کہ اِس رات اُس بدبخت پر سے عذاب موقوف فرما دیا۔ اے کاش ابولہب! اگر تو مسلمان ہو جاتا تو خدا ہی جانے کیسے کیسے گراں بہا انعامات سے نوازا جاتا۔

ثویبہ کی خوش نصیبی جب ابولہب نے جنابہ ثویبہ کو آزاد کر دیا تو وہ مقدّسہ آمنہ کے پاس آئیں۔ اور نورِ جمالِ محمّدی صلی اللہ علیہ وسلم سے دیدۂ و دل منوّر کرنے لگیں۔ آپ کو تین روز تک حضرت آمنہ نے اور بعد ازاں جنابہ ثویبہ نے اُس وقت تک دودھ پلایا۔ جب تک حضرت حلیمہ سعدیہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے نہ آگئیں۔

دیہات میں پرورش کا مقصد اُس زمانہ میں عرب کا یہ دستور رہتا کہ تمام شرفاء امراء اپنے اپنے

بچّوں کو دودھ پلانے کے لئے اطراف وجوانب کے قصبات میں بھیج دیا کرتے تھے ایک تو اس لئے کہ دیہات کی فضا شہر کی فضا سے زیادہ صاف ہوتی ہے بچّے کھلی فضا میں پرورش پاکر بہت اچھا نشوونما اور زیادہ سے زیادہ قوّت و طاقت پاتے تھے

مثال پھولوں کے جو درخت آپ کے گھر میں ہوں وہ کبھی ایسے شاداب نہیں ہو سکتے جیسے باغوں کے اشجار۔ کیونکہ گھر کی فضا کثیف اور باغ کی لطیف ہوتی ہے۔ اسی نقطۂ خیال سے شرفائے عرب کے بچے آس پاس کے قصبات میں بھیج دیئے جاتے تھے۔ تاکہ پھولوں سے زیادہ نازک اُن کے دل و دماغ اعلیٰ درجہ کی نشوونما پاسکیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ بدوؤں میں پرورش پاکر بچے فصاحت کا پاکیزہ جوہر اور خالص خصوصیاتِ عرب حاصل کرتے تھے۔ دل و دماغ کی تازگی اور ترقی کے عطر کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت کا بیش بہا جوہر بھی نازک دماغوں پر بوجھ پڑے بغیر حاصل ہوجاتا تھا یہی وجہ تھی۔ کہ اُن کے دل و دماغ فصاحت و بلاغت وغیرہ یہ چیزیں اُنہیں اپنا جواب نہ رکھتی تھیں۔ یہ رسم خلافتِ بنی امیہ تک جاری رہی۔ حالانکہ ان کی خلافت روم و فارس کے شاہانہ اقتدار سے بدل گئی تھی۔ ولید بن عبدالملک بن مروان خاص وجوہ سے قصبات میں پرورش پانے کے لئے نہ جاسکا۔ بہلا شاہانہ اقتدار کب اجازت دیتا تھا۔ کہ اُس پر دردۂ مہدِ ناز و نعم کو دیہات میں بھیج دیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ تمام بنی امیہ میں ولید ہی ایک ایسا شخص تھا۔ جو صحیح طور پر عربی نہ بول سکتا تھا۔

بہرکیف سال میں دو مرتبہ دیہات کی عورتیں آتیں اور بچوں کو لیجاتی تھیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے کچھ دنوں بعد حسبِ دستور

قبیلۂ ہوازن کی چند عورتیں بچّوں کی جستجو میں آئیں جن میں ایک حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔

رسولِ اکرم حلیمہ کے آغوش میں

اتفاق کی بات کہ سب عورتوں کو بچّے مل گئے۔ مگر حلیمہ سعدیہ کو کوئی بچّہ ممکن نہ ہوا۔ مقدسہ آمنہ نے خواہش ظاہر کی کہ وہ عبداللہ کے دُرِّ یتیم محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے کے لئے لیجائیں۔ لیکن اِس خیال سے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یتیم ہیں اور مجھے خاطر خواہ انعام نہ دیا جائیگا حضرت حلیمہ کو تامل ہوا۔ لیکن اُنہیں کوئی بچّہ نہ ملا تو خالی ہاتھ جانا بھی مناسب نہ سمجھکر مقدسہ آمنہ کے ارشاد پر لبیک کہتے ہوئے سردارِ انبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آغوشِ محبت میں لیکر روانہ ہوگئیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حلیمہ سعدیہ کی سواری کا جانور دُبلا لاغر اور لنگڑا تھا تاہم جب وہ آفتابِ رسالت کو آغوشِ محبت میں لیکر سواری پر سوار ہوئیں تو جانور اسقدر تیز قدم چلا کہ ساری عورتوں کی سواریوں سے جو آپ سے ایک عرصہ پہلے چل چکی تھیں بہت آگے نکل گیا۔ یہ دیکھکر حلیمہ سعدیہ محوِ حیرت ہوگئیں اور سمجھیں کہ ضرور یہ بچّہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہے۔ اُسی وقت سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبّت کا نقش اُن کے دل میں کندہ ہوگیا۔ اور شمعِ جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزار جان سے قربان ہوگئیں۔

عجائبات

معارج النبوت۔ دلائل النبوت۔ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ جس سال آفتابِ رسالت برجِ حمل سے فلکِ نبوت پر چمکا اُس سال بڑی قحط سالی تھی۔ ہم اِس طرح گذرِ اوقات کرتے تھے۔ کہ روز صبح جنگل میں چلے جاتے۔ اور گھاس پھوس توڑ کر پیٹ پالتے۔ چھ چھ سات

سات وقت یکلخت فاقے گذر جاتے تھے۔ اور کھیل کا دانہ ہی ہمیں میسر نہ ہوتا تھا
ایک دن اسی بھوک کی شدّت میں مجھے دردِ زہ لاحق ہوا تاہم بھوک کی شدّت
اسقدر تھی کہ درد کی تکلیف بہت ہی کم محسوس ہوئی اسی
بھوک کی ناقابلِ بیان تکلیف میں بیہوش ہو جاتی۔ اور خدا جانے کب تک اسی
طرح بیہوش پڑی رہتی تھی متواتر فاقوں نے جان پر بنا دی تھی۔ اور کمزوری
اس قدر بڑھ گئی تھی۔ کہ میں آسمان پر نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتی تھی۔ اسی حالت
میں ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ نورانی صورت والے
میرے سامنے کھڑے ہیں جو مجھے اٹھا کر ایک نہر کے پاس لے گئے جس کا پانی
دودھ اور شہد کی مانند سفید اور شیریں تھا اُنہوں نے فرمایا۔ حلیمہ! تم یہ
پانی پیو۔ اور فوراً مکہ معظمہ جاؤ۔ جہاں حق جلّ مجدہ نے تمہارے لئے ایک بیش بہا
دولت رکھ چھوڑی ہے

یہ پانی پیکر میری ساری بھوک پیاس مٹ گئی۔ اور حیاتِ تازہ میسّر ہو گئی
جب میری آنکھ کھلی۔ تو دل خوشی کے مارے سینہ میں زور زور سے اچھل رہا
تھا پڑوسیوں نے پوچھا آج تم اسقدر کیوں خوش خوش نظر آتی ہو۔ چونکہ مجھے خواب میں اِخفا کی
تاکید کی گئی تھی۔ اس لئے میں بات ٹال گئی۔ اور پوچھنے والوں کو دوسری
باتوں میں لگا دیا۔

دوسرے دن میں بنی سعد کے قافلہ کے ہمراہ مکہ معظمہ اس حال میں
روانہ ہو گئی کہ میری سواری کا گدھا نہایت دبلا اور سوکھا تھا۔ جو فاقوں کے مارے
اچھی طرح راستہ نہیں چل سکتا تھا۔ اور دودھ والی اونٹنی بھی نہایت سوکھی سہمی تھی
جس کی ہڈیوں میں گودا تک نہ رہا تھا۔ فاقوں کے مارے غریب کا بچہ مرچکا تھا
میرا بچہ بھوک کی وجہ سے اکثر اوقات روتا رہتا تھا جس سے میری نیند بھی حرام ہو گئی تھی

جب میں قافلہ کے ساتھ روانہ ہوئی۔ تو میری سواری اُن کی طاقتور سواریوں کا مقابلہ نہ کر سکی۔ اور نہ کر سکتی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ میں پیچھے رہ گئی۔ بنی سعد کی سب عورتیں مکّے پہونچ گئیں۔ اور اُنہوں نے مالداروں کے بچے حاصل کر لئے

خواجہ عبدالمطلب نے اکثر دایوں کو بلا کر آپ کی زیارت سے مشرف کرایا۔ مگر محرومیِ قسمت دیکھئے کہ کسی نے عبداللہ کے دُرِ یتیم کو لینا پسند نہ کیا۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ میری سواری چلتے چلتے ایک جگہ گر پڑی ساتھ ہی ایک آواز کانوں میں آئی۔ مرحبا۔ یا حلیمہ! اے حلیمہ تیرے بڑے اچھے نصیب ہیں۔ تیرا سینہ ایک مبارک فرزند کو دودھ پلائے گا۔ پھر مجھے معلوم ہوا گویا کسی نے میرے ہاتھ پکڑ کر سواری پر سوار کر دیا۔ اور کچھ اشارہ کیا کہ میری سواری اچھی رفتار سے چلنے لگی۔ میں یہ انوار و برکات دیکھتی ہوئی مکہ معظمہ کے پاس پہونچی۔ چونکہ رات ہو گئی تھی وہیں ٹھہر گئی۔ بستر لگایا۔ اور پڑ کر سو گئی کیا دیکھتی ہوں کہ میرے سرہانے کھجوروں کا ایک بڑا درخت لگا ہے جس میں کثرت سے رنگین پھل آویزاں ہیں اور بنی سعد کی سب عورتیں میرے پاس کھڑی ہیں یکایک ایک کھجور میرے سینے پر گری۔ اور میں نے اُسے اٹھا کر کھا لیا۔ دوسرے دن صبح ہی صبح اٹھکر مکہ معظمہ میں داخل ہوئی۔ اور جب مجھے کوئی بچہ نہ ملا تو عبداللہ کے دُرِ یتیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جانے کے لئے رضامند ہو گئی۔

چونکہ آپ انوار و برکات دیکھتی ہوئی آئیں تھیں اس لئے یہ پرواہ نہ ہوئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یتیم ہیں۔ یہ ایک بڑی دولت تھی۔ جو کسی دائی کو میسّر نہ آسکی۔ اور حلیمہ سعدیہ کو مرحمت ہو گئی۔ اچھے نصیب اُس حلیمہ کے جس کے گھر آفتابِ رسالت ماہتابِ جلالت نبیوں کے سردار امت کے

تاجدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پرورش پانے کے لئے رونق افروز ہوں اور حلیمہ کا اندھیرا گھر خورشید رسالت کی ضیا باریوں سے منور ہو جائے۔ مبارک ہیں وہ بچے جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ شریک بھائی بہن ہونے کی عزت اور آپ کی مجالست حاصل ہو گئی

حلیمہ سعدیہ کے مذکورہ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاصکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوق و شوق ہی میں مکہ معظمہ آئیں تھیں کیونکہ خواب میں انہیں یہ بتایا گیا تھا کہ مکہ مکرمہ میں خدا نے تمہارے لئے دولت رکھ چھوڑی ہے لیکن انسانی کمزوری کی بنا پر یا خواب کی حقیقت نہ سمجھنے کی وجہ سے حضرت حلیمہ پہلے اور بچوں کو تلاش کرتی رہیں۔ مگر انجام کار مقدسہ آمنہ کا فرمان بجا لائیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آغوش محبت میں لے بشاش بشاش روانہ ہو گئیں۔

سیرۃ نبویہ

قالت حلیمۃ فاستقبلنی عبد المطلب فقال من انت فقلت امراۃ من بنی سعد فقال ما اسمك فقلت حلیمۃ فتبسم عبد المطلب وقال بخ بخ سعد وحلم خصلتان فیہما خیر الدھر وعز الابد (حضرۃ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عبد المطلب سے ملاقات کی تو انہوں نے فرمایا تم کس خاندان کی ہو تو میں نے جواب دیا خاندان بنی سعد سے تعلق رکھتی ہوں انکے دریافت کرنے پر میں نے اپنا نام بتایا یہ سنا تو حضرت عبد المطلب کی باچھیں کھل گئیں۔ فرمایا کہ تمہاری دونوں خصلتیں بہترین خصلتیں ہیں۔ بردباری اور نیک بختی ہی میں دنیا بھر کی بھلائیاں اور سارے جہان کی عزتیں جمع ہیں)

سیرت ابن ہشام تاریخ ابن خلدون

جب بی بی حلیمہ نے حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کے لینے میں کسی قدر پس وپیش کیا۔ تو محترمہ آمنہ نے فرمایا یا طئر سلی عن ابنہ فانہ سیکون لہ شان (اے آنا اس بچے سے مطمئن رہو۔ اس کی بڑی شان ہونے والی ہے)

جب حلیمہ سعدیہ مقدسہ آمنہ سے ملکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں لئے رخصت ہونے لگیں تو حضرۃ آمنہ نے یہ اشعار پڑھے

اعیذہ باللہ ذی الجلالی　　من شر ما مر علی الجبالی

حتی اراہ حامل الجمالی　　ویفعل الخیر الی الموالی

وغیرھم من خشوۃ الرجالی ۵

اُس شر سے جو پہاڑ میں ہوتا ہے رونما　　دیتی ہوں آپ کو میں خدا کی پناہ میں

اُسوقت جبکہ آپ شتر پر سوار ہوں　　دیکھوں وہ شان میں جو نہ ہوتی ہو شاہ میں

اور دیکھ لوں کہ اپنے غلاموں کیساتھ آپ　　احسان کر رہے ہوں اخوت کی راہ میں

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر قافلۂ بنی سعد کے ہمراہ روانہ ہوئی۔ تو میری سواری لاغر و کمزور ہونے کے باوجود بھی سب سے آگے نکل گئی۔

تاریخ الخمیس

اور میں نے اپنی سواری کے جانور کو دیکھا کہ اُس نے تین مرتبہ خانۂ کعبہ کو سجدہ کیا اور پھر آسمان کی طرف منہ کرکے ایسا چلا کہ سارے ساتھیوں سے آگے نکل گیا۔ آج اس کی چال ایسی تھی جسے دیکھکر سارے قافلے والے دنگ ہو رہے تھے۔ اور کہتے تھے۔ حلیمہ! یہ وہی جانور ہے جسپر سوار ہو کر تم مکہ معظمہ آئیں تھیں۔ اور جو لاغری کی وجہ سے ہم سب سے پیچھے رہ گیا تھا۔ میں نے جواب میں کہا ہاں یہ وہی جانور ہے جسے ضعف کی وجہ سے ایک قدم اُٹھانا بھی دشوار تھا۔

تاریخ الخمیس حضرۃ حلیمہ راستہ طے کرتی چلی جارہی تھیں کہ اُن کا گذر بازار عکاظ میں ہوا۔ جہاں قبیلۂ ہذیل کا ایک کاہن رہا کرتا تھا۔ جو لوگوں کے علاج بھی کرتا۔ اور غیب کی باتیں بھی بتاتا تھا حلیمہ فرماتی ہیں میری بیوقوفی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کاہن کے پاس لے گئی۔ اور اُس سے پوچھا بتاؤ تو سہی یہ بچہ کس رتبہ کا ہوگا۔ جب کافر کاہن نے آپ کو دیکھا تو گھبرا کر کھڑا ہوگیا۔ اور چلّا اٹھا۔ اے قریش کے لوگو! ادھر آؤ۔ اور دیکھو یہ وہ بچہ ہے جو تمہارے بتوں کو غارت اور آبائی دین کو فنا کر دیگا۔ کاہن کے چلّانے پر قریش کی ایک پوری جماعت آموجود ہوئی میں اپنی بیوقوفی پر نادم ہوئی۔ فوراً بھاگ کھڑی ہوئی لوگوں کی آنکھوں میں کچھ ایسی خاک پڑی کہ غالباً مجھے کسی نے بھی نہ دیکھا اور میں صحیح وسالم نکل گئی۔ میرے کانوں میں لوگوں کے چیخ پکار کی صدائیں آئیں مگر میں برابر بڑھی چلی گئی یہاں تک کہ بخیر وعافیت اپنے گھر پہنچ گئی۔ اور مجھے کوئی بھی نہ پاسکا۔

حضرۃ حلیمہ کا اپنے مکان پر پہنچنا تھا کہ خدا نے اُن پر اور اُن کے گانوں پر انوار وبرکات کا مینہ برسا دیا جس طرح وقتِ ولادت شریف بہت سے عجائبات ظہور میں آئے تھے۔ اسی طرح حلیمہ کے گھر میں بھی رحمت الٰہی کی گھنگھور گھٹائیں چھا رہی تھیں وہاں قریش کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت عظمت اور محبّت جاگزیں کرنی تھی یہاں حلیمہ اور گانوں والوں پر حضور کریم صلی اللہ علیہ کا وقار وجلال دکھانا تھا یہاں ان کے دلوں میں عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا فرمانا تھا جس طرح آفتاب سے نکلتے ہی عالم جگمگا اٹھتا ہے اسی طرح آفتاب رسالت کے نور کی ضیا باریوں نے اُس گانوں اور خصوصاً حضرۃ حلیمہ کے گھر کو روشن اور منور کر دیا۔

حضرۃ حلیمہ فرماتی ہیں کہ آپ کی تشریف آوری سے قبل یہاں اسقدر خشک سالی تھی کہ مویشیوں کے لئے چارہ اور انسانوں کے لئے غلہ بہم پہنچنا مشکل ہوگیا تھا جنگلوں میں خاک اڑتی تھی اور گھاس کا ایک تنکا بھی کہیں نظر نہ آتا تھا۔ ایسی حالت میں ہمارے جانوروں کا سوکھ کر قریب المرگ ہوجانا اور ہمارا کئی کئی فاقے کرنا ظاہر تھا۔ اسی ناامیدی کی حالت میں ابر رحمت اٹھا اور ہم سب پر چھاگیا۔ خدا نے اپنے فضل سے حضور اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پرورش کے لئے اس گاؤں میں بھیجا اور ہماری ساری تنگدستی مفلسی فاقہ کشی وغیرہ کا خاتمہ ہوگیا۔ اب ہمیں اور ہمارے جانوروں کو کھانے کی قلت ہی نہ چارے کی کمی۔ تاہم سب سے زیادہ رحمت کا سایہ ہمارے گھر پر تھا۔ ہماری بکریاں اتنا دودھ دیتی تھیں کہ پانی کی بجائے بھی دودھ ہی استعمال کیا جاتا تھا۔ اور دوسرے لوگوں کی بکریاں اس قدر دودھ نہ دیتی تھیں جس پر وہ لوگ اپنے چرواہوں سے کہا کرتے تھے کہ تم یہ بکریاں بھی وہاں چرایا کرو۔ جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ حلیمہ کی بکریاں بھی انہیں کے ساتھ رہتی ہیں لیکن خدا ہی جانے وہ اس قدر کثرت سے کیوں دودھ دیتی ہیں۔ اور یہ کیوں نہیں دیتیں۔

حضرۃ حلیمہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گہوارہ ہمارے ہلانے کا محتاج نہ تھا۔ ہمنے [illegible] بھی دیکھا کہ گہوارہ خود بخود ہل رہا ہے۔

تاریخ الخمیس [illegible] فرشتے آپ کا گہوارہ ہلایا کرتے تھے۔

اللہ اللہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ کسقدر بلند ہے کہ جہاں آپ جاتے ہیں وہاں انوار و برکات کا مینہ برس جاتا ہے۔ جس طرح عطر وغیرہ کی خوشبو کو اس سے بحث نہیں کہ مجھے استعمال کرنیوالا مسلم ہے یا کافر گندہ ہے

یا پاک، ذلیل ہے یا شریف وہ برابر اپنا کام کئے جاتی ہے۔ یعنی اُس کا دل و دماغ مہکائے جاتی ہے۔ اسی طرح گلشنِ رسالت کی خوشبو بھی سب کے مشامِ جان کو معطر اور معنبر کرتی رہتی ہے۔ پھر رحمۃ للعالمین کی شان تو جملہ انبیاء سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ اگر آپ کے نزولِ اجلال کے سبب خشک زمین ہری بھری، سوکھی بکریاں دودھ والی ہو جائیں۔ بیمار حضور کا معصوم اور بابرکت دست مبارک اپنے جسموں پر پھیرنے کی وجہ سے اچھے ہو جائیں۔ خوشحالی اور فارغ البالی کا مینہ برس جائے فرشتے رحمۃ للعالمین کو جھولا جھلائیں تو کیا تعجب ہے یہی تو وہ مبارک نبی ہیں جن کا نور تمام انبیائے کرام کے انوار پر غالب آگیا تھا جو کامل و اکمل شریعت لیکر آئے جنھوں نے روئے زمین پر اسلام کا ڈنکا بجا دیا جن کے مبارک نام پر آج بھی چالیس کروڑ سے زیادہ جانیں قربان ہونے کو تیار ہیں جو قیامت کے دن اُمت کے لاکھوں کروروں گناہگاروں کو بحکم خدا جہنم سے نکال کر فردوس اعلیٰ میں لیجائیں گے۔ ہاں ایسے مبارک نبی کی صغر سنی میں اگر یہ شانیں نظر آئیں تو تعجب کا مقام نہیں۔

حیاتِ مبارک ان انوار و برکات کے ساتھ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حلیمہ سعدیہ کے گھر میں پرورش پانے لگے۔

بچپن ہی سے آپ کی حیا کمال درجہ کی تھی۔ حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ عام بچوں کی طرح آپ کبھی برہنہ رہنا پسند نہ فرماتے تھے۔ اگر کبھی جسم اطہر کا کوئی حصہ کھل جاتا تو آپ بے چین ہو جاتے جب تک آپ کا پیرہن شریف درست نہ کر دیا جاتا اُسوقت تک آپ برابر روتے رہتے ہے۔ چنانچہ خلعتِ نبوت سے مشرف ہونے کے بعد آپ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے۔ تحب لاخیک ما تحب لنفسک (جو بات اپنے لئے بہتر سمجھو وہی اپنے بھائی کے لئے بھی پسند کرو)

اشارہ بھلا قیامت کے دن حضور اقدس اپنے غلاموں کو برہنہ دیکھنا کس طرح پسند فرمائیں گے حق تعالیٰ سے کہکر ضرور آپ ہم گنہ گاروں کو جنت کے حلّے پہنائیں گے۔ آپ کی حیا کے متعلق ام المومنین حضرۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپنے میرا ستر اجسم کبھی نہیں دیکھا۔ حالانکہ بعض اوقات ایسا ہوا ہے کہ ایک ہی برتن کے پانی سے میں اور میرے سرتاج نہائے ہیں مگر حاشا و کلا کبھی نہ میں نے آپ کا جسم دیکھا نہ آپ نے میرا۔

اللہ اکبر! کیا حیا ہے جبھی تو آپ نے صغر سنی میں بھی برہنہ رہنا پسند نہ فرمایا کیوں نہ ہو۔ یہ وہی دُرِّ یتیم ہے جنھیں سمندرِ سعادت کے بہت سے گہرہائے رسالت میں سے چنکر حق تعالیٰ نے خاص کر لیا تھا۔ آپ ہی جامع کمالات تھے جبھی تو ربّ العزت نے سید المرسلین وغیرہ کے شاندار القاب سے آنحضور کو ملقّب فرما دیا۔ چونکہ حیا بھی ایمان کا ایک جوہر ہے اس لئے یہ جوہر بھی آپ میں بدرجۂ کمال موجود تھا۔ اور آپ بچپن میں بھی کبھی برہنہ ہونا پسند نہ فرماتے تھے

تنبیہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ آٹھ آٹھ دس دس برس کے بچّے بازاروں میں ننگے دھڑنگے خاک اُڑاتے پھرا کرتے ہیں۔ اگر خیر سے کسی بچے کی ماں نے اُسے پاجامہ پہنا بھی دیا تو اُس میں بھی لطف یہ کہ رومالی ندارد ہوتی ہے جسمِ زیریں کا جو حصّہ سب سے زیادہ پردہ پوش رہنا چاہئے۔ وہی کھلا رہتا ہے۔ اگر اُن کی ماؤں سے کہئے تو جواب دیتی ہیں۔ ایک تو اسے پیشاب کر دینے کا مرض اس لئے ہم رومالی نہیں لگاتے۔ تاکہ اگر پیشاب نکل ہی جائے تو پاجامہ خراب نہ ہو دوسرے یہ کہ تازی ہوا ہر وقت لگتی رہتی ہے جو صحت کے لئے مفید ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ پھر اور غضب یہ کہ خاصی ہشیار لڑکیاں بھی لڑکوں کی طرح برہنہ پھرائی جاتی ہیں۔ افسوس! صد ہزار افسوس!! زیر جامہ یا تہ بند

وغیرہ بنائے تو اس لئے گئے تھے کہ اُن سے ستر پوشی کیجائے۔ لیکن افسوس اُن کا استعمال صرف خوبصورتی کے لئے رہگیا ہے کیونکہ پاجامہ بھی پہنایا جاتا ہے تو رومالی نہیں ہوتی۔ اگر بچہ پیشاب کر دیتا ہے تو اُسکو دھمکایا، یا دوسرا پاجامہ بدلوایا نہیں جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کے بچے سخت بیحیا اور بے غیرت ہوتے ہیں۔ یہ کہنا کہ تازی ہوا لگنا مفید ہے غلط اور صریحاً غلط ہے۔ تمام اطبا کا قول ہے کہ جو بچے ننگے پھرا کرتے ہیں وہ بہت گندی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ خدا جانے ہماری عورتوں نے یہ مسئلہ کہاں سے نکالا ہے۔ ڈوب مریں وہ مائیں جو اپنے بچوں خصوصاً لڑکیوں کو ننگا پھراتی ہیں اور انہیں غیرت نہیں آتی۔ تعجب نہیں اس گناہ کی پاداش میں خدا قیامت میں سب کو تو جنت کے لباس پہنا دے مگر انہیں بالکل ننگا رکھے۔ کیونکہ انہوں نے نہ صرف حیا اور غیرت کا ہی خون کیا بلکہ سرورِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف بھی کیا۔

للہ خدا سے ڈرو۔ نشۂ غفلت سے چونکو اس بیحیائی کیساتھ اور تمام خلافِ سنت باتیں بھی چھوڑ دو۔ تاکہ حق تبارک و تعالیٰ کی رحمت اور حبیبِ کبریا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت تمہارے ساتھ ہو۔

خبردار آج سے اپنے بچوں کو ننگا نہ پھراؤ۔ تاکہ وہ خطرناک جراثیم ہی سے محفوظ نہ رہیں بلکہ انہیں اپنے آقا اپنے مولا محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباعِ سنت بھی نصیب ہو جائے۔ اور اسی طرح فلاح دارین حاصل ہو سکے

فرشتوں کے ہوتے انسان کیوں نبی بنائے گئے

انسان کو نبی بنا کر بھیجنا مولےٰ کے نزدیک اس لئے افضل تھا کہ میرے بندے اس کے اسوۂ حسنہ پر چلکر جنت ہی کے نہیں بلکہ میرے دیدار

کے قابل ہی بنجائیں۔ اگر کسی فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجا جاتا تو امت اتباعِ سنتِ پیغمبر سے قریب قریب محروم رہجاتی اس لئے کہ فرشتے تو کھانے پینے سونے بیوی بچّے وغیرہ سب سے پاک ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ اُستاد جب تک شاگرد کو عمل کرکے نہ بتائے اُسوقت تک شاگرد کی سمجھ میں نہیں آتا کہ استاد کا منشاء کیا ہے مانا کہ فرشتے زبان سے یہ کہہ سکتے تھے کہ اس طرح کھاؤ یوں پیو۔ اس طریقہ سے بیوی بچّوں سے ملو۔ پڑوس کا یوں حق ادا کرو اس طرح سوؤ۔ وغیرہ وغیرہ لیکن صرف زبانی باتوں سے ہرگز کام نہ چلتا۔ اور لوگ کبھی نبی اللہ کے بتائے ہوئے طرزِ تمدّن۔ طریقِ معشرت پر نہ چل سکتے ایک تو اس لئے کہ فرشتہ ہم جنس نہیں وہ مودّت و موانست جو انسان کو انسان سے ہوتی ہے۔ غیر جنس سے کبھی نہیں ہوسکتی جیسا کسی شاعر کا قول ہے۔ ؎

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

دوسرے لوگ کہتے کہ آپ جس طرح ہمسے عمل کرانا چاہتے ہیں پہلے ہمیں خود کرکے دکھایئے۔ ظاہر ہے کہ فرشتہ جواب میں ساکت ہوجاتا۔ تمدّن و معاشرت کا عملی نقشہ نہ پیش کرسکتا۔ اور لوگ اُس کی اطاعت نہ کرسکتے۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ شانہٗ نے انسانوں کے انسان ہی نبی بنا کر بھیجے۔ میرے سرکار احمد مختار نبی الرحمت آفتاب رسالت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد باری ہوتا ہے۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (آپ کہدیجئے کہ یقیناً میں تو تمہارے ہی جیسا انسان ہوں) لیکن اس سے بیوقوف کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ ہر لحاظ سے جیسے ہم ہیں ویسے ہی حضور بھی ہیں۔ معاذ اللہ وہاں تو مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم انسان ہو اسیطرح تمہارے نبی بھی انسان ہیں لیکن ان کی روحانیت اور مرتبت تم سے لاکھوں حصّہ ارفع و اعلیٰ ہے جس کے متعلق یہ شعر بہت صحیح

کہا گیا ہے۔ ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یہ شان ہے حضور رسالت پناہ کی

جس طرح پاخانہ کی کہنڈی کا پتھر اور تاج شاہی کا ہیرا دونوں کہنے میں پتھر ہیں تاہم دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسی طرح اگرچہ ہم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہنے میں انسان ہیں لیکن ہم میں اور آپ میں زمین و آسمان کا نہیں بلکہ تحت الثری و عرش کا فرق ہے۔ بھلا غلاظت کو آقا سے گناہ گاروں کو معصوم سے اور ذلیلوں کو سید المرسلین سے کیا نسبت ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

بہرکیف اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرشتے کو نہیں اس مبارک ہستی کو نبی بنا کر بھیجا جس پر سارے فرشتے نثار کل حوریں قربان اور تمام جنتیں فدا۔ آپ نے اپنی عبادت و ریاضت سے یہ ثابت کر دکھایا کہ بندے کو مولا کی اس طریقہ سے عبادت بجالانی چاہئے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں حضور اسقدر طویل نماز پڑھا کرتے تھے کہ آپ کے پائے مبارک شق ہو یعنی پھٹ جایا کرتے تھے۔ آپ اتنی دیر تک قیام فرمایا کرتے تھے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ ہر قیام، رکوع، قومے، سجدے اور جلسے میں ہم یہ سمجھا کرتے تھے کہ شاید آپ کی روح پرفتوح اعلیٰ علیین کیطرف سدھار گئی۔

ایک دن چند صحابہ نے عرض کیا۔ فداک امہاتنا وابآؤنا ہمارے ماں باپ نثار حضور اتنی طویل طویل عبادت کیوں فرمایا کرتے ہیں آپ کی شان میں تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا

مَاتَاَخَّرَ۔ (سورہ فتح۔ رکوع اول) (خدا نے آپ کی ساری اگلی پچھلی بھول چوک معاف فرما دی۔)

جواب میں آقائے نامدار نے فرمایا۔ تم سچ کہتے ہو۔ لیکن یہ تو بتاؤ کیا میں اپنے مولا کا شکر گذار بندہ نہ بنوں جس نے مجھ پر اتنی رحمت فرمائی کہ میری اگلی پچھلی بھول چوک معاف فرما دی تو کیا میں اس کے صلے میں اپنے مولے کی زیادہ سے زیادہ عبادت نہ بجا لاؤں (تفصیلات اپنے مقام پر آئیں گی)

اللہ اکبر! حضور نے عبادت۔ ریاضت۔ شجاعت۔ سخاوت۔ ہمت۔ جرات محبت۔ اخوت۔ ایثار۔ اخلاق وغیرہ کے گراں بہا عملی نمونے ہمارے سامنے پیش کئے ہیں۔ جبھی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے نبی کہہ دیجئے کہ اگر اللہ کی محبت چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو جس کے صلے میں اللہ تم سے راضی ہو جائیگا۔ اور میرے اتباع کے طفیل تمہارے سارے گناہ بخش دیگا۔ کیونکہ وہ اللہ بڑا بخشش فرمانے اور نہایت رحم والا ہے۔ جیسا آیت قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ الخ سے ظاہر ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے عین خدا کی اطاعت کی جیسا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ سے ظاہر ہے یہ اس لئے فرمایا کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہمارے نبی اپنی طرف سے ایک بات بھی نہیں کہتے۔ بلکہ جو کچھ ہم انہیں حکم کرتے ہیں وہی کہتے ہیں۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

سبحان اللہ! اپنے حبیب کی مدح سرائی خود رب العزت فرما رہا ہے

زہے رتبہ زہے شانِ محمدؐ — خدا خود ہے ثنا خوانِ محمدؐ
صداقت پر دلیل ہر شاہد — کلامِ حق ہے فرمانِ محمدؐ

ہر کیف اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کی بجائے انسانی مقدس ہستی کو نبی

بنا کر بھیجا۔ تاکہ وہ لوگوں کو حق تعالیٰ کے محبوب ترین طریقوں پر چلائیں۔ ساتھ ہی بندوں کو یہ عذر بھی نہ رہے کہ وہ فرشتے کا اتباع کس طرح کریں جبکہ وہ کھانے پینے وغیرہ سے پاک ہے چونکہ اسلام کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ لوگ دنیا میں شریف۔ مہذب متمدن زندگی گذاریں۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ مثال کے بغیر کوئی بات اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لئے مصلح اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم میں رونق افروز فرما کر بندوں کو یہ حکم دیا گیا کہ جس طرح ہمارے حبیبؐ ایثار۔ اخلاق۔ محبت۔ اخوت۔ غرض دنیا و دین کی ہر شئے کی کسوٹی پر پورے اتر کر تمہارے سامنے آئے ہیں۔ اسی طرح تم بھی حضور کے قدم بقدم چلکر ایک مامون متمدن۔ متواضع۔ زندگی گذارو۔ ساتھ ہی دنیا میں پڑ کر اپنے پروردگار کو نہ بھولو۔ جسوقت مولا کی عبادت کا وقت آجائے دنیا کے دھندے چھوڑ دو اور معبود کے حضور میں سربسجود ہو جاؤ۔ وغیرہ وغیرہ۔ پہلے چیزیں ہیں جنہیں سب سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمل فرما کر دنیا پر ظاہر کیں کہ دیکھو دنیا کی اصلاح کے ساتھ ساتھ مولا کی رضامندی بھی ہو سکتی ہے جبھی تو یورپ کے اکثر مورخین نے حضور اکرم کو دنیا کی پیشانی پر کو مصلح اعظم مانا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ہم ان کی ادا کو سہل کر دیا۔ اس واقعہ کی ایک چیز پیش کریں وہ یہ ہے۔

اہل یورپ کو ایک بہترین مژدہ

حضور کے ارشاد کی تعمیل میں کسیقدر پر اپنا مال جان وغیرہ سب کچھ قربان ہو جائیگا کہ صحابہ کا سکوت ان

مانتے ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ آپ کم از کم
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرام کے تشریف لانے کا ایک بڑا مقصد
کی مشکلات کس قدر جلد حل ہو جاتی ہیں۔ اور اتباعِ سنت کی بدولت جنت کے

سب چیزیں فنا ہو کر ملکوں میں امن و امان رعیت کے دلوں میں سکون۔ اور ساتھ ہی حکام کا وقار کس طرح پیدا ہو جاتا ہے حقیقی طور پر تو حضور کے مصلح اعظم ہونے کا عینی مشاہدہ آپ کو اُسی وقت ہوگا جب آپ کم از کم دنیوی امور ہی میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کر لینگے۔

الغرض اچھے طریقے سکھانے کے لئے ربّ العلمین نے انسانی محترم ہستی کو نبی بنا کر بھیجا تاکہ بندوں کی دنیا اور عقبیٰ دونوں سنور جائیں۔ مگر افسوس! آج مسلمانوں میں اتباعِ سنت ہی کی کمی ہے یہی وجہ ہے کہ اُن کے نظم و نسق۔ اغراض و مقاصد میں برہمی ہے۔

مسلمانوں پیش ہے سیرت النبیؐ معاذ اللہ قصے کہانی کے طور پر نہ سنو۔ بلکہ سنیئے کیا تھا اُس پر عمل بھی کرو۔ اور دنیا کو دکھا دو کہ غلامانِ محمدؐ رسول اللہ چاہتے ہیں اللہ علیہ وسلم ایسے ہوتے ہیں۔

میرے اتبا میں یہ عرض کر رہا تھا کہ فرشتے اس لئے نبی نہ بنائے گئے کہ وہ تمدنی فرمانے اور نہا گی کا عملی نمونہ پیش نہ کر سکتے تھے یہی وجہ ہے کہ انسانوں کا مرتبہ ظاہر ہے۔ دوسری جگہ فرشتوں سے افضل ہے۔

عین خدا کی اطاعت کی جب

یہ اس لئے فرمایا کہ ایک اور جگہ اللہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سے ایک بات بھی نہیں کہتے۔ بلکہ جو آپ نے کفارِ قریش کی سخت ترین شرائط منظور کرنے کے بعد اپنے مقام پر آئے گی)، تو اس اثنا میں قربانی وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ صحابہ سے قربانی کرنے کو فرمایا۔ ایک دفعہ سبحان اللہ! اپنے حبیب کی مدد کے لئے ایک صحابی بھی آگے نہ بڑھے۔ آپ نے زہے رتبہ زہے شانِ محمدؐ س تشریف لا کر یہ کیفیت بیان فرمائی انہوں صداقت پر و مایَنطق ہی شاہد ے ماں باپ آپ پر قربان) یہ دشواری

بہرکیف اللہ تعالیٰ نے فرشتے

اس طرح بہ آسانی حل ہو سکتی ہے۔ کہ آپ تشریف لیجائیں۔ اور سب سے پہلے اپنی قربانی کو ذبح کریں۔ پھر ملاحظہ فرمائیں کہ کیا ہوتا ہے۔ آپ کو اُمّ المومنین کی یہ رائے بہت پسند آئی۔ اور فوراً اپنی قربانی کے جانور کے پاس پہونچے۔ اُسے قبلہ رو لٹایا۔ اور بسم اللہ اللہ اکبر کہیکر اُس کے گلے پر چُھری پھیر دی۔

جس طرح کوئی سوتے سوتے چونک پڑتا ہے۔ بالکل اسی طرح صحابہ کرام چہار جانب سے دوڑ پڑے۔ اور سب نے جلدی جلدی اپنے اپنے قربانی کے جانور ذبح کر ڈالے

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اُسوقت ایسا جوش و خروش اور اتنا ہنگامہ تھا کہ پورا اندیشہ ہو گیا تھا کہیں ایسا نہ ہو اِس عجلت میں صحابہ رضؓ آپس میں ایک دوسرے کو ذبح کر ڈالیں

اللہ اکبر! برادرانِ اسلام دوسروں سے عمل کرانے کے لئے پہلے خود عمل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

اب بتایئے اگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے فرشتہ نبی بنا کر بھیجا جاتا تو وہ اس مقصد میں کس طرح کامیاب ہوتا جبکہ خود حضور کو بھی کافی پریشانی ہوئی اور اُمّ المومنین رضؓ کے گراں بہا مشورے نے دشواری کو سہل کر دیا۔ (اس واقعہ کی پوری تفصیل اپنے مقام پر آئے گی) جس سے معلوم ہو جائیگا کہ صحابہ کا سکوت (اُن صحابہ کا سکوت جو حضور کے ادنےٰ اشارے پر اپنا مال جان وغیرہ سب کچھ قربان کر دینا اپنے لئے عید سمجھتے تھے۔) کیوں تھا۔ اور حضور کے ارشاد کی تعمیل میں کسیقدر تاخیر کیا معنی رکھتی تھی

مراد اِس گذارش سے یہ ہے کہ انبیائے کرام کے تشریف لانے کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ لوگ اُن کے اسوۂ حسنہ پر چلیں اور اتباعِ سنت کی بدولت جنّت کے

مالک بنجائیں۔ لیکن آج اتباعِ سنّت کا نام لینے والا بعض لوگوں کی نظروں میں مردود، زندیق اور معاذ اللہ دشمنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھا جاتا ہے کس قدر افسوس کا مقام اور کیسی رونے کی جگہ ہے کہ آج مسلمان اتباعِ سنت کی عملی مخالفت سے خدا کے مغضوب بن رہے ہیں۔ اور اسی پیشکار سے ترقی کی راہیں اُن کے لئے مسدود ہوگئی ہیں۔ حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید ٭ ٭ ٭ کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

خلافِ پیمبر کرے جو کوئی ٭ ٭ ٭ نہ پہونچیگا منزل کو اپنی کبھی

لہٰذا ہمیں اتباعِ سنت پر عمل اور خلافِ سنّت سے احتراز لازم ہے۔

میں کہہ چکا ہوں کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پیش کرنے سے میرا مقصد عامۃ المسلمین کی اصلاح بھی ہے اسی لئے جگہ جگہ اصلاحی مقالات پیش کئے جاتے ہیں۔

عجائبات

حضرت حلیمہ سعدیہؓ فرماتی ہیں کہ میرے کمّی فرزند محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے گھر میں نور پڑا برستا تھا۔ آپ ہمیشہ داہنے پستان سے دودھ نوش فرماتے۔ اور بائیں چھاتی اپنے رضاعی بھائی کے لئے چھوڑ دیا کرتے تھے۔

نکتہ ممکن ہے چھوٹے سے قلبِ معصوم میں حق تبارک و تعالیٰ نے یہ بات پیدا کردی ہو کہ دوسری طرف کا دودھ آپ نہ پئیں۔ کیونکہ وہ آپ کے رضاعی بھائی کا حصّہ ہے۔

سبحان اللہ ایسے دُرِّ یتیم کو رحمۃ للعالمین کے خلعت سے نوازا گیا جس کی صغرسنی میں ہی رحمت کا یہ حال ہے کہ کبھی اپنے دودھ شریک بھائی کا حق لینا پسند نہ فرمایا۔ اور پسند بھی کیوں فرماتے۔ آپ کسی کا حق چھیننے نہیں بلکہ اہل

دنیا کو اُن کے غصب شدہ حقوق دلوانے جنّت میں پہونچانے حوروں سے ملانے۔
شراب طہور پلانے اور سب سے بڑی دولت حق تعالیٰ کے دیدار سے مشرف کرانے
کے لئے تشریف لائے تھے۔ ایسے مبارک رسول کے شوق زیارت میں یہ شعر
زبان پر جاری ہو جائے تو بجا ؎

تمنّا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھوں
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقیّد کا

حلیمہ فرماتی ہیں کہ حضور (صلعم) دو مہینے کے بیٹھنے تین مہینے کے گھٹنوں
چلنے۔ سات مہینے کے پاؤں پاؤں دوڑنے۔ اور آٹھ مہینے کے بولنے لگے تھے

اشارہ یہ خاتم النبیین تھوڑے سے وقت میں بہت سا کام انجام دینگے
چنانچہ تیئیس ۲۳ سال کے عرصہ میں سوا لاکھ آدمی تو صحابہ کی شاندار عزّت سے
مشرف ہو گئے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ قریب اور بعید کے
شہروں میں مشرف باسلام ہوئے۔

اللہ اکبر! کسقدر اہم کام اور کتنا تھوڑا وقت ہی۔ یہ ہمارے آقائے
نامدار ہی کی شان ہے کہ آپنے کم وقت میں اس قدر گراں بہا کام انجام دیئے
یہی وجہ تھی کہ آپ سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین کے اعلیٰ ترین مراتب
سے ممتاز ہو گئے۔ اور آقا کے صدقے میں غلاموں کو بھی کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ کا عظیم الشان مرتبہ مل گیا ؎

نثارِ خاکِ پائے مصطفےٰ ہیں مرے ماں باپ قربانِ محمدؐ

حلیمہ فرماتی ہیں کہ آپنے سب سے پہلے جو کلام فرمایا وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ تھا
اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے۔ افضل الذکر لا الہ الا اللہ۔ اقرار وحدانیت
کے ساتھ جملہ معبودوں کی نفی کرتے ہوئے۔ وحدہٗ لا شریک لہٗ کا پیارا نام اور

افضل الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے جاری ہونے والا کلمہ یقیناً افضل الذکر ہے۔

پہلی کرامت حلیمہ کہتی ہیں کہ ایک دن فرزند مکی میری گود میں بیٹھے تھے۔ بکریوں کا ریوڑ میرے سامنے سے گذرا ایک بکری الگ ہو کر میرے قریب آئی اور فرزند مکی کے سامنے سجدے میں گر پڑی پیشانی مبارک چومی اور چلی گئی۔ میں متحیر ہو گئی۔ اور سمجھی کہ یہ فرزند ضرور عجائب روزگار رہتی ہیں۔

دوسری کرامت میں خیال کر کے دیکھتی تھی کہ روزانہ جب آفتاب افق مشرق سے ضیا اور شعاع سے اپنے مصاحبوں کے برآمد ہو کر تخت نیلگوں فلک پر متمکن ہوتا تھا تو ایک نور میرے مکان میں آتا۔ اور حضور کو اپنے اندر چھپا لیتا۔ تھوڑی دیر بعد وہ نور رخصت ہو جاتا اور آپ پھر مجھے ہشاش بشاش نظر آنے لگتے

اشارہ غالباً یہ نور ملائکہ کا نور تھا سید المرسلین کی زیارت کے لئے فرشتے روزانہ آتے۔ اور زیارت کر جاتے تھے۔

لہو و لعب سے اجتناب حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں کہ ایکدن آپ رضاعی بھائی محلہ کے بچوں سے کھیل رہے تھے۔ جب حضور نے یہ دیکھا تو جا کر اپنے دودھ شریک بھائی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا بھائی ہم کھیل کود اور بیکار باتوں کے لئے نہیں پیدا ہوئے

تنبیہ سبحان اللہ وبحمدہ مسلمانوں! آنکھیں کھولو! اور دیکھو۔ تمہارے آقائے نامدار صغر سنی ہی میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ آج گلی گلی کوچے کوچے مسلمانوں کے بچے جن میں اگرچہ پندرہ پندرہ بیس بیس برس کے نوجوان بھی ہوتے ہیں۔ کس طرح اپنا عزیز وقت کھیل کود میں گذار دیتے ہیں۔ کوئی گالی اور کوئی فحش بات

ایسی نہیں جو ان بچّوں کے منہ سے نہ نکلتی ہو۔ دن کا اکثر و بیشتر حصّہ کھیل کود ہی میں صرف ہو جاتا ہے۔ اور ایسی ایسی ناپاک باتیں اُن کی زبان سے نکلتی ہیں کہ پناہ بخدا

مگر اُن کے ماں باپ کے کانوں پر جوں بھی نہیں چلتی۔ خدا کے لئے بچّوں کو ان زہریلے کھیلوں سے بچاؤ۔ ورنہ علم و دولت کی قلّت اور بھی زیادہ ہو جائے گی۔ دیکھو! ہمارے سردار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں بھی کھیل کود میں شریک نہ ہوئے۔ بلکہ منع فرمایا۔ لیکن ہمارے بچّوں کے ماں باپ انہیں خلافِ شرع کھیل تماشوں سے بھی نہیں روکتے۔ افسوس صد ہزار افسوس مسلمانوں! برائے خدا بچّوں کی بنیادیں کھوکھلی نہ کرو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پُرفتوح سے شرماؤ۔ اس لئے کہ پیر اور جمعرات کے دن اُمّت کے نامۂ اعمال حضور کی خدمت میں لیجائے جاتے ہیں جب آپ گنہ گار ان اُمّت کی فہرست ملاحظہ فرماتے ہوں گے تو قلبِ پاک کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی۔ اگر ہم بچّوں کو شروع ہی سے کم از کم ناجائز باتوں اور کھیلوں ہی سے روکدیں۔ روزانہ کم از کم نصف گھنٹے انہیں کوئی ایسی کتاب سنائیں جس میں اسلام کے فضائل نیک بختی کی خوبیاں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد درج ہوں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ کثافت دور ہو کر اُن میں اسلام کی لطافت اور ایمان کی حلاوت پیدا ہو جائیگی۔ اور وہ احکام شریعت کے پابند ہو سکیں گے۔ اگر تم اپنے بچّوں کو صحیح تعلیم و تربیت دیکر روحِ اقدس کو ملول کرنا نہیں چاہتے تو آج ہی سے اُن کی اصلاح پر متوجّہ ہو جاؤ۔ تاکہ تمہارے بچّے ایک دن علم و عمل کے درخشندہ ستارے بنکر آسمانِ سعادت پر چمک اٹھیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کے طفیل عالم کو منوّر کردیں۔

تیسری کرامت حضرہ حلیمہ فرماتی ہیں کہ ایک دن آپ بکریاں چرانے کے لئے اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ جنگل چلے گئے اور مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ جب میں نے آپ کو گھر میں نہ دیکھا تو بیتاب ہو کر نکل کھڑی ہوئی اور آپ کو ڈھونڈتی ہوئی چلی۔ کیا دیکھتی ہوں کہ آپ ٹھیک دوپہر کیوقت بکریاں چرانے میں مصروف ہیں اور آپ پر ایک سفید رنگ کا ابر سایہ کئے ہوئے ہے۔ جہاں آپ جاتے ہیں۔ ابر بھی ساتھ ساتھ جاتا ہے۔ یہ دیکھکر آپ کی عظمت و محبت میرے دل میں پہلے سے ہزاروں حصّے بڑھ گئی۔ دوڑ کر فرزند مکی کو گود میں لیا اور گھر واپس آگئی۔

نکتہ جنکے جدِ امجد خلیل اللہ کو آتش نمرود نہ جلا سکی۔ اُنہیں سورج اپنی گرمی کس طرح دکھا سکتا تھا۔

بعض بزرگوں کے حال میں آیا ہے کہ اُنہیں خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور آپ نے اُنہیں اپنا موئے مبارک مرحمت فرمایا۔ صبح اٹھے تو وہ موئے مبارک اُن کی مٹھی میں موجود تھا جب وہ اُسے لئے سورج کے سامنے پہونچے تو اُن کے سر پر ایک ابر محیط ہو گیا۔ اسی طرح کئی مرتبہ امتحان کیا گیا۔ مگر ہوا یہی کہ موئے مبارک کیوجہ سے آفتاب انہیں اپنی حرارت کی تیزی نہ دکھا سکا (حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور بعض دوسرے بزرگوں کے حال میں یہ واقعہ اسی طرح آیا ہے)

اشارہ اس واقعہ سے روایتِ مذکور کی صداقت پر پوری روشنی پڑتی ہے

چوتھی کرامت حضرۃ حلیمہ فرماتی ہیں کہ جس دن آپ کا دودھ چھڑایا گیا تو حضورؐ نے دودھ چھٹنے کے بعد سب سے پہلے یہ کلام فرمایا۔

اللہ اکبر کبیراً والحمد للہ کثیراً فسبحان اللہ بکرۃ واصیلاً۔ سبحان اللہ کیا ننھی سی زبان اور کتنا پاک بیان ہے

پانچویں کرامت حضرۃ حلیمہ فرماتی ہیں ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رضاعی بہن شیمار کے ساتھ دور تک چلے گئے۔ میں بیتاب ہو کر دوڑی کہ کہیں ایسا نہ ہو کوئی درندہ میرے فرزند کو ستائے۔ جب جستجو کے بعد آپ مجھے ملے تو میں نے شیمار سے کہا۔

میں۔ تم اپنے مکی بھائی کو اس گرمی میں اتنی دور تک لائیں۔

شیمار۔ اماں جان میرے بھائی کو دھوپ نے بالکل نہیں ستایا۔

میں۔ یہ کس طرح؟

شیمار۔ کیا آپ نہیں دیکھتیں کہ میرے بھائی کے سر پر ایک بادل کا ٹکڑا سایہ کئے ہے۔ اور جہاں ہم جاتے ہیں۔ یہ ٹکڑا ہمارے ساتھ ساتھ جاتا ہے۔

میں نے دیکھا تو شیمار نے جو کچھ کہا سچ تھا۔ میں دونوں کو ساتھ لیکر گھر واپس آگئی۔

معلومات شیمار کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی۔ اور وہی اکثر آپ کے ساتھ رہا کرتیں۔ اور کھلایا کرتیں تھیں۔

چھٹی کرامت حلیمہ کہتی ہیں ایک دن صبح مجھ سے میرے مکی فرزند نے اصرار کے ساتھ کہا میں بھی اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے جاؤں گا۔ میں نے جسقدر منع کیا۔ آپ کا اصرار بڑھتا گیا۔ آخر کار ناچار میں نے آپ کو بنا سنوار کر حفاظت کے لئے آپ کے گلے میں عقیق یمانی ڈالدیا۔ آپ نے فرمایا۔

اماں جان! یہ میرے گلے میں کیوں ڈالا ہے۔

میں۔ اسے حفاظت کے لئے بچوں کے گلے میں ڈالدیا کرتے ہیں۔
حضور۔ اماں جان میرے ساتھ میرا اکیلا محافظ خدا ہمیشہ رہتا ہے۔ اس کی کچھ ضرورت نہیں۔
یہ فرماکر آپ نے وہ عقیق گلے سے اتار کر پھینکدیا۔
اللہ اکبر! بچپن ہی میں شرک کی بیخ و بنیاد جڑ سے اکھاڑ ڈالی۔

نکتہ جس نبی نے صغر سنی کے عالم میں بھی شرک کو اپنے لئے بُرا سمجھا۔ وہ رسول امت کے مشرکین سے کس طرح خوش ہوں گے۔

حلیمہ فرماتی ہیں کہ آپ وہ عقیق پھینک کر اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے تشریف لے گئے۔ ہماری بستی کے قریب جنگل میں ایک ایسا مقام تھا۔ جہاں موذی درندے کثرت سے رہا کرتے تھے۔ میں نے اپنے بچوں سے تاکید کردی تھی کہ خبردار اپنے مکی بھائی کو خبگی خونخوار درندوں کیطرف نہ لیجانا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ میرے فرزند کو کوئی جانور تکلیف پہونچائے لیکن خدا کی قدرت کہ آج بکریوں کا منہ اسی بیشے کی طرف اٹھ گیا۔ جہاں شیر وغیرہ کا مسکن تھا۔ تھوڑی دور چلے ہونگے۔ کہ سامنے سے ایک شیر غراتا ہوا نظر آیا۔ جب موذی کی نگاہ حضور کے چہرۂ انور پر پڑی تو مثل سگ صحرائی آپکے قدموں میں لوٹنے اور تلوے چاٹنے لگا۔ حضور نے اُسے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کیا۔ شیر اٹھا۔ اور نہایت ادب کے ساتھ اُس طرف چلا گیا۔

فہمائش ممکن ہے یہ روایت پڑھکر ہمارے نیچری بھائی ہنسیں اور اسے غلط سمجھیں۔ لہذا اُن کے اطمینان کے لئے ہم نقلی اور عقلی مثالیں پیش کردینا مناسب سمجھتے ہیں

صحیحین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ تمہاری مثال بکریوں

اور میری، مثال چرواہے کی سی ہے جس طرح بکریاں چرتی چرتی خارستان اور موذی جانوروں تک پہونچ جاتی ہیں۔ اور چرواہا انہیں ہنکا کر درندوں اور کانٹوں سے بچاتا ہوا ایک سرسبز جنگل میں لا کھڑا کرتا ہے۔ اسی طرح تم بھی دنیا کے میدان میں گناہوں کے خارستان اور شیطان جیسے موذی اور دوزخ کے قریب پہونچ جاتے ہو لیکن میں تمہیں وہاں سے بھگا کر فردوسِ اعلیٰ کے دروازہ پر لا کھڑا کرتا ہوں

اشارہ غالباً رب العلمین نے حضور کو بچپن ہی سے یہ تعلیم دی تھی۔ جبھی تو آپ کی بکریاں شیر سے بچکر آپ کی وجہ سے پُرفضا میدان میں پہونچ گئیں۔ حق تعالےٰ کو اس سے حضور پر یہ ظاہر کرنا منظور تھا کہ آج جس طرح آپ بکریوں کی گلہ بانی میں مصروف ہیں اور اُن کے سامنے شیر آجاتا ہے تو ہم اُسے اپنی قدرت سے آپ کا غلام بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح کچھ عرصہ کے بعد جب ہم آپکو خلعتِ نبوت سے ممتاز فرمائینگے۔ تو ساری دنیا کی عنانِ رہبری آپ ہی کے سپرد ہوگی۔ اور جیسے آج ہمنے شیر کو آپ کا مطیع بنا دیا یوں ہی شیطان جیسے موذی کو آپ سے مغلوب فرما کر آپ کی امت کو آپ کے طفیل نیکیوں کے ہرے بھرے باغوں میں پہونچا دیں گے۔ اب بتائیے اس واقعہ کی صداقت میں کیا شبہ کیا جا سکتا ہے۔

اگر آپ اسے عقل اور تاریخ کی کسوٹی پر بھی کسنا چاہیں تو تاریخ ہندوستان اٹھا کر بادشاہ جہانگیر کے حالات ملاحظہ فرمائیے۔

واقعہ اُن میں آپ دیکھیں گے کہ جب نورجہاں نے شاہِ ایران کو خفیہ طور پر کہلا بھیجا کہ وہ چاہے تو آسانی سے ہندوستان فتح کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ جہانگیر دائم الخمر رہتا ہے۔ تو شاہِ ایران نے اپنے سفیر کو بھیجا۔ تاکہ وہ جہانگیر کی

غفلت اور مخمور رہنے کی صداقت کرے۔ جب جہانگیر کو معلوم ہوا کہ سفیر ورود ولت پر حاضر ہے تو اُس نے بلا تامل بلا لیا سفیر آداب شاہی بجا لا یا کرسی ملی بیٹھا تو جہانگیر نے حکم دیا شیروں کے دو پنجرے عجائب خانے سے فوراً حاضر کئے جائیں حکم کی تعمیل ہوئی۔ مگر سب اہل دربار کانپ رہے تھے کہ دیکھئے آج یہ شرابی کیا کرتا ہے۔ جہانگیر نے دو بکرے فربہ منگوائے ذبح کرائے۔ اور حکم دیا پنجرے کھولدو۔ اہل دربار تھرا اٹھے۔ بعض کو غش آگیا۔ مگر کس کی مجال تھی کہ اس نادر شاہی حکم میں ذرا بھی تاخیر کرے۔ فوراً کانپتے ہوئے نیم مردہ ہاتھوں نے پنجرے کھولدئے۔ شیر غراتے ہوئے نکلے۔ جہانگیر نے دونوں بکرے دونوں کے سامنے ڈالدئے۔ شیر اُن کے کھانے میں مصروف ہوگئے۔ ایک شیر جو بہت بھوکا تھا جلدی اپنی خوراک کھا گیا۔ اور دوسرے شیر کے کھانے پر چلا جہانگیر غصہ کے مارے کانپ گیا۔ تخت سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اُس شیر کے قریب آیا۔ جو دوسرے شیر کی غذا کھانا چاہتا تھا جھپٹکر ایک ہاتھ سے کان پکڑا۔ اور دوسرے ہاتھ سے ایک ایسا طمانچہ مارا کہ شیر بھی تیورا اور وہاں سے ہٹ گیا جہانگیر پھر تخت پر متمکن ہوا۔ اور دونوں پاؤں پھیلا دیئے۔ شیر آگے بڑھے اور فرط محبت سے تلوے چاٹنے لگے۔ سفیر صاحب کی تو وہ بری حالت ہوئی جو ناقابل بیان ہے۔ کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی ڈر کے مارے جناب کا پیشاب پاخانہ خطا ہوگیا جہانگیر نے سفیر کیطرف مخاطب ہوکر کہا جاؤ۔ اپنے بادشاہ کو ہماری غفلت کی حکومت لکھ بھیجو۔ سفیر تھرآتا ہوا اٹھا اور جوں توں کرکے باہر نکلا۔ وہاں شیروں کو اشارہ ہوا۔ دونوں اپنے اپنے پنجرے میں گئے۔ محافظ دروازے بند کر اُنہیں لے گئے۔ اور یہ خوفناک منظر ختم ہوگیا۔ سفیر نے شاہ ایران کو لکھ بھیجا کہ خبردار ادھر آنے کا قصد ہرگز نہ کرنا۔ جہانگیر سلطنت نہیں خدائی کرتا ہے

یجئے اب تو یہ معاملہ دو اور دو چار کیطرح بالکل سمجھ میں آگیا ہوگا۔ جب دنیا کے بادشاہ کا یہ اقبال ہو سکتا ہے کہ شیر اُس کے تلوے چاٹنے لگیں۔ شہنشاہِ کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صغر سنی میں اگر یہ واقعہ پیش آیا ہو۔ تو کیا تعجب کیا جا سکتا ہے اِسے دنیا مانتی ہے کہ صاحب اِقبال کا کوئی بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

چنانچہ نپولین اعظم کے کارنامے تو یقیناً ہماری نئی روشنی کے نوجوانوں کے سامنے ہوں گے۔ خوفناک گولیوں کی بارش نپولین پر ہوتی ہے۔ مگر اُس کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں بشاش بشاش جنگ فتح کر کے واپس ہو جاتا ہے۔ لیجئے یہ گولیوں کی بارش تو شیروں سے بھی زیادہ خطرناک ہے پھر نپولین کس طرح زندہ بچا آپ یہی کہیں گے کہ اُسوقت اُس کا اقبال سامنے تھا۔ اور موت نگہبان۔ چلئے یوں ہی سمجھ لیجئے۔ کہ آفتابِ اقبالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بھی بلند ہونا شروع ہو گیا تھا۔ بھلا شیر کی کیا حقیقت تھی کہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نگاہِ گرم بھی ڈال سکتا۔

یہ تو قارئین کرام نے متعدد مرتبہ سنا اور دیکھا ہوگا کہ بعض چھوٹے چھوٹے بچوں کو ریچھ اٹھا کر لیجاتا ہے۔ پھر اُن میں سے بہت سوں کو مار ڈالتا ہے۔ گر مشاہدے نے بتایا ہے کہ ریچھ کے بھٹوں میں ایک دو بچے بیٹھے نظر آئے جنہیں وہ جنگل سے میوے لا لا کر کھلاتا۔ اور خود اُن کی حفاظت کرتا۔ جب عام طور پر اس قسم کے مشاہدات موجود ہیں تو پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر شیر کس طرح سوئے ادبی کر سکتا تھا۔ اس نے جمالِ جہان آرا دیکھا۔ اور رعبِ جمال و جلال سے مسخر ہو کر شہر یارِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمِ اقدس پر گر کر تلوے چاٹنے لگا

جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے آبا و اجداد کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھا تو ذاتِ والا صفات کا موئے جسم کس طرح میلا ہو سکتا تھا۔

بہر کیف حضور اپنی بکریوں اور دودھ شریک بھائی کو ساتھ لیکر حضرت حلیمہ کے مکان پر بخیر و خوبی تشریف لے آئے۔

حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب میں نے یہ واقعہ سُنا۔ تو حضور کی عظمت و محبت پہلے سے بھی زیادہ میرے دل میں جاگزیں ہو گئی

غرض دو سال کا مبارک زمانہ بڑی خیر و برکت کے ساتھ گذرا۔ جب حضور کا دودھ چھڑا دیا گیا۔ تو ایک دن حارث اور حلیمہ دونوں میاں بیوی میں یوں گفتگو ہوئی۔

حارث۔ واقعی یہ قریشی فرزند بڑے مرتبے کے ہونے والے ہیں۔ جبھی تو میں کہتا ہوں کہ ان کو اب ان کے بزرگوں کے پاس پہونچا دینا چاہیئے کہیں ایسا نہ ہو خدانخواستہ کچھ اُفتاد پڑے۔ اور ہم خواجہ عبدالمطلب کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔

حلیمہ۔ یہ سچ ہے لیکن مجھے تو ان سے ایسی محبت ہو گئی ہے کہ انہیں جدا کرنے کو بالکل جی نہیں چاہتا۔ اور ان کی وجہ سے اس زمانہ میں ہمنے ایسے ایسے انوار و برکات دیکھے جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھے گئے تھے۔

حارث۔ بالکل درست لیکن مجبوری ہے۔ ایک تو زمانہ رضاعت ختم ہو گیا دوسرے آپ کی حفاظت بھی بدرجۂ غائیت ہونی چاہیئے۔ لہذا آپ کو مکہ معظمہ پہونچا دینا مناسب ہے۔

حلیمہ۔ جی تو نہیں چاہتا۔ مگر خیر۔

اس کے بعد دونوں میاں بیوی بادلِ نخواستہ سامانِ سفر تیار کیا۔

اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر مکہ معظمہ روانہ ہو گئے

حلیمہ فرماتی ہیں جب میں آپ کو لیکر مکہ معظمہ پہونچی تو معلوم ہوا۔ یہاں وبائی بیماری پھیل رہی ہے۔ میں پہلے خواجہ عبدالمطلب سے ملی۔ پھر مقدسہ آمنہ کی زیارت سے مشرف ہوئی۔ دونوں مجھ سے بہت خوش ہوئے۔ اور دعائیں دیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواجہ عبدالمطلب نے گود میں لیکر سینہ سے لگایا پیشانی مبارک چومی۔ پھر حضرۃ آمنہ نے آپ کو اپنی آغوشِ محبت میں لیا۔ اور شمعِ جمالِ نبوت پر پروانہ وار نثار ہونے لگیں۔

حلیمہ فرماتی ہیں جب میں رخصت ہونے لگی تو خواجہ عبدالمطلب اور بی بی آمنہ سے عرض کیا۔ یہاں تو وبائی بیماری پھیل رہی ہے۔ میرا جی نہیں چاہتا کہ فرزند قریشی کو یہاں چھوڑ دوں۔ دونوں بزرگوں نے فرمایا بیشک وبا کی حالت میں آپ کا یہاں رہنا خالی از خطرہ نہیں لہذا تم ان مبارک فرزند کو کچھ دنوں کے لئے اور لیجاؤ۔ میں یہ سب منشاء جواب سنکر بہت خوش ہوئی۔ اور دوبارہ حضور کو ساتھ لیکر منزلیں طے کرتی ہوئی گھر پہونچ گئی

ساتویں کرامت

حلیمہ فرماتی ہیں۔ آپ اسی طرح اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے جایا کرتے تھے۔ ایک دن دوپہر کے وقت آپ کے رضاعی بھائی عبداللہ دوڑے ہوئے آئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ اماں جان جلد چلئے۔ ہمارے مکی بھائی کو جنگل میں دو آدمیوں نے شہید کر ڈالا۔ یہ وحشت اثر خبر سنتے ہی میری جان پر بن گئی۔ بدحواس ہو کر دوڑی۔ میرے ساتھ بنی سعد کے لوگ بھی بیقرار ہو کر بھاگے جب ہم جنگل میں پہونچے تو دور سے دیکھا کہ آپ تندرست مگر رنگ رو متغیر کھڑے ہیں جب ہم آپ کے قریب پہونچے۔ تو آپ کے جسم سے مشک کی خوشبو آرہی تھی۔

میں نے دوڑ کر آپ کو گلے سے لگا لیا۔ اور پوچھا کیا ہوا تھا۔

فرمایا دو شخص آسمان سے اُتر کر میرے پاس آئے جو سبز ریشمی لباس پہنے تھے۔ اُن دونوں نے مجھے لیکر آہستہ سے زمین پر لٹا دیا۔ میرا شکم چاک کیا۔ اور کچھ نکال کر دھویا۔ خبر نہیں کیا تھا اور اسی طرح سینہ میں رکھکر ٹانکے لگا دیئے پھر مجھے اٹھا بٹھایا۔ لیکن اماں جان مجھے کسی قسم کی بھی تکلیف نہیں ہوئی۔ پھر مجھے ایک نے ترازو میں بٹھایا اور کہا دوسرے پلڑے میں اِن کی اُمت کے دس آدمی رکھدو۔ جس کی فوراً تعمیل ہو گئی۔ ترازو اٹھائی گئی۔ اور میرا پلڑا بھاری رہا۔ پھر سو آدمی دوسرے پلڑے میں رکھکر ترازو اٹھائی گئی لیکن جب بھی میرا ہی پلڑا بھاری نکلا یہانتک کہ ہزار آدمی میرے مقابلہ میں تولے گئے۔ اور پھر بھی دوسرا پلڑا بہت ہلکا ہی رہا تو اُن میں سے ایک نے کہا خدا کی قسم ساری دنیا ان کے مقابلے میں رکھ دیجائے تو یہی انہیں کا پلڑا بھاری رہیگا۔

نکتہ یہ بوجھ آپ کی ذات گرامی کا نہ تھا۔ بلکہ نبوت کا بار تھا اس میں آپ کے سیدالاولین والآخرین ہونیکا اشارہ ہے۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ حضور کے سینہ سے ناف تک ٹانکے لگانے کا نشان معلوم ہوتا تھا۔ اگرچہ حضور نے سارا واقعہ بیان فرما دیا۔ مگر کسی کی سمجھ میں نہ آیا

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ مجھے مشورہ دیا گیا یہ آسیب کا خلل معلوم ہوتا ہے۔ لہذا آپ کو کسی معالج کاہن کو دکھاؤ اور آپ کا علاج کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو مرض ترقی کر جائے اور پھر علاج میں مشکل پڑے۔ حضرت حلیمہ بھی عورت تھیں۔ کب تک لوگوں کے کہنے میں نہ آتیں۔ فوراً آپ کو ایک کاہن کے پاس لے گئیں۔ مگر یہ نہ سمجھیں کہ طبیب کو مریض کے پاس شفائے عالم مرضِ مجسم کے

سامنے اور نبی کو شیطان کے روبرو لیجا رہی ہیں۔ جب کاہن نے حضور کا روئے انور دیکھا تو گھبرا گیا۔ اور جسوقت آپ کی زبان فیض ترجمان سے مذکورہ واقعہ سنا تو سٹ پٹا گیا۔ مردود نے فوراً آپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور چلّا اٹھا۔

کاہن۔ عرب کے لوگو! جلدی دوڑو۔ دیکھو وقت ہاتھ سے نہ دو۔ اس لڑکے کو قتل کر ڈالو۔ ورنہ یہ بڑا ہنگامہ برپا کرے گا۔ تمہارے بزرگوں کو بے عقل معبودوں کی پوجا اور دین کو برا بتائیگا۔ ایک نئے خدا کی پوجا کرنے کی ترغیب دے گا۔

حلیمہ۔ تو غارت ہو۔ خدا تجھے ہلاک کرے۔ تو نے ہمسے کب کی دشمنی نکالی۔ دور ہو مردود۔ یہ فرما کر آپنے کاہن کا ہاتھ جھٹک دیا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمراہ لیکر گھر تشریف لے آئیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ خدا نے اُس کاہن کو دیوانہ کر کے ہلاک کر ڈالا۔ یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ حلیمہ اور حارث دونوں زن و شوہر گھبرا گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو لوگ اس بلند اقبال فرزند کو ایذا پہونچائیں۔

غم اور خوشیاں اب حضور اقدس کا معیار سن چار سال کا ہو چکا تھا لہذا دونوں زن و شوہر کی بالاتفاق یہی رائے ہوئی کہ اب اس مبارک امانت کو حضرت عبدالمطلب اور بی بی آمنہ کے سپرد کر دینا چاہیئے۔

حلیمہ فرماتی ہیں جب ہم نے آپ کو مکہ معظمہ لیجانے کا ارادہ کیا تو ہمیں ایک آواز سنائی دی۔ آج بنی سعد کی خیر و برکت گئی۔ یہ بستیاں نور، خوشبو، مسرت اور سرور سے بالکل خالی ہو جائیں گی۔ مکہ والوں کو مژدہ ہو کہ آج خدا کا محبوب تمہارا مہمان ہوتا ہے۔

حلیمہ فرماتی ہیں اگرچہ یہ مایوس کر دینوالی آوازیں کانوں میں آتی تھیں تاہم دشمنوں کے اندیشہ سے مجبور ہو کر مجھے آپ کو لیجاتے ہی بن آئی۔

آٹھویں کرامت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر مکہ معظمہ روانہ ہوئی۔
یہ شق صدر کا واقعہ کچھ ایسا ہوشربا واقعہ تھا کہ میں اپنے گھر کے اُجالے
آنکھوں کے نور۔ دل کے سرور حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شوہر اور
ہمسایوں کے کہنے سے لیکر مکہ معظمہ چلی تو۔ لیکن دل کسی طرح قبول نہ کرتا تھا۔ کہ
میں ان سراپا خیر و برکت مجسم انوار و برکات کو اپنے گھر سے لیجاؤں۔ مگر کیا کرتی اس
عجیب واقعہ نے مجھے کچھ ایسا مضطرب کر دیا تھا کہ میں بادلِ بیقرار بہ چشم اشک
بار آپ کو لیجانے ہی پر مجبور ہو گئی۔ سارا راستہ تو پوری خیر و خوبی کے ساتھ گذر گیا
تاہم جب میں مکہ معظمہ کے قریب پہونچ گئی۔ تو آپ کو ایک محفوظ جگہ بٹھا کر رفع
حاجت کے لئے کچھ دور ہٹ گئی لیکن جلدی ہی فارغ ہو کر واپس آئی تو کیا دیکھتی
ہوں کہ عبداللہ کے دُرِ یتیم، آمنہ کے چاند، اقبال کے آفتاب اور میرے فرزند مکی محمد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غائب ہیں۔ میں یہ دیکھتے ہی گھبرا گئی۔ ہاتھوں کے طوطے
اڑ گئے۔ اور بدحواس چاروں طرف دوڑنے لگی۔ مگر اپنا یوسفِ گم گشتہ کہیں نہ
پایا۔ جنگل کا کونہ کونہ چھانتی۔ دہاڑ دہاڑ روتی۔ ہائے فرزند ہائے محمد پکارتی
اور راہی بے آب کیطرح تڑپتی ہوئی مکے پہنچی۔ اب میری نظروں میں دنیا اندھیر تھی
اور جہان ویران۔ خدا ہی جانے کیسے کیسے بُرے بُرے شبہات میرے دل
میں آتے تھے جن سے جی سنسنا اور کلیجہ منہ کو آرہا تھا۔ بڑھتے بڑھتے میرا اضطراب
اسقدر بڑھ گیا کہ میں بالکل بے آپے اور دیوانی ہو گئی۔ میری اُسوقت کی بے چینی ناقابلِ
بیان ہے۔ ہر ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتی گرتی پڑتی روتی پیٹتی چلی جا رہی تھی اور یہ کچھ خبر
نہ تھی کہ کہاں جا رہی ہوں۔ ہاتھ بے قابو۔ پاؤں بے بس دل بیقرار اور میں بے دم
سی ہو رہی تھی والد اُسوقت مجھے ؎

سر پا کی ہی خبر تھی نہ تن و جان کا ہوش — اسقدر یادِ محمد میں میں سودائی تھی

عین اِس بیقراری اور اضطرار کے انتہائی وقت مجھے کسی نے خوب زور سے جھنجھوڑا۔ پہلے تو مجھے اپنی بے خودی کی وجہ سے اصلا خبر نہ ہوئی۔ تاہم جب اُس شخص نے مجھے بہت زیادہ جھنجھوڑا تو میں چونکی نظر اٹھائی اور دیکھا تو ایک بڈھا پھوس عصا ہاتھ میں لئے میرے پاس کھڑا مجھے زور زور سے ہلا جُلا رہا تھا۔ جب میں بادلِ نخواستہ اُس کی طرف متوجّہ ہوئی تو اُس نے کہا۔

ضعیف۔ کیوں سعدیہ کیا حال ہے۔ تو اسقدر بدحواس کیوں ہو رہی ہے۔

میں نے جواب میں اپنے لڑکے فرزند کے گم ہو جانے اور اپنے اضطراب کا حال بیان کیا تو یہ سنکر وہ بڈھا کہنے لگا۔

ضعیف۔ تو ناحق رو رو کر اپنی جان ہلکان کر رہی ہے جا۔ عالی مرتبہ ہبل بت کے پاس چلی جا اور اُس سے اپنی بپتا بیان کر۔ وہ سب سے بڑا بت ہے جو سب کی حاجت روائی مشکل کشائی کرتا ہے تیری مشکل بھی حل کر دیگا۔ اور بخیر و عافیت تجھے تیرے فرزند سے ملا دیگا۔

میں۔ (دل میں) اچھے ناصح ملے۔ واہ رے پیر فرتوت تیرا کیا کہنا۔ لو بھلا میں اور ہبل بت کے پاس جاؤں۔ میں نے تو اپنے فرزند کی ایسی ایسی عجیب و غریب کرامتیں دیکھی ہیں جو کبھی سننے میں بھی نہیں آئیں۔ بھلا یہ مُوا پتھر کا بُت (ہبل) مجھے کیا پتہ بتائیگا۔

(پکار کر) تجھ پر تیری عقل پر اور تیرے حواسوں پر صد افسوس کیا تو نے نہیں دیکھا یا نہیں سُنا کہ میں جس مقدس فرزند کی جستجو میں اس قدر سراسیمہ ہوں اُس ماہِ تاباں نے جب برجِ حمل سے طلوع کیا تھا تو یہ تیرا اغاری بُت ہبل اور اُس کے ساتھ سارے بت زمین پر اوندھے منہ گر پڑے تھے۔ اب تو ہی بتلا وہ تیرا ہبل اپنے دشمن کا نشان کس طرح دیگا۔

حلیمہ فرماتی ہیں کہ اگرچہ اُس بڈھے کو میں نے خوب جھاڑا۔ مگر اُس نے میری ایک بھی نہ سُنی اور زبردستی مجھے گھسیٹتا ہوا اپنے خدا ہبل کے پاس لے گیا پہلے اس کے گرد تیل ماش ہوا۔ اور پھر میری حاجت بیان کی۔ یہ سنتے ہی اُس کا خدا ہبل بید کیطرح کانپنے لگا اور دھڑسے زمین پر اوندھے منہ گر پڑا۔ ساتھ ہی اُس مین سے ایک آواز آئی۔ او بڈھے! غارت ہو اُس مقدس فرزند کا نام ہمارے سامنے نہ لے۔ جو ہمیں بیخ و بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک دینے اور وحدہٗ لاشریک کی توحید کا ڈنکا بجانے والا ہے۔ وہ فرزند کس طرح گم ہو سکتا ہے۔ جسکا محافظ خود رب العالمین ہے۔

حلیمہ کہتی ہیں جب بڈھے نے یہ دیکھا تو مجھے چھوڑ دیا۔ میں اسی طرح بے قرار اشک بار گرتی پڑتی حضرت عبدالمطلب کے پاس پہونچی۔ اُنہوں نے جو مجھے بدحواس، بیتاب اور گریہ کناں پایا تو گھبرا کر مجھ سے میری بپتا دریافت کی جواب میں میں نے ساری روداد غم کہہ سنائی۔ حضرت عبدالمطلب بھی یہ الم انگیز خبر سنکے مضطرب ہو گئے۔ اُٹھے۔ دوڑتے ہوئے کوہِ صفا پر جا چڑھے۔ اور بیقراری کے عالم میں یا آلِ غالب یا آلِ غالب پکارنے لگے تمام قریش اپنے معزز سردار کی آواز سنکر بھاگم بھاگ آئے اور پہاڑ کے نیچے جمع ہو گئے۔ یہ اجتماع دیکھکر حضرت عبدالمطلب قریش کی طرف مخاطب ہوئے۔ اور فرمانے لگے۔

عبدالمطلب۔ اے قریش کی جماعت! میرے فرزند محمدؐ راستہ سے کہیں غائب ہو گئے۔ میں نے تم لوگوں کو اسی لیئے تکلیف دی ہے کہ اُس گوہرِ بے بہا کا پتہ لگاؤ (چند اہلِ قریش یک زبان ہو کر) ہم اپنے سردار کیلئے جانفشانی کرنے کو تیار ہیں چلئے۔ دیر نہ فرمائیے۔

اسکے ساتھ ہی عبدالمطلب اور تمام اہلِ قریش چہار جانب متفرق ہو گئے اعلیٰ کرہ سے لیکر اسفل تک کی خاک چھان ڈالی۔ گوشہ گوشہ دیکھ ڈالا۔ مگر کہیں اپنے یوسف

کم گشتہ کو نہ پایا جب یہ لوگ دوڑ دھوپ سے عاجز ہوئے۔ تو ایک مقام پر آکر جمع ہونے لگے۔ اور سب نے یہی مایوس کن جملہ کہا کہ ہر چند ہم نے تلاش کیا۔ مگر محمدؐ کا کہیں پتہ نہیں ملا جب ہراس و یاس کے گہرے اندھیرے نے اُن سب کو گھیر لیا اور رنج و الم کے لشکر میں سب محصور ہو گئے۔ تو خواجہ عبدالمطلب عین ناامیدی۔ مایوسی اور پریشانی کے عالم میں خانۂ کعبہ تشریف لے گئے۔ اور حجرِ اسود کے پاس کھڑے ہو کر بالحاد زاری حضورِ قلب کے ساتھ قاضی الحاجات کی درگاہ میں دستِ دعا بلند کئے۔ اور اپنے فرزند کے ملجانے کی ایک موثر دعا کی۔ فوراً بابِ اجابت وا ہوا۔ دعا کا تیر ہدفِ مراد پر پہونچا۔ اور غیب سے ایک ندا آئی۔ لوگو! خوف و رنج نہ کرو محمدؐ کا خدا محمدؐ کے ساتھ ہے۔

عبدالمطلب۔ اے ہاتفِ غیبی ہمیں یہ بتا دے کہ ہمارا لختِ جگر کہاں ہے۔ جو بڑی تگ و دو کے بعد بھی ہمیں نہیں ملا۔

ہاتف۔ تہامہ کے جنگل میں ایک درخت کے نیچے صحیح و سلامت جلوہ افروز ہیں۔

جب لوگوں نے یہ روح افزا مژدہ سُنا تو مع عبدالمطلب بہت سے قریش شوق کے قدموں سے وادیٔ تہامہ کی طرف دوڑے۔ راستہ میں ورقہ بن نوفل۔ (کتب سماوی کے عالم) اِس جماعت کو ملے۔ اور حال پوچھکر وہ بھی اِن سب کے ساتھ ہوئے۔ جب تہامہ کے جنگل میں پہونچے تو دور سے دیکھا کہ گلشنِ اسلام کی بہار۔ نبیوں کے تاجدار حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے آس پاس سے پتے چن رہے ہیں۔

عبدالمطلب بے تابانہ دوڑے ہوئے حضور کے قریب آئے اور کہنے لگے

مَنْ اَنْتَ یَا غُلَامُ (اے لڑکے تو کون ہے؟)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب میں محمد عبد اللہ کا بیٹا اور عبد المطلب کا پوتا ہوں۔)
یہ سنتے ہی حضرت عبد المطلب نے حضور کو گلے لگا لیا۔ اور فرمایا جان عبد المطلب میں ہی تیرا دادا عبد المطلب ہوں۔ یہ کہکر آپ کو گود میں اٹھا لیا۔ اور اپنی سواری پر سوار کر کے گھر کیطرف چلے۔ تمام لوگ بھی خوش خوش پلٹے اور اپنے اپنے گھر گئے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا جان کی آغوش محبت میں مکان پر تشریف لائے۔ تو آپ کو دیکھتے ہی سارا گھر نغمات مسرت سے گونج اٹھا گھر میں چہل پہل ہو گئی۔ ایک ایک شخص نے خوش ہو ہو کر آپ کو گلے سے لگایا بہت سی خیرات کی گئی۔ اور متعدد اونٹ ذبح کر کے اُن کا گوشت صدقے میں بانٹا گیا

بیان کیا جاتا ہے کہ خواجہ عبد المطلب نے حضرۃ حلیمہ کو بہت کچھ انعام واکرام سے نوازا۔ اور حضرۃ حلیمہ داغ فراق محمدی لیکر واپس پلٹ گئیں۔

معلومات حضرۃ حلیمہ کا اسلام لانا کتب معتبرہ سے ثابت ہے۔ اگرچہ ابن کثیر کا قول ہے۔ کہ حلیمہ سعدیہ حضور کی بعثت سے پہلے ہی انتقال کر چکی تھیں۔ مگر ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس کے قیام مدینہ کے زمانہ میں جب بی بی حلیمہ تشریف لایا کرتی تھیں تو آپ میری اماں میری اماں کہکر کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ اپنا ردائے مبارک بچھا کر اُسپر بی بی حلیمہ کو بٹھایا کرتے تھے۔ (ان دل کش واقعات کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی)

بہر کیف بی بی حلیمہ کا اسلام لانا ثابت ہے بہت سے کملائے فاضلین نے مثلاً ابن حجر نے اصابہ میں۔ ابن جوزی نے حدائق میں۔ ابن خثیمہ نے تاریخ میں۔ اور منقدی نے مختصر سنن ابی داؤد میں۔ اُن کے اسلام لانے کا حال بیان کیا ہے۔

اور بعض علمار نے تو حلیمہ کے اسلام لانے پر مستقل رسائل لکھے ہیں بنا خالی

زاد المعاد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چار رضاعی بہائی بہن تھے جن کے یہ نام ہیں۔ عبداللہ۔ انیسہ۔ حذیفہ۔ اور جذامہ جنہیں شیما بھی کہتے تھے بعض علمار نے ان سب کے اسلام لانے کی تصریح کی ہے۔

تاریخ الخلفائے عرب و اسلام۔ تاریخ ابن خلدون وغیرہا بنی سعد قحطانی عرب کے خاندان سے ہیں۔ اور ان کی رہائش پہاڑوں کے ان دروں میں ہے جن کا سلسلہ طائف سے جنوب کیطرف چلا گیا ہے۔

یثرب کا سفر اور آمنہ کی رحلت اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقدسہ آمنہ کی آغوش محبت گہوارۂ تربیت میں پرورش پانے لگے۔ لیکن حضرۃ آمنہ کو ابھی اپنے مقدس فرزند کے جمال باکمال سے آنکھیں ٹھنڈی اور دل منور کرتے چند ہی روز کا زمانہ گذرا تھا کہ غالباً مرحوم شوہر کی یاد نے انہیں بیقرار کر دیا۔ اور یقیناً اس غم کو تازہ کرنیوالی چیز حضرت عبداللہ کے معصوم پیکر نور تھے۔ جب ماں اپنے مقدس فرزند کو چلتے پھرتے پیاری پیاری باتیں کرتے دیکھتی ہوں گی تو حضرت عبداللہ کا غم تازہ ہو جاتا ہوگا۔ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جان کی ننہال مدینہ طیبہ خاندان نجار میں تھی۔ ان لوگوں کے دیکھنے کو بھی جی چاہا اور صرف ان سے ملنے کی خواہش ظاہر فرما کے بی بی آمنہ اپنے ماہ آسمان سعادت کو چھاتی سے لگائے اونٹ پر سوار ہوئیں۔ برکتا بھی۔ (جنکا لقب ام ایمن ہے) آپ کے ہمراہ ہوئیں۔ اور دوسرے اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ روانہ ہو گئیں۔

مرحوم شوہر کی قبر دیکھنے کا شوق اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ سفر کے دن بھی بمشکل کٹے غالباً مقدسہ کا یہ خیال تھا کہ شوہر کی مٹی دیکھکر ضرور قلب ناصبور کو گونہ

جنے کی۔ جب خدا خدا کر کے منزلیں طے ہوئیں۔ اور آپ مدینہ طیبہ پہونچیں۔ تو خاندانِ نجّار ہی میں جا کر قیام فرمایا۔ مرحوم شوہر کی زیارت قبر سے مشرف ہوئیں۔ مگر بجائے تسلّی ہونے کے قلب کی دھڑکن کلیجہ کی پھڑکن اور آنکھوں کی اشک فشانی اور بھی بڑھ گئی۔ مقدّسہ آمنہ نے یہاں ایک مہینہ قیام کیا اور پھر مکّہ معظّمہ روانہ ہوئیں۔ لیکن داغہائے فراق اب بڑھتے بڑھتے ناسور ہو گئے تھے جنکا اندمال ناممکن تھا۔ دل و دماغ پر کچھ ایسا اثر پڑا تھا کہ مقدّسہ آمنہ روز بروز نا توان نضمحل اور نڈھال ہوتی جاتی تھیں جب شوہر کی قبر آنکھوں سے اوجھل ہو گئی تو مقدّسہ کی روحِ قفسِ جسم میں برنگِ ماہیٔ بے آب تڑپنے لگی جس کا نتیجہ یہ ہوا (اور یہی ہونا بھی تھا) کہ جب آپ موضع ابوار میں پہونچیں تو کشاکشِ فراق آپ سے نہ اٹھ سکی اور آپ کی مبارک روح نے جسمِ پاک سے الوداعی مصافحہ کیا۔ جوں جوں شوہر کی قبر دور ہوتی جاتی تھی۔ مقدّسہ کی روح پر ناقابلِ بیان صدمہ ہوتا جاتا تھا۔ یہانتک کہ آپ کی روح نے شوہر سے ملنے کے اشتیاق میں قفسِ جسم سے پرواز کی اور کشمکشِ فراق کا زمانہ ختم ہو گیا۔ آپ موضع ابوار میں دفن کر دی گئیں۔ اور آج خدا کے حبیب اُمّت کے آقا نبیوں کے سردار محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ماں کی آغوشِ محبّت سے بھی محروم ہو گئے

اللہ اللہ!! آپ اپنی اُمّ محترمہ کے حمل میں دو ماہ کے تھے۔ جب والدِ ماجد کا ظلِّ عاطفت آپ کے سر سے اٹھ گیا اور چھ یا پانچ سال کے تھے کہ والدۂ مقدّسہ بھی آپ کو اکیلا چھوڑ گئیں۔ الٰہی! کس کی مجال کہ تیری مشیت میں دخل دے سکے ؎

اختیاراتِ خدائی نہ ہوئے کھیل ہوا　　کس کی طاقت ہے جو پوچھے کہ یہ کیا ہوتا ہے

اگرچہ تیری مشیّتوں کا سمجھنا محال تاہم تیرے ہی دیئے ہوئے ناقص فہم و ادراک کی وجہ سے ہم یہ سمجھ سکے ہیں کہ تو نے اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر

والدین کا احسان گوارا نہ فرمایا۔ اس لئے دونوں چاہنے والوں سے دنیا خالی ہو گئی۔ اور اس مسافرت میں مقدسہ ماں کا انتقال تیرے حبیب کے لئے صبر و رضا کا دیباچہ تھا۔

غنیمت یہ ہوا کہ امِ ایمن ساتھ تھیں۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشکل پیش آتی۔ اگرچہ تو مشکلوں کو حل کرنیوالا آپ کے ساتھ تھا۔ تاہم دنیا والے تو ظاہری چیزوں ہی کو دیکھا کرتے ہیں۔ امِ ایمن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں لیکر بیگم کی قبر سے اٹھیں۔ اونٹ پر سوار ہوئیں اور مکہ معظمہ پہونچگئیں۔

معلومات ہم عرض کر چکے ہیں کہ بی بی حلیمہ کے پاس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رہنے کی مدت میں مورخین نے اختلاف کیا ہے بعض کے نزدیک چار سال بعض کے نزدیک چھ سال اور بعض کے خیال سے پانچ سال آپ دائی حلیمہ کے گھر کو اپنے نور سے منور فرماتے رہے۔ لیکن مجھے پانچ سال کی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ چھ سال کی روایت صحیح مانی جائے تو مقدسہ آمنہ کی پاس آنے کی مدت بالکل نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ چھ سال کی عمر شریف میں آپنے یثرب کا سفر فرمایا تھا۔ اور ایک یا دو سال آپ کا امِ محترمہ کی آغوش محبت میں پرورش پانا بتایا جاتا ہے۔ اور چار سال کی روایت زیادہ صحیح نہیں بتائی جاتی۔ لہذا آپ پانچ سال کی عمر شریف تک بی بی حلیمہ اور ایک سال مقدسہ آمنہ کے پروردۂ مہد ناز و نعم رہے۔

نبی اکرمؐ کا حافظہ جب حضور پرنور ۵ سال کے سن شریف میں مدینہ طیبہ ہجرت فرما کر تشریف لے گئے۔ تو آپ کو اسوقت کے قیام مدینہ کی بہت سی باتیں یاد رہ گئی تھیں جب آپ صرف چھ ہی سال کے اپنی والدہ کے ساتھ آئے تھے۔ آپ صحابۂ کرام سے ذکر فرمایا کرتے تھے۔ یہ وہ تالاب ہے جس میں میں نے تیرنا سیکھا تھا۔ اس درخت

کے سایہ میں میں اکثر کھڑا ہوا کرتا تھا۔ اِس میدان میں میں ایک لڑکی انیسہ کیساتھ کھیلا کرتا تھا۔ اور اُسے مجھ سے بڑی محبت تھی۔ جب آپ بنو عدی کے منازل پر گذرتے۔ تو فرماتے بیٹے اِسی مکان میں میری آماں جان ٹھہری تھیں۔

اللہ اکبر! کیا حافظہ ہے کہ آج ۴۰ سال گذرنے کے بعد بھی آپ کو اپنے بچپن کے واقعات اُسی طرح یاد ہیں گویا کل کی بات ہے۔

نصیحت مسلمانو! تم ہر سال عید الفطر عید الضحےٰ کی ترکیب نماز سیکھتے ہو۔ اور خیر سے ہر دوسرے سال بھول جاتے ہو۔ کیا اِسی حافظہ پر نازاں اور اِسی ذہنیت پر پھولے ہوئے ہو۔ پھر غضب یہ کہ تم میں بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو نمازِ عیدین بھول جانے کے باوجود بھی کسی سے نہیں پوچھتے۔ اور یوں ہی جا کر نیت باندھ لیتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کی نمازیں نہیں ہوتیں اور وہ ثواب کے انبار کی جگہ گناہوں کا ڈھیر لیکر گھر آتے ہیں۔ برائے خدا سنبھلو! دنیا کی محبت چھوڑ کر عشقِ الٰہی محبتِ رسالت پناہی حاصل کرو۔ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباعِ سنت کو اپنا شعار بناؤ۔ کیونکہ آپ ہی کے تتبع میں دارین کی خوبیاں ہیں۔

حضورِ اکرم صلعم عبد المطلب کی آغوشِ محبت میں

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ تشریف لائے۔ اور جناب عبد المطلب کو معلوم ہوا کہ آج بیٹے کے بعد بہو بھی میرا گھر خالی کر گئیں۔ تو جناب عبد المطلب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی محبت کی گود میں لیا۔ اور بڑے شوق و ذوق سے آپ کی پرورش و پرداخت میں مشغول ہو گئے۔ عبد المطلب آپ سے جتنی محبت اور آپ کی جس قدر قدر کرتے تھے۔ اس لئے کہ ایک تو آپ چاہیتے لاڈلے اور پیارے فرزند عبد اللہ کے یادگار یتیم تھے۔ پھر یہ کہ مقدسہ آمنہ کی محبت سے بھی آپ محروم کر دیئے گئے تھے۔ اور سب سے بڑی

بات یہ تھی کہ عبدالمطلب اچھی طرح سمجھتے تھے کہ آپ ضرور خدا کے بڑے برگزیدہ اور پسندیدہ بندے ہونے والے ہیں۔ یہ وہ چیزیں تھیں کہ عبدالمطلب کے دل میں آپ کی بڑی محبت کے ساتھ ساتھ عظمت بھی پیدا ہوگئی تھی۔ عبدالمطلب نے اپنے فرض کو بہت اچھی طرح انجام دیا۔ اور کبھی حضورِ اقدس کا دل میلا نہ ہونے دیا۔ عبدالمطلب ہی وہ بزرگ ہیں جنہیں آپ کا نام محمدؐ رکھنے کی سعادت حاصل ہے اس نام رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یقیناً انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت عزت اور رفعت کے متعلق کچھ معلوم ہوگیا تھا جیسا ان کے خواب اور کاہنہ کی تعبیر سے ظاہر ہے۔ (جس کی تفسیر پیش کی جاچکی ہے۔)

زمزم کی بشارت ہونا۔ خواب میں زنجیر طلائی دیکھنا۔ حضرت عبداللہؓ کا خواب، اُن سے بہت سی عورتوں کی خواہش نکاح وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب چیزیں تھیں جنہوں نے عبدالمطلب کو سمجھا دیا کہ یہ فرزند خدا کے برگزیدہ اور پیارے بندے ہوں گے یہی وجہ تھی کہ عبدالمطلب نے آپ کا نام محمدؐ (یعنی تعریف کئے گئے) رکھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور ساتویں دن قریش کی ایک بڑی بھاری دعوت کی جب لوگ کھانے سے فارغ ہوگئے۔ تو یہی بزرگ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں لیکر اُن قریش کے سامنے آئے اور فرمایا یہ فرزند فخر خاندان اور خدا کا محبوب ہوگا۔ الحاصل عبدالمطلب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکورہ وجوہ کی بنا پر غیر معمولی محبت تھی۔ آج جب قدرت نے آپ کی تربیت اُن کے ذمہ کی تو یہ شوق کے قدموں سے بڑھے۔ ذوق کے ہاتھ پھیلائے۔ اور محبت کی گود میں لیکر حضور کی دل وجان سے پرورش کرنے لگے۔

خدائی تربیت

سیرت ابن ہشام۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چند بچوں کے پاس کھڑے تھے بچے کندھوں پر اپنی لنگیاں رکھے

ہوئے اُپر پتھر رکھکر لیجا رہے تھے۔ آپ نے چاہا کہ اسی طرح آپ بھی پتھر لیکر چلیں جب آپ پتھروں کے ڈھیر کے پاس پہونچے۔ اور لنگی اتارنا چاہی تو کسی غیر محسوس ہاتھ نے آپ کو پیچھے ہٹا دیا۔ اور غیب سے آواز آئی۔ فوراً لنگی باندھ لو۔

یہ سنکر آپ نے لنگی باندھ لی۔ اور دوشِ مبارک پر یوں ہی پتھر رکھکر تشریف لے گئے۔ یہ واقعہ خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ فیض ترجمان سے بیان فرمایا ہے

اسے پڑھکر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے آپ کو ہر قسم کے لہو ولعب سے محفوظ رکھا اور اپنے دُرِ یکتا کو صغر سنی ہی میں اعلیٰ ترین اوصاف سے نوازا۔

ایک روز عبدالمطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لئے ہوئے خانہ کعبہ کے قریب بیٹھے تھے۔ کہ ایک مسافر گذرا۔ اور جب اُس نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے اقدس پر نگاہ ڈالی تو حیرانِ جمال۔ محو دیدار ہو کر رہگیا۔ آپ کے قریب بیٹھ گیا۔ اور حضور کے پائے مبارک دیکھکر عبدالمطلب سے کہنے لگا۔ واللہ اِن کے پاؤں بالکل ابراہیم خلیل اللہ جیسے ہیں۔ (کیوں نہ ہوتے۔ الولد سر لابیہ۔ خلیل اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد ہیں۔ پیر بیلا حبیب اللہ اور خلیل اللہ کے پائے مبارک میں کیوں مشابہت نہ ہوتی۔)

نبیٔ اکرم کے طفیل بارانِ رحمت

بی بی رقیہ ہاشمیہ فرماتی ہیں کہ مکہ معظمہ میں عرصے سخت قحط تھا۔ ایک رات میرے خواب میں کسی پکارنے والے نے پکارا۔ اے قریش کے لوگو! خوش ہو جاؤ کہ تم میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہونے والے ہیں۔ اگر تم نے اُن کا اتباع کیا۔ تو تمہاری ساری مصیبتیں راحتوں سے بدل جائیں گی۔ اور دنیا و آخرت دونوں جگہ تمہیں سرخروئی حاصل ہو جائے گی۔ خاندانِ بنی ہاشم میں سے

ایک خوبصورت شخص کو ساتھ لیکر مینہ کی دعا مانگنے کے لئے جنگل میں جاؤ۔ اور وہ اپنے فرزند کو ساتھ لیکر جائیں جس کے طفیل اِس قدر مینہ برسے گا کہ تمہاری ساری خشک سالی دور ہو جائے گی

بی بی رقیہ فرماتی ہیں کہ مجھے خواب میں اُن بزرگ کا پورا حلیہ بھی بتایا گیا تھا۔ جو بعینہ خواجہ عبدالمطلب ہی کا تھا۔ صبح اٹھکر میں نے اپنا خواب مکّہ والوں سے بیان کیا۔ اُنہوں نے خواجہ عبدالمطلب سے درخواست کی کہ اپنے فرزند کو کو لیکر تشریف لے چلئے۔ عبدالمطلب نے درخواست منظور کی۔ اور کوہ ابوقبیس پر تشریف لائے۔ عبدالمطلب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آگے کھڑا کر لیا اور تمام مکّہ والے آپکے پیچھے صف بستہ استادہ ہو گئے۔ عبدالمطلب نے مینہ کے لئے دعا مانگی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ دعا کے الفاظ ابھی ختم بھی نہ ہوئے تھے کہ ابر رحمت جھومتا ہوا اٹھا۔ ابر اس قدر گھرا تھا کہ تھوڑی دیر کے لئے چہار جانب اندھیرا ہو گیا۔ اور آناً فاناً چھم چھم مینہ برسنے لگا۔ اس قدر بارش ہوئی کہ راستے بند ہو گئے اور دورِ خزاں عالمِ بہار سے بدل گیا۔

نکتہ۔ تمام اہل قریش صفیں باندھے ہوئے پیچھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آگے جیسے نماز میں مقتدی اور امام ہوتے ہیں کھڑے ہوئے تھے۔ فوراً رحمت کی گھٹائیں جھوم جھوم کر آئیں اور کانٹوں بھرے جنگل سرسبز ہو گئے اسمیں اشارہ یہ تھا کہ جیسے آج تمنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدا کیا اور تمپر بارانِ رحمت برسا دیا گیا۔ اِسی طرح اگر آپ کی بعثت کے بعد آپ کا تتبع کروگے۔ تو دارین کی مصیبتوں سے چھٹکارا پاکر فردوسِ اعلیٰ کے مالک بنجاؤ گے۔

تنبیہ۔ معلوم ہوا کہ جو کچھ ملتا ہے حضور کے اتباع ہی میں ملتا ہے خود حق تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ جس نے رسول

کی اطاعت کی۔ وہ اللہ کی اطاعت بجالایا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔
قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ (کہدیجئے اگر تم اللہ کی
محبت حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہوجائیگا
سبحان اللہ وبحمدہ۔ اللہ کی محبت بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع
ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر جس سے اللہ راضی ہوگیا۔ اُسے موت قبر حشر اور دوزخ
کا کیا کھٹکا ہوسکتا ہے۔ وائے حسرت افسوس اُن لوگوں پر جو آقائے نامدار
صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اور اپنی دنیا آخرت دونوں کو برباد
کر رہے ہیں۔ آفریں مرحبا اور خدا کی رحمت اُن ہستیوں پر جو اپنے آقائے نامدار
محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں مخالفین کے بُرا بھلا کہنے کی کچھ پرواہ نہیں
کرتے۔ اور انشاء اللہ ایک دن شفیع المذنبین کے ساتھ فردوس اعلیٰ میں داخل
ہوجائیں گے۔ یہ بدلہ ہوگا اُس چیز کا کہ وہ دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
نقشِ قدم پر چلے تھے۔

شفائے عالم صلعم اور راہب طبیب

غالباً سات سال کی عمر میں آپ کی
آنکھیں دُکھنے آگئیں۔ عبدالمطلب نے
بہت علاج کئے۔ مگر کسی دوا سے آپ کو صحت نہ ہوئی۔ ایک دن عبدالمطلب سے کسی
نے کہا عکاظ بازار کے قریب ایک راہب طبیب رہتا ہے۔ اگر آپ اپنے فرزند کو اُسکے
پاس لیجائیں۔ تو اُس کے علاج سے اِن کی آنکھیں ضرور اچھی ہوجائیں گی۔ عبدالمطلب
بہت خوش ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمراہ لیکر چل نکلے۔ جب راہب کے
مکان پر پہونچے تو رات کا وقت اور دروازہ بند تھا۔ آس پاس کے رہنے والوں
سے جب حضرت عبدالمطلب نے پوچھا کہ دروازہ کب کھلیگا۔ تو جواب میں یہ سنکر کہ دروازہ
ابھی بند ہوا ہے۔ اور اب ایک سال سے پہلے نہیں کھل سکے گا۔ آپ بہت رنجیدہ ہوئے

ابھی یہی گفتگو تھی کہ راہب جو اندر بیٹھا ہوا عبادت کر رہا تھا۔ اُس کے مکان میں زلزلہ آگیا۔ دیواریں تھرّائیں چھت لرزی۔ اور راہب بیتاب ہو کر بھاگتا ہوا دروازہ کھول کر باہر آیا۔ حیران ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ جب اس کی نگاہ عبدالمطلب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی۔ تو شوق کے قدموں سے آگے بڑھا۔ اور حضرت عبدالمطلب سے کہنے لگا۔

راہب۔ آپ ان صاحبزادے کو یہاں کیوں لائے ہیں۔؟

عبدالمطلب۔ اِن کی آنکھیں دُکھ رہی ہیں۔ اور سنا ہے کہ تم آنکھوں کا بہت اچھا علاج کرتے ہو۔

راہب۔ وائے آپ کی عقل پر۔ آپ طبیب کو مریض کے پاس، مقدّس کو گنہگار کے قریب، اور شفائے عالم کو مرضِ مجسّم کے سامنے لائے ہیں۔ اے عبدالمطلب! میں اپنے عبادت خانے میں بیٹھا عبادت کر رہا تھا کہ یکایک سارا مکان لرز اٹھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ مکان کی ہر چیز سجدے میں گرنیوالی ہے۔ اگر میں دوڑ کر یہاں نہ آجاتا۔ تو بیشک دبکر مر جاتا۔ یہ صاحبزادے بڑے جاہ و جلال والے اور بلند مرتبہ ہوں گے۔ یہ نبیٔ آخرالزماں ہیں۔ انہیں یہود سے بچاؤ۔ وہ کم بخت انکی جان کے دشمن ہیں۔ ان کا منہ مخزنِ شفا کا سرچشمہ ہے۔ انہیں کا لعابِ دہن اِن کی آنکھوں میں لگا دو۔ اور پھر دیکھو خدا کیا کرتا ہے۔ جاؤ اور ان کی بڑی حفاظت کرنا

عبدالمطلب واپس ہو کر مکہ معظمہ تشریف لائے۔ آپ کا لعابِ دہن لیکر حضور کی آنکھوں میں لگایا۔ صبح جو آپ اُٹھے تو آپ کی آنکھیں بالکل اچھی تھیں

سبحان اللہ! حق تبارک و تعالیٰ شانہٗ نے اپنے حبیب پاک سید المرسلین سرورِ عالم حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب میں کیسے چار چاند لگائے ہیں۔ کہ آفتاب بھی اُن کے سامنے ایک ذرۂ حقیر معلوم ہوتا ہے۔ اے خوابِ غفلت

کے دریا میں ڈوبے ہوئے انسان! ایسے آقا ایسے سردار کے حضور میں سچے دل سے ہزاروں مرتبہ درود بھیج۔ تاکہ تو اپنا فرض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ حضور کی شفاعت کا بھی مستحق بنجائے۔ ۵

بہتر ہے سب وظیفوں سے پڑھنا درود کا　　پیش حضور جاتا ہے تحفہ درود کا

اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد و بارک وسلم

عبدالمطلب کی وفات

حضرت عبدالمطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و برکات سے مستفیض ہو رہے تھے اور مسرور تھے کہ انہیں حضور کی کفالت کا شرف حاصل ہوا لیکن حضور کی کفالت کرتے ہوئے ابھی دو ہی سال گذرے تھے۔ کہ آپ کا پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا۔ اور یہ فرزند کے پُران چڑھنے کی حسرت لیکر بیاسی سال کی عمر میں راہی ملکِ عدم ہوئے۔ لیکن قریب انتقال آپ نے ابوطالب اپنے فرزند اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا کو پاس بلایا اور شوق و محبت سے لبریز الفاظ میں فرمایا۔ اے نورِ نظر میں آج داعیٔ اجل کو لبیک کہہ رہا ہوں۔ کوئی حسرت لیکر نہیں جاتا۔ مگر یہ کہ فرزند سعید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت انجام کو نہ پہونچ سکی۔ اگر تم اپنے مقدس بھتیجے کی خدمت اور نگہداشت اپنے ذمہ لو تو میں ہنسی خوشی دنیا سے سدھار جاؤں۔

ابوطالب ابا جان! میں اِن کی خدمت اور نگہبانی جس طرح کروں گا دنیا کو معلوم ہو جائے گا۔ میں اِن محترم فرزند کے خوش رکھنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھوں گا۔

یہ سنکر عبدالمطلب خوش ہو گئے۔ اور حضورِ اقدس کا ہاتھ ابوطالب کے ہاتھ میں دیکر فرمایا۔ خدا تمہیں اِن کی خدمت بجالانے میں ثابت قدم رکھے۔ اب جو بوجھ عبدالمطلب کو سینہ پر رکھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ہلکا ہو گیا اور انہوں نے تھوڑی

ہی دیر میں سرائے فانی سے کوچ کیا۔ عبدالمطلب کا جنازہ اٹھایا گیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمراہ تھے۔ یہاں تک کہ میت مقامِ حجون میں پہنچی اور وہیں دفن کی گئی۔

اللہ اکبر! آٹھ سال کی معصوم جان اور یہ تین گہرے گہرے داغ، پہلے باپ ماں اور اب دادا تینوں کی محبت سے آپ آٹھ ہی سال کی عمر میں محروم ہوگئے۔ غالباً حضورؐ کے قلبِ پاک میں اللہ کو صدمات پر صبر و رضا کی عادت ڈالنی منظور تھی۔

معلومات یہاں یہ بھی واضح ہو جانا چاہیے کہ عبدالمطلب کے انتقال سے بنو ہاشم کے دنیوی اقتدار کو کافی صدمہ پہنچا۔ سرداری اب بنی ہاشم سے بنی امیہ میں منتقل ہوگئی۔ صرف منصبِ ریاست میں سے سقایت کا عہدہ حضرت عباسؓ (عبدالمطلب کے چھوٹے صاحبزادہ) کے پاس رہ گیا۔ ایامِ حج میں حاجیوں کو پانی پلانا عہدۂ سقایت تھا۔ مکۂ معظمہ کی مسندِ ریاست بنو ہاشم سے خالی ہوگئی اور بنی امیہ کا ایک ہونہار فرد (حرب) اُس مسند پر متمکن ہوگیا لیکن اب بھی بنو ہاشم کی عظمت و عزت میں کوئی خاص فرق نہیں پایا جاتا تھا۔

سرورِ عالم ابوطالب کے دامنِ کفالت میں جس خوبی سے ابوطالب نے باپ کی نصیحت پر عمل کیا اُسے دنیا آج تک نہیں بھولی اور کبھی نہیں بھولے گی۔ ابوطالب کو حضور سے کچھ ایسا اُنس ہوگیا تھا کہ اگر تھوڑی دیر بھی نہ دیکھتے تو شوقِ دید میں بے چین ہو جاتے تھے۔ دونوں وقت آپ کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا کرتے تھے۔ بڑی وجہ یہ تھی کہ کھانے کی جس مجلس میں حضور رونق افروز ہوتے تھے اُس میں سب لوگ شکم سیر ہو کر کھانا کھا لیتے تھے۔ اور پھر بھی کافی کھانا بچ رہتا تھا۔ لیکن جس جلسہ میں آپ

کسی وجہ سے تشریف نہ رکھتے ہوتے تھے۔ سارا کھانا ختم ہو جاتا اور سب لوگ بھوکے رہ جاتے تھے۔ یہ دیکھکر ابوطالب نے حضورِ کریم صلعم کو اپنے ساتھ کھانا کھلانا لازمی سمجھ لیا تھا۔

کچھ شک نہیں کہ ابوطالب نے آپ کی پرورش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اور بتیس ۳۲ سال تک آپ کی بڑی خدمت کی یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے بعد سب سے زیادہ اِس امر میں کوشاں رہتے تھے کہ کسی طرح آپ کی خدمت کرنے والے ابوطالب مشرف باسلام ہو جائیں مگر ایسا نہ ہوا۔ (یہ دلچسپ اور سبق آموز تفصیل اپنے مقام پر آئے گی)

بارانِ رحمت کی دوسری جھڑی

سیرۃ ابن ہشام وغیرہ۔ ابن عساکر کہتے ہیں میں ایک مرتبہ مکہ معظمہ پہنچا تو دیکھا وہاں کے لوگ سخت قحط میں مبتلا ہیں۔ ایک دن اہل قریش اِس قحط سے متاثر ہو کر ابوطالب کے پاس جمع ہوئے اور اُن سے مینہ کی دعا کرنے کے لئے درخواست کی۔ جسے ابوطالب نے منظور کیا۔ اور قریش کے ساتھ دعا مانگنے کے لئے چلے۔ اُن کے ساتھ ایک مقدس فرزند بھی تھے۔ جن کے ہمثال جمال پر نگاہ نہ ٹھہر سکتی تھی (یہ فرزند حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے)

ابوطالب سب کو لے کر خانہ کعبہ کے پاس آئے۔ آقائے نامدار اپنی مبارک پشت کعبہ شریف سے لگا کر کھڑے ہو گئے اور کلمہ کی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر کچھ اشارہ کیا۔

ابن عساکر کہتے ہیں اس سے پہلے ابر کا نام و نشان بھی نہ تھا جب حضور نے انگلی سے اشارہ کیا فوراً ہی ایک گھنگھور گھٹا اٹھی اور موسلا دھار پانی برسنے لگا۔ یہاں تک کہ خشک سالی کی بجائے جنگلوں میں پانی بھر گیا۔

یہ ساری کرامتیں اسی لئے دکھائی جارہی تھیں کہ قریش کے دلوں میں حضور کی عظمت و عزت بعثت سے پہلے ہی اپنا گھر بنالے اور جب آپ خلعتِ نبوت سے مشرف ہو جائیں تو اُن لوگوں کو آپ پر ایمان لانے میں کچھ بھی تامل نہ کرنا پڑے۔ مگر افسوس شقی القلب اُسی کفر پر اڑے - اور آپ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے رہے۔ لیکن نیک دل حضرات نے ارشادِ حضور پر لبیک کہی۔ اور ماہِ عالم افروز کی طرح چمک اُٹھے (تفصیلات اپنے اپنے مقام پر آئیں گی)

معلومات یہ واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے قبل از نبوت حالات کتب سیرت و تاریخ میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔ بعثت سے قبل بھی آپ کی حیاتِ طیبہ کے ایسے ایسے کارنامے ہیں جنہیں پڑھ کر دنیا متحیر، زمانہ ساکت اور عالم محوِ حیرت ہو جائے۔

آپ کی سیرت میں ایک نکتہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے معاذ اللہ آپ کے چال چلن وغیرہ پر کسی قسم کا بھی بُرا اثر پڑ سکے۔ آپ کے متعلق قرآن کریم تمام دنیا کو کھلا چیلنج دے رہا ہے کہ اگر جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ایک حرف بھی نکتہ چینی کے قابل دکھا سکتے ہو تو دکھاؤ۔ جیسا اس آیت سے ظاہر ہے۔ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ (سورہ یونس رکوع ۱)

(اے نبی! آپ یہ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تمہیں یہ قرآن کریم پڑھ کر سنا ہی نہ سکتا (یعنی آپ نبی ہی نہ بنائے جاتے اور ظاہر ہے کہ جب میں نبی ہی نہ بنایا جاتا تو قرآن کس طرح تمہیں سناتا) اور نہ تمہیں خدا ہی قرآن کا علم دیتا۔ کیونکہ اس سے پہلے میں ایک مدت تم میں رہ چکا ہوں۔ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ میں نے

کبھی وحی کا نام بھی لیا ہے۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھ سکتے تو بھلا اِس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ بہتان باندھے یا اُس کی آیتوں کو جھوٹا ثابت کرے بلاشبہ ایسے سخت گنہگار فلاح نہ پائیں گے اِن آیاتِ بینات میں کھلا چیلنج یہ ہے کہ میں نبوت سے پہلے بھی تو تمہارے ہی پاس رہ چکا ہوں پھر کیا میں نے اس سے پہلے کبھی وحی آنے اور قرآن نازل ہونے کا دعوے کیا تھا۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ کیا تمہیں خبر نہیں کہ میں نے چالیس سال کی عمر تک کس طرح دیانت داری، راست بازی، بردباری، اخلاق اور ایثار وغیرہ سے تمہارے دلوں میں اپنی جگہ بنالی تھی جب قبل از نبوت میں نے کبھی کسی بندے پر جھوٹ نہیں باندھا تو اب خدا پر کس طرح جھوٹ باندھ سکتا ہوں۔ تمہیں نے تو مجھے صادق اور امین وغیرہ کے خطاب دیئے تھے۔ پھر اب تمہیں کیا ہو گیا کہ میری حق بات مانتے ہی نہیں، یہ کھلا ہوا چیلنج نہیں تو کیا ہے۔

کیا میں تم میں بعثت سے قبل نہیں رہا۔ اس سے اشارہ ہے کہ اگر میری قبل بعثت سیرت میں بھی کوئی بات خلاف ہو تو بتاؤ کیا تم یہ بھی نہیں سمجھ سکتے کہ جس کی سیرت بچپن ہی سے دنیا بھر سے بہترین رہی ہو وہ آپ اپنی فطری عادت کے خلاف کس طرح چل سکتا ہے۔ پھر لطف یہ کہ خدا خود فرما رہا ہے کہ اے نبی تم اُن لوگوں سے یہ کہہ دو (یعنی خدا خود فخر کر رہا ہے) کہ اُس کے نبی معصوم کی سیرت میں ایک نکتہ بھی شانِ نبوت کے منافی نہیں۔

سبحان اللہ۔ قرآنِ کریم سب سے بڑا شاہد حضور کی سیرت کی صفائی پر گواہی دیتے ہوئے ساتھ ہی زوردار الفاظ میں قطعی طور پر یہ بھی فرماتا ہے کہ اگر تم حضور کی بعثت سے پہلے بھی آپ کی سیرت میں کوئی بدنما چیز دکھانا چاہو تو نہیں دکھا سکتے۔

اللہ اکبر! خدا نے قرآنِ کریم کے مذکورہ الفاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سیرت کو آفتاب سے زیادہ چمکا دیا۔ کیا دنیا حضور کی سیرت کے مقابلہ میں کوئی سیرت بھی ایسی پیش کر سکتی ہے جس کے پاکیزہ، رفیع اور بلند مرتبہ ہونے میں خدا نے خود اپنی گواہی کی مہر ثبت کر دی ہو۔ بہرکیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور کی بعثت سے قبل آپ کے بہت سے حالات چھپائے جانے کی کوشش کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ چالیس سال کی حیاتِ طیبہ میں صرف چند چیزیں ملتی ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان مبارک حالات پر پردہ ڈالنے والے کون تھے۔ کعبہ کی سرداری پر ہاشم اور امیہ۔ چچا بھتیجوں کا خوب جھگڑا ہوا اور ان دونوں کی باہم خانہ جنگی کے بعد جب کاہن نے ہاشم کے حق میں فیصلہ کر دیا اور وہ مکہ کے سردار بن گئے تو اس سے بنی امیہ کو دلی رنج پہنچا جو بنی امیہ میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا رہا۔ جب آفتابِ رسالت صلعم کی شعاعوں نے بنی امیہ کے اندھے دلوں کو روشن کر دیا اور فتح مکہ کے دن حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کلمۂ توحید پڑھ کر مشرف باسلام ہوئے اور انہیں ایک جلیل القدر صحابی کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ تو حضور کی پاک تعلیم کے طفیل بنی امیہ اور بنی ہاشم کی خانہ جنگیاں ختم ہو گئیں ورنہ حضرت ابوسفیان کے اسلام لانے سے پہلے باوجودیکہ بنی امیہ نے آپ کے بہت سے معجزات دیکھے لیکن محض خاندانی عداوت کے تعصب نے انہیں نورِ اسلام سے منور نہ ہونے دیا۔ اور ابوجہل وغیرہ کے مارے جانے کے بعد بھی حضرت ابوسفیان بن حرب برابر مکہ کے سردار رہے اور برابر آپ سے مقابلہ اور مجادلہ کرتے رہے۔ لیکن انجام میں ایک طرف تو مکہ فتح ہو گیا اور ان کے ساتھیوں نے سخت زک اٹھانے کی وجہ سے ہمت ہار دی۔ دوسرے ہم ناکامی نے ابوسفیان کو بتا دیا کہ وہ حضور پر کسی حالت میں بھی فتح حاصل نہیں کر سکتے۔

ساتھ ہی کفر و شرک اور خاندانی عداوت، یہ چیزیں بھی پرتوِ جمالِ محمدی کے انعکاس سے دور ہونے لگیں۔ نورِ اسلام اور محبتِ خیر الانام نے ان کے دل میں

اپنا گھر بنا لیا اور یہ اپنے تمام ہتیار حضور کے قدموں میں ڈال کر مشرف بہ اسلام ہو گئے
آنحضرت صلعم سے انہیں زیادہ محبت ہونے کی وجہ ایک یہ بھی ہوئی کہ جب مکہ فتح
ہوا اور ابوسفیان معہ ساتھیوں کے حضور پرنور کی سپردگی میں آگئے۔ تو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ابوسفیان اب بتاؤ تم مجھ سے کیسے سلوک کے متوقع ہو۔ تو انہوں نے جواب
میں عرض کیا جو یقیناً بڑی عقلمندی کے ماتحت تھا کہ ہمیں آپ سے بُرے سلوک
کی امید نہیں۔ اس لئے کہ آپ نبی الرحمۃ ہیں حضور نے فرمایا کیا تم نے کبھی میرے
ساتھ اچھے سلوک کئے ہیں عرض کیا کبھی نہیں لیکن اس کے باوجود بھی کہ ہم آپ کو
طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے اور تکلیفیں دیتے رہے ہمیں آپ سے اچھے ہی
سلوک کی امید ہے۔ آپ متبسم ہوئے اور فرمانے لگے۔ ہاں جو کچھ تم نے میرے ساتھ بُرا
برتاؤ کیا تھا۔ میں نے وہ سب معاف کر دیا۔ اور اب کہتا ہوں کہ تمہارے ساتھ ہرگز
کوئی برا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ یہ شفقت۔ رحمت محبت اور عنایت دیکھ کر
ابوسفیان کے آئینہ دل سے زنگِ کفر دور ہو گیا۔ اور وہ ساری خاندانی عداوتوں
پر لعنت بھیجکر مشرف باسلام ہو گئے۔ اور دین کے ایسے جاں نثار ہوئے کہ یرموک
کی لڑائی میں کفار کے سامنے مردانہ وار جرأت دکھائی یہاں تک کہ آپ کی ایک آنکھ
تیر لگنے سے پھوٹ گئی لیکن پھر بھی آپ نے جنگ سے منہ نہ موڑا۔ یہ سب کچھ
اثر تھا حضور کی پاک اور مقدس تعلیم کا جس نے اسلام کے کٹر دشمنوں کو بھی پکا
دوست بنا دیا۔ تاہم چونکہ بنی امیہ کو حضورؐ کی پاک مجالست کا شرف بہت ہی
کم حاصل ہوا تھا۔ اس لئے اُن کے دلوں میں اسلام کی بنیاد پختگی حاصل نہ کر سکی
یہی وجہ تھی کہ اُن کے زمانہ خلافت میں پرانی عداوتیں پھر عود کر آئیں اور خفیہ
پراپاگنڈے کے ماتحت حضور کی قبل بعثت سیرت پر پردہ ڈال دیا گیا۔ اور یہ کشمکش

یہاں تک بڑھ گئی کہ اِسی نامراد عداوت کی وجہ سے کربلا کا سنسنی خیز اور دل و دماغ پر بجلی گرا دینے والا واقعہ رونما ہو گیا۔ مراد اس بیان سے یہ ہے کہ حضور کی قبل بعثت سیرت پر اُس وقت سے اب تک پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور کسی بڑی سے بڑی کتاب میں بھی حضور کی چالیس سالہ حیاتِ طیبہ کے پورے پورے واقعات نہیں مل سکتے۔ تاہم مثل مشہور ہے چاند پر خاک ڈالنے سے چاند میلا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اُڑائی ہوئی خاک اُن کے اپنے ہی منہ پر پڑتی ہے۔ اِسی طرح اگر کچھ لوگوں نے ایسا کیا ہے تو اُس سے حضور صلعم کی مبارک سیرت میں کچھ بھی کمی واقعہ نہیں ہو سکتی اور جو واقعات نظروں کے سامنے ہیں۔ اگر اُنہیں کو بس سمجھ لیا جائے تو بھی کچھ ہرج واقعہ نہیں ہوتا۔ اور حضور کی چالیس سالہ حیاتِ طیبہ اُسی طرح مہرِ نیم روز بنکر عالم اسلام پر نور ہی نور پھیلا رہی ہے۔ ہاں آج بھی اس کی چمک دمک لوگوں کی نظریں خیرہ۔ دماغ متحیر اور دل بیتاب کر رہی ہے۔

بہرکیف جو چیزیں مل سکی ہیں پیش کی جاتی ہیں۔ جن کے ملاحظہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ واقعی اس دُرِ یتیم کو اللہ نے ساری دنیا کا مرتاج بنا دیا تھا۔ جب ہی تو آپ کی سیرت ایسی عظیم الشان سیرت ہے کہ اُس کے متعلق قرآنِ کریم نے خود دعوے کیا ہے کہ آپ کی سیرت میں معاذ اللہ کوئی نقص دکھا سکتے ہو تو دکھاؤ۔ صلی اللہ علیہ وبارک وسلم

قبلِ بعثت خانۂ کعبہ کی حالت

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ یہاں اسلام سے قبل مکہ کی جو حرمت تھی اُس کے متعلق چند سطور میں کچھ عرض کر دیا جائے۔ یہ تو میں عرض کر ہی چکا ہوں کہ ذبیح اللہ اور خلیل اللہ کے مبارک ہاتھوں نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ اُس وقت سے لیکر بعثت کے قبل تک بھی حج برابر ہوا کرتا تھا۔ ہاں اُس

زمانۂ جاہلیت میں یہ بات ضرور تھی کہ رفتہ رفتہ خانۂ کعبہ بتوں سے بھر دیا گیا تھا ہر روز ایک نئے بت کی پوجا کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ تین سو ساٹھ بت خاص حرم محترم میں جمع ہو گئے تھے۔ چونکہ سال کے بھی تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں اس لئے ہر دن کا ایک بت معبود تھا۔ سب سے بڑے بُت کا نام ہبل تھا جو بڑا لمبا تڑنگا اور بدصورت بنایا گیا تھا۔ یہ سب کچھ تھا مگر خانۂ کعبہ کی حرمت پوری نہیں تو کسی حد تک ضرور باقی تھی۔ ہر سال لوگ دور دور سے حج کرنے یہاں آیا کرتے تھے۔ جو حجرِ اسود کو بوسہ دینا اور خانۂ کعبہ کا طواف کرنا زمزم کا پانی پینا ارکانِ حج میں سمجھتے تھے۔

حجرِ اسود کیا ہے؟ اس کے متعلق دو قول زیادہ مستند طور پر بیان کئے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ جنت کے قیمتی پتھروں میں سے ایک ہے۔ دوسرے یہ کہ جب آدمؑ نے خطا کی تو جو فرشتہ اُن کا محافظ تھا۔ اُس پر بھی آدمؑ علیہ السلام کے ساتھ ساتھ غصہ ہوا اور وہ پتھر بنا دیا گیا۔ وہی جبریلِ امین نے لاکر خلیل اللہ کو دیا تھا۔ جسے آپ نے نصب فرمایا اور اُس کا نام حجرِ اسود ہو گیا۔ لیکن ہمارے خیال میں پہلا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پتھر دھوپ کی مانند سفید تھا۔ لیکن گناہگاروں کے ہاتھوں سے مس ہو ہو کر اب بالکل کالا پڑ گیا ہے۔ اور صرف نقطہ کے برابر سفیدی باقی رہ گئی ہے۔ اِس کو بوسہ دینے والے۔ ہاتھ لگانے والے جب قیامت میں پیش ہوں گے تو یہ اُن کی گواہی دیگا۔ اور وہ اُس کی سفارش سے بخش دیئے جائیں گے۔ لیکن جن لوگوں کا مقصد حج سے نام و نمود تھی۔ اُن کے خلاف یہ پتھر گواہی دیگا۔ اُس کی گواہی پر اُن کا حج مردود ہو جائیگا۔ اور وہ

سزا پانے کے لئے دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے۔ اسی وجہ سے حجرِ اسود زمینوں اور آسمانوں میں متبرک سمجھا جاتا ہے لیکن اُس کی تعظیم سے ہندو وغیرہ یہ اعتراض نہ پیش کریں کہ مسلمان بھی پتھر کو پوجتے ہیں۔ معاذ اللہ عمر رضی اللہ عنہ کے اِس قول نے حجرِ اسود کے متعلق صاف تصریح کر دی ہے۔ چنانچہ اِسے بوسہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں تو کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع لیکن چونکہ میں نے اپنے آقائے نامدار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے اِس لئے آپ کے تتبع میں میں بھی تجھے بوسہ دیتا ہوں۔

لیجئے کفار کے اندھے اعتراض پر توحید کی بجلی گر گئی تو نہ نفع پہنچا سکتا ہے۔ نہ نقصان۔ کیا بتوں کی پوجا کے وقت بھی اُن سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں جو حجرِ اسود سے مرادیں مانگتا یا اُسے خدا کی ذات وصفات میں شریک ٹھہراتا ہو معاذ اللہ

بہرکیف مکہ معظمہ اپنی گراں بہا چیزوں کی وجہ سے محترم سمجھا جاتا تھا اور ہے۔ اِس کا احترام لوگوں کے دلوں میں ایسا تھا کہ حج کے مہینوں میں قتل وقتال کا بازار بالکل سرد پڑ جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جانورانِ صحرائی کا شکار بھی ممنوع سمجھا جاتا تھا۔ وہ قومیں بھی جن کی زندگی آپس کے جنگ وجدال میں گزرتی تھی ہتیار رکھ دیتی تھیں اور حجاج کے ساتھ ارکانِ حج ادا کرنے میں مصروف ہو جاتی تھیں۔ لوگ احرام باندھ کر خانہ کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے۔ لیکن اُس خانہ کعبہ کا جو ان کے خود ساختہ معبود بتوں کی نجاست سے اٹا ہوا تھا

شام کے سفر میں بحیرہ کی ملاقات اور کرامتوں کی بارش

ابوطالب اور سب کے والے حضور صلعم کے انوار و برکات سے برابر مستفید ہو رہے تھے اور ہر برابر اُن کے دلوں میں حضورؐ کی

محبت۔ امانت۔ راستبازی وغیرہ گھر کرتی جارہی تھیں۔ مکہ کا ایک بچہ بھی ایسا نہ تھا۔ جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کی شکایت ہوئی ہو تو بھلا جوانوں اور بوڑھوں کا ذکر ہی کیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضورؐ سب کی آنکھ کی پتلی اور سب کے دلوں کا سرور بن گئے تھے تو بجا ہے۔ ابو طالب کی اولاد جب صبح سو کر اٹھا کرتی تھی تو عام بچوں کی طرح آنکھوں میں چیپڑ اور چہروں پر میل ہوتے تھے لیکن حضور جب سو کر اٹھتے تھے تو آپ کے جمالِ جہاں آرا میں ایک نئی چمک دمک پیدا ہو جاتی تھی۔ نہ آنکھوں میں چیپڑ نہ رُخ انور پر میل یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ابھی آپ کا منہ دھلایا گیا ہے۔ گیسوئے مبارک بھی سونے کی وجہ سے یا تو بے ترتیب ہی نہ ہوتے تھے یا ہوتے تھے تو فرشتے شانہ کر کے اُنہیں سنوار دیا کرتے تھے سبحان اللہ کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی کو یہ منظور تھا کہ بچپن میں ہی میرے حبیب کی شان دنیا بھر سے ممتاز رہے۔ اور لوگ آپ کو اپنا محبوب و مطلوب بنالیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی۔ جب ہی تو اللہ نے اپنے نبی سے فرمادیا کہ آپ اِن سے یہ کہئے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ میں قرآن کی تلاوت سے مشرف ہوتا اور نہ تم کیونکہ اگر میں نبی ہی نہ بنایا جاتا تو قرآن کیوں نازل ہوتا۔ تمہارا یہ خیال کہ میں اللہ پر جھوٹ باندھتا ہوں۔ لغو ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں نے بچپن سے تا قبل بعثت تم میں کس طرح اور کیسی زندگی گزاری۔ کیا تم ایسی بڑی بات بھی نہیں سمجھ سکتے کہ جس کی سیرت اعلیٰ درجہ کی سیرت رہی ہو۔ اُس میں یکایک ایسا انقلاب کس طرح ہو سکتا ہے کہ امین خائن ہو جائے۔ راست باز جھوٹ بولنے لگے۔ اور ایثار و اخلاق کا مجسمہ ظلم و ستم کرنے لگے۔ (اس کی پوری تفصیل پیش کی جا چکی ہے) تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ خدا ہی کا یہ منشا تھا کہ میرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر سارے مکے والے عاشق ہو جائیں

بلکہ میں تو یوں کہوں گا کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا بھر سے بہتر اور زمانہ بھر سے افضل سیرت مرحمت ہوئی تھی۔ اس لئے آپ کی سیرت نے بارگاہِ لم یزلی میں عرض کیا۔ بہ ہزار ادب و احترام عرض کیا۔ ایک مرتبہ نہیں بارہا عرض کیا کہ اے خداوندِ جلیل تو نے جس مبارک ہستی کو ایسی بہترین اور بے مثال سیرت عطا فرمائی ہے۔ اُس کی سیرت تیرے دامنِ رحمت میں مچل مچل کر تجھ سے درخواست کر رہی ہے کہ مولا! اس سیرت پر خلعتِ نبوت لازمی ہے۔ اور چونکہ آپ کی سیرت سارے جہان سے افضل ہے۔ اس لئے آپ کی نبوت بھی سب نبیوں سے اعلیٰ ہونی چاہئے۔ ہاں مولا! اس سیرت پر تو مناسب ہی نہیں لازمی ہے کہ تو اس مقدس ہستی کو سید المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین کے لازوال اور بے مثال خلعت سے ممتاز فرمادے۔ جب حضورؐ کی اعلیٰ ترین سیرت نے بارگاہِ لم یزلی میں اس طرح عرض کیا تو ابرِ گہر بار اُٹھا۔ برسا اور اس طرح برسا کہ آپ کے طفیل آپ کی اُمت بھی کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاس کے گراں بہا خطاب سے نوازی گئی۔

واقعتاً آپ کی سیرت ہی کا یہ تقاضا تھا کہ آپ کو نبوت اور سب سے اعلیٰ درجہ کی نبوت ملے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی۔ اور آپ تمام مذکورہ خطابات سے ممتاز فرمادیئے گئے۔ صلی اللہ علیہ وبارک وسلم

جب آپ کا سن شریف بارہ سال کا ہوا تو حضرت ابوطالب کو اپنے تجارتی سلسلہ میں شام کا سفر درپیش ہوا۔ تیاری ہوئی اور ابوطالب شام کے سفر کے لئے آمادہ ہوگئے۔ لیکن وہ نورِ عین، وہ راحتِ جان، وہ دل کے چین۔ وہ سرورِ کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ان چچا کی آنکھوں سے کبھی اوجھل نہیں ہوتے تھے۔ آج ان مقدس فرزند کا فراق ابوطالب کی نظروں

کے سامنے ہے۔ اس وقت ابو طالب شش و پنج کی حالت میں ہیں۔ وہ کبھی تو چاہتے ہیں کہ اپنی آنکھوں کے نور اور دل کے سرور یعنی حضور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سفر میں ساتھ لے جائیں اور کبھی سوچتے ہیں کہ میرے فرزند کو سفر میں تکلیف گوارا کرنی پڑے گی اور خدا جانے راہ میں کیا پیچ پڑے اس لئے آپ کا لیجانا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ دیر کی غور و فکر کے بعد ابو طالب نے اسی آخری خیال کو چار و ناچار پسند کیا اور اپنے محترم فرزند صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپکر گھر سے نکلے اور ملک شام کے ارادے سے چلے ہی تھے کہ دیکھا سامنے سے آفتاب عالمتاب عربستان فخرِ دو جہان شہسوار عرصۂ نبوت یکہ تاز میدانِ رسالت سرورِ عالم حضور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں آپ نے جو اپنے چچا کو اس طرح جاتے ہوئے دیکھا دوڑ کر ان سے لپٹ گئے چشمِ حق بیں میں آنسوؤں کے قطرے وہ آنسوؤں کے قطرے جو اللہ کے نزدیک گوہرِ بے بہا سے افضل تھے چھلک پڑے اور فرمانے لگے۔

"چچا جان! آپ مجھے کس کے پاس چھوڑے جا رہے ہیں۔ امّاں جان میری انتقال کر گئیں۔ ابا جان میرے دنیا سے اٹھ گئے۔ دادا جان میرے نہ رہے۔ اب آپ ایک چچا رہ گئے ہیں۔ جو مجھے اس طرح چھوڑ کر پردیس جا رہے ہیں۔"

یہ وہ تاثر بھری باتیں تھیں کہ ابو طالب پر اُن کا کتنا گہرا اثر ہوتا۔ بجا اور وہ جس قدر بے قرار ہوتے صحیح تھا۔ ابو طالب نے اپنے پچھلے خیال کو پسِ پشت ڈالا۔ حضورؐ کو گلے سے لگا لیا۔ اور اپنے ساتھ سواری پر سوار کر کے قافلے کے ہمراہ ملک شام روانہ ہو گئے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن منازل سے گزرے جہاں قومِ ثمود کا

عبرت ناک واقعہ پیش آیا تھا

قومِ ثمود کا واقعہ اُس کی تفسیر اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ یہ قوم بڑی طاقت دار اور زور آور تھی۔ لیکن بت پرستی کی تاریکی اِس پر بھی اوروں کی طرح چھائی ہوئی تھی۔ خدا نے اِس کی ہدایت کے لئے حضرت صالح پیغمبر کو بھیجا۔ آپ نے بڑی کوشش کی کہ یہ قوم گمراہی چھوڑ دے مگر اس نے اُن کی ایک نہ سُنی اور بدستور اپنی جہالت اور بت پرستی میں مبتلا رہی۔ جب حضرت صالحؑ نے بہت کچھ سمجھایا تو قوم کے چند نمایندوں نے آپ سے کہا اگر اس پہاڑ سے زندہ اونٹنی معہ بچے کے آپ نکالدیں تو ہم سب ابھی آپ پر ایمان لے آئیں۔ حضرت صالحؑ نے اللہ سے دعا کی جو فوراً قبول ہوئی اور پہاڑ کی چٹانیں پھٹکر اُس میں سے ایک بہت بڑی اونٹنی معہ بچے کے نکل آئی۔

یہ معجزہ بعض کے لئے تو مفید اور کارگر ثابت ہوا کہ وہ یہ دیکھکر اپنے نبیؑ پر ایمان لے آئے مگر اکثر اُس ہی کفر و شرک پر اڑے رہے۔

حضرت صالح نے اونٹنی قوم کے سپرد کی اور فرمایا اگر تم اچھی طرح اِس کی خبر گیری نہ کروگے اور اِسے ہلاک کردوگے تو تم پر عذاب الٰہی نازل ہو جائے گا۔ لیکن لوگوں کو اس کے چرانے میں بہت تکلیف ہوئی وہ سارا چارہ کھا اور چشمہ کا پانی پی جاتی تھی لیکن ساتھ ہی دودھ بھی اتنا دیتی تھی کہ قوم بھر کے لئے کافی ہوتا تھا۔

انجام کار لوگوں نے زیادہ کھانے پینے کی وجہ سے اُسے مار ڈالا۔ اور اس کا بچہ پہاڑ میں جا کر غائب ہوگیا۔ اِس پر ان بستیوں اور اُن آدمیوں پر قہرِ الٰہی نازل ہوا۔ آسمان سے ایک مہیب آواز بلند ہوئی جس نے بجلی

کا کام کیا اور آناً فاناً ساری قوم ہلاک ہوگئی۔ اور بعض جگہ بت پرستی کی وجہ سے لوگ بندر اور سور بنا دیئے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادِ ربّانی کے مطابق یہ عبرت ناک واقعہ بار ہا بیان فرمایا ہے۔ تاکہ مشرکین کو عبرت نصیحت اور شرک سے نفرت ہو۔

کرامتوں کا آغاز

اثنائے راہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی کرامتیں دیکھکر لوگ متحیّر ہوگئے۔ جب آفتاب خطِ استوا کے قریب پہنچتا تھا اور اُس کی گرمی ناقابلِ برداشت ہوتی تھی۔ تو سرِ اقدس پر بہت سے سفید جانور اپنے پروں کا سایہ کر لیتے تھے۔ یہ جانور غالباً فرشتے تھے جو جانوروں کی صورت میں سرِ مبارک پر پروں کا سایہ کرتے تھے اور ایک ابر کا ٹکڑا ہر وقت سرِ اقدس پر سایہ فگن رہتا تھا۔ آپ کا یہ جاہ و جلال دیکھکر لوگ متاثر ہو جاتے تھے۔ ایک دن ایک خشک درخت کے نیچے آپ کھڑے ہوگئے تو فوراً وہ درخت ہرا بھرا پتوں اور پھولوں سے لدا پھندا ہوکر سرِ اقدس پر سایہ فگن ہوگیا۔

غرض یہ کرامتیں تھیں جن سے مشرف ہوتے ہوئے اہلِ قافلہ آپ کے ہمراہ چلے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ قافلہ قصبۂ بصرہ کے قریب پہنچا۔ جو ملکِ شام کی سرحد پر واقعہ ہے۔

تاریخِ بصرہ پر ایک نظر

یہاں قوم مناسح آباد تھی۔ جو مذہباً نصرانی تھی۔ یہ تجارت کا بڑا مرکز تھا۔ یہاں ایک بڑا عبادت خانہ تھا۔ جسے بیان کیا جاتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کی وصیت کے مطابق بنایا گیا تھا۔ اس پیشین گوئی کے ماتحت کہ اس راہ سے ایک دن

سید المرسلین خاتم النبیین کا گزر ہوگا۔ یہاں کے رہنے والوں کو چاہیئے کہ وہ آپ کو میرا اسلام پہنچا دیں۔

بحیرہ پر آپکی کرامتوں کا اظہار

اس وقت اُس عبادت خانہ کا متولی بحیرہ نامی راہب تھا۔ جو پچھلی کتب سماوی کا عالم تھا۔ اور جسے یہ معلوم تھا کہ ایک دن اِس راہ سے ضرور سید المرسلین کا گزر ہوگا۔

آج بحیرہ حسب عادت عبادت خانہ بند کئے عبادت میں مصروف تھا دفعتاً عبادت خانہ لرز اٹھا در و دیوار میں جنبش ہوتی معلوم ہوئی۔ بحیرہ گھبرا کر باہر نکل آیا۔ اور ہکا بکا چہار جانب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ اپنے رفقاء سے کہتا تھا کہ آج کیا ہے؟ کہ چہار جانب کی پہاڑیاں اور درخت سجدے میں جھکے پڑتے ہیں۔ میرا عبادت خانہ متزلزل ہو رہا ہے۔ آسمان سے نور کی بارش ہوتی معلوم ہوتی ہے۔

نکتہ۔ چونکہ راہب کا دل عبادتِ الٰہی سے آئینہ کی طرح صاف و شفاف تھا۔ اس لئے اُسے آسمانی انوار و برکات کی بارش ہوتی معلوم ہوئی۔ صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو بھی آسمان کے دیکھنے سے انوارِ الٰہی کا مشاہدہ ہو جاتا ہے یہ کچھ اچنبھے کی بات نہیں۔ آپ اپنے دل سے علائق دنیا نکال ڈالئے اور مولا کی یاد میں مستغرق ہو جائیے۔ پھر دیکھئے کہ آپ کو بھی خدا کے انوار و برکات نظر آنے لگتے ہیں کہ نہیں۔

خاتم النبیین کا دیدار اور اہلِ قافلہ کی دعوت

بحیرہ متجسس کناں چہار جانب نگراں تھا کہ حجاز کی سڑک پر اُسے ایک قافلہ آتا ہوا معلوم ہوا۔ قاعدہ ہے کہ خاص لوگوں کی

نظر خاص ہی چیز پر پہلے پڑا کرتی ہے۔ عوام کی طرح اُن کی نگاہیں پٹے ٹوٹیاں نہیں ہارتیں۔ بحیرہ نے دیکھا کہ ایک اونٹ پر ایک بزرگ صورت سوار ہیں جن کے آگے ایک فرزند بیٹھے ہوئے ہیں۔ اُن کے خط و خال اور حسن و جمال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضرور کوئی بڑے آدمی ہونے والے ہیں۔ سر پر ایک سفید رنگ کے ابر کا ٹکڑا سایہ کئے ہے۔ یہ دیکھ کر راہب سمجھ گیا کہ ہوں نہ ہوں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی ہیں۔ جن کے متعلق عیسیٰؑ اور موسیٰؑ نے پیشین گوئیاں کی تھیں۔ اب راہب یہ بھی سمجھا کہ ان ہی کی تعظیم کے لئے آس پاس کی چیزیں جھکی پڑ رہی تھیں۔ اور انہیں کے استقبال کے لئے خدا نے مجھے یہاں لا کھڑا کیا۔

قافلہ عبادت خانہ کے قریب ہی فروکش ہوا۔ یہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا۔ جب بحیرہ کو حضور کے جمالِ جہاں آرا سے دیدہ و دل منور کرنے کا موقعہ ملا تھا۔ بحیرہ نے قافلہ والوں سے کہا بھیجا کہ وہ اس کی دعوت قبول کریں۔ دعوت کے بہانے سید المرسلین کی قریب سے دل بھر کے زیارت کرنی مقصود تھی۔ ورنہ قافلہ تو ہر سال آتا اور چلا جاتا تھا۔ بحیرہ کو کبھی پرواہ بھی نہ ہوتی تھی کہ یہ لوگ کہاں آئے اور کدھر گئے۔

بہر کیف اہلِ قافلہ نے بحیرہ کی دعوت منظور کی۔ یہاں عبادت خانہ کے باہر ایک بڑے درخت کے نیچے فرش بچھا دیا گیا۔ اور راہب اشتیاقِ زیارت میں بے چین دعوت کا اہتمام کرنے لگا۔ خدا خدا کر کے وہ وقت آگیا کہ اہلِ قافلہ آئے۔ مہمانوں کا شاندار خیر مقدم ہوا۔ سب بیٹھے مگر بحیرہ اسی طرح بیتاب و بے قرار آنکھیں پھاڑے ہوئے اِدھر اُدھر ٹہلتا رہا جب اس نے اپنی مطلوبہ اور پیاری صورت کو نہ دیکھا تو ابو طالب سے کہنے لگا۔

بحیرہ راہب۔ کیا تمہارے ساتھ اور کوئی نہیں ہے۔

ابو طالب۔ صرف ایک صاحبزادے ہیں جنہیں میں اپنی جگہ چھوڑ آیا ہوں۔

راہب۔ تو خدا کے لئے انہیں جلدی بلائیے۔ میں صاف ہی کیوں نہ کہدوں کہ محض انہیں کے شوقِ زیارت میں آپ لوگ بھی مدعو کئے گئے ہیں۔

اہلِ قافلہ سے ایک شخص اٹھا۔ اور حضور صلعم کو جا کر بلا لایا۔ آپ تشریف لائے تو سب جگہ آدمیوں سے پُر تھی۔ آپ بڑوں کا ادب کرتے ہوئے لبِ فرش ہی بیٹھ گئے۔ جہاں سایہ نہ تھا۔ مگر حضور کے رونق افروز ہوتے ہی وہ درخت جو اور دل پر سایہ فگن تھا۔ چہار سو سے خود بخود سمٹا اور لوگوں کو دھوپ میں چھوڑ کر حضور اقدس پر سایہ فگن ہو گیا۔ یہ دیکھ کر بحیرہ چلا اٹھا۔

بحیرہ۔ لوگو! واللہ یہ سید المرسلین ہیں۔ دیکھو تم دھوپ میں رہ گئے اور ان پر درخت نے اپنا سایہ کر لیا۔ یہی وہ نبی ہونگے جن کے متعلق موسیٰ اور مسیح کی پیشین گوئیاں تورات اور انجیل میں بھری پڑی ہیں۔ ابو طالب خدا کے لئے ان کی بڑی حفاظت کرنا۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ ان کے سخت ترین دشمن ہیں۔

اس کے بعد راہب شوق کے قدموں سے دوڑتا ہوا آفتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا۔ اس سراپا نورہستی کے گرد پھرا۔ تصدق ہوا۔ اور عرض کرنے لگا۔

بحیرہ۔ آپ کو لات و ہبل کی قسم ہیں جو کچھ پوچھوں سچ سچ بتا دیجئے گا۔

بتوں کی قسمیں سنکر حضور صلعم کی ہنستی ہوئی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ یہ دیکھکر بحیرہ نے کہا۔

بحیرہ۔ آپ کو ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ کے خدا کی قسم میرے سوالات کے جوابات صحیح مرحمت فرمائیے۔

یہ قسم سنکر آپ مسکرا دیئے۔ راہب نے دیکھا کہ پیشانی کے تکن جاتے رہے اور آپ اسی طرح ہنس مکھ ہو گئے۔

یہ دیکھکر پھر راہب نے کہا۔

بحیرہ۔ واللہ مسیح نے یہی کہا تھا۔ کہ وہ غیر خدا کی قسموں سے رنجیدہ اور اللہ واحد کی قسم سے خوش ہونگے۔

حضورِ اکرم نے فرمایا۔ اے راہب! اب تجھے جو کچھ پوچھنا ہو بڑے شوق سے پوچھ لے اِس کا اندیشہ بھی نہ کر کہ میں کوئی بات بھی غلط کہہ سکونگا۔

اس موقعہ پر بعض مورخین کا بیان ہے کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خرقِ عادات امور راہب نے دیکھے تو وہ سجدے میں گر پڑا اور پھر اُٹھ کر جمالِ جہاں آراء کی زیارت میں مستغرق ہو گیا۔ اور اُس وقت تک راہب نے آپ سے کوئی خاص گفتگو نہیں کی جب تک سب قافلے والے آب و طعام سے فارغ ہو کر رخصت نہ ہو گئے لیکن بحیرہ نے ابوطالب کو اشارے سے روک لیا۔ مطلب یہ تھا کہ اُن کے رہنے کی وجہ سے مقصود بھی موجود رہے گا۔ علاوہ بریں بحیرہ کو ابوطالب سے بھی کچھ باتیں کرنی تھیں۔ جب اہلِ قافلہ سے میدان صاف ہوا اور بحیرہ کو وہ خلوت میسّر آئی جس کا وہ مدّت سے متمنّی تھا تو وہ نہایت ادب کے ساتھ حضور سرورِ عالم کے قریب آ بیٹھا اور آپ کو لات و عزیٰ کی قسم دی جس کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں جب حضور نے اُسے سوالات کرنے کی اجازت دی تو وہ عرض کرنے لگا۔

بحیرہ آپ کے سونے کی کیا کیفیت ہے۔

اے راہب! آنکھیں تو سو جاتی ہیں مگر دل کبھی نہیں سوتا۔

ہمیشہ بیدار رہتا ہے

آپ نے سچ فرمایا۔ انبیائے کرام کے خواب کی یہی صورت ہوتی ہے اس لئے کہ اگر اُن کا دل بھی سو جائے اور جبریل امین فرمانِ ربّ العالمین لیکر آئیں نبی کو سوتا پائیں اور ادب سے نہ جگا سکیں تو حکمِ الٰہی میں تاخیر ہو جائے اس لئے انبیاء کا دل ہمیشہ جاگتا رہتا ہے۔

اچھا یہ ارشاد فرمایئے کہ کبھی آپ کو کچھ غیر معمولی چیزیں نظر آتی ہیں؟

ہاں مجھے اکثر آسمان سے اُترتے چڑھتے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ جو نہایت نورانی صورت والے ہوتے ہیں۔

بہت بجا ارشاد ہوا۔ یہ فرشتے ہیں۔ جو آسمان سے اُترتے چڑھتے حضور کو نظر آیا کرتے ہیں۔

اچھا یہ آپ کی آنکھوں کی سرخی کیا ہر وقت ایسی ہی رہتی ہے یا کبھی کم بھی ہو جاتی ہے؟

جیسی تم اس وقت دیکھ رہے ہو۔ بالکل ایسی ہی رہتی ہے۔ کبھی کم نہیں ہوتی راز۔ سورج سے آنکھیں لڑانے والے کی آنکھیں ہمیشہ سرخ رہتی ہیں۔ تو تجلیاتِ الٰہی کو مشاہدہ کرنے والی آنکھیں کس طرح سرخ نہ رہتیں۔

دوسرے بیداریٔ قلب کا اثر بھی آنکھوں پر ضرور پڑنا چاہیئے تھا۔ اگر کوئی دو دن نہ سوئے تو اُس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔ حضورِ اقدس کا قلب اطہر تو کبھی بھی نہ سوتا تھا۔ پھر بھلا آنکھیں کس طرح متاثر نہ ہوتیں۔ جب کہ دل اور آنکھوں میں اک گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔

بحیرہ نے آپ کی جبینِ انور پر ٹکٹکی باندھ کر نظر جمانی چاہی مگر فوراً پیشانی انور سے ایک نور چمکا اور اس طرح چمکا کہ بحیرہ کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ وہ اُس نور کی تابِ دید نہ لا سکا۔

شرح۔ انبیاء اولیاء کی مبارک پیشانیوں میں ایک خاص نور جلوہ افروز ہوتا ہے۔ اگر کوئی خاص شخص دیکھے تو اُسے معلوم ہو جاتا ہے۔ اور اسی علامت سے انبیاء اولیاء پہچانے جاتے ہیں لیکن عوام نہیں وہی لوگ پہچان سکتے ہیں۔ جن کا اس تجلی کے منبع سے کچھ نہ کچھ تعلق رہتا ہو۔ بحیرہ ایک پرانا عبادت گزار راہب تھا اُس کی آنکھیں اور دل محبتِ الٰہی سے منجلی ہو چکے تھے۔ اس لئے حضور کے نور کا چمکارا اُس کی آنکھوں پر پڑا۔ اور وہ آئینہ دل صیقل ہونے پر بھی اُس جمال کی تاب نہ لا سکا اور اُس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

اگر خلافِ مزاج نہ ہو تو مشتاق دید کو اپنے شانے کھول کر دکھا دیجئے حضور نے شرم وحیا کی وجہ سے تامل فرمایا۔

راہب نے ابوطالب کی طرف التجاؤں بھری نگاہوں سے دیکھا ابوطالب نے بھی سفارش کی۔ جب حضور نے راہب کو بڑھتے ہوئے شوق میں بے تاب پایا تو قلبِ اقدس کو گوارا نہ ہوا۔ کہ راہب کی تمناؤں کا خون کر دیا جائے آپ نے پشتِ اطہر سے کرتہ مبارک سرکایا۔ راہب بے اختیارانہ طور پر اٹھا۔ مُہرِ نبوت کی طرف جھکا اور دیکھا۔ دونوں شانوں کے درمیان ایک بیضوی شکل کی ابھری ہوئی چیز نظر آئی۔ جو بیضۂ کبوتر کے برابر تھی جس کے ایک طرف مرقوم تھا۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اور دوسری جانب تحریر تھا۔ "توحبہ حیث شئت فانک منصور"۔ راہب نے جھک کر مہرِ نبوت کو بوسہ دیا۔ اور پکار اٹھا۔ "ھذا سید العالمین وھذا الذی بہ یبعث اللہ رحمۃ للعلمین" یہی عالم کے سردار ہیں اور یہی وہ ہیں جنہیں اللہ نے رحمۃ للعلمین بنا کر بھیجا ہے۔

جب راہب کو بخوبی معلوم ہو گیا کہ واقعی آپ سید المرسلین ہیں تو وہ ابوطالب کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اُن سے یوں گفتگو ہوئی۔

بحیرہ۔ یہ صاحبزادے آپ کے کون ہیں؟

ابوطالب۔ میرے فرزند ہیں۔

بحیرہ (ذرا تامل کے بعد) کیا آپ یہ سچ کہتے ہیں۔ میں نے تو کتب سماوی میں دیکھا ہے کہ یہ یتیم ہوں گے۔

ابوطالب۔ تم سچ کہتے ہو۔ یہ میرے بھتیجے ہیں ان کے والدین کا انتقال ہو چکا ہے

بحیرہ (ابوطالب کے کان میں) یہ آپ کے بھتیجے سید المرسلین خاتم النبیین ہونے والے ہیں۔ تمام دنیا میں انہیں کی شریعت کا سکہ رائج ہوگا۔ ان کا دین تمام ادیان کو منسوخ کر دیگا۔ ان کی حکومت مشرق سے مغرب تک ہوگی ان پر اللہ اپنی آخری کتاب نازل فرمائے گا۔ لیکن اے ابوطالب تم انہیں شام نہ لیجاؤ۔ یہود ان کے بڑے پکے دشمن ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو دیکھ پائیں۔ اور خدانخواستہ کچھ آزار پہنچائیں۔

ابوطالب۔ مگر تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ سید المرسلین ہیں

بحیرہ۔ سنئے جب آپ کا قافلہ میرے عبادت خانہ کے پاس آپہنچا تو مجھے خبر نہ تھی۔ میں اپنے عبادت خانہ میں بیٹھا یادِ معبود کر رہا تھا۔ یکایک کنیسہ میں زلزلہ پڑ گیا۔ اور در و دیوار لرز اٹھے۔ میں گھبرا کر باہر نکل آیا۔ تو اور نئے عجائبات دیکھنے اور سننے میں آئے۔ میرے کانوں میں چہار جانب سے السلام علیک یا رسول اللہ کی آوازیں آنے لگیں۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو قدرت کا یہ کرشمہ نظر آیا کہ شجر و حجر سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور ان میں سے السلام علیک یا رسول اللہ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔

اے ابوطالب یہ چیزیں نبی کے سوا کسی انسان یا فرشتے وغیرہ کو سجدہ نہیں کرتیں۔ یہ تو تم نے بھی دیکھ لیا کہ آپ کے سر اقدس پر ابر کا سفید نورانی

ٹکڑا سایہ فگن تھا۔ اور یہ بھی تمنے دیکھا کہ درخت نے تم لوگوں پر سے سایہ ہٹا کر آپ پر سایہ کر لیا۔ پھر یہ مہرِ نبوت تو ہر شخص کیلئے عینی مشاہدہ ہے اور گواہی دیتی ہے کہ لوگو! یہ سید المرسلین ہونیوالے ہیں جو اِن کا اتباع کریگا۔ فلاح پائے گا۔ اور جو مخالفت کریگا۔ دنیا میں ذلیل و خوار ہو کر مریگا۔ اور آخرت میں بھی ابدی جہنمی ہوگا۔ لہٰذا ابو طالب میں پھر کہتا ہوں کہ تم اِس مقدس ہستی کو شام نہ لیجاؤ ابو طالب نے بطیبِ خاطر منظور کیا۔

یہاں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بحیرہ نے حضور سے یہ بھی درخواست کی تھی کہ آپ اپنے مبارک قدموں سے میرے عبادت خانے کو روشن فرماویں آپ نے یہ درخواست منظور فرمائی اور بحیرہ کے ساتھ عبادت خانہ میں تشریف لے گئے جس وقت حضور نے اس کی چار دیواری میں قدم رکھا سارا عبادت خانہ آپ کے نور سے جگمگا اٹھا جس طرح کسی مکان کی دیواریں شیشے کی ہوں اور بیچ مکان میں چراغ روشن کیا جائے تو وہ مکان جگمگا اُٹھتا ہے۔ اسی طرح بحیرہ کا عبادت خانہ جو اُس کی عبادت و ریاضت کی وجہ سے شیشے کی طرح صاف و شفاف تھا جب اُس میں آفتابِ رسالت کی چمک پڑی تو وہ چہار جانب سے روشن و منور ہو گیا۔ اگر بحیرہ کا عبادتخانہ عمر بھر فخر کرے تو بجا کہ آج سید المرسلین صلعم نے اپنے مبارک قدموں سے اِس عبادت خانہ کو چار چاند لگا دیئے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آج بحیرہ کا عبادتخانہ اس قابل ہوا کہ اس میں بیٹھکر عبادت کی جائے۔ اس لئے کہ آج یہ پر تو جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے منور ہو گیا۔

غالباً بحیرہ کا مقصد آپ کو یہاں لانے سے یہی تھا کہ اُس کا عبادتخانہ روحانی طور پر بھی عبادت خانہ ہو جائے اور اب جہاں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے قدم رکھے گئے وہاں بیٹھکر عبادت کرنے میں کچھ اور ہی لطف حاصل ہوگا۔
اُس وقت بحیرہ کی زبان سے یہ مفہوم ادا ہو رہا ہو تو بجا ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

بچھاؤں اپنی آنکھیں سر کے بل تعظیم کو اُٹھوں وہ آئیں میرے گھر آہ یہ قسمت ہے کہاں میری

جب حضورِ اکرم کے نور سے بحیرہ کے عبادت خانہ کا ہر ہر ذرہ روشن ہوگیا تو اُس نے ابوطالب سے پھر کہا۔

بحیرہ خدا کی قسم یہ اکیلی ذات تمام جہان کے لئے نبی بنا کر بھیجی گئی ہے۔ اِس مقدس ہستی کی بعثت کا زمانہ بہت قریب ہے۔ اے ابوطالب تم ہرگز ہرگز حضور کو لے کر ملک شام نہ جاؤ۔

جواب میں ابوطالب نے شام نہ جانے کا وعدہ کیا۔ اور حضور کو اپنے ساتھ لیکر قافلے میں آئے تو اہلِ قافلہ نے کہا۔ واللہ راہب نے تو محمدؐ کا بڑا اعزاز و اکرام کیا۔ نہ معلوم وہ انہیں کیا سمجھے ہوئے ہے۔

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ جس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم معہ اہلِ قافلہ بحیرہ کے مہمان ہوئے تھے۔ اُسی دن کچھ دیر کے بعد یہودیوں کا ایک گروہ آیا اور بحیرہ کے عبادت خانہ کے قریب مقیم ہوا۔ رات کو اُس جماعت کے سردار نے بحیرہ سے کہا۔

سردار۔ ہمیں کتبِ آسمانی سے معلوم ہوا ہے کہ آج محمدؐ صلعم کا تمہارے عبادت خانہ کی طرف سے گزر ہوگا۔ چنانچہ ہم یہاں اِسی خیال سے آئے ہیں کہ اُس لڑکے کو قتل کر ڈالیں۔ لہٰذا تم بتاؤ کہ وہ بچہ کہاں ہے تاکہ ہم اُسے پا جائیں۔ تمہاری مقدس انجیل میں بھی اُس صاحبزادے کی آمد کا

حال مذکور ہے۔ بس جلدی کرو اور ہمیں محمدؐ کا پتا بتادو تاکہ ہم اُس کے قتل سے نجات حاصل کرلیں۔

بحیرہ تمہاری کوشش فضول۔ ارادہ لاحاصل اور مقصد بے سود ہے۔ اگر وہ صاحبزادے واقعی نبیٔ آخرالزماں ہیں تو تم اُن کی گرد بھی نہیں پا سکتے کیونکہ خدائے واحد اُن کا بڑا محافظ ہے۔ علاوہ برین اگر وہ واقعی سیدالمرسلین ہیں تو ہمیں اُن کی بعثت کے بعد ان کی اطاعت میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ جبکہ موسیٰؑ اور مسیحؑ ہمیں اُن کی اطاعت ہی کا حکم دے گئے ہیں۔ اور اگر وہ صاحبزادے نبیٔ آخرالزماں نہیں ہیں تو تمہیں ان کے قتل سے کیا مل جائے گا۔ لہٰذا میری رائے میں تمہیں اپنے ارادے بدل ڈالنے چاہئیں۔

راہب کی یہ مدلّل اور حقّانیت سے لبریز تقریر سنکر سب لاجواب ہوگئے۔ اور اُنہیں اپنے بُرے ارادے سے باز ہی رہنا پڑا۔

واپسی۔ دوسرے ہی دن ابوطالب نے اپنا مالِ تجارت یہیں بصرے ہی میں فروخت کر ڈالا۔ جو پورے نفع سے بک گیا۔ اور وہ اپنے مقدس فرزند کو ہمراہ لیکر مکّہ معظمہ تشریف لے آئے۔ لیکن بعض مورخین یہ کہتے ہیں کہ ابوطالب نے حضورؐ کو تو مکّہ روانہ کردیا۔ اور خود مال لیکر شام چلے گئے۔ مگر میرے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ دل پہلے ہی قول کی تصدیق کرتا ہے۔ ایک تو اس لئے کہ اکثر مورخین کا قول وہی ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ جب بصرہ تجارت کا ایک بڑا مرکز تھا۔ تو یقیناً ابوطالب نے یہی کوشش کی ہوگی کہ اُن کا مال یہیں فروخت ہوجائے اور قطعاً انہیں کامیابی بھی ہوئی ہوگی۔ تیسرے اِس خیال سے کہ جب ابوطالب کو حضورؐ کا مکہ میں چھوڑ دینا گوارا نہ ہوا تو بصرے سے مکّہ بھیجدینا کس طرح گوارا ہوا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

معلومات

واقعۂ مذکور کے پیش آنے میں کسی ایک اسلامی مورخ نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ کم و بیش واقعہ تقریباً سب ہی نے لکھا ہے۔ اور تعجب یہ ہے کہ یہ واقعہ جس طرح مسلمانوں اور اسلامی تاریخ میں شہرتِ عام حاصل کئے ہوئے ہے۔ اِسی طرح مسیحوں اور مسیحی تاریخوں میں بھی یہ واقعہ ملتا ہے۔ لیکن متعصب عیسائی اس واقعہ پر یہ حاشیہ چڑھاتے ہیں۔ کہ بحیرہ ہی وہ شخص تھا۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم و حکمت کی باتیں سکھائی تھیں۔ لیکن تعجب ہوتا ہے اُن تعصب بھرے مورخین پر جو اپنے فہم و ادراک کے دعوے میں آج دنیا بھر سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ تعصّب کی ظلمت نے اُن کی آنکھوں پر کچھ ایسے پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ یہ حاشیہ آرائی کرتے وقت اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ کہ اُن کا یہ قول دودھ پیتے بچے کی بات سے زیادہ اہلِ نظر کی عقل میں وقعت نہیں رکھتا۔ بُرا ہو تعصب تیرا بُرا ہو۔ تو بڑے سے بڑے مدعیِ عقل کی زبان و قلم سے وہ وہ کہوا اور لکھوا جاتا ہے۔ جسے سنکر بے اختیار ہنسی آجائے۔ بھلا اِن دانائے روزگار سے کوئی یہ تو پوچھے کہ ایک طرف تو آپ حضورؐ کے خرقِ عادات۔ عجائبات۔ معجزات سے اس لئے انکار کر دیتے ہیں کہ یہ چیزیں آپ کی عقل میں نہیں آتیں۔ اور دوسری طرف یہ غضب کرتے ہیں کہ ایک بارہ سالہ بچے کو اتنا خرقِ عادت تسلیم کر لیتے ہیں کہ بحیرہ نے جو علم و حکمت کی باتیں آپ کو سکھائیں اُن پر آپ نے اٹھائیس سال گزرنے کے بعد عمل کیا اور پھر وہ ساری باتیں جوں کی توں آپ کو یاد بھی رہ گئیں۔ اگر یہ لوگ معجزات خرقِ عادات کے قائل ہیں تو حضور کرامت ظہور کے اور سارے معجزات سے کیوں انکار کئے دیتے ہیں۔ پہلے تو وہ یہ مان لیں کہ حضور سے خرقِ عادت امور ظہور پذیر ہوتے تھے۔ اور پھر یہ لکھیں تو کچھ اچھے بھی معلوم ہوں۔ لیکن

وہ ہمارے دکھانے کو یہ تسلیم بھی کر لیں تو بھی قدرت نے ہمیں لاجواب نہیں کیا ہے
ان کا حاشیہ اب بھی جوں کا توں لغو مہمل اور طفلِ شیر خوار یا دیوانے کے قول سے زیادہ
وقیع نہیں۔ اس لئے کہ اگر ہمارے فاضل مورخین یہ مان بھی لیں کہ حضور سے
اکثر خرقِ عادت امور ظہور پذیر ہوتے تھے تو ہم یہ کہیں گے کہ جناب اس خرقِ
عادت کے لئے اللہ کو کون سی مجبوری پیش آئی تھی کہ اُس اُمّی سے علم و حکمت کی باتیں
آپ کو تعلیم کرائیں۔ اور آپ نے اٹھائیس سال کے بعد اس پر عمل کیا۔ کیا خدا خود
عاجز تھا۔ جو اُسے بحیرہ کی رہبری درپیش آئی۔ پھر اگر بحیرہ ہی نے حضور کو علم و
حکمت کی باتیں سکھائیں تھیں اور اُسے اُن سب کا بخوبی علم تھا۔ تو وہ خود سید المرسلین
کیوں نہ بن بیٹھا۔ اُسے ایک پردیسی۔ اجنبی مسافر سے ایسی کہاں کی ہمدردی
تھی کہ اس نے اپنی دولت اُنہیں دے ڈالی۔ اور خود کورے کا کورا رہ گیا۔
ہمارے **فاضل دوستو**! آپ کی اِس حاشیہ آرائی نے تو حضور کے مراتب کی
ادبی وضاحت کر دی۔ اس لئے کہ راہب کا آپ کو علم و حکمت کی باتیں لاکر کے
قول کے موافق سکھانا اور کہنا صرف اسی پر دلالت کرتا ہے کہ وہ حضور کی
کرامات دیکھکر آپ سے مرعوب اور مغلوب ہو گیا۔ اور اس نے اپنے سارے
ہتیار حضور کے قدموں پر ڈال دیئے۔ ورنہ بتایئے کہ بحیرہ کو آپ سے ایسا کیا
لالچ تھا۔ کہ وہ آپ کے دین کا ایک بہت بڑا مقتدا ہونے کے باوجود بھی حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے خرقِ عادت سے اس قدر سخر ہو جائے کہ اپنے عمر بھر کے
سارے تجارب اور علم سرورِ انبیاء کے قدموں پر ڈال دے۔ اگر یہ کہا جائے کہ
اُس کا سینہ تو علم و حکمت سے معمور تھا لیکن اس میں عمل کی طاقت و قوت موجود
نہیں تھی۔ اُس نے حضور کی پیشانی سے نور کا چمکارا دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ آپ میں
اِن چیزوں کے قبول و عمل کا نور موجود ہے۔ اس لئے اُس نے وہ باتیں جو بڑی

کارآمد ہونے کے باوجود اس کے کام نہ آسکتی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم کردیں۔ تو اس سوال کے جواب میں میں اپنے فاضل مسیحی دوستوں سے یہ پوچھوں گا کہ کیا اُس راہب کا دل آپ کے جیسے تعصّب سے بالکل پاک تھا جو اُس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام علم و حکمت کی باتیں بتا دیں۔ کیا اُس کی فطرت کا تقاضا یہ نہ ہونا چاہئے تھا کہ جب میں بڈھا کھوسٹ یہ علم و حکمت کی باتیں حاصل کرنے کے باوجود عمل میں ناکام رہا اور کچھ نہیں سیکھ کر کامیاب ہو جائیگا۔ تو دنیا مجھ پر کس قدر ہنسے گی اور مجھے کیسا ڈوب مرنے کا موقعہ ہوگا کہ میں بوڑھا تجربہ کار ان چیزوں پر عمل کرنے کے قابل نہ ہوسکوں اور یہ بارہ سالہ بچے ان چیزوں کے عمل سے دنیا بھر کو مسخر کرلیں۔ بھلا کیا اُس دانش مند راہب کو یہ چیزیں سدِ سکندر کیطرح حائل ہو کر حضور کو علم و حکمت تعلیم کرنے سے نہ روک دیتیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے فاضل دوست۔ شاید اس کا جواب نہ دیسکیں گے۔ اچھا اُس نے یہ باتیں اپنی ہی قوم کے کسی بچّہ کو کیوں نہ تعلیم کردیں تاکہ نصرانیوں ہی میں سے کوئی شخص سید المرسلین بن جاتا۔ اگر آپ یہ کہیں کہ بحیرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی میں قبول و عمل کا یہ جوہر ہی نہیں دیکھا تو میں کہونگا کہ اسی سے آنحضرت صلعم کا سید المرسلین ہونا ثابت ہوگیا۔ کیونکہ نصرانیوں میں تو کوئی بھی اُس کا اہل نہ نکلا۔ اور نصاریٰ ہی پر کیا موقوف ہے۔ یہود و مجوس وغیرہ پر بھی اُس دوربین نظروں والے راہب نے نگاہیں دوڑائی ہوں گی جب سب کو نالائق پایا ہوگا۔ تب حضور کو چار و ناچار آپ کے قول کے موافق اس نے علم و حکمت کی باتیں تعلیم کی ہوں گی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں تک بحیرہ کی نظر پہنچی مایوس اور ناکام ہو کر واپس آگئی۔ اور سوائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی ایک بھی اُس کے علم و حکمت سیکھنے کا اہل نہ نکلا۔ لہذا آپ کے قول کے نتیجے

کے ماتحت بھی سید المرسلین کا سہرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے سر پر باندھا گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے یہ حاشیہ آرائی کیوں کی۔ اس لئے کہ بحیرہ نصاریٰ کا متقدی اور عبادت خانہ کا محافظ تھا۔ آپ جیسے عقل کے پتلے فاضل دوستوں کو یہ چیز کھٹکی کہ نصرانی مذہب کا ایک پیشوا جا کر ان کمترین کے مانند ایک بارہ سالہ بچے پر پروانہ وار نثار ہو۔ اس لئے آپ نے واقعۂ مذکورہ پر یہ حاشیے لکھ مارے لیکن اِن کا حال ایسا ہی ہے۔ جیسے کھسیانی بلّی کھمبا نوچے۔ دانشمندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ بھی صاف صاف تسلیم کر لیتے۔ کہ واقعتاً بحیرہ نے آپ کی تعظیم و تکریم کی اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے کہ نصرانی قوم نیک نفس پاک طینت اور غیر متعصب ہے۔ جب ہی تو اُس کے ایک ممتاز فرد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مقدس ہستی اور خدا کا برگزیدہ بندہ سمجھ کر آپ کی خاطر داری کی۔ آپ ہی بتائیے اس نتیجہ کا کتنا اچھا اثر ہوتا۔ اور آپ کی قوم سب نہیں تو کچھ تو ضرور صفحہ تاریخ پر درخشندہ ستارہ بن کر چمک اٹھتی۔

بہر کیف ہم سمجھتے ہیں کہ یہ حاشیہ آرائی آپ کی نہیں آپ کے تعصب کی ہے۔ اس لئے ہمیں آپ کی ذات سے ملال کا کیا حق ہو سکتا ہے۔ واقعہ وہی صحیح ہے۔ جسے اسلامی مورخین اور آپ جیسے فاضلین نے زیبِ قرطاس کیا ہے لیکن حاشیہ آرائی چونکہ تعصب کے ماتحت تھی۔ اس لئے غلط ٹھہری۔ اور جس طرح آفتاب پر ابر ہٹ کر دنیا میں اُجالا ہی اُجالا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ حواشی تعصب پر محمول کر کے قلم زن کرنے کے بعد وہی آفتابِ صداقت تعصب کی ظلمت سے نکلکر چمک اٹھا۔ اور اس نے تاریخ کے صفحات کو منوّر کر دیا۔ آپ نے جو یہ دیکھا کہ راہب نے امتحاناً آپ سے کچھ باتیں پوچھیں۔ اور مسخر ہو کر آپ پر پروانہ وار نثار ہو گیا تو آپ کو افسانہ نگاری کا اچھا موقعہ ہاتھ آیا۔ اور آپ نے اس واقعہ کو

یوں پلٹ دیا۔ کہ بحیرہ نے حضور صلعم کو علم وحکمت کی بہت سی باتیں سکھائیں۔ مگر کیوں سکھائیں۔ کیا دیکھکر سکھائیں۔ کس وجہ سے سکھائیں۔ اور اُسے وہ باتیں کس طرح معلوم ہوئی تھیں۔ وغیرہ وغیرہ ان کے جواب سے آپ ساکت وصامت ہیں اور رہیں گے۔

میرے دوستو! میں اس موضوع پر آپ سے ابھی کچھ اور عرض کرتا۔ ابھی اور بہت سے پہلوؤں پر روشنی ڈالنی باقی رہ گئی ہے۔ تاہم بخوفِ طوالت میں اتنی ہی گزارش پر اکتفا کرتا ہوں۔

فجار کی جنگ جب آپ معہ الخیر مکہ معظمہ تشریف لے آئے تو ابو طالب نے غور کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ راہب جھوٹ کہتا ہو یا سچ لیکن اس میں ذرا شک نہیں کہ یہ فرزند بچپن ہی سے ایک مقدس ہستی معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے ان کی نگرانی اور محبت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا چاہیئے۔ اس فیصلہ کے بعد ابو طالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے سے بھی زیادہ محبت ہوگئی انہوں نے آپ کی خدمت کا فرض بڑی خوبی سے انجام دیا۔

جب حضور کا سن شریف چودہ یا پندرہ سال کا ہوا تو عرب میں ایک عظیم الشان جنگ محلِ وقوع میں آئی۔ جس طرح اسلام کے آنے تک عرب میں ہمیشہ بڑی بڑی سفاکی جہالت مگر ساتھ ہی ساتھ شجاعت سے لبریز لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ اسی طرح یہ جنگ بھی رونما ہوئی۔ لیکن اسے بمقابلہ اور بہت سی لڑائیوں کے بعض وجوہ کی بنا پر بڑی اہمیت حاصل تھی۔

(۱) یہ جنگ اور بہت سی لڑائیوں سے زیادہ خطرناک۔ مہلک اور تباہ کن اثر ڈالنے والی تھی۔

(۲) یہ لڑائی ان مہینوں میں واقعہ ہوئی تھی جن میں ہتیار باندھنا قتل و

خونریزی حتیٰ کہ جانوروں کا شکار بھی حرام تھا۔ اور اسی لئے یہ جنگ حرب فجار کے نام سے مشہور ہے

(۳) اس معرکۂ کارزار میں پہلے پہل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شریک ہوئے مقابلہ کے خیال سے نہیں بلکہ اپنے چچا حضرت زبیر کی مدد کے لئے۔ آپ فرماتے ہیں میں اس جنگ میں اس لئے ہتھیار بند ہوا تھا کہ اپنے چچا زبیر کو دشمنوں سے بچاؤں۔ چنانچہ میں چچا زبیر کو تیر بہم پہنچایا کرتا تھا۔ یہ وجوہ تھے جن کی بنا پر اس جنگ کو اور لڑائیوں میں خاص اہمیت حاصل ہو گئی تھی۔

بعض مورخین کا قول ہے کہ حرب فجار کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے دشمنوں کا تیر و تلوار سے مقابلہ کیا۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اکثر و بیشتر کا قول وہی ہے جسے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

چنانچہ امام سہیلی نے اس کی صاف و صریح تصریح ان الفاظ میں کی ہے

وانما یقاتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معہ اعمامہ فی الفجار وقد بلغ سن القتال لانھا کانت حرب الفجار وکانوا ایضا کلھم کفارا ولم یاذن اللہ لمؤمن ان یقاتل الا لیکون کلمۃ اللہ ھی العلیا (اور یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچاؤں کے ہمراہ فجار کی لڑائی میں جنگ نہیں فرمائی۔ اگرچہ آپ جنگ و جدال کی عمر کو پہنچ گئے تھے کیونکہ یہ فجار کی لڑائی تھی۔ اور اس میں سب کے سب کافر ہی تھے اور اللہ تبارک و تعالیٰ مسلمانوں کو اجازت نہیں دیتا۔ کہ وہ خواہ مخواہ لڑیں۔ لیکن اگر لڑیں تو اعلائے کلمۃ الحق کے لئے)

شرکتِ حضورؐ کے طفیل قریش کی فتح

یہ جنگ قریش اور قیس کے قبیلوں میں رونما ہوئی تھی۔ اس معرکہ میں

قریش کے ہر خاندان نے حصہ لیا۔ اور اپنے اپنے مختصر دستے کے ساتھ ہر خاندان کا سردار جماعت کی کمان کرتا ہوا میدانِ کارزار میں شریک ہوا۔ چنانچہ حضرت زبیر بن عبدالمطلب خاندانِ ہاشم کے علم بردار تھے اور اسی حلقہ میں حضورِ اکرم صلعم بہ نفسِ نفیس تشریف رکھتے تھے۔ قریش کا سب سے بڑا سپہ سالار حضرت ابوسفیان کا باپ حرب تھا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ایک من چلا اور جوشیلا سپہ سالار تھا لیکن قبیلۂ قیس میں بھی ملاکے سورما جری بہادر موجود تھے۔ معرکۂ کارزار گرم ہوا۔ پہلا حملہ دونوں طرف سے بڑے زور و شور کا ہوا لیکن تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قبیلۂ قیس کے سپہ سالار میں بہادری کے ساتھ ساتھ چالاکی بھی تھی۔ چنانچہ اس نازک موقعہ پر وہی کام بھی آئی اور قریش کے حملے کو قبیلۂ قیس کے سپہ سالار نے روک ہی نہیں لیا۔ بلکہ اپنی عجیب و غریب ترکیبوں سے اُس نے قریش کو پیچھے ہٹا دیا۔ قبیلۂ قیس کے نعروں سے میدان گونج اٹھا۔ لیکن اس پسپائی سے قریش کی غیرت اور حمیّت کو حرکت ہوئی اُس پر طرّہ یہ ہوا کہ حرب نے ایک موثر تقریر سے قریش میں آگ لگادی یہ اپنے دشمن سے شکست کھانے اور اُن پر بہت سی قربانیاں چڑھانے کے تھوڑی ہی دیر بعد سنبھلے آندھی کی طرح بڑھے اور بارش کی طرح دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اس مرتبہ بھی اگرچہ مخالف نے بڑے استقلال اور جوانمردی سے کام لیا لیکن قریش کا یہ بڑھتا ہوا جوش رُکنا تھا نہ رکا۔ پہلے تو دشمن ہمت اور جرأت سے مقابلہ کرتے رہے اور جانبین کے بہت بہادر جنگ کی بھینٹ ہوتے رہے۔ لیکن قریش کا آخری حملہ کچھ اس زور کا ہوا کہ دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے وہ بھاگے اور بے تحاشہ بھاگے۔ پھر کیا تھا قریش نے اُنہیں تلواروں پر رکھ لیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں بہت سوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ یہ چونکہ قریش کے ننگ و ناموس کا

معاملہ تھا اور وہ حق پر تھے تو خدا نے بھی رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل انہیں فتح اور عظیم الشان فتح مرحمت فرمائی۔ اور قریش کے حق پر ہونے ہی کی وجہ سے ہمارے سرکار آقائے نامدار سرور عالم حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس جنگ میں اپنے چچا زبیر کو تیروں سے مدد دیتے رہے لیکن آپ نے کسی پر تلوار نہیں اٹھائی جیسا ہم ابھی عرض کر چکے ہیں۔ بہرکیف جنگ فتح ہوئی۔ اور قریش کے نعرہائے مسرت سے میدانِ کارزار گونج اٹھا۔ وہ خوش خوش پلٹے اور اپنی اپنی قیام گاہ پر واپس آ گئے

معاہدہ

متواتر خانہ جنگیوں کا سلسلہ ایک ایسا قیامت خیز سلسلہ تھا کہ جس نے عرب کے ہزاروں سینے پُر داغ اور ہزاروں گھر بے چراغ کر دیئے تھے۔ جنگ مذکورہ میں چونکہ قریش کے بھی بڑے بڑے بہادر کام آئے تھے۔ اُن کی موت اور ہیم لڑائیوں نے بعض لوگوں کے دلوں میں اصلاح کا مادہ پیدا کیا۔ زبیر بن عبد المطلب نے لیڈری کا علم بلند کیا۔

اور لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانا شروع کر دیا چند افراد جو پہلے ہی اِن جانکاہ شدائد سے اُکتا چکے تھے۔ زبیر بن عبد المطلب کے ہمنوا ہو گئے۔ جب اِس نیک خیال کی مؤید ایک پوری جماعت ہو گئی۔ اور خاندانِ ہاشم کے ساتھ ساتھ بنی زہرہ اور بنی تیم نے بھی حصہ لیا تو یہ تجویز ہوئی کہ یہ نیک خیال جماعت ایک جگہ بیٹھ کر لڑائیوں کے سدباب کی تجاویز پاس کرے۔ چنانچہ جنگ فجار سے واپس ہونے کے چند ہی روز بعد عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں تینوں مذکورہ خاندانوں کے نامور افراد جمع تھے۔ زبیر بن عبد المطلب نے ایک مختصر مگر موثر تقریر کی جس میں یہ بتایا کہ آج قتل و غارت بے رحمی ناانصافی خونریزی وغیرہ ہی ہمارے بڑے اخلاق بنے ہوئے ہیں۔ جن کی بدولت آج عرب کے ہزاروں گھروں میں سناٹا پڑا ہے۔ آخر میں زبیر بن عبد المطلب نے اس پر زور دیا کہ ہم میں ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے

اور ظالموں کو مکہ سے نکال باہر کردے۔

یہ ایسی مبارک تجویز تھی جسے مان لینے میں خصوصاً ایسی جماعت کو کچھ بھی تامل نہ ہوسکتا تھا۔ اور نہ ہوا۔ سب نے باتفاقِ رائے نیک تجویز منظور کی۔ یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس جلسہ میں سب کے پیش پیش حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ نے بہت زوردار طور پر اس سودمند تجویز کی تائید فرمائی تھی۔

جلسہ برخاست ہوا۔ اور لوگ اپنے اپنے مکان چلے گئے لیکن تعجب یہ ہے کہ یہ مبارک تجویز منظور ہو کر ہی رہ گئی اور اس پر ایک نے بھی عمل نہ کیا۔ نہ معلوم اس کے کیا اسباب تھے کہ اس تجویز کی تائید میں تو لوگوں نے پورے جوش سے کام لیا۔ لیکن اس پر عمل کرنے میں ایک فردِ واحد نے بھی قدم آگے نہ بڑھایا۔ لیکن ہمارے سرکار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح اس معاہدے پر قائم اور اس کی تکمیل میں کوشاں رہے۔ چنانچہ مبارک عہدِ نبوت میں خود ہی ارشاد فرماتے ہیں۔ مجھے وہ معاہدہ اس قدر عزیز تھا۔ کہ اگر لوگ اس کے بدلے میں مجھے سُرخ رنگ کے اونٹ (یعنی سونے کا انبار) بھی دیتے تو میں کبھی قبول نہ کرتا۔ اور آج بھی اگر کوئی مجھ سے ایسا معاہدہ کرے تو میں بڑی خوشی سے تیار ہوں

معلومات یہ معاہدہ حلف الفضول کے نام سے مشہور ہے۔ وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس میں جتنے لوگ شریک تھے اُن میں اکثر کے ناموں کے شروع میں فضیلت کا لفظ موجود تھا۔ جیسے فضیل بن حرث فضیل بن وداعتہ اور مفضل۔ یہ لوگ قطورا۔ اور جرہم کے قبائل سے بیان کئے جاتے ہیں۔

خانہ کعبہ کی تعمیر بیان کیا جاتا ہے کہ حرمِ محترم میں آگ لگ جانے سے حرمِ محترم کو بڑا بھاری نقصان پہنچا اور تمام دیواریں بالکل سیاہ پڑ گئیں پھر اس پر طرہ یہ ہوا کہ بارش کا پانی خانہ کعبہ پر اس زور سے پڑا کہ اس کی عمارت کا

اکثر حصہ شکستہ ہوگیا۔ چونکہ اُس وقت تک حرمِ پاک کی چھت نہیں تھی اس لئے بارش کی روک نہ ہوسکی اور خانۂ کعبہ کی عمارت کو کافی نقصان پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر قریش نے آپس میں صلاح کی کہ خانۂ کعبہ کو از سرِ نو تعمیر کر دینا چاہئے۔ اتفاق سے ٹوٹے ہوئے جہازوں کے تختے جدّہ کے بندرگاہ پر موجود تھے وہ بہت سستے ہاتھ آگئے اور قریش نے بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ تمام خاندانوں نے عمارت کے مختلف حصوں کی تعمیر اپنے اپنے ذمّے لی خوش قسمتی سے ایک مسافر معمار بھی باقوم نامی پھرتا پھراتا ادھر آنکلا۔ قریش نے اس کی بڑی خاطر کی کیونکہ انہیں معمار کا اس موقعہ پر آجانا غیبی مدد معلوم ہوتی تھی۔ معمار کی ہدایت کے موافق سب نے اپنا فخر جان کر بیت اللہ کی تعمیر انجام کو پہنچائی۔

حضورِ اکرم کے طفیل ایک عظیم جنگ کا سدباب

جب حجرِ اسود کے نصب کرنے کا موقعہ آیا تو یا تو سب لوگ ایک دل ہوکر کام کر رہے تھے یا آپس میں سخت کشمکش پیدا ہوگئی۔ اس لئے کہ ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ شرف وہ حاصل کرے۔ سب نے اپنے اپنے حقوق جتانے شروع کئے۔ جب اس سے بھی کام نہ چلا تو ایک دم تلواریں کھینچ گئیں۔ اس پر بھی یہ آگ کم نہ ہوئی تو لوگوں نے ایک دوسرے کی جان لینے کی قسمیں کھائیں۔ لیکن جب بعض جہاں دیدہ لوگوں نے انہیں منع کیا۔ کہ ایسے مبارک کام میں تو قتال و جدال کا بازار گرم نہ ہونا چاہئے تو وہ ایک دوسرے کی جان لینے سے باز رہے اور دستور کے موافق پیالہ میں خون بھر کر انگلیاں ڈبولیں۔ یہ خون میں انگلیاں ڈبونے والے بنی عبدالدار اور بنو عادی تھے۔ اس حرکت سے اُن کا لقب لعقۃ الدم (خون کے چاٹنے والے) پڑ گیا۔ لیکن تلواریں اسی طرح علم رہیں اور تین روز تک سخت خطرناک منظر پیش رہا۔ آخر کار ایک جہاں دیدہ معمر شخص ابوالامیہ بن المغیرہ نامی نے آواز بلند کہا میں جو کچھ کہتا ہوں اُسے کان دھر کر سنو۔ شاید کسی اچھے نتیجے پر پہنچ جاؤ۔ اس آواز سے شور و ہنگامہ کم ہوا اُس معمر

نے کہا۔ میرے خیال میں اس کا فیصلہ جس طرح تم کرنا چاہتے ہو کبھی نہ ہوگا۔ اس کی آسان صورت یہ ہے کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے حرمِ محترم میں داخل ہو اُسے پنچ بنالو۔ اور جو کچھ وہ کہے اُسے مان لو۔

یہ رائے جوشیلے عربوں کے لئے اعجاز کا کام کرگئی۔ سب نے اپنی اپنی تلواریں میان میں کریں۔ اور اس رائے کو پسند کرتے ہوئے اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ دوسرے دن جو ذات والا صفات سب سے پہلے حرمِ محترم میں قدم زن ہوئی وہ ہمارے سرکار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات تھی۔

تمام قریش آپ کو دیکھکر خوش ہوگئے اور کہنے لگے کہ ہم ضرور ان کے فیصلے پر عمل کریں گے۔ کیونکہ یہ بڑے ہی امین اور راست باز ہیں۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مذکور مقدمہ پیش ہوا۔ آپ نے فرمایا محض اتنی سی بات نے اس قدر طول کھینچا۔ ابھی ابھی سب کی حسب منشاء اس کا فیصلہ ہوا جاتا ہے۔ پھر آپ نے ایک بڑی چادر منگوائی۔ اور اس میں حجرِ اسود کو رکھکر فرمایا۔

ہر خاندان اپنا ایک ایک نمایندہ منتخب کرے۔ فوراً تعمیلِ ارشاد ہوئی اور ہر قبیلہ سے ایک ایک نمایندہ کا انتخاب ہوگیا۔

حضور نے اُن نمایندوں سے فرمایا تم سب چادر کو ہاتھ لگاؤ اور اسے اونچا کرکے جہاں حجرِ اسود کے نصب ہونے کا مقام ہے وہاں ملادو۔

چادر اٹھائی گئی اور جب حجرِ اسود کے نصب ہونے کی جگہ پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود اٹھا کر دیوار میں نصب کر دیا۔ یہ دیکھکر سب مارے خوشی کے اُچھل پڑے اور کہنے لگے۔ محمدؐ واقعی تم نے بڑا اچھا فیصلہ کر دیا ورنہ خدا معلوم ہم میں سے کتنے آدمی تلوار کے گھاٹ اُتر جاتے۔ ہر خاندان نے حضورؐ کا

شکریہ ادا کیا اور کہا کہ آپ نے ہم سب کی بات رکھ لی۔

اب سب لوگ خوش ہو گئے۔ سارا بغض و عناد رفع ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ایک بڑی خونریزی کا سدِباب ہو گیا۔

معلومات ہم بیان کر چکے ہیں کہ خانہ کعبہ کے انہدام اور تعمیر کی وجہ آتش زدگی اور بارش کا پانی بھر کر نقصان پہنچنا بتائی گئی ہے لیکن بعض مورخین نے لکھا ہے کہ چونکہ کعبۃ اللہ کی چھت نہیں تھی۔ اس لئے خانہ کعبہ کا مال کچھ لوگ چرا لے گئے تھے قریش کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اسے پھر سے گرا کر بنا دیا جائے اور ساتھ ساتھ چھت پاٹ کر اسے محفوظ بھی کر دیا جائے۔ اس لئے انہوں نے خانہ کعبہ کو گرا کر پھر سے بنا دیا۔

قیاس یہ کہتا ہے کہ بارش کے پانی کی وجہ سے دیواریں بوسیدہ اور کسی قدر شکستہ ہو گئی ہونگی۔ اس لئے قریش نے مناسب سمجھا کہ اسے ڈھا کر پھر سے بنا دیں ورنہ اگر چار دیواری پائدار ہوتی تو اسی پر چھت پاٹ دی جاتی۔ اور پھر سے بنانے کا ارادہ ان لوگوں کے دل میں کبھی نہ آتا۔ اس لئے کہ جب اس چار دیواری کو گرانا چاہا تو تقریباً سب کے دلوں میں ایک دھشت بیٹھ گئی تھی ڈرتے تھے کہ کہیں یہ ہمارا فعل آسمانی خدا کی مرضی کے خلاف نہ ہو لیکن وائے ان کی سمجھ پر کہ خانہ کعبہ گرانے سے تو وہ ڈرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپکو "کالیف پہنچانے سے نہ ڈرے۔ اور اس وقت انہیں آسمانی خدا کے غضب کا خیال نہ آیا۔ یہ ان کی سمجھ کا قصور نہیں تو کیا ہے!

بہر کیف اس سے یہ پتہ چلا کہ قریش نے عمارت کی بوسیدگی ہی کی وجہ سے کعبہ کا انہدام ضروری سمجھا۔ ورنہ وہ اس کام سے لرزتے تھے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ قارئین کرام کی مزید معلومات کے لئے کعبہ کی مختصر تاریخ حوالۂ قلم کر دیں۔ تاکہ انہیں ہر پہلو پر غور و خوض کرنے کا بخوبی موقعہ مل سکے۔

تاریخ کعبہ

جب اللہ تعالیٰ نے خلیل اللہ اور ذبیح اللہ کو کعبۃ اللہ کے پڑ گئے اور اُسے تو انہوں نے ارشادِ باری کی تعمیل میں بیت اللہ تعمیر کی طرف چھٹا آپ پانچویں باب میں پڑھ چکے ہیں چنانچہ حضرت اسمٰعیل ہی اپنی مبارک حیات میں گناہ یاد آئے وارث رہے آپ کی وفات کے بعد آپ کا فرزند نبت والی ہوا۔ اس نے بھی حیات میں خانہ کعبہ کی بخوبی حفاظت کی لیکن جب اس کا بھی انتقال ہو گیا تو کچھ ایسے اسباب جمع ہو گئے کہ بنو جرہم نے خانہ کعبہ پر اپنا قبضہ جما لیا اور اپنے قبیلہ میں سے خانہ کعبہ کی سرداری کے لئے مضاض کو منتخب کیا۔ پھر اس کے بعد اُس کی اولاد در اولاد میں یہ وراثت آتی رہی۔ یہاں تک کہ بنو جرہم کی سفاکیاں۔ غداریاں۔ زنا۔ بت پرستی وغیرہ یہ چیزیں اتنی بڑھ گئیں جن سے خانہ کعبہ کے احترام کو سخت صدمہ پہنچا حقیقت یہ ہے کہ اس وقت بنو جرہم کے دلوں سے خانہ کعبہ کی عظمت بالکل اٹھ چکی تھی۔ قساوت قلبی کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ دور دراز کا سفر طے کر کے جو زائرین مکہ میں آتے تھے یہ بے رحم نہ صرف اُن کا مال و اسباب ہی چھین لیتے تھے بلکہ نہایت بے دردی سے اُن مظلوموں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ اِن کی زناکاری کا ایک نمونہ اساف اور نائلہ تھے جنہوں نے خاص حرمِ محترم میں زنا کیا جس کی پاداش میں فوراً ہی اُن پر عذابِ الٰہی نازل ہوا۔ اور یہ دونوں برہنگی کی حالت میں پتھر کے بنا دیئے گئے۔ پہلے تو مکے والوں نے عبرت کے لئے اُن دونوں کو حرم کے دروازے پر چپ و راست کھڑا کر دیا تھا اور اُن پر نفریں کی بوچھار ہوا کرتی تھی لیکن جب عرصہ گزر گیا تو لوگوں کے دلوں میں اُن کی طرف سے نفرت و حقارت کی بجائے محبت اور عظمت پیدا ہونے لگی۔ مثل مشہور ہے کہ بجات کثیر از نجاست ہی میں خوش رہتا ہے۔ اُن شیطان سیرت انسانوں نے رفتہ رفتہ اِن دونوں بدکاروں کو خدا بنا لیا۔ اب یہ دونوں پتھر کے بت جو کبھی انسان تھے خاص حرمِ پاک میں لاکر رکھ دیئے گئے۔ اور دھڑلے سے ان کی پوجا ہونے لگی زور و شور سے منتیں مرادیں

ما اور مانگی جانے لگیں۔ اللہ کے خاص گھر میں ان شیطانوں کی خدائی کا راج ہو گیا۔ معاذ اللہ۔

جب ان لوگوں کے ظلم و ستم کی انتہا ہو گئی تو اللہ نے اس قوم پر نکسیر کا عذاب بھیجا اور رفتہ رفتہ یہ قوم ہلاک کر دی گئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جس کی نکسیر جاری ہو جاتی تھی۔ اس کے خون بند کرنے میں کوئی دوا کارگر اور تدبیر کارآمد نہ ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ خون بہتے بہتے اس کی روح تحلیل ہونے لگتی تھی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ بے دم ہو کر رہ جاتا تھا۔

خزاعہ اس وقت سے تہامہ میں جا بسے تھے جب سے عمرو بن حارث کی اولاد یمن سے جا کر اطراف کے شہروں قصبوں میں پھیل گئی تھی۔

جب خزاعہ کو یہ معلوم ہوا کہ اللہ نے بنو جرہم کو ہلاک کر ڈالا تو وہ خوش خوش اپنے مقام سے بڑھے اور مکہ معظمہ پہنچکر جرہم کے ان باقی ماندہ لوگوں کو جو پہلے ہی موت سے ہمکنار ہونے والے تھے قتل کر ڈالا۔ اگرچہ جرہم کے بہت سے لوگ نکسیر کی نظر ہو چکے تھے اور خدا نے ان میں سے اکثر کو ہلاک کر ڈالا تھا۔ لیکن پھر بھی جو لوگ باقی تھے ان کے پاس پورا سامان حرب موجود تھا۔ عمرو بن حارث اس وقت ان کا سردار تھا۔ جب اس نے خزاعہ کو مکہ پر چڑھائی کرتے سنا تو اپنی قوم کے باقی ماندہ لوگوں کو جمع کر کے ان کے سامنے ایک پرجوش اور موثر تقریر کی جس سے ان کی ہمتیں بندھ گئیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت اللہ نے ان پر سے نکسیر کی بیماری بھی دفع کر دی تھی۔ تاکہ یہ لوگ دل کھول کر دشمن سے مقابلہ کر سکیں اور انہیں اپنی ناتوانی کا عذر نہ ہو۔ جب دونوں حریف صف آرا ہوئے تو خزاعہ کے سردار عمر بن ربیعہ بن حارث نے اپنی فوج کے سامنے کھڑے ہو کر ایک مختصر مگر جذبات برانگیختہ کرنے والی تقریر کی۔ جس کے ختم ہوتے ہی دونوں طرف سے حملہ ہو گیا۔ بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں جرہم کے بہت سے سپاہی موت کے

گھاٹ اتر گئے۔ یہاں تک کہ عمر بن حارث جرہمی کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور اُسے یقین ہو گیا کہ عنقریب دشمن کی تلوار میرا فیصلہ کیا چاہتی ہے تو وہ حرم کی طرف جھپٹا یہاں پہنچکر اس نے کعبہ کی دونوں غزالیں اور حجر اسود نکالا۔ اب اُسے اپنے تمام گناہ یاد آنے لگے۔ اُس نے صدق دل سے اِن الفاظ میں توبہ کی ؎

لاھُمَّ انَّ جُرھم عبادُکا والناس صرافٌ وھم تلادُکا

وھم قدیماً عمروا بلادکا

(اے اللہ! جرہم تیرے بندے ہیں۔ جو تیری بہت پرانی ملک ہیں اور یہ لوگ تو تیرے نئے نئے فرمانبردار ہوئے ہیں۔ ہم قدیم سے تیرے بلاد میں رہتے سہتے چلے آئے ہیں)

مگر چونکہ عمرو بن حارث کی توبہ قبول نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس نے کوئی بشارت نہیں سُنی۔ تو اس لئے مایوسی کے عالم میں اس نے وہ سونے کی غزالیں چاہِ زمزم میں ڈال دیں اور اُس متبرک کوئیں کو بھی پاٹ دیا۔ اس کا یہ فعل دو پہلوؤں پر محمول کیا جا سکتا ہے ایک تو یہ کہ اس نے سونچا کہیں زمزم کی بے حرمتی نہ ہو اور غزالیں دشمن اپنے صرف میں نہ لے آئے۔ اس لئے اُس نے غزالیں زمزم میں ڈال کر ساتھ ہی اس کنوئیں کو بھی بند کر دیا جس کے متعلق ہم پہلے ہی عبدالمطلب کے ذکر میں بیان کر چکے ہیں۔ لیکن اس کا دوسرا پہلو یہ ہو سکتا ہے کہ عمرو بن حارث نے بخل کے مارے یہ حرکت کی تاکہ دشمن یہ چیزیں پاکر مسرور اور مستفیض نہ ہو سکیں۔

بہرکیف اس کام سے فارغ ہو کر عمرو بن حارث معہ اپنے چند زخمی ہمراہیوں کے سرزمین یمنیہ کی طرف بھاگ گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہاں ایک روز سیلاب آیا اور اُن سب کو بہا لے گیا۔

جرہم کے بعد بیت اللہ کا وارث عمرو بن ربیعہ ہوا۔ اس کے بعد خزاعہ نے اس کی جگہ پر قبضہ کر لیا۔

خزاعہ کا دور ختم ہونے کے بعد بیت اللہ کے والی قریش ہوئے۔ اور رفتہ رفتہ ہاشم اور پھر عبدالمطلب بیت اللہ کے والی ہوئے۔ آپ ہی کے مبارک دورِ زندگی میں خود انہیں کی کوشش سے چاہِ زمزم پھر برآمد ہوا اور وہ غزالیں بھی نکلیں جنکی تفصیل پیش کی جا چکی ہے۔

یہاں یہ بات بھی معلوم ہو جانی چاہئے کہ جس نے غزالیں چرائیں تھیں اس کا نام دوبک تھا جو سلیح بن خزاعہ کا مولی تھا۔ قریش نے اسے پالیا اور فوراً اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا۔ لیکن اس سے پہلے جن پر چوری کا شبہ کیا جاتا تھا وہ عامر بن حارث بن نوفل ابو ہارب بن عزیز اور ابولہب بن عبدالمطلب تھے۔ تاہم جب اصلی مجرم کا پتہ لگ گیا تو مذکورہ لوگوں پر سے شبہ بالکل جاتا رہا

الغرض سب سے بڑی بات یہی تھی کہ قریش کو یہ اندیشہ ہو گیا تھا کہ دوبارہ کوئی بیت اللہ کا مال نہ چرا لیجائے۔ اس لئے انہوں نے ضروری سمجھا کہ چونکہ نیا دوں میں پانی بیٹھ جانے کی وجہ سے دیواریں بوسیدہ ہو گئی ہیں۔ اس لئے انہیں منہدم کر کے پھر سے نہایت پائدار اور مستحکم بنا دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور جیسا ہم عرض کر چکے ہیں کعبۃ اللہ کی عمارت نہایت پائدار بنا دی گئی۔ یہ تھی مختصر تاریخِ کعبہ جو قارئین کرام کی معلومات کے خیال سے پیش کر دی گئی۔

عکاظہ کا میلہ

زمانہ جاہلیت میں اسلام سے قبل تک ذیقعدہ کے مہینے میں عرب کے سارے قبیلے اطراف وجوانب سے اکٹھے ہو کر طائف سے نخلہ تک پھیل جاتے اور بڑے زور کا میلہ مناتے تھے۔ اس میلے میں موجودہ زمانے کے میلوں کی سی شان تو نہ تھی۔ لیکن پھر بھی دور دور سے قیمتی اشیا یہاں لا کر فروخت کی جاتیں اور قسم قسم کی دلچسپیاں پیدا کی جاتی تھیں۔ یوں تو طائف سے نخلہ تک آدمی ہی آدمی پٹے ہوئے معلوم ہوتے تھے لیکن عکاظہ بازار اس میلہ کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہاں مجمع کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ اس سے کسی کا بغیر سخت تکلیف اٹھائے

گزر جانا ناممکن تھا۔ یہ میلہ ایک مہینے تک پورے زور و شور کے ساتھ رہتا تھا۔ اِس مہینے میں کوئی ایک شخص بھی ہتھیار بند نظر نہ آتا تھا۔ اگرچہ اِس میں بہت سی خرافات ہوتی تھیں۔ تاہم مظلوموں بیکسوں اور معصوم لڑکیوں کے لئے یہ مہینہ بڑا غنیمت تھا اس لئے کہ اِن دنوں میں جنگ و جدال کا بازار بالکل سرد پڑ جاتا تھا۔ اور سارے بغض و عناد و کینہ و فساد اس میلے میں آکر کافور ہو جاتے تھے وہ قبائل عرب جو آپس میں ایک دوسرے کے بدترین دشمن ہوتے اِس میلے میں آکر بہترین دوست بن جاتے تھے اس کی دلچسپیاں بڑھانے کے لئے ہر سال کچھ نہ کچھ چیزوں کا اضافہ ہو جایا کرتا تھا۔

اس میلے کو مذہبی شان بھی حاصل تھی۔ چونکہ عرب اس مہینے کو بڑا حرمت والا سمجھتے تھے اسی لئے اُنہوں نے اِس میلے کی بنا ڈالی تھی۔ اور رفتہ رفتہ اس کی ترقیاں اور دلچسپیاں پورے شباب پر پہنچ گئی تھیں۔ میلے کے مذہبی ہونے کی غالباً یہی وجہ تھی کہ وہ ایام الحرام میں واقعہ ہوتا تھا جس طرح آج ہندوستان میں موسم سرما کے موقع پر جگہ جگہ نمائشیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح ذیقعدہ کے مہینے میں عرب نمائش کا میلہ لگایا اور منایا کرتے تھے۔ اس میلے میں جیسا ہم عرض کر چکے ہیں کوئی ایسی چیز نہ تھی جو نہ مل سکتی ہو۔ دور دور سے قسم قسم کے عطریات۔ جواہرات۔ زیورات۔ ملبوسات وغیرہ آکر فروخت ہوا کرتے تھے۔ عود عنبر مشک وغیرہ کی بھی کمی نہ ہوتی تھی میوہ جات کے تو جگہ جگہ ڈھیر کے ڈھیر انبار کے انبار لگے نظر آتے تھے۔ غرض آج ہندوستان کی بہتر سے بہتر نمائش بھی شاید باوجود نئی نئی ایجادات ہونے کے بھی عرب کی اُس نمائش کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اُس زمانہ کو دیکھتے ہوئے اُس کی آراستگی اور دلچسپی واقعی قابل داد تھی۔ ہر شخص ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اس میلے کے کامیاب بنانے میں کوشش کرتا تھا۔ عرب کے سربرآوردہ شعراء کی وجہ سے یہ میلہ اور بھی زیادہ دلچسپ ہو گیا تھا میلے کے ایک سب سے بڑے خیمے میں جہاں قبائل عرب کے سردار بیٹھا کرتے تھے نامور

شعراء کا اجتماع ہوتا تھا اور اُن کے اشعار پر تحسین و آفریں کا شور بلند ہو جاتا تھا۔ لوگ دور دور سے سمٹ سمٹ کر اِس خیمے اور خیمے کے چہار جانب جمع ہو جاتے تھے۔ قبائل کے شیوخ اچھے اشعار پر انعام بھی تقسیم کیا کرتے تھے۔

سبعہ معلقات اسی میلے کی بہت بڑی یادگار ہے۔ شاعر کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ اپنا کلام سب سے اچھا سمجھتا ہے اور غضب یہ ہے کہ دوسروں پر بھی سب سے بہتر ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ خدا اِس زہریلے مرض سے ہماری برادری کے لوگوں کو بچائے۔

اسی فطرت کے ماتحت سبعہ معلقات کے مصنف کو بڑا غرّہ ہوا کہ اُس سے بہتر کسی کی نظم نہ ہو سکے گی۔ اس لئے اُس نے بیت اللہ کے دروازے پر اپنے قصائد آویزاں کر دیئے ۔ یہ دیکھکر اُس کے ہم پلہ شعراء نے بھی اپنے اپنے قصیدے اور نظمیں خوشخط لکھکر وہیں لٹکا دیں۔ تاکہ پڑھنے والے مقابلے میں پڑھ کر اچھے بُرے کا فیصلہ کریں۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ مہینہ عربوں میں بہت مبارک گنا جاتا تھا لیکن اُس زمانہ میں عرب کے دو قبائل قریش اور بنی ہوازن میں سخت کشیدگی اور بیزاری پھیلی ہوئی تھی۔ بنی ہوازن کا مسکن مکّے اور طائف کے درمیان اور قریش کا قیام زیادہ تر مکّہ معظمہ میں تھا۔

قانون شکنی

یہ اچھا قانون جس کے طفیل میلہ حرب و ضرب سے پاک رہتا تھا ایسا قانون تھا جو سب کیلئے مفید اور بہتر تھا لیکن بنی ہوازن نے پہلے پہل اِس قانون کی مخالفت میں قدم آگے بڑھائے۔

واقعہ یوں ہوا کہ قریش کا ایک شاعر برسرِ جلسہ نظم میں اپنے خاندان کی تعریف بیان کر رہا تھا۔ اُس میں بنی سعد کے چند اشرار نے خواہ مخواہ اُسے چھیڑ دیا۔

اور اس بُری طرح اُس کا مذاق اُڑایا کہ وہ کھسیانہ ہوکر بنی سعد کو سخت سست کہنے لگا۔ اس سے بنی سعد جوش میں آئے۔ اور اُس اکیلے کو کئی نے ملکر خوب مارا جب قریش نے یہ دیکھا کہ اُن کا ایک فرد خواہ مخواہ پٹتا جارہا ہے۔ تو انہیں بھی غصہ آگیا۔ اور طرفین سے تلواریں کھنچ گئیں اگر دونوں قبیلوں کے سردار بیچ میں پڑکر معاملے کو رفعہ دفع اور فساد کی آگ کو ٹھنڈا نہ کردیتے۔ تو ایک سخت عام جنگ ہوجاتی۔ چونکہ بنی سعد نے اس مہینہ کا احترام نہیں کیا۔ اس لئے وہ فجار کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں اور انہیں کی ایک لڑائی کا ذکر جنگِ فجار کے زیرِ عنوان آچکا ہے۔ چونکہ اس معرکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کو تیروں کی مدد دے کر شرکت فرمائی تھی اور آپ کے طفیل قریش اُس معرکہ میں فتحیاب ہوئے تھے۔ اس لئے اُسی میدانِ کارزار کا ذکر تفصیل سے کردینا مناسب سمجھا۔ ورنہ قریش اور فجار میں تو چار سال تک سخت مقابلہ ہوتا رہا۔ لیکن حضور نے کسی اور جنگ میں قریش کی شرکت نہیں فرمائی۔ چنانچہ آپ بعثت کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ مجھے انسانی خونریزی اور فضول کی ہنگامہ آرائی سے طبعاً نفرت ہے۔

یہی وجہ تھی کہ آپ نے ساری عمر کسی پر از خود حملہ نہیں کیا۔ ہاں مدافعانہ طور پر دشمن کے حملے کا جواب آپ نے ضرور دیا لیکن اس پر بھی یورپ کے نام نہاد مورخین خصوصاً سر ولیم میور نے لائف آف محمدؐ (محمد صلعم کی سوانحعمری) میں اس بات پر ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا اور بانیٔ اسلام محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانی خونریزی بہت زیادہ پسند تھی۔ لیکن اگر گستاخی معاف ہو تو ہم کہیں گے کہ ہمارے دوست اور اُن کے ہمنوا مورخین نے جھک مارا ہے۔ اُن کے تعصب نے انہیں بالکل دروغ گو اور نامنصف بنا دیا ہے۔ ہم اپنے دوست اور اُن کے ہم خیالوں سے ابھی ابھی ایک زور کا مصافحہ کریں گے۔ اور بتائیں گے کہ

اُنہوں نے جو اپنے دُکھ جلے پھپھولے پھوڑے ہیں۔ وہ کس قدر فضول۔ لغو مہمل اور بے معنی ہیں۔

صُلح دونوں قبیلوں میں باہمی صلح اس طرح ہوئی کہ دونوں طرف کے سرداروں نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں حریف اپنے اپنے ہتیار قریش کے ایک سردار کے پاس امانتاً رکھدیں۔ یہ فیصلہ دونوں فریقوں کو پسند آیا اور فوراً اس پر عمل درآمد ہوگیا۔ یہ صلح دو تین برس تک تو قائم رہی مگر بہادر اور جوشیلے قریش کے دلوں میں ہوازن کی طرف سے دشمنی کا بیج بویا جا چکا تھا۔ ایک دن اتفاق سے بنی سعد کا ایک قافلہ تجارتی سامان لئے ہوئے مکہ کی سڑک سے گزرا۔ قریش کو خبر ہوگئی اور انہیں دشمن سے بدلہ لینے کا ایک اچھا موقعہ ہاتھ آگیا۔ چنانچہ اُنہوں نے قافلے پر حملہ کرکے سردارِ قافلہ کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ لیکن اس واقعہ سے ایک عام جنگ کی بنیاد پڑ گئی۔

یہ خبر جلد ہی عکاظ میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ بنی ہوازن غصے کے مارے بے آپے ہوگئے اور اُنہوں نے اپنی پوری طاقت سے مکہ پر حملہ کردیا۔ قریش بھاگ کر مکہ میں جا چھپے لیکن بنی سعد نے کعبہ کی حرمت کا خیال نہ کیا۔ اور وہیں پہنچکر جنگ آغاز کردی۔

عرصہ دراز تک دونوں خاندانوں میں بڑے زور کی لڑائیاں ہوتی رہیں چار برس کی متواتر جنگ کے بعد عتبہ بن ربیعہ کی کوشش سے اِن دونوں میں صلح ہوگئی۔ شرائطِ صلح میں ایک بڑی شرط یہ تھی کہ بنی ہوازن کے جتنے آدمی مارے گئے۔ اُن کا خوں بہا دیا جائے۔

خدا خدا کرکے ایک طویل مُدت کے بعد اِس جنگ کا خاتمہ ہوا۔ اِسی کی ایک لڑائی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت فرمائی تھی۔ جس کی تفصیل ہم بیان کرچکے ہیں۔

افترا پردازی کا دنداں شکن جواب

عکاظ کے میلے کا حال قارئین کرام کے خیال میں غیر ضروری ہوگا۔ لیکن ایک تو اس سے عرب کی معاشرت کا بخوبی پتہ چل گیا۔ دوسرے یہ کہ ذرا ذرا سی بات میں عربوں کا لڑنا جھگڑنا ماہ حرام کی توہین کرنا۔ اور اسی بنا پر ایک بڑی جنگ کا رونما ہونا جس کی ایک میدان داری میں حضور اکرمؐ بھی شریک تھے۔ ان سب چیزوں کی وضاحت ہو گئی۔

تیسرے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارے فاضل مورخین یورپ کو جو عکاظ کا میلہ ہاتھ لگا تو انہوں نے اس پر پھیٹ سے ایک عمارت بنا ڈالی جس طرح ناول نویس یا افسانہ نگار ایک ذرا سی بات ہاتھ لگ جانے پر طول طویل کتاب لکھ مارتا ہے اسی طرح مورخین یورپ نے بھی بات کا بتنگڑ۔ تل کا پہاڑ اور سوئی کا بھالا بنا ڈالا۔ قصہ صرف اس قدر تھا کہ ہر سال مکہ کے پاس ایک زور کا میلہ لگا کرتا تھا۔ بس یہ دیکھکر ہمارے فاضل دوستوں نے اپنے جلے ہوئے دل کے پھپھولے پھوڑنے شروع کر دیئے۔ سچ یہ ہے کہ تعصب انسان کو ظالم۔ نامنصف اور اندھا بنا دیتا ہے۔ محض اس لئے کہ مکے کے پاس ہر سال میلہ ہوتا تھا اُن بڑے بڑے علامہ دھرنے بے سوچے سمجھے یہ لکھ مارا کہ چونکہ اس میلے میں دُور دُور کے آدمی جمع ہوا کرتے تھے۔ اس لئے ہمارے بڑے بڑے بشپ بھی تبلیغ مذہب کے لئے اس میلے میں پہنچکر وعظ کہا کرتے تھے خصوصاً نجران کے عیسائیوں کا بشپ تو لازمی طور پر اس میلے میں جایا کرتا تھا۔ اور محمد (صلعم) بھی اس میلے میں شریک ہوا کرتے تھے۔ یہ میلہ اتفاق سے ایک عام میلہ بن گیا تھا۔ ہر مذہب اور ہر طبقے کے لوگ اس میں شریک ہوتے تھے اس لئے محمد (صلعم) کو تمام مذاہب کی جانچ پرتال کا موقعہ اچھی طرح مل گیا تھا۔ وہ نجران کے بشپ کی تقاریر بڑی دلچسپی اور پورے انہماک کے ساتھ سنا کرتے تھے۔

یہ تو یورپ کے مورخین کو لکھنا ہی پڑا کہ حضور اکرم صلعم کے پاک دل میں بچپن ہی سے یہ مبارک خیال جگہ پا چکا تھا کہ یہ لات و ہبل پوجنے کی چیز نہیں۔ بلکہ عرب کے بدترین دشمن ہیں۔ انہیں کسی نہ کسی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہیئے اب جو آپ نے بشپ کی تقاریر سنیں جو بت پرستی سے کہیں ارفع و اعلیٰ تھیں تو آپ کے دل میں یہ بات پوری طرح گھر کر گئی کہ کوئی جدید مذہب قائم کرنا چاہیئے۔ جدید مذہب کا خیال آنحضرت صلعم کے دل میں اس لئے ہوا کہ اس زمانہ کے عیسائیوں کی معاشرت بالکل خراب تھی۔ اور ان کے خیالات اصلی انجیل کے خیالات نہ رہے تھے۔ اس لئے آنحضرت صلعم کو یہ مذہب بھی اچھا نہ معلوم ہوا۔

اس کے بعد یورپ کے نام نہاد مورخین خصوصاً سر ولیم میور۔ افسوس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر اس زمانہ میں عیسائیوں کی حالت درست ہوتی تو یقیناً محمد صلعم عیسائیوں کے ایک زبردست مصلح ہو جاتے۔

واہ وا کیا کہنا کس قدر بے بنیاد عمارت اور کیسا اچھا فیصلہ ہے۔ قارئین کرام نہ بھولے ہونگے کہ ہم نے بحیرہ راہب کے واقعہ کے سلسلہ میں عیسائی مورخوں کے خیالات بھی ظاہر کئے تھے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ سیکھا بحیرہ ہی سے سیکھا لیکن آج انہیں مورخین کی خام خیالی ان کے اپنے الفاظ ہی ظاہر کئے دیتے ہیں۔ یا تو وہ یہ لکھ رہے تھے کہ بحیرہ ہی نے آپ کو سب کچھ تعلیم کیا یا اب یہ لکھ رہے ہیں کہ نجران کے بشپ کی تقریر نے آپ کے دل میں ایک نیا مذہب ایجاد کرنے کا خیال پیدا کر دیا۔ ہمارے دونوں دوست اپنے دونوں قولوں کو آمنے سامنے رکھکر پہلے تو یہ دیکھیں کہ ایک قول دوسرے کی تکذیب تو نہیں کر رہا پھر آگے چلیں۔

اگر بحیرہ نے آپ کو علم و حکمت کی باتیں تعلیم کی تھیں تو حضور صلعم کو ان بشپ صاحب کی تقریر سننے سے کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ بحیرہ کی تعلیم ناقص تھی۔ اب بشپ صاحب کی تقریر نے اُسے کامل کر دیا۔ اور زیادہ سے زیادہ آپ یہ ہی کہہ بھی سکتے ہیں۔

بہت اچھا سنئے اگر بحیرہ کا علم ادکچرا تھا تو ایک تو اُس کی شان گرگئی۔ دوسرے ایک خام طبع کسی روشن خیال کو کیا خاک تعلیم دے سکتا ہے۔

لیکن اطمینان رکھئے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ بحیرہ کی تعلیم ادکچری تھی کیونکہ آپ میں سے بعض حضرات کا تو کہنا یہ ہے کہ محمدؐ (صلعم) جب قرآن کو اللہ کا کلام بتاتے تھے وہ کتاب بحیرہ ہی نے آپ کو لکھ دی تھی۔ مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب نبوت کا سارا سامان آپ کو مل گیا تو دعوئے نبوت میں آپ نے اٹھائیس ۲۸ برس کیوں گزارے۔ غالباً ہمارے فاضل دوستوں کے پاس اِس کا کوئی جواب نہ ہوگا اس لئے آگے چلئے۔ آپ ہی کے قول کے موافق جب بحیرہ نے حضورِ اکرم کو کتاب لکھ دی تھی تو بشپ صاحب کا وعظ آپ کے لئے کیا جدید معلومات بہم پہنچا سکتا تھا

اگر آپ یہ کہیں کہ ہر انسانی تعلیم میں کچھ نہ کچھ نقص باقی رہ جاتا ہے۔ اس لئے بحیرہ کی تعلیم میں جو نقص یا کمی تھی اُسے بشپ نے رفع کر دیا تو ہم آپ ہی کے نظریئے کے موافق یہ کہیں گے کہ انسانی علم میں نقص یا کمی کا امکان ہے۔ اس لئے بشپ صاحب کی تقاریر میں بھی ضرور کمی اور عیب باقی رہے ہونگے۔ اگر یہ بات ہے تو چاہئے تھا کہ حضورِ اکرم صلعم کی اُس پاک تعلیم میں بھی (جس سے جاہل اور وحشی عرب آسمانِ علم و ادب کے درخشندہ ستارے اور چاند بنکر چمک اُٹھے) کمی پائی جاتی۔ لیکن ہمارے فاضل دوست اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوا۔ آپ کا دین اکمل اور آپ کی تعلیم مکمل ہے۔ ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے بعد بھی آپ صحیح معنوں میں پیغمبرِ اسلام کی تعلیم میں ذرہ برابر بھی کمی ثابت نہیں کر سکتے۔ آپ تو کیا بیچارے ہیں۔ آپ کے تمام مرے جیتے گرو گھنٹال بھی اِس سے بالکل عاجز ہیں کہ حضور صلعم

کی مقدس تعلیم میں کوئی نقص نکال سکیں۔ اور یوں تو کوئی سورج کو کرۂ تاریک بتا دے تو اُس آنکھوں کے اندھے کا علاج ہی کیا؟ ہاں دنیا اُس کے منہ پر ضرور تھوکے گی۔ جو آفتاب کی چمک دمک دیکھنے کے باوجود بھی اُسے کرۂ تاریک ثابت کیے جاتا ہے۔

اسی طرح جو آفتابِ رسالت سرورِ انبیا حضور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس اور کامل تعلیم کو غلط اور ناقص بتائے اُس ہیئے کے اندھے کا علاج بھی کچھ نہیں ہو سکتا۔ مگر زمانہ اُس پر بھی اِسی طرح تھوکے گا۔ جو سید المرسلین کی تعلیم اپنے ناپاک منطقی دلائل سے ناقص ثابت کرتا ہو۔ حضور کی تعلیم تو بڑی چیز ہے۔ ذرا آپ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے قوانین ہی کو صحیح طور پر غلط ثابت کر دکھائیں تو ہم سمجھیں کہ واقعی آپ کامل آپ کا دین کامل۔ ورنہ ان اٹکل پچو خیالات سے درگزریئے۔ اور کسی کو موقعہ نہ دیجئے کہ وہ آپ کے بھونڈے حواشی کا دندان شکن جواب دے کر آپ کو رنجیدہ کرے

اچھا جناب گب بحیرہ کے چار ہی برس بعد حضور کو جدید تعلیم کی ضرورت ہو گئی تھی تو چاہیئے تھا کہ چار یا پانچ برس بعد پھر آپ کو کسی نسٹپ یا راہب کی ضرورت ہوتی جو آپ کی تعلیم کے نقائص دور کر سکتا۔ مگر غالباً یہ آپ بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ آپ کے کسی اور ہم خیال غیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بعد کسی اور راہب یا نسٹپ سے تعلیم دلانے کے متعلق لکھا ہو۔ اگر آپ کو جھوٹ ہی بولنا تھا۔ تو پیٹ بھر کر بولا ہوتا۔ افسوس کہ آپ نے جھوٹ بھی بولا اور بولنا نہ آیا۔ اگر آپ یہ لکھتے اور زور کے ساتھ لکھتے کہ بعثت سے بالکل قریب کسی راہب یا نسٹپ نے آپ کو تعلیم دی تھی تو کم سے کم آپ کی قوم تو اس پر ایمان لے ہی آتی اور اس طرح آپ کامیابی کی کچھ منزلیں تو طے کر ہی جاتے۔ اب تو آپ کی قوم کے سمجھ دار اور ذی علم گروہ کو بھی آپ کی

لغو بیانی اور مہمل کہانی کا یقین نہیں آسکتا کہ بارہ یا سولہ برس کا لڑکا کس طرح تمام حقائق سے واقف ہو سکتا ہے۔

گتے ہاتھ ایک موٹی سی بات اور بھی سن لیجئے۔ جس بحیرہ یا بشپ نے آپ کو حقائق سکھائے۔ اور علم و حکمت کی باتیں تعلیم کی تھیں ذرا ان دونوں کے عقائد کی تشریح فرما دیجئے۔ آیا وہ خدائے واحد کے ماننے والے تھے یا تین خداؤں کے بظاہر ہے کہ یہ تو آپ کسی طرح بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ دونوں موحد تھے۔

بس توصاف جواب نکل آیا کہ وہ بھی اور عیسائیوں کی طرح تثلیث کے قائل تھے۔ لیکن جناب! اگر یہ صورت تھی تو ظاہر ہے کہ انہوں نے حضور صلعم کو تثلیث ہی کی تعلیم دی ہوگی۔ مگر اس تعلیم کا یہ الٹا اثر کیوں ہوا کہ آپ کوہ ابوقبیس پر چڑھ کر فرمائیں۔ یا معشر القریش! قل لا الہ الا اللہ۔

لیجئے آپ تو کھڑے ہوتے ہی تثلیث کی نفی فرما رہے ہیں یہ کیا ہوا افسوس دونوں کی تعلیم اکارت گئی اور وحدہٗ لاشریک ہی کی تعلیم کارآمد ہوئی۔ اس لا الہ الا اللہ سے تو صاف ثابت ہو گیا کہ اپنے حبیب کریم رؤف رحیم سرور انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام علم و حکمت کی باتیں وحدہٗ لاشریک ہی نے سکھائیں۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى (سورہ نجم رکوع اول)

افسوس برسوں کا بنا بنایا گھروندا جسے ہمارے فاضل مورخین یورپ نے سر توڑ اور جانکاہ کوششوں سے بنایا ہوگا۔ بالکل تہس نہس ہو گیا۔

کیا تعجب جو وہ اس عمارت کے یکلخت ڈھے جانے پر پکار اٹھیں۔ ؎

خود غلط انشاء غلط املاء غلط ہست ایں مضمون سرتا پا غلط

عجائبات جس زمانہ میں آقائے نامدار سرور عالم حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلف الفضول کے جلسہ میں شرکت فرمائی تھی۔ اس سے

چند روز قبل ہی آپ پر ملائکہ بکثرت نازل ہونے لگے تھے۔

ایک روز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے۔ یا عم! اے چچا میں دیکھتا ہوں کہ کئی راتوں سے مجھ پر عجیب وغریب کیفیات طاری ہو رہی ہیں۔ کبھی دو اور کبھی چار آدمی میرے پاس مکان کی چھت پھاڑ کر آتے ہیں۔ اور ٹکٹکی باندھ کر مجھے دیر تک دیکھے جاتے ہیں۔ اُن سب کے چہرے بڑے نورانی ہوتے ہیں۔ وہ آپس میں ایک دوسرے سے مجھے دیکھکر کہتے ہیں۔ "فہا ہوا" یہ وہی ہیں جن کے ظہور کا وقت ابھی نہیں آیا۔ پھر وہ اسی طرح چھت پھاڑ کر آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔

چچا جان! میں اِن واقعات سے بہت متاثر ہو رہا ہوں اور میری سمجھ میں نہیں آتا یہ کیا ہو رہا ہے۔ اور ہونے والا ہے۔

ابو طالب۔ اے جانِ عم! گھبرانے کی کوئی بات نہیں تمہارے دشمن پریشان ہوں جو کچھ ہوگا دیکھ لیا جائے گا۔ تم کسی قسم کا فکر نہ کرو۔

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اب حضور کا سن شریف پینتیس سال کا ہوگیا تھا۔ آپ ہر معاملہ کی اونچ نیچ کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کی دانشمندی دانائی اور حلم کو دیکھکر بعض قریش اپنے اپنے قصے جھگڑے آپ ہی کے سامنے فیصلے کے لئے پیش کرتے تھے اور آپ اتنا اچھا فیصلہ فرماتے تھے کہ دونوں فریق خوش ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کا فیصلہ جس کے خلاف بھی ہوتا تھا۔ وہ بھی بخندہ پیشانی اُس فیصلہ کو مان لیا کرتا تھا۔

ایک روز علی الصبح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی قدر سراسیمگی کی حالت میں پھر ابو طالب کے پاس آئے اور فرمانے لگے۔

چچا جان! آج تو بڑا حیرت افزا معرکہ گزرا میں پڑا سو رہا تھا کہ یکایک میں نے

دیکھا کہ مکان کی چھت پہلے کی طرح پھر شق ہوئی۔ دو آدمی نمودار ہوئے جو فوراً اُتر کر میرے پاس آئے پہلے تو مجھے بغور دیکھتے رہے۔ پھر ایک نے میرے سینے کے اندر ہاتھ ڈال کر دل نکال لیا۔ اُسے دھویا اور دوسرے ساتھی کو دکھا کر کہنے لگا۔ قَلْبٌ طَیِّبٌ فِی جَسَدٍ طَیِّبٍ (جس مبارک سینے میں یہ دل ہے وہ سینہ بھی پاک اور دل بھی مطہر ہے)

اس کے بعد اُسی طرح میرا دل سینہ میں رکھدیا اور وہ دونوں غائب ہو گئے جب ابوطالب نے اپنے محترم بھتیجے سے یہ سُنا تو وہ گھبرا گئے۔ دل میں خیال کرنے لگے کہ شاید آپ پر کسی آسیب کا خلل ہوا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ دشمنوں کا مرض بڑھ جائے لہٰذا آپ کو کسی معالج کاہن کے پاس لے چلنا چاہیئے۔

یہ خیال کچھ ایسا مستحکم ہو گیا۔ کہ ابوطالب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اہل کتاب کے ایک بڑے عالم کے پاس پہنچے اور اُس سے یہ واقعات بیان کئے اُس دانشمند نے جب یہ سُنا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک چہرہ غور سے دیکھنے لگا یکایک وہ عالم پکار اُٹھا۔ ابوطالب تم کو کیا ہو گیا۔ جو تم اس مقدس فرزند مسیحائے زماں اور شفائے عالم کو بیمار سمجھنے لگے۔ واللہ جو کچھ تم سمجھے ہو وہ بالکل غلط ہے۔

سنو! نہ یہ بیمار ہیں اور نہ اِن پر شیطان غلبہ پا سکتا ہے۔ "ھٰذا طیب الطیب" یہ تو بڑے پاک جہان بھر میں بھلائیاں پھیلانے والے ہیں۔ جو آدمی انہیں رات کو نظر آتے ہیں۔ وہ فرشتے ہیں اور خدا کے حکم سے اِن میں نبوت کی قابلیت کا معائنہ کرتے ہیں۔ انہیں لے جاؤ اور اِن کی حفاظت کرو۔ یہود ان کے بڑے پکے دشمن ہیں کہیں ایسا نہ ہو انہیں آزار پہنچائیں۔ دیکھو! ایسی باتیں اب ہرگز کسی سے نہ کہا کرو۔ اس مقدس فرزند کا ایک دوست ہے تو سو دشمن۔ لہٰذا تمہیں پوری احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔

ابوطالب آپ کو لیکر مکان واپس آئے اور دل میں عہد کر لیا کہ وہ ان عجائبات کا ذکر اب کسی سے نہ کریں گے۔

راز۔ یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ حضور کی بعثت سے قبل سارا جہان کفّار سے بھرا ہوا تھا۔ اکیلے اللہ کا پوجنے والا ڈھونڈھے بھی نہ ملتا تھا تفصیل ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ ولادت میں بیان کر چکے ہیں۔)

بہر کیف فضائے عالم اس قدر مکدر ہو چکی تھی کہ فرشتے بھی بے چین تھے۔ اور خدا سے دعا مانگتے تھے کہ وہ جلد از جلد آفتاب رسالت کی ضیا پاشیوں سے جہانِ کفر کی ظلمت دور کر دے۔ چنانچہ آپ کا سن شریف بیس سال کا ہوا تو جس طرح کسان کی آنکھیں خشک سالی میں آسمان کو لگی رہتی ہیں۔ اور وہ بارش کا بے چینی سے انتظار کرتا ہے۔ اسی طرح ملائکہ کی نظریں آمنہ کے چاند عبداللہ کے دُرِ یتیم اور حق تبارک وتعالیٰ کے سب سے زیادہ برگزیدہ نبی الرحمۃ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جمی ہوئی تھیں کہ دیکھیں کب یہ مقدس پیغمبر ابرِ رحمت بنکر جہان پر اپنی پاک تعلیم کا مینہ برسائیں اور کب یہ کفر کی خشک سالی رفع ہو۔

یہی وجہ تھی کہ فرشتے جب تاب انتظار نہ لا سکتے تھے تو بتیابانہ رُخِ روشن کی زیارت کیلئے آپ کے پاس آتے اور آپ میں رسالت کی قابلیت کا اندازہ لگاتے تھے کہ دیکھیں وہ زمانہ کب آئے جب اس مبارک فرقِ عظمت پر تاجِ رسالت جبہۂ اطہر پر خلعتِ نبوت پہنایا جائے۔ اور یہ اللہ کے نور کا ٹکڑا ظلمتِ کفر مٹا کر توحید کا آفتاب چمکا دے۔ اسی وجہ سے حضورِ اکرم صلعم بار بار فرشتوں کو دیکھتے اور اُن کی زبانوں سے دھو ھو کے شوق بھرے الفاظ سنتے تھے۔

بتوں کی نجاست سے نبی کی حفاظت

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش زبردستی بت خانہ میں لیگئے۔ آپ فرماتے

ہیں کہ لوگ اُن بتوں کے گرد پھر کر اُن کی تعظیم کر رہے تھے۔ میں جب ایک بُت کے پاس پہنچا تو مجھے معاً ایک نورانی صورت والے دراز قد بزرگ نظر آئے۔ اُنہوں نے مجھ سے کہا آپ یہاں سے تشریف لے جائیے۔ یہ جگہ آپ کے ٹھہرنے کی نہیں۔ میں یہ سُنکر قریش کے حلقہ سے صاف نکلکر چلا گیا۔

حکمت حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ وہاں تھوڑی دیر بھی اور کھڑے رہتے تو یقیناً آپ کے نُورِ نبوت سے مسخر ہوکر سارے بُت آپ کے قدموں پر گر پڑتے۔ اور قریش ہکّا بکّا رہ جاتے۔

بہرکیف اسی قسم کے عجائبات آپ سے ظہور پذیر ہوتے رہے جن کی کسی قدر تفصیل سطور بالا میں پیش کی جا چکی ہے۔ یہ عجائبات سُن سُنکر ابو طالب کو اچھی طرح یقین ہوگیا۔ کہ میرے محترم بھتیجے ضرور ایک دن قوم کے سردار بننے والے ہیں اس لئے ابوطالب کو آپ سے اور بھی زیادہ محبت ہوگئی اور وہ ہر وقت آپ کی دلجوئی۔ خاطر داری اور نگہداشت میں مصروف رہنے لگے۔

مورخین یورپ سے ایک اور مصافحہ حضور کی ولادتِ باسعادت سے لیکر اس وقت تک جو جو عجائات خوارقِ عادات بیان کئے جا چکے ہیں۔ اُن کے متعلق سر ولیم میور۔ پروفیسر مارگولس وغیرہ حضرات نے اپنی سرتوڑ کوششوں سے بڑے بڑے اعتراض کئے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ بانی اسلام محمد (صلعم) کی ولادت اور صغیر سنی کے واقعات اسلامی مورخوں نے کچھ اس قدر گھڑ کر بیان کئے ہیں کہ اُن کی کسی قابلِ تسلیم بات پر بھی اعتبار کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ ایک انسان کی پیدائش پر اس قسم کی بڑھی چڑھی لغو بیانیاں معتبر سے معتبر مورخ کی وقعت بالکل گرائے دیتی ہیں۔

محمد صلعم کی وفات کے بعد آپ کا جوشِ عقیدت صحابہؓ اور تابعینؒ کے

دلوں میں اس قدر ترقی کر گیا کہ جب ایک صحابی کسی تابعی سے ملتے ہیں اور تابعی حضور صلعم کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو صحابی اُنہیں کچھ واقعات سُناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم حضورِ اکرم صلعم کے خوش کرنے کو اپنا خون پسینہ ایک کر دیا کرتے تھے۔ ہماری بڑی سے بڑی کوشش یہ ہوتی تھی۔ کہ حضور کسی طرح ہم سے خوش رہیں کیونکہ جب خدا کا رسول (صلعم) ہم سے راضی ہو گیا تو یقیناً خدا بھی خوش ہو جائیگا۔

یہ سنکر تابعی کہتے ہیں کہ اے کاش! مجھے میرے سرکار آقائے نامدار حضورِ اکرم صلعم کا مبارک زمانہ میسّر ہوتا۔ تو میں آپ کے قدم زمین پر نہ پڑنے دیتا۔ جہاں آپ تشریف لے جانا چاہتے۔ اپنے کندھے پر سوار کر کے حضور کو وہاں لیجاتا۔ اور اس طرح اپنے سرکار محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بجالانے کا شرف حاصل کر لیتا۔

جب عقیدتمندانِ محمّد صلعم کی یہ حالت تھی تو اُس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ مسلمان اپنے پیغمبر کی سیرت میں بہت سی اَن ہوئی اور غیر فطری باتیں شامل کر کے آپ کی سوانح حیات کو کچھ سے کچھ بنا دیں۔ اس لئے ہم مسلمانوں کے اقوال کی تصدیق کس طرح کر سکتے ہیں۔ جبکہ اُن کے بیان میں غیر ممکن الوقوع اور خلافِ فطرت کہانیاں ملی ہوئی ہیں۔

یہ ہے سر ولیم میور۔ پروفیسر مارگولس وغیرہ کے لمبے چوڑے اعتراضات کا لُبِ لباب جس میں بخوفِ طوالت نہایت اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ اب ذرا جوابات ملاحظہ فرمایئے

سب سے پہلے ہم ادب کے ساتھ اپنے فاضل دوستوں کی خدمت میں سلامِ شوق عرض کرتے ہیں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ آپ کے اعتراضات ہمارے سر آنکھوں پر۔ مگر افسوس آپ نے مسلمان مورخوں پر اعتراض کرتے ہوئے اپنے گریبانوں میں منہ نہ ڈالا دانشمند کا تو یہ فرض ہے کہ کسی کو بدصورت کہنے سے پہلے آئینہ لے کر اپنی صورت دیکھ لے۔ جب اُس کی اپنی صورت ہی سب سے زیادہ مسخ۔ سیاہ اور بھدی ہو تو دوسرے

کے بدشکل ہونے پر کس منہ سے اعتراض کر سکتا ہے۔ ہمارے دوست ہمیں معاف کریں۔ ہم نے تو یہ جملہ مثال کے طور پر عرض کیا ہے۔ کہیں اُن آنجہانی کے ہمخیال یہ نہ سمجھ لیں کہ کالے کلوٹے ہندوستانی ہم گورے چٹوں کی صورت شکل پر طعن کر رہے ہیں توبہ توبہ! بھلا ہم ایسی حرکت کیسے کر سکتے ہیں جبکہ خود ہی اپنی مثال میں ایسے لوگوں کے خلاف عرض کر چکے ہیں۔

ہمارے روشن خیال مورخو! ہم آپ کی صورتِ ظاہری کے متعلق کچھ نہیں کہہ رہے۔ ہماری مراد آپ کی شکلِ مذہبی سے ہے۔ ذرا مروجہ انجیل ہی کا آئینہ لیکر پہلے اپنے مذہب کی صورت دیکھ لیجئے۔ پھر آپ کو اگر اُس میں کوئی عیب نظر نہ آئے تو بڑے شوق سے اسلام اور مسلمانوں پر اعتراض کیجئے۔ اگر آپ کو اپنی انجیل کا آئینہ دیکھنے میں زحمت ہو تو لیجئے ہم خود دکھائے دیتے ہیں۔ مگر پہلے آپ کے اعتراضات کے ظاہری دھبوں سے اپنا دامن پاک کر لیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور صغرسنی کے عجائبات ناقابلِ تسلیم ہیں۔ بہت اچھا ذرا غصہ تھوک ڈالئے اور تعصب کی دبی ہوئی چنگاریاں دلوں سے نکال پھینکئے۔ تاکہ آپ کی روح میں جو ہیجان پھیل رہا ہے رفع ہو جائے اور آپ کسی بات کے سننے سمجھنے کے قابل ہو سکیں۔

سب سے پہلے ہم یہ عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ حضور کے مذکورہ عجائبات پر کچھ اسلام کی بنیاد نہیں رکھی گئی ہے۔ جو شخص اِن عجائبات کو تسلیم نہ بھی کرے اُس کے اسلام اور ایمان میں بھی ذرہ بھر کمی نہیں آتی لیکن ہاں جو اِن عجائبات کو پڑھ سنکر تحقیر آمیز ہنسی ہنسے وہ یقیناً بے ادب اور بدتمیز ہے۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اُسے کامل ایمان حاصل نہیں ہوا۔ اس لئے کہ کامل ایمان ہونیکی بڑی شرط یہ ہے کہ مسلمان کو حضورِ اکرم سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے ماں، باپ، بہن، بھائی، کنبے، رشتے سب سے زیادہ ہو۔ جیسا قرآن و احادیث سے صاف ظاہر ہے۔ تشریح ہم کہیں بیان کر آئے ہیں۔

الحاصل جس نے اِن عجائبات کو مسلمان ہونیکی حیثیت سے بھی تسلیم نہیں کیا اور خاموش رہا تو اُس کا زوالِ ایمان نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر آپ مقدس انجیل کی ایک بات سے بھی انکار کر دیں تو آپ کا زوالِ ایمان لازمی ہے۔ مراد اس بیان سے یہ ہے کہ قرآنِ کریم اور خود حضورِ اکرم صلعم نے اپنے بچپن کے عجائبات کا ذکر نہیں فرمایا۔

ہمارے خیال میں غالباً وجہ یہ ہوئی کہ اگر قرآن اور صحاح میں اِن عجائبات کو خاص طور سے بیان کیا جاتا تو اِن پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہو جاتا۔ علّام الغیوب جانتا تھا کہ آخر زمانے میں بڑے بڑے سائنس داں اور فلسفی پیدا ہونگے جن کے تنگ دماغوں اور محدود خیالوں میں یہ چیزیں نہ سما سکیں گی۔ اور ممکن ہے وہ راہِ راست سے بھٹک جائیں۔ اس لئے نہ اللہ تعالیٰ نے اِن عجائبات کے متعلق قرآنِ کریم میں کچھ فرمایا اور نہ اُس کے پیارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے کچھ بیان کیا۔

حق تعالیٰ ہی نے حضورِ اکرمؐ کو بھی منع فرما دیا ہوگا لیکن یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعثت کے بعد جو معجزات آپ سے ظہور میں آئے وہ کتبِ صحاح میں جوں کے توں موجود ہیں جن میں ایک بڑا معجزا معراج ہی ہے تو یہ معجزات کتبِ صحاح میں کیوں ملتے ہیں جن میں سے بعض کا اشارہ خود قرآنِ کریم بھی کر رہا ہے

حقیقت میں یہ سوال قابلِ مضحکہ نہیں مگر ذرا سی سمجھ کا پھیر ہے۔ بعثت کے بعد حضور نے جو جو معجزات دکھائے اُن کے دیکھنے والے بیسیوں سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ جب آپ کے قانون میں دو آدمیوں کی گواہی بھی معتبر سمجھی جاتی ہے۔ تو اتنے آدمیوں کی گواہی کس طرح غیر صحیح ہو سکتی ہے۔

یہ تو شاید آپ کو بھی معلوم ہو کہ احادیث حضورِ اکرم صلعم کی وفات کے صدیوں بعد مدوّن کی گئی ہیں جن میں صحاح ستہ کے درجہ کو جو کتابیں پہنچی ہیں۔ اُن کی جانچ

پڑتال اور دیکھ بھال میں بڑی بڑی کوششوں سے کام لیا گیا ہے تفصیل شروع کتاب میں ہی پیش کی جا چکی ہے۔ چنانچہ اسماء الرجال کا فن اسی مقصد کی تکمیل میں بنایا گیا۔ جس میں ہر راوی کے ثقہ غیر ثقہ ہونے میں مکمل بحث کی گئی ہے۔ تو حضور کے معجزات صحابہ نے تابعین سے اور تابعین نے تبع تابعین سے پھر حاضر صحابہ نے غائب سے بیان کئے ہیں خود حضور اکرم نے نہیں لکھوائے۔ اب اتنی سخت پرکھ کے بعد جو چیز ہمارے سامنے آئی اس کی صداقت میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ آنکھیں کھوئے اور اسلامی تاریخ پڑھنے کے ساتھ ہی ساتھ کتب صحاح بھی پڑھئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ ایک ایک حدیث پر اس کی صداقت میں کس قدر مہریں ثبت ہیں عن فلان۔ عن فلان کا سلسلہ کتنی دور تک پہنچتا ہے۔

چونکہ حضور کی پیدائش اور بچپن کے عجائبات کسی ایمان والے نے نہیں دیکھے تھے اس لئے مذکورہ عجائبات صحاح ستہ میں داخل نہیں کئے گئے۔ اور قرآن کریم نے بھی ان کے متعلق کچھ نہیں فرمایا لیکن بعثت کے بعد جب بہت سے مقدس نفوس دولت اسلام سے مشرف ہو گئے تو ان کی گواہی بھی معتبر سمجھی گئی۔ اور ان کی روایات کو صحاح میں بڑی پرکھ کے بعد جگہ مل گئی۔ پھر ان میں سے بھی جس شخص کے متعلق یہ ثابت ہو گیا۔ کہ اس نے عمر بھر میں ایک ہی جھوٹ بولا یا ایک کام غیر ثقہ کیا تو اس کی روایت کو صحاح میں جگہ نہیں دی گئی۔

بہر کیف سخت تنقید کے بعد صحاح ستہ کی احادیث مدون کی گئی ہیں اور اب ان میں ایک نقطہ کی صداقت پر بھی عقلمند کو تو ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور بیوقوف دیوانہ پاگل جو چاہے کہے۔ اس کی بات تسلیم ہی کون کرتا ہے۔

ایک معراج ہی ایسا معجزہ ہے جسے آپ نے خود بیان فرمایا۔ لیکن اس کی صداقت پر خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو جگہ اشارے فرمائے ہیں۔

(۱) سبحان الذی اسری بعبدہ الایہ (۲) والنجم اذا ھوی الآیہ

ہم آپ کو اپنی معلومات بہم پہنچانے کے بعد آپ کے اعتراضات کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ ہم ابھی کہہ چکے ہیں کہ حضور کی ولادت اور کم سنی کے متعلق جو روایات ہیں وہ ضعیف احادیث باکتبِ تاریخ میں ملتی ہیں اس لئے اُن پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ لیکن آپ چونکہ نہ صرف اِن روایات کا مضحکہ ہی کر رہے ہیں بلکہ ہمارے محدثین و مورخین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا ہر قول جھوٹا بتا رہے ہیں اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم آپ سے دو دو باتیں کر لیں۔ اور آفتابِ حقیقت پر آپ نے جو ظلمتِ کذب کی نقاب ڈالدی ہے۔ اُسے چاک چاک کر ڈالیں۔

جوابِ لاجواب لیجئے ملاحظہ فرمائیے اور اپنی جہالت کے انکشاف پر آنسو بہائیے ایک زبردست رہبر۔ ایک کامل رہنما۔ اور ایک مصلحِ اعظم۔ ایسا مصلحِ اعظم جو خاکِ عرب سے تنِ تنہا اُٹھتا ہے۔ اور کفار کے بھرے مجمع میں بڑی دلیری کے ساتھ بہ بانگِ دہل لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی آوازِ حق بلند کرتا ہے۔

لوگ چہار جانب سے اس مقدس ہستی پر پتھر مارتے، ڈھیلے پھینکتے طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے ہیں۔ ستم و ستم کی تکلیفیں دیتے ہیں اور سجدے کی حالت میں اونٹ کا اوجھ آپ کی مبارک کمر پر رکھ دیتے ہیں۔ غرض ہر ممکن ظلم و ستم کرتے ہیں لیکن نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صرف تیئیس ۲۳ سال ہی کے عرصہ میں وہی جنگلی، وحشی اور سرکش عرب اپنے تمام ہتھیار آپ کے قدمِ اقدس پر ڈالدیتے ہیں اور خود (سوائے چند شریر النفس لوگوں کے جو موت کے گھاٹ اُتارے جا چکے تھے) اس آفتابِ رسالت کے غلامانِ حلقہ بگوش بن جاتے ہیں۔

حبشہ کا بادشاہ نجاشی ابھی آپ کی یہ زبردست روحانیت دیکھکر مشرف باسلام ہو جاتا ہے۔ صرف اتنی ہی قلیل مدت میں تمام جزیرۂ عرب کلمۂ توحید کے نعروں سے گونج اٹھتا ہے۔ اور قیصر و کسریٰ بھی آپ کی اس زبردست روحانیت

کو دیکھکر تھرا اٹھتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

اب میں پوچھتا ہوں کہ ایسے مصلح اعظم کی ولادت کے وقت (جس کو یتیم کو جناب باری نے روز ازل ہی سے سب سے زیادہ ممتاز اور محبوب بنا دیا تھا) اگر عجائبات مذکورہ کا ظہور ہو تو کیوں تعجب کیا جاتا ہے۔

اگر ولادت اور کم سنی کے عجائبات پر آپ تعجب کرتے ہیں تو یہ بھی تسلیم نہ کیجئے کہ اُس مقدس ذات نے تیئس سال میں دنیا میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا میں کہتا ہوں یہ بھی آپ کے احاطۂ عقل سے باہر ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ نہ تو تاریخ عالم نے کوئی ایسی مثال پیش کی ہے جس سے یہ واقعات تسلیم کرائے جائیں اور نہ یہ باتیں ہی عقل میں آسکتی ہیں کہ صرف ایک شخص بڑے بڑے طاقتور اور بت پرست عربوں پر غالب آجائے۔ جس کے پاس دولت ہے نہ حکومت ہتیار ہیں نہ فوج خیمے ہیں نہ اور سامان جنگ۔ پھر وہ شخص ان بڑے بڑے من چلے اور جوشیلے عربوں پر کس طرح غالب آسکتا ہے۔

ہاں یہی کہکر آپ حضور صلعم کے تمام حیرت انگیز کارناموں سے انکار کر دیجئے مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ آپ کے بس کی بات نہیں۔ چاند پر کوئی کتنی ہی خاک ڈالے اس کا کچھ بھی نہیں بگڑ سکتا۔ خاک پھینکنے والے ہی کے منہ پر پڑا کرتی ہے اسی طرح اگر آپ سراج المنیر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب۔ فضائل عجائبات اور کارنامے مٹانے کی کوشش کریں تو آپ کی ساری تدبیریں خاک میں مل جائیں۔ کیونکہ جو چیز اظہر من الشمس ہے اُسے آپ کس طرح مٹائیں گے۔ جب آپ یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مختصر مبارک حیات میں دنیا کی کایا پلٹ دی تو اسے بھی مان لیجئے کہ ایسے زبردست مصلح اور عظیم الشان پیغمبر کی ولادت پر جس قدر عجائبات ظہور میں آئے ہوں بالکل بجا ہیں۔

میں نے ذکرِ ولادت ہی میں اس موضوع پر کافی بحث کر دی تھی۔ لیکن اُس وقت میرا مطمحِ نظر مسلمان تھے۔ اور اب آپ جیسے فاضل مگر متعصب عیسائی۔ کیا آپ کو یاد نہیں کہ آپ ہی کے ہم مذہبوں نے یورپ کے نامور اشخاص کی پیدائش کے متعلق بہت سے عقل میں نہ آنے والے قصّے لکھے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ کہہ دیا ہے کہ جس طرح عوام و خواص میں فرق ہوتا ہے اسی طرح دونوں کی پیدائش میں بھی فرقِ بیّن پایا جاتا ہے۔ بہت بجا ارشاد ہوا۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ اور اسی لئے ہم حضور کی ولادت شریف اور کم سنی کے عجائبات صحیح سمجھتے ہیں۔ جب عوام و خواص اور اُن کی پیدائشوں کے حال میں نمایاں فرق دیکھا جاتا ہے تو اخصّ الخاص پیغمبر حضور محمّد رسول اللہ صلعم کی مبارک ولادت اور کم سنی عام بچوں کی پیدائش وغیرہ سے کیونکر ممتاز نہ ہوتی۔ ہاں خدا کے ایسے برگزیدہ نبی کی ولادت میں مذکورہ عجائبات کیوں نہ ظہور میں آتے جن کے فضائل قرآن کے علاوہ انجیل اور تورات میں بھی موجود ہیں۔

ہم انشاء اللہ کسی مناسب مقام پر انجیل کی واضح اور روشن ایک سو ساٹھ[۱۶۰] پیشین گوئیاں حوالۂ قلم کرتے ہوئے آپ سے پوچھیں گے کہ اب بتایئے ہمارے سرکار احمدِ مختار حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا بھر سے افضل ثابت ہوگئے یا نہیں۔

اب تو صرف موجودہ بحث کو ہی کچھ عرض کر کے ختم کئے دیتے ہیں۔ جب کسی بشپ کی پیدائش پر غیر معمولی باتوں کا ظہور ہو سکتا ہے تو افضل الاولین والآخرین نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے وقت مذکورہ عجائبات کا ظہور کیونکر غلط ہوگا۔

آپ آنحضرت صلعم کی پیدائش کے عجائبات پڑھ کر تو اس قدر چونکتے ہوتے ہیں لیکن وہ جو ہم نے کہا تھا کہ ذرا اپنی بائبل کا آئینہ اٹھا کر اپنی مذہبی صورت دیکھئے اور بتایئے اسکے متعلق آپ کیا کہیں گے؟

مطلب یہ ہے کہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش پر تو اس سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر باتیں آپ کی بائبل نے بیان کی ہیں جن پر ایمان لانا آپ کے لئے ضروری ہے۔ لیکن ہمارے قرآن تو قرآن کتب صحاح میں بھی ان عجائبات کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس لئے کہ اسلام کا دار و مدار ان عجائبات کے ماننے نہ ماننے پر نہیں ہے۔ جیسا ہم عرض کر چکے ہیں۔ کیوں جناب مسیح علیہ السلام کا بے باپ کے پیدا ہونا۔ مُردوں کو جلانا۔ بیماروں کو اچھا کرنا وغیرہ عقل کی عینک پر کب درست ٹھہرتا ہے؟

ہم تو اگر اپنے رسول صلعم کی ولادت کے صحیح عجائبات آپ کی خاطر سے تسلیم بھی نہ کریں تو ہمارے اسلام اور ایمان میں کچھ بھی ضعف نہیں آسکتا لیکن آپ بتائیے کیا کیجئے گا۔ آپ کا تو بڑا فرض ہے کہ آپ اناجیل کے ایک ایک نکتہ پر ایمان لائیں پھر ان خرقِ عادت امور پر آپ کس طرح ایمان لائیں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ادھر کے رہیں نہ اُدھر کے جیسا کسی نے کہا ہے ؎

تیری وہ مثل ہوئی اے رضی نہ الی الذی نہ اولی الذی

ہم تو آپ کی خاطر سے یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ہم اپنے حضور صلعم کی ولادت کے عجائبات کو غیر صحیح تسلیم کر لیں اور آپ اپنے مسیحؑ کے خوارقِ عادات غلط مان لیں۔ لیکن اس میں ہمارا تو کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔ البتہ آپ کے ایمان کو زوال آجائیگا پھر آپ ایسی بحث چھیڑتے ہی کیوں ہیں جس سے اُلٹی آنتیں آپ ہی کے گلے پڑ جائیں۔ اور آپ چاہ کن را چاہ در پیش کے مصداق بن جائیں۔

یہی تو ہم نے شروع میں کہا تھا کہ انسان پہلے آئینہ میں اپنی صورت دیکھے اگر عیوب سے پاک ہو تو پھر کسی دوسرے کی شکل پر اعتراض کرے۔ اگرچہ یہ بحث یہاں بالکل ختم ہو گئی اور جناب باری نے بحمد للہ ہمیں پوری کامیابی مرحمت فرمادی۔ لیکن چونکہ ہم وعدہ کر چکے ہیں کہ آپ کو بائبل کے آئینہ میں آپ کی مذہبی صورت کا معائنہ کرائیں گے

اس لئے ایفائے وعدہ کے طور پر مقدس بائیبل کی چند سطور حوالۂ قلم کی جاتی ہیں۔ انہیں پڑھئے اور اپنی تقدیر کے لکھے پر خوب روئیے۔ اپنی طرف سے بھی اور ہماری طرف سے بھی۔ کیونکہ ہمیں بھی آپ سے اس معاملہ میں پوری ہمدردی ہے کہ آپ کو خواہ مخواہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور بچپن کے عجائبات پر نکتہ چینی کر کے اپنی قسمت کے لکھے پر رونا پڑا۔ اور تعجب نہیں ہماری پوری بحث اور اپنا کچا چٹھا دیکھ کر آپ جیسے کملائے فاضلین کی زبان پر یہ مصرعہ جاری ہو جائے۔

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

مسیحی فاضلوں کے روبرو انجیل کا آئینہ

انجیل متی باب اول از آیت ۱۸ تا باب ۲۔ آیت ۲۳۔

"اب یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اُس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو اُن کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی پس اُس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا اور اُسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا چپکے سے اُس کے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتے نے اُسے خواب میں دکھائی دے کر کہا۔ اے یوسف ابنِ داؤد اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر کیونکہ جو اُس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس سے ہے۔ وہ بیٹا جنے گی اور تو اُس کا نام یسوع رکھنا۔ کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو اُنکے گناہوں سے نجات دیگا۔ یہ سب کچھ اِس لئے ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہو گی اور بیٹا جنے گی اور اُس کا نام عمانوایل رکھینگے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ خدا ہمارے ساتھ۔ پس یوسف نے نیند سے جاگ کر ویسا ہی کیا جیسا خداوند کے فرشتے نے اُسے حکم دیا تھا۔ اور اپنی بیوی کو اپنے ہاں لے آیا۔ اور اُس کو نہ جانا جب تک وہ بیٹا نہ جنی۔ اور اُس کا نام یسوع رکھا۔"

"جب یسوع ہیرودیس بادشاہ کے زمانہ میں یہودیہ کے بیت لحم میں پیدا ہوا تو دیکھو کئی مجوسی پورب سے یروشلم میں یہ کہتے ہوئے آئے کہ یہودیوں کا بادشاہ جو پیدا ہوا ہے وہ کہاں ہے۔ کیونکہ پورب میں اُس کا ستارہ دیکھکر ہم اُسے سجدہ کرنے آئے ہیں۔ یہ سُنکر ہیرودیس بادشاہ اور اُس کے ساتھ یروشلم کے سب لوگ گھبرا گئے اور اُس نے قوم کے سب سردار کاہنوں اور فقیہوں کو جمع کرکے اُن سے پوچھا کہ مسیح کی پیدائش کہاں ہونی چاہیئے۔ اُنہوں نے اُس سے کہا کہ یہودیہ کے بیت لحم میں کیونکہ نبی کی معرفت یوں لکھا گیا ہے۔

اے بیت لحم یہودہ کے علاقے!

تو یہودہ حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا جو میری اُمت اسرائیل کی گلہ بانی کریگا۔ اس پر ہیرودیس نے مجوسیوں کو بُلا کر اُن سے تحقیق کیا کہ وہ ستارہ کس وقت دکھائی دیا تھا۔ اور یہ کہکر اُنہیں بیت لحم میں بھیجا کہ جاکر اُس بچہ کی بابت ٹھیک ٹھیک دریافت کرو۔ اور جب وہ ملے تو مجھے خبر دو تاکہ میں بھی آکر اُسے سجدہ کروں۔ وہ بادشاہ کی بات سُن کر روانہ ہوئے اور دیکھو جو ستارہ اُنہوں نے پورب میں دیکھا تھا وہ اُن کے آگے آگے چلا۔ یہاں تک کہ اُس جگہ کے اوپر جاکر ٹھہر گیا جہاں وہ بچہ تھا۔ وہ ستارہ کو دیکھکر نہایت ہی خوش ہوئے اور گھر میں پہنچکر بچہ کو اُس کی ماں مریم کے پاس دیکھا اور اُس کے آگے گرکر سجدہ کیا اور اپنے ڈبے کھول کر سونا اور لوبان اور مُر اُس کو نذر کیا اور ہیرودیس کے پاس پھر نہ جانے کی ہدایت خواب میں پاکر دوسری راہ سے اپنے ملک کو روانہ ہوئے۔" جب وہ روانہ ہوگئے تو دیکھو خداوند کے فرشتہ نے یوسف کو خواب میں دکھائی دیکر کہا کہ اُٹھ بچے اور اُس کی ماں کو ساتھ لیکر مصر کو بھاگ جا۔ اور جب تک میں تجھ سے نہ کہوں وہیں رہنا۔ کیونکہ ہیرودیس اِس بچہ کو تلاش کرنے

کو ہے تاکہ اُسے ہلاک کرے۔ پس وہ اُٹھا اور رات کے وقت بچّے اور اُس کی ماں کو ساتھ لیکر مصر کو روانہ ہوگیا۔ اور ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہا تاکہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ مصر میں سے میں نے اپنے بیٹے کو بلایا۔ جب ہیرودیس نے دیکھا کہ مجوسیوں نے میرے ساتھ ہنسی کی۔ تو نہایت غصّہ ہوا۔ اور آدمی بھیجکر بیت لحم اور اُس کی ساری سرحدوں کے اندر کے اُن سب لڑکوں کو قتل کروادیا۔ جو دو برس کے یا اس سے چھوٹے تھے۔ اُس وقت کے حساب سے جو اُس نے مجوسیوں سے تحقیق کیا تھا اُس وقت وہ بات پوری ہوئی جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہی گئی تھی۔ راما میں آواز سُنائی دی۔

رونا اور بڑا ماتم
راحیل اپنے بچّوں کو رو رہی ہے
اور تسلی قبول نہیں کرتی۔ اس لئے وہ ہیں نہیں۔

جب ہیرودیس مرگیا تو دیکھو خداوند کے فرشتے نے مصر میں یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا کہ اُٹھ اِس بچے اور اِس کی ماں کو لیکر اسرائیل کے ملک میں چلا جا۔ کیونکہ جو بچے کی جان کے خواہاں تھے وہ مرگئے۔ پس وہ اُٹھا اور بچے اور اُسکی ماں کو ساتھ لیکر اسرائیل کے ملک میں آگیا۔ مگر جب سُنا کہ ارخلاؤس اپنے باپ ہیرودیس کی جگہ یہودیہ میں بادشاہی کرتا ہے تو وہاں جانے سے ڈرا اور خواب میں ہدایت پاکر گلیل کے علاقہ کو روانہ ہوگیا۔ اور ناصرت ایک شہر میں جا بسا تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا۔"

مزید اردو دو باتیں[۲] کیوں جناب والا اب تو اس آئینہ کے ملاحظہ سے ساری قلعی کھل گئی۔ ذرا انصاف سے فرمایئے کہ اِس بیان میں کونسی ایسی بات ہے جسے سنکر بے چون وچرا یہ از سرتا پا مہمل کہانی تسلیم کرلیجائے

کیا اس کا کوئی جز بھی ایسا ثابت کیا جا سکتا ہے جو انصاف کی ترازو میں بادل نو لے پاؤ برتی اور عقل کی کسوٹی پر کھرا اترے۔ یہ دیکھکر بڑا افسوس ہوتا ہے کہ ایک طرف تو ارسطو وقت لقمان زماں ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ اور اپنی ناقص عقل کی عینک سے کامل شریعت والے کامل نبیؐ کے عجائبات کا انکار کئے دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف اپنی انجیل کی بے سروپا کہانیوں کو بلا چون وچرا اور بغیر جانچ پرکھ تسلیم کر لیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہم منصف عادل اور عقل کے پتلے ہیں۔ ماشاء اللہ آپ بھی خیر سے ایک دوشیزہ لڑکی سے کم نہیں کہ جب اُسے اُس کا عاشق چھیڑتا ہے۔ بہت چھیڑتا ہے اور اُس کے ظلم وستم کی داستان یاد دلا دلا کر اُسے مشتعل کرتا ہے تو اُس محبوب دلفریب کی زبان سے منہ پھیرتے ہوئے صرف ایک لفظ نکل جاتا ہے جسے اپنے ریمارک کے ساتھ شاعر اس طرح نظم کر دیتا ہے

ے منہ پھیر کر وہ کہتے ہیں بس مان جائیے
اس شرم اس لحاظ کے قربان جائیے

بعینہٖ یہی حال ہمارے اُن فاضل مورخین یورپ کا ہے جب وہ اپنی ناانصافی اور بیوقوفی کی داستان ہماری زبان سے سنتے ہیں تو شرم کے مارے عرق عرق ہو جاتے ہیں اور منہ پھیر کر جھینپتے ہوئے انداز میں بس مان جائیے کے الفاظ کہہ اُٹھتے ہیں۔

جھینپئے نہیں سر اٹھائیے اور ہماری باتوں کا جواب مرحمت فرمائیے۔

کیوں جناب آپ کو اس آئینہ میں کیا نظر آیا؟ کیا اب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عجائبات سے آپ انکار ہی کئے جائیں گے؟ ذرا یہ تو بتائیے اس کہانی میں کونسا سُرخاب کا پر لگا ہوا ہے کہ آپ اس کے حرف حرف پر تمغہ اطمینان پکار اٹھتے ہیں۔

بھلا جھوٹ کی بھی کوئی انتہا ہے کہ مجوسی پورب سے یروشلم میں یہ کہتے ہوئے آتے ہیں کہ یہودیوں کا جو بادشاہ پیدا ہوا ہے وہ کہاں ہے کیونکہ پورب میں اُس کا ستارہ دیکھکر ہم اُسے سجدہ کرنے آئے ہیں جب کاہنوں کی نجوم نے مسیح کی پیدائش بیت لحم میں

بتائی تو وہ فوراً روانہ ہو گئے اور دیکھو وہ ستارہ جو انہیں پورب میں دکھائی دیا تھا ان کے آگے چل رہا تھا جو بیت لحم کے پاس جا کر ٹھہر گیا۔

جس زبردست سائبان میں ان گنت ستارے بھرے پڑے ہیں اُنمیں سے ایک ستارے پر نظر اٹھی کسطرح پڑی کیسے معلوم ہوا کہ یہ مسیح کی پیدائش کی خوشخبری لیکر چمکا ہے۔ اور ستارہ کا ساتھ ساتھ چلنا تو بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسے ہمارے بچے کہا کرتے ہیں۔ دیکھئے ابا جان! یہ عجیب تماشہ ہے کہ جہاں ہم جاتے ہیں چاند بھی ہمارے ساتھ جاتا ہے۔

کیا اس سے زیادہ بھی آپ کے قول کی وقعت ہو سکتی ہے جس کی مذہبی کتاب میں ایسی بچکانی اور دور از قیاس باتیں بھری پڑی ہیں وہ کس منہ سے کہہ سکتا ہے کہ بانی اسلام کے خرق عادات ناقابل تسلیم ہیں۔ پھر وہی کہنا پڑیگا کہ اگر ہمارے دوست پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھتے تو اُن کا دل (وہ دل جو آئینہ سے زیادہ چمکدار تھا مگر جس پر تعصب کی گرد اور بے وقوفی کا غبار چڑھا ہوا تھا) آپ کی دھندلی تصویر ضرور پیش کر دیتا۔

کیا آپ ہماری مذہبی کتاب میں ایک حرف بھی ایسا دکھا سکتے ہیں جسے پڑھکر ناسمجھ بچہ بھی بیساختہ ہنس پڑے۔ ظاہر ہے کہ جواب میں آپ ندامت بھرا سکوت ہی اختیار کریں گے۔ لیکن ہم پھر آپ کو یہ مشورہ دیں گے کہ جس مذہبی کتاب میں ہزاروں دور از قیاس باتیں بھری پڑی ہیں۔ اُس مذہب کی پیروی اس شد و مد سے کیا معنی رکھتی ہے۔ یا تو اس مذہب کو سلام کیجئے یا کم از کم اپنی لغو بیانیوں سے قلم اعجاز رقم روک لیجئے۔ اس وقت دو نبیوں کی پیدائش کے واقعات ہمارے سامنے ہیں لائیے ذرا موازنہ تو کریں۔ تاکہ معلوم ہو۔ ان دونوں مقدس ہستیوں میں سے کس کی پیدائش اعلیٰ طریقہ پر ہوئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

موازنہ مسیح علیہ السلام حمل میں تشریف لاتے ہیں تو اُن کے باپ کو اپنی بیوی

کی طرف سے پوری بدگمانی ہوتی ہے۔ کیونکہ منگنی ہی پر اُن کی زوجہ کو حمل رہ گیا۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ خلوت سے پہلے حمل کس طرح قرار پایا۔

آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بُرجِ حمل میں جلوہ افروز ہوتا ہے تو جنّت کے تمام دروازے کھول دیئے اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اسے بھی جانے دیجئے عرب کی قحط سالی (جس نے اُنہیں برسوں سے مضطرب کر رکھا تھا) دور ہو جاتی ہے۔ وہ عورتیں جو نورِ حضور صلعم کی دولت سے محروم رہ گئیں افسوس کرتی ہیں کہ ہائے یہ نعمتِ غیر مترقبہ ہمیں کیوں نہ مل گئی۔

حضرت آمنہ کو خواب میں متواتر بشارتیں دی جاتی ہیں کہ اُن کے حمل میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں۔

مقدسہ آمنہ ایک نور دیکھتی ہیں جس سے اُنہیں شام کے محلات نظر آجاتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

انجیل کے مطابق مسیح کے باپ میاں یوسف صاحب کی بدگمانی اور پریشانی جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو بیچارے فرشتے کو اُن کے حال پر رحم آجاتا ہے اور وہ جھٹ سے اُن کے خواب میں آکر یہ کہہ سناتا ہے کہ تو اپنی بیوی سے بدگمان نہ ہو۔ کیونکہ جو اُس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس سے ہے وہ بیٹا جنے گی اور تو اُس کا نام یسوع رکھنا۔ اس لئے تو اُس کو اپنے ہاں لانے سے نہ ڈر۔

یہ خواب دیکھکر یوسف کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور وہ اپنی بیوی حضرت مریم کو اپنے گھر لے آتے ہیں۔ لیکن اُن حضرت کی بدگمانی اُس وقت تک رفع نہیں ہوتی جب تک حضرت مسیح پیدا نہیں ہو جاتے۔ کیونکہ انجیل کے بیان کے موافق یوسف نے اس وقت تک اپنی بیوی کو نہ چھوا جب تک وہ لڑکا نہ جنی۔ واہ رے بدگمانی تو تو فرشتے کے قول پر بھی حاوی رہی۔

اب بتائیے انجیل کے قول کے مطابق اس سے زیادہ شرمناک پیدائش کس کی ہوگی کہ باپ الگ بدگمان۔ ماں الگ حیران و پریشان۔

واہ رے مسیحیوں کے خداوند کی پیدائش کہ تو نے سب سے پہلی رحمت تو یہی کی کہ دونوں زن و شوہر بدحواس ہو گئے۔ ایک بدگمانی سے اور ایک حیرانی سے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس سال جہانِ تیرہ و تار کا اجالا ہوئے اس برس میں سارے عرب کے گھر لڑکے ہی لڑکے پیدا ہوئے یہ اس لئے کہ جنگلی عرب لڑکیوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔

رحمۃ العالمین کی پیدائش کے سال سب سے عجیب رحمت تو یہ ہوئی کہ معصوم لڑکیوں کے خون سے زمین لالہ زار نہ بنی

لیکن جب یوسف کو فرشتے نے خواب میں یہ اطلاع دی کہ ہیرودیس بادشاہ مسیح کے قتل کے ارادے سے ادھر آتا ہے۔ تو بچے اور بیوی کو لیکر مصر بھاگ جا اور یوسف بیدار ہو کر فوراً حکم کی تعمیل میں بیوی بچے کو ساتھ لے مصر روانہ ہو گئے تو ہیرودیس بادشاہ بیت لحم میں آیا اور اس نے بڑی بے دردی سے تمام معصوم بچوں کو قتل کر ڈالا۔ اللھم حفظنا۔

اس سے زیادہ خونی سال اور اس سے بڑھ کر خطرناک پیدائش کیا ہو سکتی ہے کہ بہت سے بے زبان بچے بیگناہ قتل کر دیئے گئے۔ تب کہیں حضرت مسیح بچ سکے مگر ہمارے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ آپ کی ولادت کی وجہ سے اس سال لڑکیوں کی پیدائش ہی موقوف کر دی گئی۔

اب آپ ہی بتائیے کہ ان دونوں نبیوں کی پیدائش میں کس کی ولادت برحق جل علیٰ شانہ نے رحمت کا مینہ برسایا اور آپ کی انجیل کے مطابق کس کی پیدائش

پر خون کی بارش ہوئی؟ اس کا فیصلہ ہم آپ پر ہی چھوڑے دیتے ہیں۔

ولادتِ مسیح کے عجائبات عقل کی کسوٹی پر

اب آیئے مسیح کے دو ایک عجائبات عقل کی کسوٹی پر اور کس لیں۔

یا تو ہیرودیس بادشاہ مجوسیوں سے اپنے خداوند کی پیدائش سنکر بہت خوش ہوا تھا۔ اور کہا تھا کہ مجھے اُس کی صداقت کی جلد خبر دو۔ تاکہ میں جاکر اُس بچے کو سجدہ کروں۔ یا بلاوجہ ایسا آپے سے باہر ہوا کہ اپنے خداوند کے قتل کے ارادہ سے بیت لحم پر چڑھ دوڑا۔ وہ تو خدا غریب فرشتے کا بھلا کرے کہ اُس نے یوسف کو خواب میں آکر سب کچھ بتا دیا۔ ورنہ مسیح کے قتل میں کیا باقی رہ گیا تھا۔

یہ اُن بے جوڑ واقعات تو ہم بلا چون وچرا تسلیم کریں اور رسول اللہ صلعم کے عجائبات جو عین عقل ہیں۔ جھوٹ سمجھیں۔ واہ کیا کہنا۔

اچھا! کیوں فاضل دوستو! آخر ہیرودیس کو مسیح سے ایسا کونسا باپ مارے کا بیر تھا کہ وہ خواہ مخواہ مسرت کے بجائے مسیح کے قتل پر آمادہ ہو گیا۔

آپ اس سے تو چونکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں فرشتے آئے۔ اور آپ میں نبوت کی قابلیت کا معائنہ کرتے رہے وغیرہ وغیرہ لیکن اس پر ذرا بھی نہیں بدکتے کہ میاں یوسف کے خواب میں (انجیل کے مذکورہ بیان کے مطابق) تین مرتبہ فرشتہ آیا اور مصیبت زدہ یوسف کی مشکلات دور کیں بھلا بتایئے تو سہی فرشتے کی بلا کو کیا غرض پڑی تھی جو وہ آپکے یوسف صاحب کے خواب میں آتا جبکہ وہ نبی تو نبی ولی بھی نہ تھے۔

بحیرہ راہب کے قصے پر آپ ناحق بھوچکا ہوتے ہیں۔ ذرا اُس زمانے کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے تو آپ پر آئینہ ہو جائے گا۔ کہ اُس زمانہ میں بہت سے راہب

صحرانشین رہا کرتے تھے۔ اگر بحیرہ نے تورات و انجیل کی علامات سے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا ہو تو کیا تعجب کی بات ہے۔

ہاں پورب میں ستارہ دیکھکر مجوسیوں کا چلنا یروشلم میں آنا۔ بیت لحم میں پہنچنا اور ستارہ کا اُن کے ساتھ ساتھ رہنا (بیچارے ستارہ نے اُن کے باپ سے کچھ قرض لے لیا ہوگا جبھی تو اُن کی رہنمائی میں اُس نے یہ خدمت انجام دی) یہ کہانی اگر آپ کے نزدیک بھی غلط ہو تو اس کے متعلق ہم کچھ نہیں عرض کر سکتے۔ جسکے سر پر عقیدے کا جن سوار ہوگا وہ تو اس سے بھی زیادہ لغو باتیں تسلیم کر لے گا۔ ورنہ خیر صلا ہی خیر صلا ہے۔

ہماری بلا کو کیا غرض پڑی جو ہم آپ کو آپ کے عقائد سے ہٹانے کی کوشش کریں۔ یہ تو صرف آپ کے بے سروپا اعتراضات کے جواب تھے جو آپ بے سوچے سمجھے تعصب کی عینک سے قلمبند کر گئے۔ اگر آپ حضور اکرم صلعم کے خوارقِ عادات پر مضحکہ نہ کرتے تو ہم کیوں اپنے مقدس موضوع سے ذرا علٰحدہ ہو کر آپ کو آپ کی انجیل کا آئینہ دکھاتے۔ اگر آپ کو ہماری کوئی بات ناگوار معلوم ہوئی ہو تو اُس کے ذمہ دار خود آپ ہیں۔

کیونکہ یہ تو گنبد کی صدائے بازگشت تھی جو آپ کے کانوں تک پہنچی۔

ہاں یہ تو بتائیے اب تو آپ ہمارے مورخین کو ناقابلِ اعتبار نہ سمجھیں گے؟ جبکہ خود آپ کی انجیلِ مقدس ہی میں بے سروپا باتوں کا طومار بندھا ہوا ہے۔

الحمد للہ کہ اب ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے کہ اپنی مذہبی ذمہ داری بھی انجام دی اور دوستانہ فرض بھی آپ کو انجیل کا آئینہ دکھا کر ادا کر دیا۔ اس لئے اگر آپ ہمارا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں تو زحمت نہ فرمائیے۔ کیونکہ یہ تو ہمارا دوستانہ فرض تھا۔ جو بحمد اللہ ہمارے ہاتھوں انجام کو پہنچا۔ اچھا رخصت۔

تجارت کی ضرورت ہمیشہ سے یہ قاعدہ چلا آرہا ہے کہ دولتِ دنیا کسی

ایک کی ہو کر رہی نہ رہ سکتی ہے۔

بنی ہاشم کا خاندان زمانہ دراز تک متمول، تاجر اور سردار رہا۔ لیکن دنیا کسی کی جاگیر نہیں۔ عبد المطلب کے بعد ہی امارت کے لحاظ سے یہ خاندان کمزور پڑ چکا تھا اور اب اس کی حالت یہاں تک کمزور پڑ گئی ہے کہ ابو طالب کو اپنے مقدس اور عزیز از جان بھتیجے سے چار و ناچار یہ کہنا پڑا کہ اے جانِ عم! اب آپ بھی تجارت کے لئے قدم ہمت آگے بڑھائیے۔ حضورِ اکرم صلعم تو خود موقعہ سے اس موقعہ کے منتظر تھے کیونکہ آپ کی بے مثال خودداری کا تقاضا یہی تھا کہ آپ اپنا بار اب چچا پر نہ ڈالیں اور خود بنفسِ نفیس کوئی شغل اختیار کریں۔ چنانچہ اسی خیال کے ماتحت حضورِ اکرم صلعم نے بارہ برس کی عمر شریف میں بکریاں چرائیں اور یہ نہ چاہا کہ آپ خالی بیٹھے ہوئے چچا کی روٹیاں کھائیں۔

تعصب کی ظلمت پر حقانیت کی بجلی

عرب میں بکریاں چرانا معیوب نہ تھا۔ بڑے سے بڑے سردار کی اولاد بھی بکریاں چرایا کرتی تھی۔ جس طرح آج کل گیند بلا فیشن میں داخل ہے اسی طرح اس زمانہ میں بکریاں چرانا ایک بہترین مشغلہ اور کھیل سمجھا جاتا تھا۔

لیکن ہمارے دوست مارگولس لکھتے ہیں کہ ابو طالب چونکہ حضور صلعم کو حقیر سمجھتے تھے اس لئے بکریاں چرانے کا کام آپ سے لیا کرتے تھے۔ مگر افسوس انہیں اور سر ولیم میور وغیرہ کو تمدنِ عرب کی ہوا بھی نہ لگ سکی۔ کیا ہمارے یہ دوست دل خود معترف نہیں ہیں کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں تعصب اور نرا تعصب ہے۔

تجارت کا سفر

ابو طالب کے کہنے پر حضور صلعم بخوشی رضامند ہو گئے آپ کا سب سے پہلا سفر جو تجارت کے لئے تھا اس وقت ہوا جب آپ زبیر بن عبد المطلب کے ہمراہ یمن تشریف لے گئے۔ پہلے کی طرح اب

بھی آپ سے بہت سے عجائبات ظہور میں آئے۔ جب آپ اس سفر سے تشریف لائے تو بہت زیادہ نفع آپ ہی کے مالِ تجارت میں ہوا۔

دیانت کا پھل

صرف دو ہی سال کے عرصہ میں آپ کی راستبازی۔ دیانتداری اور ایفائے وعدہ کی شہرت دُور دُور ہو گئی۔ یہاں تک کہ تمام قریش نے آپ کو امین کا خطاب دیدیا۔ اُس زمانے میں آپ کے جتنے شرکائے تجارت رہے اُن میں سے کسی ایک کو بھی آپ سے کوئی شکایت نہ ہوئی۔

چونکہ آپ بچپن میں ابو طالب کے ہمراہ دو ایک سفر فرما چکے تھے جب ہی آپ کی بے مثال ذہانت نے تجارت کے تمام نشیب و فراز اچھی طرح سمجھ لئے تھے اور اب آپ فنِ تجارت میں ایک سن رسیدہ تجربہ کار سے کہیں بڑھ چڑھ کر واقفیت رکھتے تھے یہی وجہ تھی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کی شہرت دور دور پھیل گئی۔ اور آپ کا حسنِ معاملہ دیکھکر بہت سے مالداروں نے از خود خواہش ظاہر کی کہ آپ ہمارا مالِ تجارت لے جائیں اور نفع میں ہم آپ برابر کے شریک رہیں۔

معلومات

یہ بات کچھ نئی بات نہ تھی پہلے بھی لوگ اپنا تجارتی مال امانتداروں کو ایسی شرکت پر دیدیا کرتے تھے اور یہ تجارت کا سلسلہ بھی کچھ اب سے نہ تھا۔ بنو اسمٰعیل ہی سے اس کی ابتدا ہو گئی تھی جو روز بروز ترقی کرتی چلی جا رہی تھی۔

چنانچہ آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت ہاشم نے تمام قبائلِ عرب سے تجارتی معاہدے کرتے ہوئے اپنا خاندانی ارتباط بہت زیادہ مستحکم بنا دیا تھا۔

"یہ پر تو کس کا ہے گاہک پہ گاہک ٹوٹے پڑتے ہیں"

جب حضور اکرم صلعم کو لوگوں نے سب سے زیادہ امانت دار پایا تو بازارِ تجارت

میں غلغلہ پڑگیا۔ اور بہت لوگ اُس آفتابِ صداقت پر ٹوٹ پڑے اور خواہش کرنے لگے کہ آپ ہمارا مال لیکر باہر تشریف لے جائیں۔

اوروں کو تو بہت کوشش کے بعد کوئی ایک ایسا شریک بمشکل مل سکتا تھا لیکن مہتابِ امانت حضورِ اکرم صلعم کو گھر بیٹھے شرکاء کی ایک بڑی تعداد حاصل ہو جاتی تھی۔ ایک تو آپ کی امانت داری ہی کیا کم تھی۔ دوسری بڑی بات یہ تھی کہ آپ کا ہر سفر تجارت کی حیثیت سے پورا کامیاب ہوتا تھا۔ لوگوں کو کسی شریک سے ایسا نفع حاصل نہ ہوا تھا جو فائدہ حضور صلعم کے باعث ہوا۔

آپ کے شرکائے تجارت سے جو شہادتیں کتبِ احادیث اور تاریخ میں ملتی ہیں وہ حضور صلعم کی دیانت۔ صداقت اور ایفائے وعدہ پر پوری روشنی ڈالتی ہیں۔

دیانت کی اپنی ہی آپ مثال بعثت سے پہلے ہی آپ دُور دُور امین اور صادق مشہور ہو گئے تھے لوگ مثال کے لئے آپ ہی کا نام لیا کرتے تھے۔ اگر کسی شریکِ تجارت نے صاحبِ مال کو کچھ نقصان پہنچا دیا ہے تو اُس نے اُسے ملامت کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ ذرا محمدؐ (صلعم) ہمنا عبداللہ کو دیکھ وہ کس قدر دیانتداری اور راست بازی سے کام کرتے ہیں۔

نکتہ۔ ذاتِ باری کو یہ منظور تھا کہ بعثت سے پہلے ہی آپ کی عظمت و محبت قریش کے دلوں میں اپنا سکہ جمالے چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی لیکن وائے بدقسمتی اُن لوگوں کی جنہوں نے ایسے امین اور صادق کی حق بات کو جھوٹ سمجھا۔ اور اس مقدس ہستی کے تمام پچھلے مہتم بالشان کارنامے خاک میں ملا دیئے۔

اُلٹی سمجھ کا نتیجہ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا کہ مشرکین کو ہمیشہ ہمیشہ کا جہنم نصیب ہو گیا۔ کیونکہ انہوں نے ایسے صادق ایسے امین

ایسے صاحب معاملہ کے سچے قول کو بلا وجہ جھوٹا سمجھ لیا۔

نکتہ ہمارے خیال میں قیامت تک کے کفار کا یہ جرم تو ہوگا ہی کہ انہوں نے کفر و شرک کیا۔ لیکن خلاقِ دو عالم کے نزدیک یہ تمام بدقسمت اُس دوسرے جرم کی پاداش میں بھی جہنم کی سزا بھگتیں گے جس کی وجہ سے کفار قریش جہنم میں پڑے سلگ رہے ہیں اور سلگتے رہیں گے۔ ہمارے خیال میں یہ دوسرا جرم پہلی خطا سے بھی زیادہ ہے کہ کفار آنحضور صلعم کی نبوت سے پہلے کے کارنامے بھی جھٹلا رہے ہیں۔

چونکہ کفار قریش کے ایمان نہ لانے کا بڑا سبب یہی تھا کہ وہ صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نہ سمجھتے تھے۔ اسی لئے وہ ہمیشہ کو جہنم میں ڈالدیئے گئے۔

قیامت تک کے کفار بھی حضور صلعم کو سچا نہیں سمجھیں گے اور آپ کے قبلِ بعثت کارنامے بھی من گھڑت کہانی سے تعبیر کریں گے۔ (معاذ اللہ) اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سب مردودوں کو ابدی جہنمی فرمادیا۔ یہ استدلال ہم اس سے کرتے ہیں کہ مولائے کریم فرماتا ہے

حدیثِ قدسی بندے اگر تو سات جہانوں کے برابر بھی گناہ لیکر آئیگا جن میں شرک اور حق العباد نہ ملا ہوا ہوگا تو میں وہ سارے گناہ اپنی رحمت سے معاف کردونگا لیکن اگر شرک کا ایک ذرہ اور حق العباد کا ایک تل بھی لیکر آئیگا تو مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم کبھی نہ معاف کرونگا۔

تتابق کفار نے ایک بڑا بھاری جرم تو یہ کیا کہ اللہ کی ذات و صفات میں غیروں کو شریک کیا۔ دوسرا ناقابلِ معافی قصور یہ کہ آنحضور صلعم کو معاذ اللہ جھوٹا نبی سمجھا اور آپ کے پچھلے کارنامے بھی بلا وجہ غلط تسلیم کرلئے۔

چونکہ حبیب خدا سرورِ انبیا صلعم کے مبارک قلب کو ان چیزوں سے ٹھیس لگی کہ کفار آپ کو نعوذ باللہ من ذلک جھوٹا سمجھتے ہیں۔ تو اس لئے اللہ تعالیٰ

کا غصہ اِن کم بختوں پر نازل ہوا اور یہ ابدی جہنمی ہو گئے۔ قبلِ بعثت کارناموں سے انکار کرنے کا گناہ بھی ہم کہہ چکے ہیں۔ کہ قیامت تک کے کفار کے نامۂ اعمال میں لکھا گیا

اب ایک تو خدا کی توہین کہ رسول کے نہ ماننے کی وجہ سے خدا کو بھی نہ مانا دوسری محبوبِ خدا کی اہانت کہ اُن کے اظہر من الشمس واقعات کو تسلیم نہ کیا۔ تیسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج پہنچا۔ جو یقیناً حق العباد کے تحت میں ہے یہ سب چیزیں ملکر ایسی ہو گئیں کہ کفار ابدی جہنمی بنا دیئے گئے جن کی رہائی کی اب کوئی صورت نہیں۔

راز کاش کفارِ قریش حقیقت کو سمجھ لیتے تو غالباً اُن سب کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے آج دنیائے کفر بالکل ہی محدود پائی جاتی۔

چونکہ انہوں نے ایسے امین راستباز پیغمبر کو جھٹلایا اور آپ پر ایمان نہ لائے اس لئے اُن کے دیکھا دیکھی پڑوس کے ملکوں کی رعایا کے ایک حصہ پر غلط اثر پڑا اور انہوں نے یہ سمجھا کہ جب پیغمبر اسلام صلعم کے اپنے ہی آپ کو سچا نبی نہیں سمجھتے تو ضرور کوئی ایسی بات ہو گی جس سے اُن کے عزیزوں کو بھی اُن کی صداقت میں شک ہی نہیں انکار ہے پھر اس صورت میں ہم کیوں نیا مذہب اختیار کریں لیکن جو صحیح الدماغ اور قابل لوگ تھے انہوں نے اِن فضولیات کی پروا نہ کی اور یکے بعد دیگرے مشرف باسلام ہو گئے

مراد اس بیان سے یہ ہے کہ قریش کے جو بیوقوف پڑوسی محض انہیں کی وجہ سے مسلمان نہ ہو سکے اُن کا سارا بار بھی کفارِ قریش ہی کے کندھوں پر ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ بدقسمت قریش نورِ اسلام سے مشرف ہو کر جہنم کی بے پناہ آگ سے ہی نہ بچ جاتے بلکہ صحابہ کا شاندار لقب حاصل کر کے فردوسِ اعلیٰ کے صحیح وارث ہو جاتے۔

شرکائے تجارت کی شہادتیں بہرکیف حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرکائے تجارت نے آپ کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے۔

اُس میں سے دو ایک سرکار کے قول زیبِ صفحات کئے جاتے ہیں۔

قیس بن سائب مخزومی جب دولتِ اسلام سے مالا مال ہوئے اور آفتاب رسالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا شرف حاصل کیا تو بعض صحابہ نے قیس بن سائب کا تعارف حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کرایا۔

یہ بہت اچھے آدمی ہیں جاہلیت میں بھی خلیق متواضع اور ملنسار تھے۔

حضورِ اکرم نے فرمایا۔ میں انہیں تم سب سے بہت زیادہ جانتا ہوں۔

قیس۔ فداک اُمّی وابی (حضور پر میرے ماں باپ قربان) آپ میرے شریکِ تجارت تھے لیکن جس حسن وخوبی سے آپ نے معاملات انجام دیئے اُن کے بیان سے زبان قاصر ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ کی ذات بعثت سے قبل بھی ایک ایسی ذات تھی جس کی مثال سارے عرب میں نہ ملتی تھی فکنت لا تلاذی ولا تماری (ابوداؤد)

عبداللہ بن ابی الحمساء صحابی جب خلعتِ اسلام سے مشرف ہوئے تو ایک دن صحابہ کے گروہ میں بیٹھکر آپ نے فرمایا کہ بعثت سے قبل میں نے حضور صلعم سے ایک معاملہ کیا تھا جس کا ایک حصہ طے ہو چکا تھا مگر کچھ باقی تھا مجھے ایک ضروری کام کی وجہ سے اُٹھنا پڑا میں یہ کہکر چلا کہ میں ابھی تھوڑی دیر میں حاضر ہوتا ہوں مگر اپنے مسلسل اور متواتر کاموں میں اُلجھ جانے کی وجہ سے مجھے اپنا وعدہ یاد نہ رہا اور پورے تین دن گذر گئے چوتھے دن جب مجھے اپنے وعدہ کا خیال آیا تو میں فوراً بھاگا ہوا اُسی جگہ گیا۔ جہاں حضور صلعم سے معاملہ ہوا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلعم اُسی طرح اُسی جگہ کھڑے ہوئے ہیں جہاں میں آپ کو چھوڑ کر گیا تھا۔ میں ندامت کے مارے گڑا جا رہا تھا مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ حضورِ اکرم صلعم کی پیشانی پر بل تک نہیں آیا آپ اسی طرح بخندان پیشانی مجھ سے ملے صرف اتنا فرمایا کہ تم نے مجھے بڑی زحمت

دی۔ میں تین دن سے اسی جگہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

یہ ہے اخلاقِ محمدی کی ادنیٰ مثال جس مبارک نبی کی صداقت۔ امانت اور اخلاق بعثت سے قبل ہی اس قدر اعلیٰ درجے کے ہوں اُس محترم پیغمبر کی مدح سرائی میں زبان و قلم کیونکر ساکت نہ ہو جائیں۔ اسی مختصر سے واقعہ میں تینوں چیزیں اظہر من الشمس ہو گئیں۔

صداقت۔ تین روز تک آپ عبداللہ بن ابی الحمساء کے انتظار میں اُسی جگہ موجود رہے جہاں ملنے کا وعدہ تھا۔

امانت۔ جب تک عبداللہ سے معاملہ ختم نہ ہو گیا اُس وقت تک آپ نے کسی سے معاملہ نہ کیا اور معاملہ کی امانت کو سینہ میں لئے عبداللہ کا انتظار فرماتے رہے۔

اخلاق۔ باوجودیکہ عبداللہ تین دن کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن آپ کو ذرا بھی غصہ نہ آیا۔

کیا آج کوئی بڑے سے بڑا مدعیِ تہذیب و اخلاق آنحضرت صلعم کی صداقت امانت اور اخلاق جیسا ادنیٰ نمونہ بھی پیش کر سکتا ہے؟ کیا وہ تین دن تک اپنے وعدہ کرنے والے کا ایک ہی جگہ انتظار کریگا۔ اور اُس کے آنے پر غضب آمیز ملامت نہ کریگا کہاں ہیں تہذیب و اخلاق کے پتلے۔ کدھر ہیں سر ولیم میور اور پروفیسر مارگوس آئیں اور آنکھیں کھول کر ہمارے حضورِ اکرم صلعم کی سیرت کا مطالعہ کریں۔ تاکہ انہیں معلوم ہو کہ جس مقدس ہستی نے تیئیس سال میں دنیا کی کایا پلٹ دی اُس کے سینہ میں روحانیت کا کیسا عظیم الشان سرچشمہ تھا جس نے اجسام اور ارواح دونوں پر حکومت حاصل کر لی۔ صرف واقعہ مذکورہ ہی (جو آپ کی سیرت کا ایک جز ہے) ایسا ہے کہ دنیا بھر کی تاریخ الٹ پلٹ کرنے کے بعد بھی کوئی ایسی مثال ملنی ناممکن ہے پھر یہ تو بحرِ سیرت کا صرف ایک ہی قطرہ۔ گلزارِ حیات النبی کا ایک ہی پھول، اور مخزنِ جواہرات

کا ایک ہی جوہر ہے۔ جب اس ہی کی مثال ملنی محال ہے تو آپ کی مکمل سیرت دنیا بھر سے کس طرح ممتاز نہ ہوگی ؛

نواں باب

شباب سے نبوت تک

گلشنِ رسالت میں روح پرور بہاریں

بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ ابو داؤد۔ تفسیر کبیر۔ روح المعانی۔ سیرت ابن ہشام۔ تاریخ واقدی۔ سیرت النبی۔ تاریخ حبیب اعلیٰ۔ سیرت حلبیہ۔ طبری۔ تاریخ ابن خلدون شمس التواریخ۔ تاریخ الکامل وغیرہ۔

قاعدہ ہے کہ باغ میں بہار آتے ہی بلبلانِ خوشنوا۔ عندلیبانِ نغمہ سرا کی نغمہ باریاں فضا میں دور تک پھیل جاتی ہیں۔ اور پھولوں کی خوشبو آس پاس والوں کے مشامِ جان معطر کر دیتی ہے۔ انہیں پھولوں کی خوشبو شوریدہ بخت بلبلوں کو اپنے سے ہم آغوش کر لیتی ہے۔ وہی روح پرور مہک گل چیں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ لالچ کی عینک لگا کر خود غرضی کے ہاتھوں انہیں توڑ کر بازار لیجائے اور انہیں کی عطریت ستھرے دل و دماغ والوں کو کشاں کشاں بازار میں لاتی ہے جو انہیں بڑی ہی محبت سے خرید لیتے ہیں۔ غرض ایک خوشبو ہے جو دنیا بھر کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے۔

گلشنِ رسالت میں بہار آنے کو ہے۔ اخلاق۔ ایثار۔ محبت۔ علم۔ راستبازی

امانت داری کی کلیوں ہی میں کچھ ایسی مشام جان آفرین ہے کہ لوگ ابھی سے اُس مقدس ذات کے والا و شیدا ہوتے جاتے ہیں۔

تھوڑے ہی عرصہ میں ان کلیوں کی خوشبو نے دور دور تک لوگوں کے ہوش و دماغ مہکا دیئے۔ اگر شوق بھرے دلوں سے یہ مفہوم ادا ہو جاتا ہو تو بجا ؎

یہ ہر تو کس کا ہے گاہک یہ گاہک ٹوٹے پڑتے ہیں
چمن میں پھول یوسف مصر کے بازار میں آئے

انتخاب بلا جواب

جب حضرت خدیجہ بنت خویلد کو (جن کا سلسلۂ نسب حضور کی پانچویں پشت میں جا ملتا ہے۔ جو اس حساب سے آپ کی چچازاد بہن ہوتی ہیں) یہ خبر فرحت اثر پہنچی کہ محمد عربی صلعم نے اپنی امانت۔ صداقت اور اخلاق سے تمام قریش میں بڑا وقار حاصل کر لیا ہے اور آپ سے زیادہ امین کوئی نہیں مل سکتا۔ آپ لوگوں کا مال لیکر باہر جاتے اور کافی نفع سے فروخت فرما کر خوش خوش واپس تشریف لاتے ہیں تو حضرت خدیجہ کا بے اختیار جی چاہا کہ وہ بھی اپنا مال تجارت حضور کے ہاتھوں فروخت کرائیں۔

معلومات

حضرت خدیجہ مکہ میں بڑی مالدار تھیں اُن کے دو نکاح ہو چکے تھے لیکن اب شوہروں کے انتقال کی وجہ سے آپ بیوگی کی زندگی گزار رہی تھیں آپ اس زمانہ جاہلیت میں بھی بہترین چال چلن۔ اعلیٰ درجہ کے اخلاق اور بڑے پاک دل کی عورت تھیں۔ اسی لئے لوگ آپ کو جاہلیت میں بھی طاہرہ کے نام سے موسوم کیا کرتے تھے۔ آپ کے والد کا انتقال جنگ فجار ہی کے زمانہ میں ہو چکا تھا۔ تاہم آپ کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے اور اپنی قابل بھتیجی کا اکثر خیال رکھتے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب سارے مکے والوں کا مال تجارت جمع ہوتا تھا۔ تو اکیلی حضرت خدیجہؓ کا مال اُن سب سے زیادہ ہوتا تھا۔ اس لئے ام المومنین حضرت خدیجہؓ کو

ایک بہت بڑے امین کی ضرورت تھی۔

پیغام اور منظوری

محاسنِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت دور دور پھیلی جب ان کلیوں کی خوشبو نے لوگوں کے دماغ مہکا دیئے تو بھلا حضرت خدیجہؓ سے یہ خبر کس طرح چھپی رہتی۔ مقدسہ نے حضور کی تعریف و توصیف سُنکر میسرہ نامی غلام کو آنحضرت صلعم کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا کہ آپ میرا سامانِ تجارت لیکر باہر تشریف لے جائیں۔ میں جو معاوضہ اوروں کو دیتی ہوں۔ آپ کو اُس سے دُگنا دونگی۔ جب حضور صلعم کے پاس یہ پیغام پہنچا تو آپ نے منظور فرما لیا۔

روانگی

تاجرانِ مکہ کا قافلہ جانے ہی کو تھا کہ حضور صلعم بھی تیار ہو گئے حضرت خدیجہؓ نے بہت سا تجارتی مال اونٹوں پر لد وا کر آپ کے ساتھ کیا۔ اور میسرہ غلام کو بھی آپ کے ہمرکاب کر دیا۔ بعض مورخین کا قول ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے اپنے ایک عزیز خزیمہ ابن حکیم کو بھی آپ کے ہمراہ کر دیا تھا۔

عجائبات

جب آپ کا قافلہ روانہ ہو گیا تو پہلے کی طرح اب بھی حضور سے خوارقِ عادات ظہور میں آنے لگے۔ دھوپ میں کبھی تو دو جانور اپنے پروں سے سایہ کر لیتے تھے۔ اور کبھی ایک سفید ابر کا ٹکڑا سرِ اقدس پر سایہ فگن ہو جاتا تھا۔

تاریخ الکامل میں ہے کہ اس سفر میں ابوبکر صدیق بھی آپ کے ہمراہ تھے جب یہ قافلہ شہر بصرہ کے قریب پہنچا۔ اور قیام کیا تو حضور صلعم ایک خشک درخت کے نیچے جا بیٹھے فوراً وہ درخت ہرا بھرا ہو کر آپ پر سایہ فگن ہو گیا۔ کیوں نہ ہو جاتا۔ آج وہ حُسن جہاں تاب زیرِ شجر جلوہ گر ہے جس کے ایک ایک ناخنِ پا پر بہار ہزار جان سے نثار۔

سامنے ہی کسی قدر ہٹکر نسطورا نامی ایک راہب کا صومعہ تھا جو اتفاق سے اپنے کنیسہ کے دروازہ پر بیٹھا تھا۔ جب اُس نے یہ دیکھا کہ مدت کا جلا پھکا درخت دم کے دم میں سرسبز و شاداب ہو گیا تو اُس کی نگاہ حضورِ اکرم صلعم کے مبارک چہرے پر پڑی۔

نورِ جمال کے ساتھ ساتھ جب راہب نے حضور کی سطوت اور صولت معائنہ کی تو لرز اٹھا رُعب کی وجہ سے آپ کو تو نہ بلا سکا میسرہ غلام کی طرف اشارہ کیا جو اس وقت اُس کے قریب ہی ہو کر گزر رہا تھا۔ جب میسرہ راہب کے پاس آیا تو راہب نے پوچھا۔

یہ جو اس درخت کے نیچے بیٹھے ہیں کون ہیں؟

میسرہ - یہ محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدِ مناف ہیں۔ ہماری بیگم کا مالِ تجارت فروخت کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔

نسطورا - ارے یہ سید المرسلین ہیں۔ دیکھ یہ درخت جس کے نیچے آپ تشریف رکھتے ہیں۔ مدت سے سوکھا ہوا ٹنڈ منڈ تھا ان کے تشریف رکھتے ہی خشک لکڑیاں ہری بھری ہو گئیں سوکھی ہوئی ٹہنیاں سرسبز ہو کر پتوں سے لد گئیں۔ ایسا سوکھا درخت کبھی ہرا بھرا نہیں ہو سکتا۔ مگر اُس وقت جب کوئی نبی اُس کے نیچے جلوہ افروز ہوں۔

اتنے میں اہلِ قافلہ حوائجِ ضروری سے فارغ ہو کر چلنے کے لئے تیار ہو چکے تھے میسرہ کو نسطورا کے پاس سے اُٹھنا پڑا۔ اور حضور کے ہمرکاب وہاں سے روانہ ہو گیا لیکن دل میں نسطورا کی باتوں اور حضور کی کرامتوں کے متعلق سوچتا اور وجد کرتا چلا جا رہا تھا۔

جب قافلہ بصرے میں پہنچا۔ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں اپنا مالِ تجارت فروخت کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں سارا مال ہاتھوں ہاتھ بک گیا اور کثیر منافع ہوا۔ چونکہ آپ اس سے پہلے کئی سفر اپنے چچا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ کر چکے تھے۔ تجربہ پختہ ہو گیا تھا۔ اور عمر شریف بھی اب پچیس سال کی تھی۔ اس لئے آپ کو بہت ہی جلدی کامیابی حاصل ہو گئی۔ اور آپ مکہ معظمہ تشریف لے آئے۔

حضرت خدیجہ پر عجائبات کا انکشاف

جب حضرت خدیجہ کو یہ معلوم ہوا کہ آپ پوری کامیابی کے ساتھ تشریف لا رہے

ہیں تو آپ بالاخانہ پر چڑھ گئیں۔ تاکہ حضور صلعم کو راہ سے گزرتے ہوئے دیکھیں تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت خدیجہ کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب آپ نے دیکھا کہ حضور صلعم ایک اونٹ پر سوار تشریف لا رہے ہیں۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ آپ کے سر پر سفید رنگ کے دو جانور سایہ فگن ہیں۔

بی بی خدیجہ ابھی اسی تعجب میں تھیں کہ میسرہ غلام حاضر ہوا اور مزاج پرسی کے بعد اس نے سب سے پہلے حضور کی کرامتیں اور نسطورا کی باتیں حضرت خدیجہ سے کہہ سنائیں چونکہ مقدسہ ایک روشن دل و دماغ کی خاتون تھیں اس لئے آپ سمجھ گئیں کہ یہ محمد عربی ضرور بہت بڑی شان والے سردار ہونے والے ہیں جبھی تو اللہ ان پر اپنی رحمتوں کا سایہ کئے ہوئے ہے اور برکتوں کا مینہ برسا رہا ہے۔

شوقِ زیارت اور نکاح کی تمہید

ام المومنین کے دل میں حضور صلعم کا شوقِ زیارت اسقدر بڑھ گیا کہ آپ یہ سوچنے لگیں۔ کیا میں ان سے نکاح کروں۔ کیا ان کی غریبی کا خیال نہ کروں۔ کیا میں یہ سچ سمجھ رہی ہوں کہ محمد عربی عنقریب ساری قوم کے سردار ہونے والے اور خدائے آسمانی کے برگزیدہ بندے ہیں۔

دل نے تمام سوالوں کا جواب اثبات ہی میں دیا اور ام المومنین حضرت خدیجہ نے اپنی ایک ہمراز عورت نفیسہ نامی کو بلایا اور اسے اپنے جذبات سے آگاہ کر کے حضور صلعم کی خدمت میں بھیجا اتفاق سے جب نفیسہ حاضر خدمت ہوئی تو سرکار تنہا تشریف رکھتے تھے نفیسہ نے آپ سے ادھر ادھر کی دو چار باتیں کر کے کہا۔ اب تو آپکا سن اس قابل ہے کہ آپ نکاح کر لیں آخر تا بکہ رشتہ مناکحت کیوں نہ ہو اپنی کم مائیگی ہی کی وجہ سب سے بڑی وجہ ہے۔

نفیسہ۔ اگر کوئی معزز شریف خاتون آپ سے نکاح کرنا چاہے تو آپ کو کچھ عذر تو نہ ہوگا۔

کبھی نہیں

نفیسہ۔ خدیجہ بن خویلد کا پیغام آپ مسترد تو نہ فرمائیں گے؟

نہیں۔ مگر خدیجہ جیسی مالدار خاتون مجھے کیوں قبول کریں گی؟
جواب میں نفیسہ گول ہوگئی۔ اور آپ سے رخصت ہو کر حضرت خدیجہ رضؓ کے پاس آکر ساری گفتگو دہرادی۔

بی بی خدیجہ کی کامیابی

اس کے بعد نفیسہ کی معرفت پیغام کے مراحل طے ہوگئے اور وہ دن آگیا۔ جو رب السموات والارض نے ازل ہی سے آنحضور صلعم کے نکاح کا دن مقرر فرمادیا تھا۔

معلومات

ہندوستان کی طرح عرب میں یہ دستور نہ تھا اور نہ ہے کہ عورتیں اپنی شادی کے متعلق ایک لفظ بھی نہ کہہ سکتی ہوں۔ اور اگر ماں باپ صریحاً بھاڑ میں جھونک دینا چاہیں تو وہ اُف کئے بغیر جھک جائیں۔ افسوس اُن ماں باپ پر جو ایسے اہم کام کو اس قدر غلط طریقہ سے انجام دیتے ہیں۔ اور شادی کے مسئلے میں لڑکی سے کوئی گفتگو کرنا بھی خاندانی شرافت کے خلاف سمجھتے ہیں حالانکہ شادی کا مسئلہ اصل میں لڑکی ہی کے لئے ایک اہم مسئلہ ہوتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ لڑکیوں سے آپ خود مشورہ لیجئے۔ اُس کی کسی رازدار سہیلی کی معرفت اس کی دلی رائے کا اندازہ کیجئے تاکہ آپ نارضامندی کی شادی کے گناہ سے بھی بچ سکیں۔ اور زن وشوہر کی روزانہ ناتفاقیاں بھی رونما نہ ہوں۔

بہرکیف عرب میں یہ خواہ مخواہ کی شرم نہ تھی۔ علاوہ ازیں بی بی خدیجہؓ بیوہ تھیں اور ہندوستان کی بیوہ بھی اپنے متعلق گفتگو کرسکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ بی بی خدیجہ کے والد کا جیسا ہم لکھ چکے ہیں انتقال ہوچکا تھا۔ اور چچا کو آپ نے اس لئے بیچ میں نہ ڈالنا چاہا کہ وہ آنحضور صلعم کے افلاس کی وجہ سے سدِراہ نہ بن جائیں۔ اس لئے تمام باتیں بی بی خدیجہ نے نفیسہ کی معرفت خود ہی طے کرلیں۔

بی بی خدیجہ رضؓ کے پہلے خاوندوں سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی

تھیں۔ تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

مزیدار چٹکیاں آج مورخینِ یورپ بڑے فخر و ناز کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہمیں بانیٔ اسلام محمدؐ (صلعم) کی سیرت مسخ کر دینے میں پوری کامیابی ہو گئی۔ لیکن بے غیرت بے حمیت یہ نہیں سمجھتے کہ ہمیشہ چاند کا تھوکا حلق میں آتا ہے۔ اگر کوئی شخص دن کو رات اور رات کو دن کہدے تو کیا کوئی تسلیم کر لیگا اسی طرح اگر یہ متعصب مورخ اپنے تعصب کی ظلمت سے اندھے ہو کر حضور اکرم صلعم کی ذات ستودہ صفات کے متعلق کچھ اٹکل پچو بے سر و پا لایعنی بے جوڑ شرمناک اور ناپاک باتیں لکھ ڈالیں تو میں پوچھتا ہوں؟ کیا آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالی میں ذرہ بھر بھی کمی آسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ چاند کو ظلمت اور سورج کو کرۂ تاریک کہدیجئے لیکن ان کی عالم افروز شعاعیں دنیا کو جگمگاتے ہوئے ہمیشہ ایسوں کے حلق میں لوگوں سے تھکواتی ہی رہیں اور تھکواتی ہی رہیں گی۔

پھر جسکے مرتبے کو آفتاب و مہتاب سے ذرہ اور آفتاب کی مناسبت ہو اُس کی شانِ عالی کے متعلق اے تعصب کے اندھو! تم کچھ بھی کہہ ڈالو سمجھ دار ہمیشہ تم پر اور تمہارے اقوال پر اور تمہارے گندے لٹریچر پر لعنت کی بوچھار ہی کریں گے۔

غضب خدا کا جھوٹوں کے جھوٹ اور سراپا جھوٹ کی کوئی انتہا بھی ہے اس گندے مواد سے صرف وہی لوگ مسرور ہو سکتے ہیں جو انہی فاضلوں جیسے عقل کے اندھے اور تعصب کی آگ میں سلگ رہے ہوں۔ ورنہ دانشمند عالم اس سے کہ وہ کسی مذہب کسی گروہ اور کسی طبقے کے کیوں نہ ہوں ان مہمل اور لغو باتوں کو سن کر ہمیشہ ایسے مصنفین اور مورخین پر لعنت ہی بھیجیں گے۔

کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضور صلعم کو علم و حکمت کی ساری باتیں بحیرہ نے سکھائیں۔

حالانکہ وہ خود شمع جمالِ محمدی صلعم پر پروانہ وار نثار ہو کر اپنے عبادت خانے سمیت آفتابِ رسالت کی شعاعوں کے انعکاس سے فیضیاب ہو رہا تھا۔

کبھی لکھتے ہیں کہ نجران کے بشپ سے آپ نے عکاظہ کے میلے میں وعظ سُن سن کر نئے مذہب کی بنیاد ڈالی لیکن خیر سے وہ اِن از سر تا پا غلط اور تعصب بھری باتوں کا ثبوت کہیں سے بھی نہیں دیتے۔

ہمارے فاضلوں کا فرض تھا کہ وہ کم از کم کسی تاریخ سے تو یہ ثابت کر دکھاتے کہ عکاظہ کے میلے میں کبھی بھی کوئی بشپ آیا تھا اور رسول اللہ صلعم نے اُس کا وعظ سُنا تھا۔ مگر وہ بیچارے کیا کریں اُنہوں نے تو اپنی دانست میں خصوصاً اس معاملہ میں کوئی ایسی بات ہی نہیں کہی جس سے پیغمبر کی شان ہلکی ہو جائے کیونکہ خود ان کے خداوند مسیح کے قول کے مطابق حضرت یحییٰ علیہ السلام کا وعظ سنتے سنتے آسمانی بادشاہت کا ترانہ گانے لگے تھے۔ انہوں نے سمجھا کہ جس طرح ہمارے خداوند کو خدائی کی دولت ملی اسی طرح مسلمانوں کے پیغمبر کو بھی نبوت کی رفعت حاصل ہوئی ہو گی۔

اب اس میں ان فاضلوں کا قصور ہی کیا۔ مگر واہ رے عقل و فطرت۔ تف رے فہم و ذکا اور حیف رے علم و تدبر کہ تم سب میں سے کوئی ایک بھی اُن مورخوں کے کام نہ آیا۔ یا یوں کہیئے کہ تمہیں ان لوگوں نے اسی طرح حاصل کیا تھا جیسے گدھے پر کتابیں لاد دیں۔ ع

پڑیں پتھر سمجھ پر اُن کی سمجھے بھی تو کیا سمجھے

اِن مہملات کے بعد اب یہ لکھتے ہیں کہ حضور صلعم نے جو کثرت سے نکاح کئے۔ اُس سے (نقلِ کفر کفر نہ باشد) آپ کی خواہش پرستی پر روشنی پڑتی ہے۔ واہ رے عقل کے اندھو! کیا کہنا! تمہارا، تمہاری ناقص سمجھ اور بھونڈی عقل کا۔ ارے کم بختو! ایسی شرمناک باتوں سے (جنہیں سن کر دنیا تم پر تھوکے) اپنا قلم گندہ اور کاغذ ناپاک کیوں

کرتے ہو۔ تم نے یہ تو غور کیا ہوتا کہ تم جو کچھ لکھ رہے ہو کیا لکھ رہے ہو۔ لیلائے نجد تو ہو نہیں کہ تمہاری ہر بات تمہارے مجنوں سر آنکھوں پر رکھیں۔ تمہاری خاکِ پا کو طوطیائے چشم بنائیں اور اپنی آنکھیں تمہارے قدموں تلے بچھا دیں۔

آج سائنس اور فلسفہ کا راج ہے ایسے راج میں کیوں اپنے کو غیروں سے ہنسوانے کا موقع دیتے ہو۔ اگر تم مذہبی لیلا ہو تو تمہارے مذہبی دیوانے ہی تمہاری پوجا کریں گے کسی اور کو کیا پڑی جو وہ تمہاری بچکانی باتیں کان رکھکر سنے اور خواہ مخواہ اپنا قیمتی وقت ضائع کر دے۔

سنو اے فاضل دوستو سنو! آقائے کونین فخرِ دوسرا حضور محمد رسول اللہ صلعم کی پہلی شادی کس عمر کی خاتون سے اور کس سن میں ہوتی ہے۔

آپ کی عمر شریف پچیس سال کی اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا سن چالیس سال کا تھا جب یہ رشتۂ مناکحت ہوا۔ بی بی خدیجہ کے اس سے پہلے دو نکاح ہو چکے تھے اور آپ اگر بڑھیا نہیں تو ادھیڑ ضرور ہو گئی تھیں۔

اب بتاؤ تم جو ان اظہر من الشمس واقعات سے آنکھیں بند کئے لیتے ہو۔ اور تعصب کی ظلمت میں جو چاہتے ہو لکھ جاتے ہو تو کیا اس سے تم جیسے سراپا عقل مجسم علم و فضل کے علم و دانش کی نفی نہیں ہوتی کیا تمہاری یہ باتیں فاطر العقل اور مجذوب کی بڑ سے کچھ بھی زیادہ وقعت رکھتی ہیں۔ تعصب کی پٹی آنکھوں سے کھول ڈالو تاکہ نورِ ہدایت تمہارا رہنما ہو اور تمہاری زبان و قلم سے کوئی غلط بات نہ نکلوا سکے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سوا حضور صلعم کی ایک زوجۂ مبارکہ بھی کنواری نہ تھیں؟ تم جیسے شہوت پرست اچھی طرح جانتے ہو گے کہ گندی خواہشِ نفسانی کا سب سے بڑا نظریہ اُن بیاہی لڑکی ہوتی ہے اور بیوہ عورت سے تو محض خانہ پُری ہو سکتی ہے۔

اے آفتابِ رسالت پر ناپاک الزام لگانے والو آنکھیں کھولو! کچھ تو بولو کیا تمہاری بڑ اِس قابل بھی ہے کہ ایک دس سالہ ہونہار بچہ بھی جسے سنکر تم پر تحقیر آمیز ہنسی نہ ہنس دے۔ اگر حضورِ اکرم صلعم کی ازدواج مطہرات میں کثرت بھی دوشیزہ عورتوں کی ہوتی تو بھی تمہارے خیال کے موافق ایک بات تھی۔ تم ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا کر شاید یہ ثابت کر دکھاتے کہ حضور کی کثرتِ ازدواج سے خدانخواستہ آپ کی خواہش پرستی پر روشنی پڑتی ہے۔

لیکن اس حالت میں جبکہ بی بی عائشہؓ صدیقہ کے سوا کوئی اُم المومنین بھی دوشیزہ نہیں تھیں۔ کیا تمہاری لغویت سُن کر عقلمندوں کی زبان پر جھک مارا ہے کی صدائیں بلند نہ ہو جائیں گی۔

اگر آپ خواہش نفس کی وجہ سے نکاح کرتے تو بیواؤں سے کیوں کرتے۔ کیا آپ کے ادنیٰ اشارہ پر صحابہ کرامؓ آپ کی تمنا پوری کرنے میں ایک پل کی بھی دیر لگاتے وہ صحابہ کرام جن کے متعلق تمہارے گرو گھنٹال سر ولیم میور نے بھی یہ لکھ دیا ہے۔ صحابہ کہتے ہیں کہ ہم حضور کے خوش کرنے کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کر دیا کرتے تھے" وغیرہ وغیرہ۔

لاریب وہ ایسے ہی تھے۔ جب ہی تو قیامت تک امت کا بڑے سے بڑا فرد بھی چھوٹے سے چھوٹے صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ مگر اب یہ بتلایئے کہ حضور کو کنواری سے شادی کرنے میں کونسی دقت واقع ہو سکتی تھی جو آپ نے کنواریوں کو چھوڑ کر بیواؤں سے نکاح کئے۔ افسوس جو چیز خواہش پرستی کی نفی کرنیوالی ہے تم اسی کو عین خواہش پرستی سمجھتے ہو۔ یہ اگر تمہاری سمجھ کا قصور یا تعصب کی خطا نہیں تو اور کیا ہے؟

اہم سوال کا آسان جواب | اب دو لفظوں میں کثرت ازدواج کے سوال کا

حل بھی سن لو۔ ایک تو یہ کہ اُن مقدس خواتین کی عین خواہش اور دلی تمنا تھی کہ وہ کسی طرح رسالت کے اس دُرِ یتیم سے منسلک ہو جائیں۔ لہٰذا آپ نے نہ چاہا کہ آپ کی وجہ سے اُنہیں اُن کی آرزوؤں کے خلاف رنج ہو۔ دوسرا بڑا سبب یہ تھا کہ جس طرح مردوں کے لئے تبلیغ کی ضرورت تھی اس سے کہیں زیادہ اُن عورتوں کے لئے بھی تھی جو جاہلیت میں ہمیشہ مردوں کے پیش پیش رہا کرتی تھیں۔ اس لئے آپ نے زیادہ خواتین سے نکاح کر کے ایک طرف تو انہیں اُمہات المومنین کے اعلیٰ ترین لقب سے ممتاز فرما دیا۔ اور دوسری طرف اُن سے تبلیغ کا اہم کام لیا۔ یعنی آپ نے اسلام کی روح انہیں سمجھائی اور اُن مقدس ازواجِ مطہرات نے زور شور کے ساتھ عورتوں میں تبلیغ کی جس کا نتیجہ جو کچھ بھی ہو آفتاب کی طرح دنیا پر روشن ہے۔ اب فرمائیے حضورِ اکرم صلعم کی اس میں ذاتی غرض کیا تھی۔

ہم جانتے ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس کا جواب آپ اور آپ کے تمام ہمخیال مر کر زندہ ہو جائیں جب بھی نہیں دے سکتے۔

ایک من گھڑت کہانی

ہمارے فاضل مورخین میور کا تتبع کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب بی بی خدیجۃ الکبریٰ نے آنحضرت صلعم سے نکاح کرنا چاہا۔ اور پیغام بھیجا تو اس طرح کہ اُن کے باپ کو خبر نہ ہو۔ اور عین نکاح کے وقت بی بی خدیجہ نے اپنے باپ خویلد کو اتنی شراب پلا دی کہ وہ نشہ میں از خود رفتہ ہو گیا اور اسی حالت میں اس نے اپنی رضامندی ظاہر کی۔ لیکن جب نکاح ہو چکا تو فوراً ہی خویلد چونک پڑا اور غصے میں کانپ کر کہنے لگا۔ میں ہرگز اس رشتہ سے خوش نہیں ہو سکتا۔ کہ میری مالدار بیٹی ایک غریب سے بیاہی جائے۔ جبکہ بڑے بڑے متمول لوگوں کے پیغام مسترد کر دیئے گئے۔

اس بات پر حضرت حمزہؓ حضرت عباسؓ آپکے چچاؤں نے تلواریں کھینچ لی۔

مخالف کی تلواریں بھی میان سے باہر آگئیں۔ جب خویلد نے یہ ہنگامہ گیر و دار دیکھا تو دانشمند باپ فوراً ٹھنڈا پڑ گیا اور صلح کر لی۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ | واہ رے تمہاری سمجھ کا ستیاناس! اے بدحواس مورخو! جھوٹ بولنے میں بھی تم ہمیشہ ناکام رہے۔ عقل کی کسوٹی پر کسنے کے بعد بھی معلوم ہوا جاتا ہے۔ کہ تم جسے سونا بنا کر پیش کر رہے ہو وہ حقیقت میں رانگ ہے۔ اسی منہ پر سراپا عقل ہونے کا دعوے کرتے ہو۔ لعنت اُس عقل پر جو انسان کو دیوانہ بنا دے۔

پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم نے یہ من گھڑت کہانی کونسی اسلامی تاریخ سے لی ہے جبکہ ابن ہشام۔ ابن اسحٰق۔ طبری۔ ابن خلدون اور یہاں تک کہ واقدی بھی ان مہملات کی تکذیب کر رہے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے دوستوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوگا۔ پھر ہم جواب مانگنے کے لئے انہیں زیادہ کیوں ستائیں۔

تھوڑی دیر کو اپنے برسر اقتدار مورخوں کی یہ کہانی تسلیم کر لیں اور پھر اس پر جرح کرتے ہوئے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دکھائیں۔

اے پرستارانِ عقل و سائنس! اگر خویلد زندہ تھا تو تمہیں یہ ضرور کہنا پڑیگا کہ اُسے بی بی خدیجہؓ کے کاروبار میں مداخلت کرنے کا کبھی موقعہ نہیں ملا۔ ایک تو بی بی خدیجہؓ کے دو نکاح ہو چکے تھے۔ اس لئے باپ کی رہنمائی کی خاص ضرورت نہ تھی۔ دوسرے بی بی خدیجہؓ خود مختار تھیں وہ جو چاہتی تھیں کرتی تھیں تیسرے اُن کے سگے چچا عمرو بن اسد نہ صرف اس نکاح ہی میں موجود تھے بلکہ انہیں کی اجازت سے ابوطالب نے خطبہ پڑھا تھا اور ورقہ بن نوفل بھی اس مبارک کام میں شامل تھے نفرؓ شامل ہی تھے بلکہ عمرو بن اسد کی ایما سے انہوں نے بھی ابوطالب کے جواب میں خطبہ پڑھا تھا پھر جب انکے بھائی خویلد کی مرضی نہ تھی تو انہوں نے مخالفت کیوں نہ کی جیسے ہمارے فاضل دوست کہتے ہیں کہ بی بی خدیجہؓ

نے باپ کو اس قدر شراب پلادی تھی کہ وہ نشے میں بالکل بے آپے ہو گئے تھے۔

ہمارے ممتاز شرابی یہ اچھی طرح جانتے ہونگے کہ اس قدر کثرت سے شراب پلانے کے بعد سارے سارے دن بھی انسان کو ہوش نہیں آتا۔ مگر وہاں کم بخت شراب نے بھی اپنی پوری تاثیر نہ دکھائی۔ نشہ آندھی کی طرح آیا۔ اور پانی کی طرح بہ گیا۔

نکاح سے کچھ ہی پہلے تو خولید کو شراب پلائی گئی اور عقد کے فوراً ہی بعد خولید نے اپنے ہوش میں آکر سمدھیوں سے سخت کلامی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ طرفین سے تلواریں کھینچ گئیں۔ اور تماشہ دیکھئے عین جنگ شروع ہونے پر خولید ایک دم ٹھنڈا پڑ گیا۔

واہ رے واہ! غالباً خولید کا یہ وہ انفعال ہوگا۔ جو شرابی میں نشہ اترنے کے بعد دیکھا گیا ہے۔ مگر وہاں خیر سے اس کے بھی برعکس ہوا۔ نشہ اترتے ہی تو خولید غصے کے مارے بے آپے ہو گیا۔ اور جب تلواریں کھینچ گئیں تو انفعال نے فوراً بلائے مبرم کی طرح نازل ہو کر اس کا گلا دبا لیا۔ واہ کیا کہنا! جھوٹ بولا اور بولنا نہ آیا۔ کسی کے سر غلط الزام تھوپے اور تھوپنے نہ جانے۔

اب ہمارے فاضل مورخین یہ بتادیں کہ وہ میور کا تتبع اس طرح آنکھ بند کر کے کیوں کیا کرتے ہیں۔

میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ چاند کا تھوکا حلق میں پڑتا ہے۔ چنانچہ پڑا۔ اور اس طرح پڑا کہ مخالف کا سارا وقار خاک میں مل گیا۔

خفّانیت کے تیر ہمارے خیال میں میور صاحب جب یہ بے سروپا کہانی لکھ رہے ہوں گے تو شراب کے نشہ میں مخمور ہو کر ہوش و حواس کھو کر اندھا دھند لکھتے چلے جا رہے ہونگے اور اُن کا نشہ

عین اُس وقت اُترا ہوگا۔ جب دونوں حریفوں کی تلواریں کھنچ گئیں۔ شاید اُن کے ہلکے سے خمار نے اُنہیں یہ اندیشہ دلایا ہوگا کہ کہیں کسی کی برق افگن تلوار اُن حضرت کے سرِ مبارک پر نہ آگرے۔ اور ان کا گھر وندا لال قلعہ بن جائے اس لئے پھٹ سے تلواریں پھنکوادیں۔ کچھ انفعال کچھ جان بچانے کا خیال فوراً خولید کو ٹھنڈا کرادیا۔

میں پوچھتا ہوں کہ جاہلیت میں اور وہ بھی ایسے نازک موقعہ پر عرب کی تلواریں کھنچکر بغیر سینکڑوں ہزاروں کا خون بہائے نیام انتقام میں کس طرح جاسکتی تھیں۔ مگر اُنہیں اس سے کیا بحث، وہ تو جو چاہا لکھ گئے اور اُن کے متبعین جو چاہیں گے لکھ جائیں گے لیکن نتیجہ وہی ہوگا۔ جو میں کہہ چکا ہوں کہ چاند کا تھوکا حلق میں ہی آیا اور حلق ہی میں آئیگا۔

آیئے ہمارے عیسائی دوستو! ہم آپ کو حضورِ اکرم صلعم کے نکاح مبارک کے صحیح صحیح واقعات سنائیں۔ اور فیصلہ آپ ہی پر چھوڑ دیں۔ کیونکہ یہ باتیں جو آپ جیسے فضلاء کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں۔ مہذب یورپ کے شراب خانوں ہی میں کھپ سکتی ہیں۔

نکاح آج وہ وقت آگیا کہ یثرب کے دولھا اُمت کے آقا سرورِ انبیاء حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازدواجی زندگی شروع کریں۔ آج ہمارے معمولی سے معمولی گھر میں بھی غریبی کے ہوتے ہوئے شادی میں جس قدر تکلفات کئے جاتے ہیں وہ قارئین کرام سے پوشیدہ نہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بی بی خدیجہؓ کے درمیان نفیسہ کی معرفت جب تمام مراحل طے ہوگئے اور آپ نے اپنے چچا ابوطالب سے کل کیفیت بیان فرمائی تو وہ بہت خوش ہوئے اور ساتھ ہی ساتھ متحیر بھی کیونکہ بی بی خدیجہؓ نے بڑے بڑے مالداروں

کے پیغام مسترد کر دیئے تھے۔

غرض جب تاریخ معینہ آگئی تو ابو طالب اپنے چند اعزہ و اقارب کو ساتھ لے کر حضور اکرم صلعم کا نکاح کرنے کے لئے چلے۔ ہمارا غریب سے غریب دولھا پُر تکلف لباس پہنے۔ بدھی طرّے بہرے سے آراستہ شاندار گھوڑے پر سوار ہوتا ہے۔

لیکن ہمارے آقائے نامدار اُسی معمولی سادے سیدھے لباس میں چچاؤں کے ساتھ پیدل تشریف لئے جا رہے ہیں۔ بھلا سہرے جلوے کا تو ذکر ہی کیا۔ جسم اطہر سے البتہ غیرتِ مشک خوشبو پھیل پھیل کر لوگوں کے مشامِ جان معطر کر رہی ہے۔

اس سادہ شان کے ساتھ برات بی بی خدیجہؓ کے مکان پر پہنچی جہاں عمرو بن اسد اور ورقہ بن نوفل وغیرہ نے مہمانوں کا شاندار استقبال کیا۔ اور مقام پاکیزہ پر جگہ دی۔ اِن مہمانوں میں ابو طالب کے سوا حضرت حمزہؓ حضرت عباسؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔ پہلے طرفین میں کچھ مختصر سی گفتگو ہوئی۔ پھر ابو طالب نے عمرو بن اسد کی اجازت سے خطبۂ نکاح پڑھا جیسا ہم کہہ چکے ہیں۔ خویلد جنگِ فجار میں یا اِس سے قبل ہی انتقال کر چکے تھے۔ اور کسی ایک صحیح تاریخ میں بھی یہ نہیں ملتا کہ خویلد اس مبارک وقت میں زندہ بھی تھے۔ پھر مسیرہ کی بے سر و پا کہانی تو کجا۔ الغرض ابو طالب نے ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

خطبہ حمد و شکر اُس خدا کے لئے ہے جس نے ہمیں دو برگزیدہ نبیوں ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی اولاد میں پیدا فرمایا اور معدؔ و مضر کی اصل سے ہمیں اگایا۔ اپنے گھر کا نگہبان اور اپنے حرم کا پیشوا بنایا۔

پھر اُس کو ہمارے سپرد کر دیا جس کے طواف اور زیارت کے لئے لوگ دُور دُور سے چلے آتے ہیں۔ ساتھ ہی ہمیں ایسا حرم عطا فرمایا کہ جو اُس میں داخل ہو۔ امن و امان کی زندگی گزارے۔ پھر قوم پر ہمیں حاکم بنا دیا۔ بیشک محمدؐ بن عبداللہ میرے بھتیجے ایسے نوجوان ہیں کہ قریش میں ایک شخص بھی اُن کا ہم پلہ نہیں اور وہی سب پر غالب ہیں۔ اگرچہ اِن کے پاس مال و دولت قلیل ہے۔ مگر یہ متاعِ دُنیا، ہمیشہ سے ایک ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ اور ایک حائل اور عارضی چیز ہے۔ اس کا کچھ اعتبار نہیں۔

اے لوگو! محمد (صلعم) وہ ذات ہیں جو ہمارے قرابت دار ہیں تم لوگ یہ بات اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ خدیجہؓ بنتِ خویلد کی خواستگاری کرتے ہیں اور میرے مال سے آٹھ اونٹ مہر قرار دیا جاتا ہے۔ والد تھوڑے ہی دنوں کے بعد آپ کی شان بڑی اور آپ کا کام بزرگ و برتر ہوگا۔"

جب ابوطالب یہ مؤثر خطبہ پڑھ چکے تو ورقہ بن نوفل بی بی خدیجہؓ کے چچازاد بھائی نے اس ترجمہ کا خطبہ پڑھا۔

خطبہ حمد و ثنا اُس خدائے پاک کی جس نے اے ابوطالب ہمیں بھی ایسی ہی فضیلت سے نوازا جیسی تم بیان کر چکے ہو۔ لہٰذا ہم بھی عرب کے پیشوا اور سردار ہیں اور تم بھی انہیں فضیلتوں اور بزرگیوں کے مالک ہو کہ کسی قوم اور خاندان کے لوگ تم سے ہمسری نہیں کر سکتے اور تمہاری جیسی عزت کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ تو بیشک ہم نے تمہارے ساتھ رشتہ کرنے کی خواہش کی۔ بس اے قوم قریش تم گواہ رہو کہ میں نے خدیجہؓ بنتِ خویلد کو محمدؐ کے نکاح میں چار سو مثقال پر دیا۔"

ابوطالب کی خواہش پر عمرو بن اسد اُٹھے اور اس ترجمہ کے الفاظ کہنے لگے

"اے اہلِ قریش گواہ رہو کہ میں نے خدیجہؓ بنتِ خویلد کو محمدؐ بن عبداللہ کے نکاح میں دیا۔"

غرض دونوں جانب سے ایجاب وقبول متحقق ہو گیا۔

معلومات بی بی خدیجہؓ کے مہر میں راویوں کا اختلاف ہے۔ مورخین مختلف مہر بیان کرتے ہیں۔ جیسا آپ کو ان دونوں خطبوں سے معلوم ہو گیا۔ کہ ابو طالب آٹھ اونٹ مہر قرار دیتے ہیں۔ اور ورقہ چار سو مثقال اس میں اُلجھنے کی کوئی بات نہیں۔ نتیجہ بڑی آسانی سے مرتب ہو سکتا ہے۔

ابو طالب نے آٹھ اونٹ مہر مقرر کیا اور ورقہ نے اس کے علاوہ چار سو مثقال کا یا تو اضافہ کیا۔ یا ابو طالب بھول گئے تھے اس لئے یاد دلانے کے طور پر چار سو مثقال بھی بیان کر دیئے۔

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ بی بی خدیجہؓ کا مہر نہ صرف آٹھ اونٹ ہی تھے بلکہ زرِ نقد بھی مقرر ہوا تھا۔ یا ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آٹھ اونٹوں کی قیمت ہی چار سو مثقال ہو گی۔ ایک نے اونٹوں کا نام لے دیا۔ اور دوسرے نے اُن کی قیمت کی رقم بیان کر دی۔ واللہ اعلم

اس مبارک نکاح کی بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضؓ نے بڑی خوشی کی۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ آپ صورت کے لحاظ سے بہترین اور دولت کی حیثیت سے بڑی مالدار تھیں اور بہت سے امراء کے پیغام بھی مسترد کر چکی تھیں۔ کیونکہ اللہ تبارک تعالیٰ انہیں ایک ایسی اعلیٰ ترین عزت سے نوازنے والا تھا جس کی مثال محال۔ قاعدہ ہے کہ اچھے قلوب بُرے دلوں کی طرف کبھی راغب نہیں ہوتے۔ اس لئے بی بی خدیجۃ الکبریٰ کو بھی عرب کے مالداروں سے اب نفرت ہو گئی تھی۔

آپ کے فضائل کی تفصیل آگے آئیگی۔ حضور صلعم اِن ہی بیوی کی وفات

کے بعد اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے خدیجہؓ نے بہت زیادہ آرام دیا ہے۔ انہوں نے میرے لئے اپنی کوئی چیز عزیز نہیں رکھی۔

جناب ابراہیم کے سوا آپ کی تمام اولاد اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ ہی سے ہوئی۔ قاسم (جن کے نام پر حضورؐ کی کنیت ابوالقاسم ہوئی) عبداللہ۔ طیب۔ طاہر۔ فرزندِ نرینہ اور حضرت زینب حضرت رقیہ (انمیں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں بڑی کون تھیں) حضرت کلثوم حضرت فاطمہ صاحبزادیاں یہ سب بی بی خدیجہؓ ہی کے بطن سے ہیں۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ قاسم۔ طیب۔ طاہر اسلام کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے۔ لیکن ابنِ اثیر بہ وثوق کہتے ہیں کہ حقیقتاً یہ تینوں صاحبزادے قبلِ بعثت ہی وفات پا چکے تھے۔ مگر آپ کی سب صاحبزادیوں نے اسلام کا مبارک زمانہ دیکھا۔ آپ پر بدل وجان ایمان لائیں اور آپ کے ساتھ ہجرت کی۔ ان دلچسپ واقعات کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

جہاں بی بی خدیجہؓ کے اور بیشمار فضائل ہیں وہاں ایک یہ بات بھی ہے کہ آپ عورتوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والی ہیں۔ یہ دلکش تفصیل بھی آگے آتی ہے۔

بی بی خدیجہ کا مکان اس نکاح کے وقت وہی تھا جو آج بھی انہیں کے مبارک نام سے مشہور ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت امیرِ معاویہؓ نے اس مبارک گھر کو خرید کر مسجد کی شکل میں تبدیل کر دیا تھا۔

نکاح کی مسرتیں اس نکاح سے ابوطالب بھی خوشی میں پھولے نہ سماتے تھے اور بار بار شکریہ کے الفاظ انکی زبان سے نکل جاتے تھے

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت مسرور تھے۔ بی بی خدیجہؓ نے آپ سے کہلا بھیجا کہ میری مسرت کی تکمیل میں آپ بھی کچھ اونٹ ذبح کر کے قریش کی دعوت کریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

چونکہ ابو طالب کی امید سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر یہ شادی ہوئی تھی اس لئے انہوں نے کئی مرتبہ آسمان کی طرف رُخ کر کے یہ فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اذھب عنا الکرب ودفع عنا الھموم (شکر ہے اُس ذات کا جس نے مصیبت اور رنج وغم دور فرما دیئے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بی بی خدیجہؓ سے اس قدر خوش تھے کہ جب تک وہ زندہ رہیں آپ نے دوسرے نکاح کا نام بھی نہ لیا۔

معلومات اس کے بعد سے زمانۂ بعثت تک کے مفصل واقعات پر کچھ ایسا پردہ پڑا ہوا ہے۔ جو پورے طور پر سامنے نہیں آتے۔ کتب تاریخ وسیرت میں اُس زمانہ کے واقعات بہت ہی کم قلم بند کئے گئے ہیں۔ تاہم ہم کوشش کرینگے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ مبارک حالات بھی زیادہ سے زیادہ مگر معتبر طور پر حاصل کئے ہوئے زیبِ قرطاس کریں۔ لیکن ان پندرہ سال کے واقعات میں ایسا تسلسل قائم نہ رہ سکیگا۔ جیسا اب تک چلا آرہا ہے۔ یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر جسے ہم پہلے حوالۂ قلم کر چکے ہیں۔ وہ اُس وقت ہوئی تھی جب آپ کا سن شریف ۳۵ سال کا تھا۔ لیکن وہاں چونکہ مسلسل واقعات آرہے تھے اس لئے یہ واقعہ بھی اُسی سلسلے میں لے لیا گیا۔

نکاح سے بعثت تک کے جستہ جستہ حالات نکاح کے بعد آپ نے تجارت کی غرض سے کئی اور سفر کئے جن میں سے صرف ایک یا دو سفر تو کامیاب ہوئے باقی میں نفع کے بجائے نقصان ہی ہوا

نکتہ یہ اس لئے کہ اب زمانہ بعثت قریب آتا جارہا تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر دنیا کے کاروبار میں مشغول رہیں۔ بس آپ کی تجارت میں گھاٹا ہونے لگا اور روز بروز آپ کے دل میں دنیا کے کاروبار سے نفرت پیدا ہونے لگی۔ یہانتک کہ آپ اس سے ایسے متاثر ہوئے کہ ہر سال میں ایک مہینہ جبلِ ثور میں معتکف ہو کر گزارنے لگے۔ جب کھانے پینے کی چیزیں آپ کے پاس ہو چکتیں تو آپ گھر تشریف لاتے اور بی بی خدیجہؓ سے اشیائے خورونوش لے کر فوراً واپس ہو جاتے تھے۔

سفر کے متعلق تاریخی معلومات یہ ہم عرض کر ہی چکے ہیں کہ عام طور پر مکہ والے دور دور تک تجارت کی غرض سے جاتے اور مالِ تجارت فروخت کرتے تھے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کئی سفر کئے۔ جن میں سے بعض کی تفصیل پیش کی جا چکی ہے۔ لیکن ازدواجی زندگی سے منسلک ہونے کے بعد جو سفر آپ نے کئے اُن کے متعلق مختصر یہ ہے۔

شام و بصرے کے علاوہ آپ نے دیگر مقامات پر بھی سفر کئے جزیرۂ عرب کے مختلف مقامات پر بازار لگا کرتے تھے (جیسے آج ہندوستان کے مختلف مقامات پر نمائشیں ہوتی ہیں) اُن بازاروں میں سے "جعاشتہ" اور "جرش" میں آپ کا مالِ تجارت لیکر جانا ثابت ہے۔ جرش یمن کے علاقہ میں ہے۔

صاحبِ مستدرک کہتے ہیں کہ "جرش" میں آپ دو مرتبہ تشریف لیگئے اس قول کی تصدیق متعدد حضرات نے کی ہے جن میں علامہ ذہبی بھی ہیں۔

بعثت کے بعد جب آپ کے پاس مختلف مقامات سے وفود آئے تو اُن میں بحرین کا وفد بھی آیا۔ آپ نے اہلِ وفد سے بحرین کے ایک ایک مقام کا نام پوچھا۔ لوگ متحیر ہو کر عرض کرنے لگے کہ آپ تو اُن مقامات کے نام و پتے

اس طرح بتا رہے ہیں۔ جیسے آپ نے وہاں کا چپہ چپہ دیکھا ہے۔
ارشاد ہوا اس میں شک نہیں میں نے تمہارے علاقہ کی اچھی طرح سیر کی ہے۔

مورخین یورپ سے ایک اور معانقہ

چالاک متعصب اور تنگ نظر مورخین یورپ (جنہیں ہمارے قابل ترین دوست منور کے ہم پلہ ہونے کا دعوے ہے۔) کہتے ہیں کہ حضور صلعم کی تمام معلومات کا انحصار سفر پر ہے۔ جو آپ نے پے در پے مختلف مقامات میں کئے ہیں۔ اور سمندر کا سفر بھی آپ نے اچھی طرح کیا ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے مصر جاکر بحر میت کا مطالعہ بھی فرمایا ہے۔

تعجب۔ افسوس۔ حسرت۔ حیرت اُن بغیرت اور بے حمیتوں پر جو ایک طرف تو سراپا عقل ہونے کا دعوے کریں۔ اور دوسری طرف اس قدر پوچ لغو اور مہمل باتیں لکھ کر اپنی کتابوں کو گندہ کریں۔

ایک اور نئی بات بھی ملاحظہ ہو کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جو سمندر کی اس قدر تفصیل ہے اس سے معاذ اللہ آپ کے ذاتی تجربے کی بو آتی ہے۔
حیف ان کی عقلوں پر اور افسوس اُن کے دماغوں پر کہ اُن کی قوت پرواز مچھر کے برابر بھی نہیں۔

یہ لوگ نہ علم کے قائل نہ خدا کی قدرتوں کے معترف۔ مگر ہاں اس پر ضرور ایمان رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسانی روح دنیا کو فیض پہنچا سکتی ہے انہیں کی تاریخ میں مارٹمر کا دور از قیاس قصہ بھی نہایت شد و مد کے ساتھ مرقوم ہے کہ جس نے مارٹمر اور اُس کی ماں پر احسان کئے تھے۔ اُس کی ساتھ پشتوں تک مارٹمر کی روح کا احسان پہنچا۔ جس کا قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ احسان

کرنے والے کا بیٹا جب جوان ہوا تو مارٹمر کی روح اس کے سامنے آئی اور کہا تو اس بھری دنیا میں سے جو چاہے تجھے عطا کر دیا جائے۔ اس نے دولت مانگی اور مل گئی۔ وہ ایک دم امیر الامرا بن گیا۔ اسی طرح اس کے بیٹے پوتے بھی روح کے احسان سے فیضیاب ہوتے رہے۔ کسی نے علم مانگا کسی نے شہرت چاہی۔ وغیرہ غرض جس نے جو چاہا مل گیا۔ آخری شخص نے چاہا کہ مجھے دنیا کے ہر شخص کا حال معلوم ہو جایا کرے۔ چنانچہ یہ علم غیب بھی اُسے حاصل ہو گیا۔

بھلا بتلایئے تو سہی یہ کیا واہیات خرافات ہے۔ اے ہمارے فاضل دوستو! آپ کی عقل پر اتنے گہرے گہرے پردے کس نے ڈال دیئے۔ دنیا کے ایک گناہگار کو تو روح کے طفیل جہان بھر کے لوگوں کا حال معلوم ہو جائے لیکن فخرِ دو عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے ذریعہ سے کائنات کی چیز ونکا علم حاصل نہ ہو۔ اگر یہ پوچ خیالی اور کم عقلی نہیں تو کیا ہے۔ جب ایک گناہ گار کی روح میں اتنی بڑی قوت ہو سکتی ہے تو بتلایئے احکم الحاکمین میں کس قدر لامحدود طاقتیں ہوں گی۔ آپ بھی تو خدائے لم یزل کو سب سے بڑا خدا مانتے ہیں۔ خواہ وہ آپ کے قول کے مطابق مسیحؑ کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔ مگر آپ کے نزدیک سب سے بڑا خدا تو ہے۔ پھر اگر اس علام الغیوب نے قرآن کریم میں سمندر کی تشریح فرما دی تو آپ کیوں چونکتے ہیں یہ تو آپ کہہ نہیں سکتے کہ آپ خدا کی عجیب و غریب قدرتوں کے قائل نہیں۔ ہاں یہ کہیں گے کہ یہ کلام معاذ اللہ مسیحؑ کے باپ کا نہیں محمد صلعم کا بنایا ہوا ہے۔ بہت اچھا ہم اس کے جواب میں پہلے کلام ربانی کی چند آیتیں پیش کریں گے۔ مطالعہ کیجئے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

صٰدِقِیْنَ ۝ (یہ ایسی کتاب ہے جس کے کلامِ الٰہی ہونے میں کچھ بھی شبہ نہیں اور اگر تمہیں کچھ شک ہے اِس مقدس کتاب پر جو ہم نے اپنے بندے (محمدؐ) پر نازل فرمائی ہے تو (اُس شبہ کے دور کرنے کا سچ اور جھوٹ کو پرکھنے کا آسان علاج یہ ہے کہ) ایک اِس جیسی سورۃ بنا لاؤ اور بلا لاؤ اپنے حمایتوں کو اللہ کے سوا اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو)

آج اس دعوے کو ساڑھے تیرہ سو برس ہو گئے۔ لیکن مرے ماں جو کوئی بھی جواب دے سکا ہو۔ آپ بیچارے تو کیا ہیں۔ کے آدمی کے پیر شدی۔ بڑے بڑے فصحائے عرب جو اپنی فصاعت اور بلاغت میں بے نظیر تھے۔ خاک بھی جواب نہ دے سکے۔

ایک بوجھ بجھکڑ کے نہا پیرنے وَالنّٰزِعٰتِ کے مقابل میں دو تین آیتیں اس مثال کے موافق گھڑی تھیں کہ اگرچہ گندہ بیروزہ باخشکہ گندہ است مگر ایجا دِ بندہ است۔ نمونے کے طور پر ایک دو آیت سنئے۔ وَاللَّابِسَاتِ لُبْسًا وَّ لَلَّاقِیَاتِ لُقْمًا (قسم ہے اُن عورتوں کی جو اچھے اچھے لباس پہنتی ہیں اور قسم ہے اُن عورتوں کی جو بڑے بڑے نوالے کھاتی ہیں)

اب کلامِ ربانی ملاحظہ فرمائیے۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ قسم ہے اُن فرشتوں کی جو کافر کی رگوں میں ڈوب کر جان نکال لیتے ہیں۔ اور قسم ہے اُن کی جو مسلمانوں کی جان اِس قدر آسانی سے نکالتے ہیں گویا بند کھول دیتے ہیں)

جس طرح آفتاب اور پردۂ ظلمات میں زمین آسمان کا فرق ہے اِسی طرح کلامِ ربانی اور بکواسِ شیطانی میں زمین آسمان کا نہیں تحت الثریٰ اور عرش کا فرق ہے

اگر ایسی ہی کوئی آیت آپ بنا دیں تو بنا دیں ورنہ کجا ذرہ اور کجا آفتاب کہاں بندہ اور کہاں مولا۔ لہذا اگر آپ اس کلام کی تکذیب کرتے ہیں تو اس جیسی ایک ہی آیت بنا لائیے۔

اس کے بعد بھی اگر آپ کی سیری نہیں ہوتی تو قرآن اور مروجہ انجیل کا مقابلہ کیجئے اور انصاف سے دیکھئے کہ ان دونوں میں کونسا کلام عجیب و غریب فصیح و بلیغ ہے اور کونسا کلام کلامِ الٰہی کہا جا سکتا ہے۔

پھر بھی تسکین نہ ہو اور آپ کا تعصب آپ کو سچ بولنے کی اجازت نہ دے تو آیئے ایک اظہر من الشمس چیز ملاحظہ فرمایئے۔

کلامِ ربانی کا معجزہ رمضان المبارک میں مسلمانوں کا ایک نو سالہ بچہ محرابِ مسجد میں کھڑا ہو کر الحمد سے والناس تک پورا قرآن سنا جاتا ہے اگر آپ بھی کسی اس سے چوتھائی کتاب کو ہی اسی طرح کسی سے حفظ سنوا دیں تو چلئے ہم مان لیں گے۔ کہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے۔ آپ کے بڑے بڑے پادریوں نے مقدس انجیل دس دس برس تک حفظ کی۔ مگر جب پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو پہلی ہی بسم اللہ غلط

دوستو! لاریب یہ اسی خالقِ کائنات کا کلام ہے جس نے صحیفے زبور توراۃ انجیل یہ کتابیں بھی نازل فرمائیں اور پھر اٹھا لیں۔ ورنہ اگر یہ کلام خدا کا کلام نہ ہوتا تو مسلمانوں میں اس کے حافظ اس قدر کثرت سے کبھی نہ ہو سکتے

جب یہ طے ہو گیا کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور یہ بھی تسلیم کرنا پڑا کہ خدا عالم الغیب ہے تو سمندر کی تشریح قرآن میں دیکھکر آپ اس قدر بدحواس کیوں ہوتے ہیں کہ بے اختیار کہہ اٹھیں۔ اس کلام میں تو ذاتی تجربہ کی بو آ رہی ہے اب بتایئے اگر یہ کہنا تعصب اور فقط جلن نہیں تو کیا ہے۔ اب رہ گئی

حضور کے سفر سے آپ کی تمام معلومات۔ تو اس کے متعلق ہم میور۔ اور مارگولس کا تتبع کرنے والے فاضل دوستوں سے یہ عرض کریں گے کہ آپ نے تاریخ نگاری کے وقت کبھی بھی خواہ مخواہ کے تعصب اور بے فائدہ کے عناد سے فرصت حاصل کی یا ساری کتاب اُسی عالم میں لکھ ڈالی۔ جناب والا کبھی تو آپ یہ فرماتے ہیں کہ حضور صلعم کو بحیرہ نے تعلیم دی۔ کبھی کہتے ہیں کہ آپ کو نجران کے بشپ نے وعظ سنائے۔ اور کبھی رقم فرماتے ہیں کہ آپ کو سفر کی بدولت ہر قسم کی مذہبی اور غیر مذہبی معلومات حاصل ہوگئی۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ دروغ گورا حافظہ نہ باشد۔ ان جوڑوں کا بٹھانا کم از کم ہم مشہور ہندوستانیوں سے تو بالکل ناممکن ہے۔ ہاں آپ جیسے ذی احترام برسر اقتدار فاضل اگر یہ جوڑ ٹھیک بٹھا دیں تو بٹھا دیں۔

میں پوچھتا ہوں آخر ان باتوں سے نتیجہ کیا نکالا جا سکتا ہے۔ کیا تہذیب۔ اخلاق اور عقل کا تقاضا یہی ہے کہ آپ بھی جس ذات کو مصلح اعظم مانتے ہیں اُس کی سوانح حیات میں من گھڑت لغویتیں اور بے سر و پا تہمتیں بھر دیں۔ اور یہ صرف اس لئے کہ اُس اعلیٰ ترین ہستی کے بیشمار مراتب میں کمی آجائے۔ توبہ توبہ اگر ساری دنیا بھی ملکر زور لگائے تو بھی آپ کے مدارج اور محامد میں ذرہ بھر کمی نہیں آسکتی یوں تو مجذوب خدا کو بھی گالیاں دیتے ہیں لیکن کیا اُس کی غیر محدود شانوں میں کچھ بھی فرق آتا ہے۔ اگر آپ حضور کی صحیح صحیح سیرت لکھتے تو نہ صرف آپکی قوم ہی احسانمند ہوتی بلکہ مسلمان بھی آپکے بہت زیادہ ممنون و متشکر ہوتے اور آپ کا نام رہتی دنیا تک زندہ رہتا۔ مگر افسوس آپ نے وہی کیا جو آپ کی تہذیب، اخلاق، عقل۔ دانائی سائنس دانی وغیرہ کے شایاں تھا۔

بھلا جو سفر تجارت کی غرض سے کیا گیا ہو جس کا مقصد اصلی صرف تجارت ہی ہو اُس سفر میں علم و حکمت کی باتیں سیکھنا مذہبی تجارب حاصل کرنا

ہماری ناقص عقل میں تو آتا نہیں۔ ہاں آپ کی عقل میں آتا ہو تو آتا ہو۔ اچھا جائیے۔ پھر ملاقات ہوگی۔

شرک سے تنفر بچپن سے لیکر بعثت تک آپ نے قطعاً بت پرستی نہیں کی جس کی شہادت تمام اسلامی تاریخ دے رہی ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ قریش نے آپ کے سامنے ایسا کھانا لاکر رکھا جو بتوں کی پوجا کا تھا۔ کیونکہ اونٹ ایک بت کے نام پر ذبح کرکے سارا کھانا گندہ کرلیا گیا تھا آپ نے کھانا دیکھکر تناول فرمانے سے صاف انکار کردیا۔

عیسائی کہتے ہیں کہ بعثت سے قبل آپ کی بت پرستی ثابت ہے اور اس دعوے میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آپ کے سب سے پہلے صاحبزادے کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ لیکن ہمارے مخلصانہ خیال کے مورخ لکھتے وقت کچھ ایسے غافل ہوجاتے ہیں کہ معاملے کے ہر پہلو پر بالکل غور نہیں کرتے۔

بی بی خدیجۃ الکبریٰ اسلام سے پہلے کافر تھیں۔ اور یہ نام اُن ہی نے رکھا ہوگا۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جناب باری نے ابھی اس کے خلاف کچھ حکم نہیں دیا تھا۔ اس لئے آپ نے منع نہیں فرمایا ہوگا۔ اگر ہمارے عیسائی مورخ یہ ثابت کردکھائیں کہ آپ نے کبھی بھی بتوں کے آگے سجدہ کرنا تو ایک طرف دعا بھی مانگی ہو تو ہم بھی تسلیم کرلیں گے۔ مگر افسوس ہمارے فاضل دوست قیامت تک یہ ثابت نہیں کرسکتے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ہمارے یہ محبین صرف اپنے عیسائی مذہب پر قائم رہ کر حضور اکرم صلعم کی سوانح حیات لکھتے تو کبھی ایسی لغو باتیں اُن کی زبان وقلم سے نہ نکلتیں۔ یہ اُن کا الحاد ہے جو اُن سے ایسی باتیں لکھواتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ روایت مذکور اپنی ذات میں معتبر ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کا سب سے پہلا

راوی اسمٰعیل ہے جس کے ثقہ غیر ثقہ ہونے پر ذیل کے آراء سے روشنی پڑتی ہے۔
معاویہ بن صالح۔ یحییٰ بن مخلط۔ امام نسائی۔ نضر بن سلمہ مروزی۔ دارقطنی
سیف بن محمد۔ سلمہ بن شبیب

اسمٰعیل اپنے باپ سمیت ضعیف ہے۔ وہ جھوٹ بولا کرتا ہے اور اُس کی روایت محض ہیچ ہے۔ غیر ثقہ اور ضعیف ہو وہ جھوٹا ہے۔ میں اُس کو صحیح روایت کے لئے ناپسند کرتا ہوں۔ وہ جھوٹی حدیثیں گھڑتا ہے۔ مجھ سے اُس نے خود اس جرم کا اقرار کیا ہے۔ کہ جب کسی بات میں جھگڑا پڑتا تھا تو میں ایک حدیث گھڑ لیا کرتا تھا۔

کہاں ہیں ہمارے فاضل مورخ آئیں اور ان آراء کا جواب دیں۔ یہ آخری رائے تو پوری وضاحت کے ساتھ۔ بہت سخت اور بالکل قلعی کھولدینے والی ہے۔

خدا جانے ہمارے عیسائی دوست غیر صحیح روایات کیوں لکھا کرتے ہیں غالباً اُن میں انہیں اپنی کہانیاں بنانے میں کافی مدد مل جاتی ہے۔

بہرکیف یہ قطعاً ثابت ہے کہ آپ کا میلان کبھی بت پرستی کی طرف نہیں ہوا بلکہ بعثت کے قریب زمانہ میں آپ نے بتوں کی بُرائی شروع کردی تھی۔

بتوں سے آپ کا تنفر بحیرہ کے واقعہ ہی میں ثابت ہے کہ راہب آپ کو لات وعزیٰ کی قسم دیتا ہے اور آپ ان قسموں سے متنفر اور مرتعش ہوجاتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں بت پرستی کا لگاؤ تک نہیں تھا۔

لہو ولعب سے ممانعت

چالیس سال میں صرف دو مرتبہ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ آپ نے راگ کی مجلس میں شرکت چاہی۔ جہاں عرب میں جاہلیت کے بیشمار امراض تھے۔ وہاں ایک یہ بھی تھا کہ دن کے بکھیڑوں سے فرصت پاکر رات کو کھانے کے بعد تقریباً ہر محلے میں لوگ جمع ہوتے تھے۔ اور

ایک داستان گو قصص و حکایات سنایا کرتا تھا جس میں اکثر پہلے زمانے کے عربوں کی عشق و محبت سے لبریز داستانیں ہوتیں یا شجاعانِ عرب کے کارنامے (جن میں اُن کی سفاکی، بے رحمی کی داستانیں ہوتی تھیں) بیان کئے جاتے تھے

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضورِ اکرمؐ بھی داستان سننے کے خیال سے چلے اور اونٹوں کو غلام کے سپرد کیا۔ ابھی آپ راستہ ہی میں تھے کہ ایک برات کا جلسہ نظر آیا۔ آپ نے بے اختیار قدم بڑھایا۔ اور اُس مجلس میں ایک کنارے آ بیٹھے۔ لیکن فوراً حق تبارک و تعالیٰ نے آپ پر نیند طاری کر دی اور آپ سو گئے جب حضور کی آنکھ کھلی تو لیلائے شب حجابِ مغرب میں جا چکی تھی اور دن چڑھ آیا تھا۔ جلسہ کا نام و نشان بھی نہ رہا تھا۔ اس کے بعد ایک دفعہ اور ایسا ہی اتفاق ہوا کہ آپ کسی ایسی ہی محفل میں رونق افروز ہوئے۔ مگر آپ کو فوراً ہی نیند آگئی آنکھ کھلی تو نیرِ تاباں طلوع ہو چکا تھا۔ ان دو مرتبہ کے علاوہ کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ آپ کسی لہو و لعب کے جلسے میں شریک ہوئے ہوں۔

جب دونوں مرتبہ آپ کو نیند آگئی تو آپ سمجھ گئے کہ مجھے توفیقِ الٰہی نے بچا لیا۔ میرا ایسے جلسوں میں شریک ہونا خدا کی مرضی کے خلاف تھا غالباً یہی وجہ تھی کہ آپ نے پھر کبھی ایسے جلسوں کی طرف رُخ نہ کیا۔

اسرار ہاں توفیقِ الٰہی نے ہی آپ کو بچا لیا مشیتِ ایزدی کا اشارہ تھا کہ اے وہ ذات جو عنقریب تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجی جانے والی ہے۔ اے وہ ہستی! جس کے نورِ جمال سے دنیائے کفر کی ظلمت مٹ جانے والی ہے۔ اے وہ مقدس و پیارے نبی! جس کی شان تمام دنیا سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ جو جہان بھر کے لئے اکیلا نبی بنا کر بھیجا جانے والا ہے جس کے نصیب میں جملہ انبیاء کی تاجداری اور تمام عالم کی سرداری ثبت ہو چکی ہے۔ جو اکیلا نجوف ہو کر

توحید کی بانسری بجانے والا ہے۔ جسے ہم تھوڑے ہی دنوں میں جنت سے براق اور جبریلؑ کو خادم کی حیثیت میں بھیجکر اپنے قرب کے تمام منازل طے کرانے والے اور آسمانوں کو اس کے مبارک قدموں سے عزت دینے والے ہیں جس کا دین کامل دین بنایا جانے والا ہے اور جو نبی خاتم النبیین کے گراں بہا خلعت سے ممتاز کیا جانے کو ہے جس کی امت بھی بہترین امت کے لقب سے ملقب ہونے والی ہے اور جس کے ان گنے بیشمار فضائل و محامد۔ مدارج و مناقب ہماری ذات کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا اے وہ نبی! ہاں تیری شان عالی تیری ذات گرامی کے لئے سزاوار نہیں کہ تو کسی لہو و لعب میں بھی شریک ہو تیری شان ان تمام بکھیڑوں سے لاکھوں درجے ارفع و اعلیٰ ہے۔

بس ہم نے نہ چاہا کہ تیرے معصوم دامن پر دھبّہ کی خفیف ترین جھلک بھی آسکے اللہ اکبر! اے خالق بحر و بر بے شک تیری ذاتِ عالی کی صفات سے ناچیز بندے کی زبان و قلم قاصر۔ ہاں تو نے ہی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مراتب مرحمت فرمائے اور تو نے ہی آپ کی حفاظت کی۔

حضرت ابو طالب کی عسرت

جب یہ قاعدہ چلا آرہا ہے کہ دولت دنیا ایک ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے جو آج امیر کبیر ہے کل اسی کی اولاد مزدوروں کی زندگی بسر کرتی ہے جس سے کل تختِ سلطنت مزین تھا۔ اسی کی اولاد آج ذلیل و خوار گلیوں گلیوں بھیک مانگتی پھرتی ہے کبھی جس کا راج تھا۔ آج وہ دانے دانے کو محتاج ہے۔ جب یہ نشیب و فراز ہمیشہ سے ہوتا رہا اور ہوتا رہے گا جب اس انقلاب نے بڑی بڑی اولوالعزم مقتدر ہستیوں کو کوستا یا تو بھلا ابو طالب اس سے کیونکر بچ سکتے تھے۔

ہاشم کے زمانہ میں یہی دولت تھی جو اس خاندان کی باندی اور اس کے

ایک ایک فرد کی لونڈی تھی۔ لیکن آج کیفیت یہ ہے کہ ابو طالب کو اپنے اہل و عیال کی پرورش بھی مشکل معلوم ہو رہی ہے۔ اُن کے ایثار۔ قربانی۔ اخلاق اور مہمان نوازی نے انہیں آج اس قابل نہ رکھا کہ یہ اُسی سیر چشمی کے ساتھ اپنے بچوں کی پرورش کر سکیں۔

یہ حالت دیکھکر حضورِ اکرم صلعم سے نہ رہا گیا۔ چچا کی قلتِ معاش پر بہت روئے اور اپنے عمِ نامدار کے پاس تشریف لاکر فرمانے لگے۔

کیا میرے مقدس چچا میری درخواست قبول فرمائیں گے؟

ابو طالب بھلا میرے بھائی کا بیٹا مجھ سے کچھ کہے اور میں انکار کر دوں۔

تو چچا جان میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ایک بھائی کو مجھے دیدیں جن کی پرورش میں بڑی محبت اور پورے شوق سے کروں گا۔

ابو طالب۔ یا ابن اخی! مجھے احساس ہے کہ تم میری تنگیٔ معاش سے بہت رنجیدہ ہو اور اس غم کے ہلکا کرنے کی تم نے یہ صورت نکالی ہے۔ اچھا چونکہ تم کہتے ہو اور مجھے تمہارا ملال ایک لحظہ کے لئے بھی گوارا نہیں۔ اس لئے جس بچے کو چاہو اپنے ساتھ لے جاؤ۔

حضورِ اکرم صلعم خوش ہو گئے اور حضرت علی کو جن کی عمر اس وقت چھ سال کی تھی اپنے ساتھ لے آئے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ جب اس ارادے سے ابو طالب کے پاس چلے تو پہلے اپنے دوسرے چچا عباس کے پاس گئے اور فرمایا آپ جانتے ہی ہیں کہ چچا پر آج کل بہت تنگی ہے۔ اس لئے میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ ایک بچے کو میں اور ایک کو آپ چچا جان سے مانگ لائیں اور اس طرح کچھ بار ہلکا کر دیں۔

حضرت عباس نے جواب میں بسر و چشم کہا اور آپ کے ہمراہ ابو طالب کے

پاس آئے۔ جب حضور نے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا تو حضرت عباس آگے بڑھے اور بھائی سے یہ کہنے لگے۔

حضرت عباس۔ اے میرے بڑے بھائی! میری درخواست بھی قبول فرمائیے اور میرے ایک بھتیجے کو مجھے دیدیجئے۔

ابو طالب نے اُن سے بھی رضامندی ظاہر کی اور حضرت عباس جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو لے کر چلے۔ حضور اکرم بھی ساتھ ساتھ روانہ ہوئے اور دونوں حضرات اپنے اپنے قیام گاہ کو چلے گئے۔

حضرت علی حضور صلعم کی آغوش تربیت میں

حضرت علیؓ کو جس محبت کے ساتھ حضورؐ نے پرورش فرمایا وہ آفتاب کی طرح روشن ہے۔ اگر سچ پوچھئے تو ہمارے خیال میں ابو طالب نے بتیس ۳۲ سال جو حضور اکرم صلعم کی خدمت کی ہے اُس کا پورا بدلہ حضور کی طرف سے ہوگیا۔ کیونکہ آپ نے حضرت علی کو صغر سنی ہی میں لیکر پرورش فرمایا۔ اور اپنے بچوں کی طرح اُن کی ہر بات کا خیال رکھا۔ حتی الامکان آپ نے کبھی حضرت علیؓ کو رنجیدہ نہ ہونے دیا۔ حضور کی مبارک تربیت اور صحبت کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ حضرت علی پہلے اسلام لانے والوں میں ہوئے۔ تشریح علامہ جلال الدین سیوطی نے اس طرح بیان فرمائی ہے۔

کہ عورتوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والی بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضؓ بچوں میں علی مرتضیٰؓ شیر خدا۔ اور جوانوں میں ابو بکر صدیقؓ تھے۔

ہمارے خیال میں یہ تصریح بہت صحیح ہے کیونکہ اس طرح تینوں روایات میں ایک دوسرے کی مخالفت نہ رہی۔

یہ دلچسپ تفصیلی حالات انشاء اللہ اپنے مقام پر آئیں گے اب ابو طالب

کے پاس عقیل اور طالب دو بچے رہ گئے۔ عقیل تو خلعتِ اسلام سے مشرف ہوئے اور اُنہوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں کئے۔ (جن کے متعلق انشاء اللہ مناسب مقامات پر عرض کیا جائے گا۔) لیکن طالب نے کچھ ایسی خاموش زندگی گزاری کہ اُن کا پتہ تاریخ میں بڑی مشکل سے لگتا ہے۔ مگر افسوس اُن کے بُرے انجام کے متعلق ضرر رسیدہ مورخین نے اشارہ کر دیا ہے۔ غزوۂ بدر میں یہ مشرکین کی زبردستی سے میدانِ جنگ میں آکر لڑے اور مارے گئے۔

ہم عرض کر چکے ہیں کہ جب حضرت علیؓ حضور کی بابرکت خدمت میں آئے تو آپ کی عمر چھ سال کی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ۶۰۰ء میں پیدا ہوئے اور ۶۶۳ء میں ناپاک ابن ملجم کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔ لیکن بعض نے آپ کی عمر شریف ۶۱ سال بھی بیان کی ہے۔ جس حساب سے آپ کی پیدائش ۵۹۷ء میں ہونی چاہیئے۔ مگر ہمارے خیال میں یہ دوسری روایت غلط ہے کیونکہ اس کے راوی ضعیف اور کم ہیں۔

حضرت علیؓ حضورِ اکرم کو باپ کی بجائے اور حضور اُنہیں بیٹے کی جگہ سمجھتے تھے۔ (حضرت علیؓ کے مفصل دلچسپ اور سبق آموز حالات اپنے مقام پر آئیں گے)۔

زید بن حارثہ کچھ دنوں کے بعد ایک صاحبزادے زید کو اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے ایک عزیز حکیم نامی اُم المؤمنینؓ کی خدمت میں لے کر آئے اور زید کو نذر گزارا آپ نے حضورِ اکرم صلعم کی خدمت میں یہ غلام پیش کیا تاکہ آپ کا کام کاج کیا کرے

سعادتمند اور خدمت گزار زید نے تھوڑے ہی دنوں میں حضور پر اپنی ایسی وفاداری ثابت کر دی کہ آپ زید کو پہلے سے زیادہ عزیز رکھنے اور اولاد

کی مثل محبت کرنے لگے۔ یہاں تک کہ حضورؐ نے اُن کا نکاح اپنی کھلائی اُمِّ ایمن سے کر دیا۔ جن سے حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ پیدا ہوئے۔

جس بات نے حضورؐ کے دل میں زید کی بڑی قدر و محبت پیدا کر دی وہ یہ تھی۔ کہ بنی کلبؔ کے چند افراد حج کے لئے مکہ میں آئے جن میں سے بعض نے زید کو حضورِ اکرم کے پاس دیکھ لیا۔ جب حج سے فارغ ہو کر اپنے وطن گاہ پہنچے تو حارثہ سے کہا (جو بنی طے کے قبیلے سے تھا) کہ ہم نے تمہارے بیٹے کو محمدؐ بن عبداللہ کے پاس دیکھا ہے۔ مگر بہت ہشاش بشاش۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہاں سے بھی اچھی طرح اُن کے پاس رہتا ہے۔ حارثہ یہ خوشخبری سُن کر شاد ہو گیا۔ کیونکہ اُس نے بیٹے کے غم میں دنیا کو تج دیا تھا۔ یہ اُسی وقت سامانِ سفر درست کر کے مکہ معظمہ روانہ ہو گیا۔ یہاں پہنچکر اُس نے حضورِ اکرم سے شرفِ نیاز حاصل کیا۔ بیٹے کو بلایا۔ گلے لگایا۔ پیشانی پر بوسے دیئے۔ جب باپ کا جوشِ محبت کچھ کم ہوا تو اُس نے حضورؐ کی خدمت میں بہت سا سونا چاندی پیش کیا۔ اور کہا کہ آپ زید کو آزاد فرما دیں۔ حضور نے اس چاندی سونے کی طرف تو توجہ بھی نہ فرمائی اور زید سے پکار کر فرمایا۔

سنو زید! میں نے آج سے تمہیں بالکل آزاد کر دیا۔ اس وقت سے تم بالکل خود مختار رہو۔ چاہو میرے پاس رہو خواہ اپنے باپ کے پاس چلے جاؤ۔

زید نے اپنے آقا کی یہ بے بہا نوازش دیکھکر عرض کیا۔ میرے سرکار! آپ کا وفادار اِن مبارک قدموں سے تا دمِ زیست کبھی جدا نہ ہو گا۔ میں تو جس روز سے آپ کے پاس آیا آپ ہی کو اپنا باپ سمجھا۔ اس لئے کہ جو شفقت و محبت میں نے آپ میں دیکھی وہ میرے باپ میں قطعاً نہیں ہے۔

حضورِ اکرم صلعم غلام سے یہ جواب سُن اور یہ وفاداری دیکھکر بہت مسرور ہوئے۔

چونکہ زید نے آپ کو اپنا باپ کہا تھا۔ اس لئے آپ نے اُس کی وفاداری محبت اور خلوص دیکھکر فرمایا بے شک میں بھی تجھے اپنے بیٹے ہی کے برابر سمجھتا ہوں۔

بیٹے کی تشریح تمام دنیا کا یہ عام قاعدہ ہے کہ جو شاگرد استاد کی نظروں میں زیادہ پیارا ہوتا ہے اُسے وہ ہمیشہ بیٹا ہی کہہ کر پکارا کرتا ہے۔

ہر محلہ کا بوڑھا جب بچّوں کو کھیلتا ہوا دیکھتا ہے تو اُنہیں سمجھانے کے طور پر کچھ نصیحت کرتے ہوئے۔ اُنہیں بیٹا ہی کہکر مخاطب کرتا ہے۔ مثلاً بیٹا یہ بُری بات ہے۔ خبردار پھر ایسا نہ کرنا۔

اگر بچپن سے کوئی کسی کو پالتا ہے تو اُسے ہمیشہ بیٹا ہی کہتا ہے اکثر سُن لوگ اپنے جوان خادموں کو بیٹا ہی کہکر پکارتے ہیں۔ لیکن ان سب کے بیٹا کہنے سے کوئی کسی کا اصلی بیٹا نہیں ہو جاتا۔ یہ بیٹا کہنا ازراہِ محبت ہوتا ہے اظہارِ حقیقت کے طور پر نہیں۔ چنانچہ اسلام میں تو منہ بولے بیٹے کی بھی کوئی وقعت نہیں ہے۔

فضلائے یورپ کا ایک اور خیالی پلاؤ واہ رے بچکانی باتیں کرنے والے مورخو! تمہارا کیا کہنا۔ تمہارے ہی دم قدم سے انگریزی تاریخ نے عروج پایا۔ تم اپنے پر جتنا فخر کرو بجا کیونکہ ہم بھی تم پر بڑا ناز کرتے ہیں۔ ارے دوستو! کیا ایک بات کو ہزار دفعہ لکھنا بھی کوئی عقل کی بات ہے۔ ہر دفعہ کوئی نہ کوئی نئی بات گھڑنی چاہئے۔ آپ کے ہاتھ زید کا قصّہ کیا لگا کہ آپ نے اُس کی بنیاد پر ایک دوسرا گورکھ دھندا بنا ڈالا۔

ذرا قارئین کرام ہمارے عیسائی مورخوں کا ارشاد فیض بنیاد ملاحظہ فرمائیں میور۔ اسپرنگر اور مارگوسس وغیرہ کہتے ہیں کہ اصل میں زید عیسائی مذہب کے بڑے عالم تھے اور وہی نصرانی مذہب کی باتیں حضور کو سکھایا کرتے تھے جبھی تو آنحضرت صلعم اُن سے غیر معمولی محبت کرنے لگے تھے۔

سبحان اللہ! کس قدر اچھا استدلال ہے۔ اب تو ہمیں بھی ان چالاک مورخوں کی دانائی کا معترف ہونا پڑیگا۔ واہ وا واہ بس جناب ہم تو بالکل لاجواب ہو گئے۔ بھلا جہاں ایسے ایسے فاضلوں کے قلم ٹوٹے ہوں وہاں ہماری خامہ فرسائی کیا کام دے سکے گی۔

ارے عقل کے پورو! اگر کوئی نئی بات کہتے تو جواب لکھنے میں کچھ مزا بھی آتا۔ میں پوچھتا ہوں اگر یہ بچپن نہیں تو کیا ہے کہ کبھی بحیرہ کو آپ کا تعلیم دینے والا بتایا جاتا ہے تو کبھی نجران کے بشپ کو۔ کبھی آپ کے سفر کو مذاہب کے جانچ پرتال کی غرض سے اور عیسائیوں کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو کبھی زید کو آپ کا اُستاد بنایا جاتا ہے۔

اب پہلے تو آپ یہ بتائیے کہ ان سب اقوال میں آپ اپنا سچا قول کونسا سمجھتے ہیں؟

ظاہر ہے کہ آپ آخری قول ہی کو سب پر ترجیح دیں گے۔ لیکن آئندہ بھی ممکن ہے کہ آپ کسی اور کو معاذ اللہ حضورؐ کا رہنما بنا دیں۔ کیا آپ کی یہ باتیں ایسی نہیں جنہیں سُن کر پانچ برس کا بچہ بھی ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو جائے

حکایت خدا بخشے ہمارے اُجڑے دیار دہلی میں ایک مرزا کوڑا صاحب تھے وہ بہت سوں کے قرضدار رہا کرتے تھے۔ جب تمام جہام میں سوار ہو کر بازار نکلتے تو دو ایک دوست بھی ساتھ ہوتے تھے اور ایسا اتفاق ضرور

ہوتا تھا کہ ایک شخص سامنے سے آیا اور تمام جہام روک کر کہنے لگا۔ اب تو میرا روپیہ دیدیجئے ان بیچاروں نے جوں توں کر کے کچھ وعدہ کرتے ہوئے اُس سے پیچھا چھڑایا اور پلٹ کر اپنے دوست سے کہا بس دل بھر میں ایک اسی کا قرضدار ہوں۔ مگر اتفاق سے فوراً ہی ایک دوسرا قرضدار آدھمکا۔ اُس سے بھی خدا خدا کر کے پیچھا چھڑایا اور اپنے دوست سے فرمایا بس اس کا اور دینا ہے۔ اسی طرح خدا جھوٹ نہ بلائے تو آٹھ آٹھ دس دس قرضخواہ انہیں آگھیرا کرتے تھے۔ اور یہ اُن سے بمشکل چھٹکارا پاکے اپنے دوست صاحب سے یہی فرماتے تھے۔ بس اس کا اور دینا ہے۔

غالباً یہ حکایت ہمارے دوستوں نے سُن لی ہوگی۔ اور اسی کے سہارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ طرح طرح کے اتہامات باندھے ہونگے۔ بھلا ان سے کوئی یہ تو پوچھے کہ بنی طے کا قبیلہ ایسا کہاں کا فاضل قبیلہ تھا۔ جن کا ہر ہر لونڈا بھی عیسائی پادریوں کے کان کترتا تھا۔ آخر اس مجذوب کی بڑ سے کیا فائدہ۔ آپ کے دھوکوں میں تو وہی آئے گا۔ جو عقل کا اندھا اور علم سے کورا ہو۔ جب بنی طے کے بچوں کو اتنا علم تھا کہ اُن کے ایک لڑکے نے حضور صلعم کو مسیحیت کی تعلیم سکھا دی۔ تو اس قبیلے کے جوانوں اور بڈھوں کا نصرانی علم تو یقیناً فلک ہفتم پر پہنچا ہوگا۔ واہ رے عقل و فہم کے دعویدارو! تمہاری کوئی بات بھی سچائی اور دانشمندی کی کسوٹی پر کھری نہ اتری۔ ذرا فاضل اسپرنگر کی گپ ملاحظہ ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ زید جب حضور کی خدمت میں آئے تو خاصے اچھے نوجوان تھے۔ جبھی تو اُن کا نکاح اُم ایمن سے ہوگیا تھا۔

میور صاحب اس دعوے کی دلیل میں فرماتے ہیں کہ زید اگر بچہ ہوتا تو جب اُس کا قافلہ لوٹا گیا تھا تو وہ اپنی ماں کے ساتھ بھاگ جاتا۔ واہ واہ واہ کتنا اچھا استدلال ہے۔ اُلٹی گنگا بہنے لگی۔ اُلٹے بانس بریلی کو۔ بھلا بتائیے تو سہی

امّ المؤمنین میرے خیال میں تو اندیشہ کا مقام نہیں اس لئے کہ سلام کرنا تو ایک بڑی خوشخبری ہے۔ کیونکہ اس میں امن وامان سلامتی مضمر ہے۔

ان تسلی بخش باتوں سے حضور صلعم کو اطمینان ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد پھر آپ غار کے باہر تشریف لے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک نہایت نورانی صورت والے جن کے چہرے پر نگاہ نہیں ٹھہر سکتی۔ ایک آفتاب نما تخت پر جلوہ گر ہیں۔ اُن کا ایک پَر مشرق اور دوسرا انتہائے مغرب میں پھیلا ہوا ہے۔

حضور فرماتے ہیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر مجھے پھر ڈر لگنے لگا۔ اور میں نے چاہا کہ جلدی سے غار میں چلا جاؤں۔ لیکن اُن نورانی صورت والے نے مجھے بالکل مہلت نہ دی۔ اور فوراً غار کے دروازے پر آ کھڑے ہوئے۔ وہ مجھے دیکھنے اور مجھ سے باتیں کرنے لگے۔ یہاں تک کہ مجھے پورا اطمینان حاصل ہو گیا۔ اور میرا سارا خوف جاتا رہا۔ بلکہ مجھے اُن سے ایک طرح کا اُنس ہو گیا۔

پھر اُن صاحب نے مجھ سے وعدہ لیا کہ آپ فلاں وقت اکیلے تشریف لائیں چنانچہ میں نے وعدہ بھی کیا اور ایفائے وعدہ بھی میں وقتِ معینہ پر دیر سے تنہا یہاں کھڑا ہوا اُن کا انتظار کر رہا تھا۔ جب زیادہ عرصہ ہو گیا۔ تو میں نے واپس ہونے کا ارادہ کر لیا یکایک کیا دیکھتا ہوں کہ وہی اور اُن کے ساتھ ایک اور صاحب بھی آسمان سے اُترے چلے آ رہے ہیں۔ دونوں نے آتے ہی مجھے زمین پر لٹا دیا اور میرا سینہ چاک کر ڈالا۔ اور دل نکال کر سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا کوئی چیز اس میں سے نکال پھینکی۔

اشارہ۔ یہ وہ سیاہ خون تھا جو آدم کے صلب میں رہتا چلا آیا ہے۔ جو بھول چوک۔ جرائم اور گناہوں کی بنیاد ہے۔ آپ کے قلبِ اطہر سے اُس خون کو نکال کر آپ کا دل بالکل پاک وصاف کر دیا۔

آپ فرماتے ہیں کہ سینہ چاک کرنے۔ دل نکالنے۔ دھونے۔ پھر وہیں رکھ دینے
اِن سب میں مجھے کوئی بھی تکلیف نہ معلوم ہوئی۔ اور میرا سینہ جیسا تھا ویسا ہی ہوگیا۔
یعنی اُس میں ٹانکوں کا کہیں بھی نشان نہ تھا۔ پھر دونوں حضرات نے میرے ہاتھ
پاؤں پکڑ کے مجھے خوب ہلایا جلایا۔ جس طرح ظرف سے کوئی چیز نکالنے کے لئے اُسے
اوندھا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح مجھے بھی کیا گیا۔ پھر میری پشت پر ایک مہر لگا دی۔
یہ ہے تیسری دفعہ سینہ کشادہ کرنے کا واقعہ جو تیسری مرتبہ آپ کو یہ شرف
شبِ معراج میں حاصل ہوا۔ جس کی دلچسپ تفصیل انشاء اللہ اپنے مقام پر آئیگی۔

اشارہ جب حضور خلعتِ نبوت سے مشرف کر دیئے گئے۔ اُس وقت
آپ کو معلوم ہوا کہ یہ سینہ چاک کرنے۔ دل دھونے۔ اور پھر وہیں رکھ دینے والے
ایک جبرئیل اور دوسرے میکائیل تھے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ سورۂ مبارکہ معہ ترجمہ زیبِ صفحات کر دی
جائے۔ جس کے بعد فاضل عیسائیوں سے پھر ایک جھڑپ ہوگی۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ
ظَهْرَكَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ
يُسْرًا ۝ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ (پارہ عم ۳۰)

(اے نبی! کیا ہم نے آپ کا سینہ چاک نہیں کر دیا اور اُس کے سوا وہ بوجھ بھی جس
نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی۔ اُتار دیا اور تمہارے مبارک ذکر کو بلند کیا۔ تو سمجھ لو کہ
بیشک ہر مشکل کے ساتھ ساتھ آسانی ہے۔ ہاں یقیناً مشکل ہی کے ساتھ آسانی
ہے تو اب جب آپ اِن اذکار سے کسی قدر فارغ ہوگئے تو اپنے رب کی عبادت
میں محنتِ شاقہ (تنہائی خوشی سے بجالائیے) یعنی آپ کا سینہ اس لئے کشادہ کیا گیا ہے
کہ ایک طرف تو آپ کے اندر سے علائقِ دنیا نکال پھینکے جائیں اور دوسری طرف

اُسے علم، حکمت، طاقت، قوت، اور مشاہداتِ الٰہی کے انوار سے بہرہ ور کر دیا جائے۔ تاکہ آپ بارِ نبوت کے متحمل ہو سکیں۔ اور اتنے بڑے کام کے بوجھ نے جو آپ کی کمر توڑ رکھی ہے وہ بار بالکل ہلکا کر دیا جائے۔

تمثیل: کوئی شخص بادشاہ بننا چاہتا ہے تو اُسے بڑی بڑی دقتیں پیش آتی ہیں مالی جانی اور روحانی نقصانات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ ان دشوار گزار مراحل سے نکلکر کہیں تختِ شاہی نصیب ہوتا ہے۔ اسی طرح نبوت کے کام بادشاہی کے مصائب سے کہیں سخت ہوتے ہیں۔ پھر آپ کی نبوت بھی سب سے بڑھ کر ہے اس لئے یہ بارِ گراں ایسا تھا جس سے آپ کی کمر ٹوٹی جاتی تھی خدا نے اپنے فضل سے اس بوجھ کو ہلکا کر دیا۔

غم کے معنی مفسرین نے مختلف کئے ہیں۔ جلاوطنی تنگئی اسلام، مصائب و شدائد، ظاہری معین و مددگار کا نہ ہونا، مشرکین کا ایمان نہ لانا، اُمت کے گناہ وغیرہ یہ غم تھے جن سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو نجات مرحمت فرمادی۔ واقعتاً یہ بارِ دوسرا شخص قیامت تک نہیں اٹھا سکتا۔ یہ شرحِ صدر ہی ایک ایسی چیز تھی جس نے آپ کو بڑے سے بڑے مصائب جھیلنے اور سخت سے سخت کوہِ گراں اٹھانے کا خوگر بنا دیا۔ ورنہ یہ دشوار گزار منازل کجا اور انسان کجا۔

اب حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ہم نے اپنے فضل سے آپ کو ان سخت ترین امتحان میں پورا اتارا تو منجملہ اور بیشمار انعامات کے ایک انعام یہ دیا۔ کہ آپ کے ذکر کو چار چاند لگا دیئے اور اپنے نام کے ساتھ ساتھ آپ کا پیارا اور مبارک نام ملا دیا۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ ہر مصیبت کے بعد راحت ہوتی ہے۔ اب ہمارے فضل سے اسلام کا بول بالا اور آپ کا نیرِ اقبال سارے جہان سے بلند ہو گیا اب آپ ہماری عبادت و ریاضت شکر گزاری کے طور پر بجالائیں

اور بس۔

مغربی مورخوں سے ایک اور جھڑپ

ہمارے فاضل مورخ اس مسئلہ میں بالکل چراغ پا ہیں۔ وہ عقل کے پتلے کہتے ہیں کہ یہ سینہ چاک کرنا۔ دل نکالنا۔ دھونا۔ پھر وہیں رکھ دینا اور اس کے بعد حضور صلعم کا زندہ رہنا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ ایک من گھڑت۔ بے سروپا اور دل خوش کن کہانی ہے۔ (معاذ اللہ)

افسوس ہمارے نامور یا نام نہاد۔ جو کچھ بھی کہیئے۔ عیسائی مورخ بات کی تہ کو پہنچنے سے پہلے ہی اشہب تیز گام کی طرح بھگدڑیاں کرنے لگتے ہیں۔ جب یہ خود بھی روحانیت کے قائل ہیں۔ اور اس کی طاقت دنیا کی طاقتوں سے ممتاز سمجھتے ہیں تو خدا جانے ایسی واہیات باتیں کیوں لکھا کرتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں یہ مسمریزم کیا چیز ہے جس کا عامل معمول کو بیہوش کر کے اُسے تمام دنیا۔ یہاں تک کہ جنت اور دوزخ کی سیر بھی کرا سکتا ہے۔ کامل اور اکمل مسمرائزر تو محفوظ چیزیں بھی بتا دیا کرتا ہے ہمیں اس علم کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ ہمارے فاضل ہم سے اچھی طرح اس علم کو جانتے ہیں۔ سوال کرنے کی چیز یہ ہے کہ جب دنیا کی طاقت ایسی بڑی طاقت ہو سکتی ہے تو عالم الغیب کی طاقتیں کیسی ہوں گی۔ اگر آپ کی عقل میں کشادگی سینہ کا مسئلہ نہیں آتا تو ہمارے فہم میں یہ مسمریزم کی طاقت کیوں آئے۔ آپ کہیں گے۔ یہ تو مشاہدات ہیں ہم عرض کریں گے کہ وہ مسئلہ بھی ایسا نہیں جس کی مثال نہ ہو۔

امریکہ کے ڈاکٹروں نے بندر کے انثین نکال کر انسان میں تبدیل کر دیئے اور وہ اسی طرح زندہ بلکہ ہر فرض ادا کرنے کے قابل رہا۔ رہی تکلیف تو مادیت اور روحانیت میں کیا اتنا فرق بھی نہیں ہوگا۔ مادیت کے پتلے نے جانور کے انثین انسان میں داخل کر دیئے وہ تھوڑی تکلیف کے بعد اچھا ہو گیا۔ اور اسکی نامردی

مردمی سے بدل گئی۔ اگر روحانیت کے پیکر نے بلا کسی تکلیف آپ کا سینہ چاک کر کے دل نکالا۔ دھویا اور رکھ دیا ہو تو کیا تعجب ہے اور کیوں آپ بدلگام توسن کی طرح بدکتے ہیں۔ اچھا اور لیجئے آپ کے مسیح تو دریاؤں میں پانی پر چلتے ہوئے لکھے گئے ہیں۔ یہ کونسی عقل کی بات ہے ذرا آپ تو ہمیں پانی پر چل کر دکھا دیجئے۔ دوستو! ان بچکانی باتوں کو چھوڑیئے کام کی باتیں کیجئے۔ آسمان کا تھوکا حلق میں نہ لیجئے۔ یہ آپ بھی تسلیم کرتے ہیں اور ہم بھی کہ نبی کی فطرت عام فطرت سے بہت زیادہ بلند ہوتی ہے بس ہم پانی پر نہیں چل سکتے۔ اور خلاف قیاس باتیں نہیں کر سکتے۔ مگر نبی خدا کے حکم سے سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اب بھی آپ کی تسلی نہیں ہوئی۔ تو دو نفظ اور سن لیجئے۔ آپ سینہ چاک کرنے والے کو غالباً انسان اور چھری کو مادی چھری سمجھتے ہیں۔ نہیں یہ غلط ہے فرشتوں کے ہاتھ تھے۔ اور نور کی چھری۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلعم کو کوئی بھی تکلیف محسوس نہیں ہوئی جس طرح نور اور مادے میں فرق ہے۔ اسی طرح دونوں چھریوں کی کاٹ میں بھی۔

مادی چھری کی کاٹ تکلیف سے خالی نہیں اور نورانی چھری کی دھار میں تکلیف کا لگاؤ بھی نہیں ہوتا۔ ہاں اسی نور کی چھری سے دو نورانی پیکروں نے آپ کا سینہ چاک کیا تھا۔ زنہار آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہئے تھی۔ اگر ہوتی تو نورانیت کے بالکل منافی تھی پھر نور اور مادے میں فرق ہی کیا ہوتا۔ غالباً اب تو آپ کی پوری تسلی ہو گئی ہوگی۔ اگر اب بھی نہیں ہوئی۔ تو دیوانوں کی طرح بڑ ہانکے جائیے۔ جو چاہے کہئے۔ کیونکہ فاتر العقل کی بات پر کوئی عقلمند بھی کان نہ لگائے گا۔ ہم بحیثیت ایک دوست اور اسلام کے ادنیٰ خادم ہونے کے اپنا فرض ادا کر چکے۔ اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔

آفتابِ رسالت غارِ حرا میں

یوں تو حضورِ اکرم صلعم ہر سال ایک مہینے کے لئے غارِ حرا میں معتکف رہتے تھے۔ لیکن جو جو زمانہ نبوت قریب آتا جاتا تھا۔ آپ کا دل علائقِ دُنیا سے متنفر ہو رہا تھا۔ ہم عرض کر چکے ہیں۔ کہ آپ کے سفر بھی اب عرصے سے موقوف تھے اس لئے کہ اب آپ کو تجارت میں کامیابی نہ ہوتی تھی۔ اور مشیتِ ایزدی کہہ رہی تھی۔ کہ اے کفرستان کو اسلام آباد کرنیوالے! اے ظلمت کو نور سے بدل دینے والے! اے اپنے جہاں تاب نور کی وجہ سے ذرّے کو آفتاب بنانیوالے! تیری شان اِن دُنیا کے بکھیڑوں سے کہیں اعلیٰ ہے۔ تیری رفعت بیشک ایک ایسی رفعت ہے۔ جسے دیکھکر دُنیا دنگ۔ جنّت ساکت۔ فرشتے حیران۔ اور انبیا متحیّر ہیں بھلا تجھے اِن بیکار کے دھندوں سے کیا مطلب! اس تائیدِ ربانی کے باعث حضورِ اکرم صلعم دُنیا سے الگ تھلگ غارِ حرا میں زیادہ جلوہ افروز رہنے لگے۔

نکتہ قاعدہ ہے۔ کہ چاند جب ابر میں آجانے کے بعد پھر چمکتا ہے تو اُس کی روشنی ایسی معلوم ہوتی ہے۔ گویا کوثر کے پانی سے دُھل کر آئی ہے۔ اُس کی تابندگی اور درخشندگی میں اب ایک خاص لطافت اور نزاکت ہوتی ہے علاوہ ازیں جب تک چاند دن کے اور سورج رات کے پردے میں نہ رہے۔ اُس وقت تک جہان کا اندھیرا دُور کرنے کیلئے تختِ زبرجدی پر متمکن نہیں ہوتا۔

اسلام کہ آفتاب۔ دین کہ چاند۔ سمندرِ سعادت کہ گوہرِ بے بہا۔ دُرِّ یتیم عبداللہ۔ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لوگوں کی نظروں سے چھپا کر حق تعالیٰ نے اس لئے غار میں پنہاں فرمایا تھا۔ کہ اب جو چند روز کے بعد یہ آفتاب رسالت طلوع ہوگا تو خوش نصیبوں کے دیدہ و دل منور ہو جائیں گے اور بدنصیب اپنے کئے کی سزا پائینگے کیونکہ نابینا کے سامنے نور و ظلمت دونوں برابر ہیں۔ کفر کے اندھے کیا خاک اس

روشنی سے فیضیاب ہو سکتے ہیں۔

بہاروں کی عید

یہ وہ بہار افزا زمانہ ہے۔ جب حضورِ اکرم صلعم نے گلشنِ عمر کے چالیسویں چمن میں قدم رکھا۔ وہ بہاریں جو آپ کی ولادت کے وقت کوثر سے منہ دھو۔ شرابِ کیف سے مخمور ہو چکی تھیں۔ اور گلزارِ عالم کا ہر ہر پتہ مبارکباد کے نغموں سے گونج اٹھا تھا۔ آج اُن بہاروں کی کیا کیفیت بیان کی جائے۔ جب روحِ بہار کی ولادت کے جشنِ مسرت ہی میں پتے پتے میں تازہ جان آگئی تھی۔ تو اُس وقت کی خوشبوؤں کا کیا پوچھنا۔ جب خدا کا پیارا۔ امت کا دُولارا بطحا کا دُولھا لونڈیوں غلاموں کا آقا۔ حق تبارک وتعالیٰ کے فضل سے عنقریب خلعتِ نبوت سے مشرف ہونیوالا ہے۔ مشرق کے جانور مغرب اور جنوب کے شمال میں جا جا کر ایک دوسرے کو مبارکباد کے کیف فضا نغمے سُنا رہے ہیں ہر باغ پر ایک ایسی بہار چھا رہی ہے۔ جو کبھی اس سے پہلے نہ دیکھی گئی تھی۔ دُنیا کا ذرہ ذرہ مسرت وانبساط سے جھوم جھوم کر حق سبحانہ تعالیٰ کے حضور میں سربسجود ہے۔ واہ کیا قدرت معبود ہے کہ آج صدیوں کے بعد ایک ایسا بادشاہ عالم پناہ مسندِ رسالت پر جلوس فرمانے والا ہے۔ جس کی خوشخبری لے کر آدم سے عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام تک ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام دُنیا میں تشریف لائے۔ ہاں اسی فرحت افزا امید پر کائنات کا ہر ذرہ جی رہا تھا۔ یہی روح پرور خبر سُن کر زمانہ جلد جلد لیل ونہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔ ستارے۔ چاند سورج روز بیتاب ہو ہو کر اپنے برجوں سے اسی مجسمہ نور کے شوقِ زیارت میں برآمد ہوتے تھے۔ عرش سے تحت الثریٰ تک سب اس ہی مقدس پیغمبر کی آمد کے منتظر تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی بعثت کے وقت تمام ظلمت کدۂ عالم روشن ہو گیا۔ میں کہتا ہوں نہیں بلکہ عرش سے فرش تک۔ فرش سے تحت الثریٰ تک سب کچھ منور ہو گیا۔ صلی اللہ علیہ بارک وسلم

انسانوں کے سوا زمین و زماں کی ہر شے خوشی کے مارے بے آپے ہوئی جاتی تھی۔ اُسی خوشی کے مارے جس کی خبر فرحت اثر آدمؑ۔ ابراہیمؑ۔ داؤدؑ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ (علیہم السلام) وغیرہ نے دی تھی۔

اگرچہ ہمارے فاضل یہود و نصاریٰ اس سے صاف انکار کرتے ہیں مگر ہم انشاء اللہ جلد ثانی میں تورات و انجیل سے حضور اکرم صلعم کے متعلق پیشینگوئیاں حوالۂ قلم کرینگے۔

اطلاع چونکہ یہ جلد اب کافی ضخیم ہو چکی ہے۔ اور ابھی بعض ضروری و دلچسپ واقعات زیبِ صفحات ہونے ہیں۔ اِس لئے ہمارے آقائے نامدار کے متعلق تورات و انجیل میں جو پیشینگوئیاں ہیں۔ وہ انشاء اللہ تعالےٰ جلد ثانی میں نذرِ قارئین کی جائینگی۔ اور وہ پردہ جو صدیوں سے پڑا ہوا ہے بحولِ قوتِ الٰہی اُٹھا دیا جائیگا جس سے آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ انبیاء سابقین نے کس شد و مد کے ساتھ ہمارے سرکار کے نزولِ اجلال فرمانے کے متعلق کیسی کیسی روشن پیشین گوئیاں فرمائی ہیں۔

تورات سے جناب متی نے مسیحؑ کے متعلق زبردستی کچھ پیشین گوئیاں نکالی ہیں۔ ہم انہیں لکھتے ہوئے اپنے سرکار کے متعلق پیشینگوئیاں پیش کریں گے۔ اور بہ بانگِ دہل تمام عالم سے پوچھیں گے۔ کہ مسیحؑ کے متعلق پیشین گوئیاں زیادہ صاف ہیں یا حضورِ اکرم کے متعلق۔

اُن پیشین گوئیوں سے ہی آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ خلاقِ دو عالم نے ازل ہی سے ہمارے سرکار کو تمام دُنیا پر فوقیت مرحمت فرمائی ہے کہ اِن تحریف شدہ تورات و انجیل میں بھی آنحضرت صلعم کے متعلق جو پیشین گوئیاں ہیں اُن میں بھی آفتابِ جہاں تاب کی چمک دمک موجود ہے۔ اور مسیحؑ کے متعلق پیشگوئیوں میں اس نشان کا ہزارواں حصہ بھی نہیں۔ اگر ذرّے اور آفتاب کی مثال دی جائے تو بجا۔

چونکہ جلدِ ثانی واقعات کی دلچسپیوں معجزات کی رنگینیوں۔ اور سیرتِ رسولؐ کے آفتابوں سے اِس جلد سے بہت زیادہ ممتاز جلد ہو گی۔ اور اُسی میں یہ بھی معلوم ہو گا کہ ایک تنِ تنہا مقدس ہستی نے کس طرح تھوڑے ہی دنوں میں دُنیا کی کایا پلٹ دی۔ اِس لئے یہ پیشین گوئیاں جلدِ ثانی ہی میں زیادہ مناسب ہونگی۔

حضورِ اکرمؐ کی عبادت

جب آپ کی عمر کا چالیسواں سال عشرتین مسرتیں عجائبات اور معجزات وغیرہ آغوش میں لئے حضورِ اکرم صلعم کی زیارت سے مشرف ہوا تو آپ کی یہ کیفیت ہو گئی کہ آپ اکثر و بیشتر غارِ حرا ہی میں (جسے غارِ ثور بھی کہتے ہیں) جاوہ افروز رہنے لگے۔

بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضؓ بھی اکثر آپ کے ساتھ رہتی تھیں۔ لیکن آپ کو چونکہ خلوت بہت پسند تھی۔ اِس لئے بیوی خدیجہؓ نے آپ کے پاس رہنا کم کر دیا تھا۔ اور اُنہیں حضور (صلعم) کی اِس حالت سے سراسیمگی رہنے لگی تھی کہ آپ اس قدر خلوت پسند۔ عبادت گزار کیوں ہوتے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن اُمّ المؤمنینؓ نے اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے حضور کی یہ کیفیت بیان کر کے اُن کی رائے معلوم کی تو اُنہوں نے کہا۔

بہن! تم بالکل بدحواس نہ ہو۔ تمہارے شوہر کو کوئی آسیب نہیں۔ وہ عنقریب نبوت کی بادشاہت سے سرفراز ہونے والے ہیں۔ کیونکہ آسمانی کتابوں میں آخرالزماں نبی کی جو علامات مرقوم ہیں وہ خدا کی قسم ساری کی ساری آپ میں پائی جاتی ہیں۔

اِس جواب سے بی بی خدیجہؓ کو بالکل اطمینان ہو گیا۔ اور آپ بدستور حضورؐ کی خبرگیری اور نگہداشت رہنے لگیں۔ آپ غارِ حرا میں بیٹھکر ایک مغربی فاضل کے قول کے مطابق یہ سوچا کرتے تھے۔ میں کیا ہوں۔ میری ہستی کیا ہے۔ میرا وجود کس لئے ہے میں کیوں آیا ہوں، مجھے کیا کرنا چاہئے۔ یہ بُت کیا ہیں۔ مجھے تو انہیں خدائی کی ادنیٰ جھلک

بھی معلوم نہیں ہوتی۔ پھر میری قوم ان کی پوجا کیوں کرتی ہے۔ دُنیا نفاق و شقاق میں کیوں پڑی ہے؟ انسان کی پیدائش کا کیا مقصد ہے؟ دُنیا کیوں آباد ہوئی؟ یہ لامحدود عالم کیا ہے؟ جب چھوٹی سے چھوٹی کشتی کے لئے ملاح کی ضرورت ہوتی ہے تو کائنات کے اِس جہاز کے لئے ناخدا کی ضرورت کس طرح نہ ہوگی۔ میں کس کی پرستش کروں؟ ہم سب کا خالق کون ہے؟

یہ تو ایک فاضل مغربی کے خیالات ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلعم غارِ حرا میں جلوہ افروز ہو کر حق تبارک و تعالیٰ شانہ کی عبادت اس طرح فرماتے تھے۔ جس طرح آپ کے جدِّ محترم حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے ربِّ جلیل کی ابتداء میں عبادت کی تھی۔ ہمارے حضور بھی تاروں کو دیکھتے۔ اور اُن میں مظہرِ ذاتِ باری کی جھلک پاتے تو لحظہ بھر کو آپ کے مبارک قلب میں یہ خیال آتا کہ کیا یہ عالم کے خالق ہیں۔ لیکن جب وہ چھُپ جاتے تو آپ فرماتے۔ ہرگز میں ایسے کو پسند نہیں کرتا۔ جو مجھے چھوڑ کر چلا جائے۔ اسی طرح چاند سُورج نکلتے تو اُن پر بھی آپ کو شبہ ہوتا لیکن جب وہ بھی چھُپ جاتے تو ارشاد فرماتے۔ میں ایسی چیزوں سے بالکل بیزار ہوں۔ جو صریحاً شرک ہیں۔ میں تو اُس اکیلے اللہ کی طرف منہ کرتا ہوں۔ جو زمینوں اور آسمانوں کا بنانے والا ہے۔ اور میں تو مشرکوں میں سے کبھی نہیں ہو سکتا۔

یہ آخری خیال ایسا تھا جس سے آپ مطمئن۔ مسرور اور محظوظ ہوتے تھے۔ اور سمجھتے تھے۔ کہ خدا ہرگز ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔

آپ اعتکاف میں اس قدر محو رہتے تھے کہ دنیا و مافیہا سے بخبر تھے جب بھوک پیاس سے آپ بہت متاثر ہوتے تو خیال فرماتے تھے۔ کہ میں نے کئی روز سے کچھ کھایا پیا نہیں ہے۔ یا تو بیوی خدیجہؓ کچھ کھانے پینے کی چیزیں لیکر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں۔ یا خود آپ بہ نفسِ نفیس غارِ حرا سے دولتکدے پر تشریف

لاتے اور آب وطعام لیکر فوراً تشریف لے جاتے۔ تھے۔

حضورؐ کے احباب

نبوت سے قبل حضور کے جو احباب تھے وہ سب کے سب نیک دل۔ پاک مزاج۔ خوش اخلاق۔ بلند حوصلہ اور سُتھرے مذاق کے انسان تھے۔ اُن میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر وہ مقدس ہستی ہے۔ جسے ثانی اثنین ہونے کی عظیم الشان عزت حاصل ہے یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ آپ کے سب سے بڑے اور گہرے دوست تھے بیس سال کی عمر سے ابو بکرؓ آپ کے ہمجلیس تھے۔ حکیم بن حزام خدیجہؓ کے چچا زاد بھائی بھی آپ کے مخلص دوست تھے یہ قریش کے نامور رؤساء میں سے تھے۔ انہیں کے پاس حرم محترم کا منصب افادہ بھی تھا۔ دار الندوہ بھی انہیں کے قبضے میں تھا۔ جو امیر معاویہ کی خلافت میں اُن کے ہاتھ ایک لاکھ درم میں بیچ دیا۔ لیکن بیان کیا جاتا ہے۔ کہ یہ ساری رقم اُنہوں نے خیرات کردی تھی۔ حضورِ اکرم صلعم سے عمر میں کچھ بڑے تھے۔ اگرچہ یہ شرف تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے۔ تاہم عالم کفر میں بھی انہیں حضورِ اکرم سے وہی سچی اور دلی محبت تھی۔ محبت کی دلیل یہ ہے کہ جب مکہ معظمہ میں ذویزن کا مال نیلام ہوا تو انہوں نے ایک جبہ گراں قیمت دیکر حضورِ اکرم صلعم کے لئے خرید لیا۔ مدینہ طیبہ لیکر حاضر ہوئے اور سرکار کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں مشرکین کا تحفہ ہرگز نہیں لونگا۔ اگر تم اس کے دام لیلو۔ تو میرے لینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ تب انہوں نے مجبوراً آپ سے قیمت لے لی۔ اور حضورؐ کو جبہ دیدیا۔

ورقہ بن نوفل کو بھی آپ کے حلقۂ احباب میں شامل ہونے کی عزت حاصل تھی۔ یہ آسمانی کتابوں کے بڑے عالم تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ جب حضورؐ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو ورقہ نے بخندہ پیشانی آپ کی تصدیق کی اور کہا خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا۔ تو کفار سے آپ کے دوش بدوش مقابلہ کرکے خدا چاہے تو انہیں

بھگا دونگا۔ مگر اجل نے انہیں مہلت نہ دی اور یہ آغازِ اسلام ہی میں انتقال کر گئے

ضماد بن ثعلبہ بھی آپ کے احبابِ خاص میں تھے۔ یہ بنی ازد کے خاندان میں ایک نمایاں فرد تھے۔ بعثت سے پہلے طبابت کرتے تھے اپنی حسنِ خدمات اور قابلیت کے سبب عرب میں خاصے مشہور ہو گئے تھے۔ ابتدائے اسلام میں یہ مکہ معظمہ آئے اور حضور کو اس حال میں دیکھا کہ آپ چلے جا رہے ہیں اور آپ کے پیچھے بازاری شہدے لچے۔ لونڈے غول کے غول چلے آرہے ہیں۔ کفار آپ کو مجنوں کہہ رہے ہیں آپ کے گرد بدذات لونڈوں کو آپ کی شان میں گستاخیاں کرتے دیکھکر ضماد سمجھے کہ واقعی آپ مجنوں ہو گئے ہیں۔ لونڈوں کو پرے ہٹا کر یہ حضور کے پاس آئے اور کہنے لگے میں دیوانگی کا علاج بہت اچھا کر سکتا ہوں تم اجازت دو۔ کہ میں تمہارا معالج بنجاؤں۔ آپ نے وحدہٗ لاشریک کی حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا۔

مجھے اللہ نے اپنے فضل سے تمام جہان پر نبی بنا کر بھیجا ہے میرے پاس غارِ حرا میں جبریل اللہ کا کلام لے کر آچکے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے قرآن کریم کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں۔

ضماد اس کلام کو سنکر پکار اٹھے کلامِ عجیب یہ تو عجیب کلام ہے جو یقیناً آسمانی خدا ہی کا کلام ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد یہ مسلمان ہو گئے۔

معلومات اس واقعہ کی پوری تفسیر مسند امام احمد حنبلؒ جلد ایک صفحہ ۳۰۲ میں موجود ہے۔

یہودیوں کی پیشین گوئی سے چند لوگوں کا تاثر شانِ رسالت کا ایک مظاہرہ

چونکہ تجارت نے عربوں اور یہودیوں میں ایک گہری موانست پیدا کر دی تھی اسلئے عربوں کو یہودیوں سے میل جول نشست و برخاست کا بہت موقعہ ملتا تھا۔ یہ قاعدہ ہے کہ صحبت کا کچھ نہ کچھ ضرور اثر پڑا کرتا ہے۔ تو اس کلیہ سے

عرب کیونکر محروم رہ سکتے تھے۔ یہودیوں کے عقائد کا اثر ان پر بھی پڑا اگرچہ اس سے اُن کی بُت پرستی کا سدِباب تو نہ ہوا تاہم یہودیوں کے بعض خیالات اُن کے دلوں میں ضرور جاگزیں ہو گئے۔ مثلاً کلیم اللہ اور روح اللہ وغیرہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام برحق نبی تھے اور اُن کے ارشادات بھی انہیں جیسے سچے۔

جب عربوں کو انبیاء کی نبوت کا یقین ہو گیا۔ تو اُن کے فرمان بھی وہ بالکل سچ سمجھنے لگے۔ جو کاہنوں کی باتوں کو (معاذ اللہ) کلام ربانی کے برابر سمجھتے ہوں۔ وہ ان مذکورہ مقدس انبیاء کے ارشادات بھی سچ سمجھ لیں تو کیا تعجب ہے۔

جب عربوں پر یہودیوں کا یہ رنگ چڑھ گیا تو یہ اُن کے عالموں سے آنیوالی باتوں کے متعلق پوچھنے لگے۔ تمدن کی خرابی۔ معاشرت کے نقائص۔ ان وحشی عربوں کے بعض افراد کے دلوں میں بھی کانٹوں کی طرح کھٹکنے لگے تھے۔ یہ متاثر ہو ہو کر علمائے یہود سے پوچھا کرتے تھے کہ آخر ان بدرسمیوں اور مظالم کی اصلاح بھی ہو سکتی ہے یا نہیں تو وہ جواب میں کہا کرتے تھے کہ ہاں عنقریب دنیا کا ایک نجات دہندہ عالم کا مصلح اور خدا کا برگزیدہ نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ جس کے قدوم کی برکت سے کفر و الحاد کی ظلمت مٹ جائے گی۔ مگر یہودی ساتھ ہی یہ بھی سمجھتے تھے۔ ان کے ناقص فہم نے انہیں یہ بھی دھوکا دے رکھا تھا کہ وہ نبی ہماری قوم میں سے ہوگا۔ غالباً یہودیوں کا یہ خیال تورات کی اس پیشین گوئی سے ہوا ہوگا۔ کہ موسیٰ کے رب نے موسیٰ سے کہا۔ میں تیرے بھائیوں میں سے ایک تجھ جیسا نبی اور پیدا کرونگا جو بڑی شان والا ہوگا اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیگا میں اپنا کلام اُسکے منہ میں دوں گا۔ وغیرہ۔

(اس پیشین گوئی کی دلچسپ تفصیل جیسا ہم عرض کر چکے ہیں اپنے مقام پر آئیگی یہاں تو بر سبیل تذکرہ اس کا مجملاً ذکر آگیا ہے۔) اس گذارش سے ہماری مراد یہ ہے کہ یہود نے تورات میں جو یہ دیکھا کہ میں تیرے بھائیوں میں سے تیرے مانند ایک

نبی پیدا کرونگا تو وہ یہودی اپنی ناقص سمجھ کے ہاتھوں بھائی سے مراد بنی اسرائیل ہی سمجھے۔ لیکن اُن کی ناقص عقل نے اُنہیں یہ نہ بتایا کہ تیرے بھائیوں سے بنی اسرائیل نہیں۔ بنی اسمٰعیل مراد ہیں کیونکہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل ہی ہیں چنانچہ خدا کا وعدہ پورا ہوا اور بنی اسمٰعیل میں سے ہمارے سرکار خاتم النبیین کا تاج پہنا کر مبعوث کئے گئے۔ اے کاش! اگر یہ نکتہ یہودی سمجھ لیتے اور اُن کا تعصب اُن کے لئے سدِ سکندر نہ بن جاتا تو وہ آج سب کے سب مشرف باسلام ہوتے۔ اور جن خوش نصیبوں نے اِسے سمجھ لیا وہ غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سرفراز ہوگئے

بہرکیف یہودیوں کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ ایک نبی عنقریب مبعوث ہونے والا ہے اور وہ ہم ہی میں سے ہوگا۔ اسی وجہ سے علمائے یہود عربوں کو یہ سبق پڑھاتے اور انہیں انبیائے سابقین کی پیشین گوئیاں سناتے رہتے تھے جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت سے نیکدل مقدس حضرات دولتِ اسلام سے مالا مال ہوگئے اور متعصب یہودیوں کو کفِ افسوس ملنا پڑا۔ ملاحظہ فرمائیے۔

حضور کے متعلق یہود و نصاریٰ کی پیشینگوئیاں بعض صحابہ کے اسلام لانے کا سبب

عاصم بن عمرو انصاریؓ کہتے ہیں کہ ہمارے اسلام لانے کا باعث یہ ہوا کہ حضور صلعم کی بعثت سے پہلے ہماری اور اہلِ کتاب کی سخت مخالفت تھی اور ہم دونوں میں معرکۂ کارزار گرم رہا کرتا تھا۔ یہود بطور وعید یہ کہا کرتے تھے کہ ہم میں ایک نبی عنقریب مبعوث ہونیوالا ہے۔ جس کے ہمرکاب ہوکر ہم تم سے مقابلہ کیا کرینگے اور تمہیں تمہارے عناد کا اچھی طرح مزا چکھادیں گے کیونکہ تائیدِ الٰہی اُس نبی کے سبب ہمارے ہی ساتھ ہوگی۔ چنانچہ جب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک دعوتِ اسلام ہمارے کانوں میں پہنچی تو ہمارا سارا خاندان مشرف باسلام ہوگیا

مگر اُن یہودیوں نے صاف انکار کر دیا۔ اور اپنی کفر کی تاریکیوں ہی میں پڑے رہے جب اُن سے کہا گیا کہ تم تو ہم سے پہلے اس نبی پر ایمان لانے کو کہتے تھے مگر یہ کیا ہوا کہ تمہاری ہدایت ہمارے پاس آگئی اور ہماری گمراہی تمہارے سر جا پڑی تو جواب میں یہودیوں نے یہ تاویل کی کہ چونکہ یہ نبی ہماری قوم میں سے نہیں ہوئے اس لئے یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کی پیشین گوئی ہم بیان کیا کرتے تھے۔ خدا کی شان دیکھئے جو برسوں سے آس منا رہے تھے محروم رہ گئے۔ اور دولت اسلام انصار کے حصے میں آگئی۔ سچ ہے۔ خدا کی دین بھی عجیب دین ہے۔ شمع ہدایت کے نیچے کفر کا اندھیرا اور تاریکیوں پر آفتاب اسلام۔ یہود اُسی طرح کا فر رہے اور انصار صحابہ کے شاندار لقب سے ممتاز ہو گئے۔ سبحان اللہ وبحمدہ ؎

سکندر باوجود بڑی کوشش محنت اور جانفشانی کے آب حیات نہ پی سکا۔ اور خضرؑ بلا مشقت اس آب جاوید سے سیراب ہو گئے ؎

تو جو چاہے تو اُٹھے سینۂ صحرا سے حباب
رہرو دشت جو سیلی زدۂ موج سراب

راہب کی پیشینگوئی

طلحہ بن عبداللہ فرماتے ہیں میں بصرہ کے بازار میں کچھ سامان کی خرید و فروخت میں مصروف تھا کہ سامنے سے ایک راہب آتا ہوا نظر آیا۔ اور میرے قریب پہنچکر کہنے لگا۔

راہب کیا یہاں کوئی مکہ معظمہ کا رہنے والا ہے؟

میں ۔ ہاں میں وہیں کا رہنے والا ہوں۔ اور وہیں سے آرہا ہوں۔ کیوں؟ تمہیں کیا کام ہے؟

راہب۔ کیا مکہ میں احمد ظاہر ہو گئے۔

میں۔ تمہاری مراد کس احمد سے ہے۔

راہب ۔ احمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف سے وہ اسی مہینہ میں نبی بنائے جانے والے ہیں۔ ان پر خدائے بزرگ کی بڑی بڑی مہربانیاں ہونگی۔ خاتم النبیین کے لقب سے ملقب کئے جائیں گے۔ اُن کا ظہور حرم پاک ہی سے ہوگا اور اپنی قوم کے ظلم وستم کی وجہ سے وہ جس زمین میں ہجرت فرمائیں گے اُس زمین کے پتھر سفید مٹی شور ہوگی۔ اور وہاں کھجوروں کے درخت پائے جائیں گے۔

طلحہ فرماتے ہیں راہب کی باتیں کچھ ایسی موثر تھیں کہ میں نے جلدی جلدی خرید وفروخت کا کام ختم کیا اور مکہ معظمہ آیا۔ یہاں پہنچکر میں نے معلوم کیا کہ میری عدم موجودگی میں کوئی نئی بات تو نہیں ہوئی۔ میرے استفسار پر لوگوں نے کہا کہ ہاں ایک بالکل نئی بات ہوئی ہے۔ ہمارے آگے کے نیچے محمدؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اور ابوبکر صدیق اُس پر ایمان بھی لے آئے ہیں۔ بھلا دیکھو تو محمدؐ کو یہ کیا سوجھی ہے؟

میں نے اُن کی ان لچر باتوں کا تو کچھ جواب نہ دیا۔ سیدھا ابوبکر صدیق رضؓ کے پاس پہنچا۔ راہب کا سارا قصہ اُن سے بیان کیا اُنہوں نے آنحضور صلعم کی صداقت میں ایک مدلل محقق۔ موثر اور لاجواب کر دینے والی مختصر تقریر کی جس کے بعد میں فوراً مشرف باسلام ہوگیا

سچ ہے جب مشک کی خوشبو چھپائے نہیں چھپتی تو گلزار رسالت کی مشام جان معطر کر دینے والی مہک کس طرح چھپ سکتی ہے۔

ایک یہودی کی بے بہا نصیحت

خاندان بنی قریظہ کے ایک معمر شخص بیان کرتے ہیں کہ ہم اور بنی نضیل کا کچھ کنبہ دونوں آس پاس رہتے تھے۔ ایک دن یہودیوں کا ایک عالم ہمارے پاس آیا۔ اتفاق کی بات کہ وہ بیمار پڑگیا اور ایسا بیمار کہ موت سے ہمکنار ہونے کے قریب تر ہوگیا تو اُس نے تمام اپنے ہم قوم جمع کئے اور اُن کے سامنے لڑکھڑاتی ہوئی زبان اور کمزور آواز میں اس

طرح کہنے لگا۔

میرے عزیزو! میں اپنا پیارا وطن چھوڑ کر اس شہر میں یوں آیا تھا کہ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ عنقریب ایک پیغمبر مبعوث ہونے والے ہیں اور اس مقدس شہر میں ہجرت فرما کر تشریف لائیں گے۔ میری سب سے بڑی تمنا تھی کہ میں اُن محترم نبی کی خدمتگزاری کا شرف حاصل کروں اور اُن کے مقدس قدموں پر اپنی جان فدا کردوں مگر افسوس میرا پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا اور میں وہ روزِ سعید نہ دیکھ سکا۔ اس مبارک آرزو کو دل کی قبر ہی میں دفن رکھتے ہوئے دنیا سے سدھار رہا ہوں لیکن میرے عزیزو! اپنے قریب المرگ بوڑھے کی وصیت اچھی طرح سُن رکھو جب وہ نبی یہاں تشریف لائیں تو تم بلا تامل اُن پر ایمان لے آنا۔ دیکھو ایک لمحہ کے لئے بھی اُن کی مخالفت نہ کرنا جن کی دشمنی انسان کو جہنم کا کندہ اور دوستی جنت کا بادشاہ بنا دیگی اس کے بعد اس بوڑھے کو اجل نے کچھ اور کہنے کا موقعہ نہ دیا اور وہ حسرت نصیب ارمان بھرا پیغمبر اسلام کی زیارت کو ترستا دنیا سے چل بسا۔

ہدایت جس زمانہ کا یہ ذکر ہے وہ بعثت سے دس سال پہلے کا زمانہ تھا جب ہمارے سرکار عالم کے تاجدار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ احزاب کے بعد بنی قریظہ کا محاصرہ کیا تو خوش قسمتی سے اُن میں کچھ لوگ اس وقت موجود تھے جنہوں نے سن رسیدہ یہودی کی وصیت سنی تھی۔ اُنہوں نے حضور کے دیدار سے مشرف ہوتے ہی کہا۔ ایہا الحاضرین! یہ وہی نبی ہیں جن کی بشارت بڈھے یہودی نے دی تھی۔ یہ سنتے ہی ہم نے قلعہ کا پھاٹک کھول دیا۔ باہر نکل آئے اور آفتاب رسالت صلعم کے ہاتھ پر بیعت کر کے مسلمان ہو گئے۔

بیشک جب دنیا کا آفتاب اپنی ضیاء باریوں سے عالم کو روشن کر دیتا ہے تو آفتاب رسالت کی ضیاء پاشیاں کیا کچھ ہوں گی۔ ہاں اُن کے انعکاس نے

تھوڑے ہی دنوں میں مشرق سے مغرب تک اسلام کا نور چمکا دیا اور اب آفتاب رسالت چھپ جانے کے بعد بھی اس کی نور افگن شعاعیں برابر اپنا کام کئے جا رہی ہیں

آفتاب رسالت کی بشارت

سلمہ کہتے ہیں خدا کی قدرت۔ ایک روز نبی عبدالاشہل کے جلسہ میں احبار یہود میں سے ایک یہودی بعثت۔ قیامت اور حساب کتاب کے متعلق تقریر کر رہا تھا۔ لوگوں نے جب اس سے ثبوت چاہا تو اس نے ذرا چیں بجبیں ہو کر کہا۔ تم مجھ سے بالکل نہ پوچھو۔ قریب ہے کہ حرم میں سے ایک آفتاب چمکے گا۔ ایک نور نکلیگا یعنی ایک پیغمبر مبعوث ہوگا۔ جو تمہارے سامنے میرے قول کی پوری صداقت فرما دیگا۔ لوگوں کے استفسار پر مقرر نے کہا۔ نہ گھبراؤ اس کے ظہور کا زمانہ بالکل قریب ہے جب لوگوں نے اس سے زیادہ پوچھ گچھ کی۔ تو سلمہ کہتے ہیں کہ اس مقرر نے میری طرف اشارہ کر کے لوگوں سے کہا۔ یہ شخص اس مقدس نبی کی غلامی کا فخر حاصل کریگا۔ یعنی اس کی اتنی عمر ہوگی کہ یہ اپنے ہادیٔ برحق کی خدمات بخوبی انجام دے سکے گا۔

سلمہ فرماتے ہیں یہ فرحت اثر خبر سنکر میں انتظار کی گھڑیاں گننے لگا۔ آخر خدا خدا کر کے اس فخر دو عالم آقائے محترم کا ظہور ہوا اور میں شوق۔ ذوق۔ عقیدت محبت اشتیاق دل میں لبریز کئے حضور اکرم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر دولت اسلام سے مالا مال اور حضور کی غلامی کی بادشاہت سے نہال ہو گیا۔

چراغ کے نیچے اندھیرا

ایک دن مجھے اتفاق سے وہی یہودی بازار میں مل گیا تو میں نے اس کا پلہ پکڑ کر کہا تو ہی نے تو ان مقدس نبی کی بشارت دی تھی اب کیا ہوا کہ مشرف باسلام نہیں ہوتا؟ یہودی یہ سنکر ہکا بکا رہ گیا اور کہنے لگا میں نے جس پیغمبر کی تجھے بشارت دی تھی وہ یہ نہیں ہیں۔

میں نے اس پر لعنت بھیجی پلہ چھوڑ دیا اور اپنا راستہ لیا۔ اگر کوئی نابینا آفتاب

کو ظلمت بنا دے تو آفتاب کا قصور نہیں۔ اُس کی پھوٹی ہوئی آنکھوں کی خطا ہے۔ یہودی کی باطنی آنکھیں پھوٹی ہوئی تھیں بھلا وہ کیا خاک آفتابِ رسالت کی روشنی دیکھ سکتا۔

دیکھئے جس کے ذریعہ سے خدا نے دوسروں کو اسلام کی روشنی سے منوّر کر دیا وہ خود اندھے کا اندھا ہی رہا

مژدۂ جانفزا ابو ہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ نبی منعم اپنے بُت کے پاس بیٹھے تھے اور اپنی بہتری کے لئے اُس پتھر سے التجا کر رہے تھے یکایک ایک آواز آئی جو اگرچہ باریک تھی مگر صاف سنائی دیتی تھی۔ میں نے اُس کے الفاظ حفظ کر لئے تھے۔ کوئی پکارنے والا پکار رہا تھا۔ اے لوگو! تمہیں کیا ہوا ہے کہ پتھروں کی پوجا میں پڑے ہو۔ بس اب اِس گندی پوجا سے ہاتھ اٹھاؤ۔ اور خدا کی راہِ ہدایت پر چلو۔ دیکھو خانۂ کعبہ میں اللہ کا ایک بڑا برگزیدہ نبی ظاہر ہوا ہے۔ اُس کی اطاعت کرو وہ عنقریب ظلمتِ کفر کو حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا اور آفتابِ توحید چمکا دیگا۔ ایسا بہترین رہنما اور اس قدر افضل ترین پیشوا پھر کبھی نہ ملیگا۔ ہاں جاؤ اور اُس پیغمبر کی غلامی کا فخر حاصل کرو۔ یہ سنکر لوگ تتر بتر ہو گئے۔ میں نے تین روز کے بعد سنا کہ حضورِ اکرم صلعم کی نبوت کا سارے مکہ میں غلغلہ ہو رہا ہے اور آپ لوگوں کو جمع فرما کے راہِ ہدایت اور نجات کی طرف بلا رہے ہیں مجھ سے کسی پوچھنے والے نے پوچھا کیا تم بھی بت پرستی کرتے تھے میں نے کہا ہاں مگر ایک دن آقائے نامدارؐ کے طفیل مجھے کفر کی خباثت سے نجات مل گئی۔

سبحان اللہ ہمارے سرکار کی شان بھی کیسی اعلیٰ ترین شان ہے کہ آپ کی نبوت پر غیب سے گواہی کی صدائیں بلند ہوئیں۔ محرومانِ قسمت کے سوا سب نے اِس کو تین سے زیادہ عزیز پیغمبر کی غلامی کا شرف حاصل کر لیا۔

عین خواب میں قسمت کی بیداری

ایک روایت یہ بھی ہے کہ فاروق اعظمؓ کے پاس ایک شخص آیا۔ اور کہنے لگا۔ ایک شخص سواد بن قارس نجی جو بڑا ہشیار اور ذہین ہے کہتا ہے کہ میرے پاس جنات آتے ہیں۔ اُن میں سے ایک نے مجھے بتایا ہے کہ آخرالزماں پیغمبر ظاہر ہونے والے ہیں۔ یہ سُنکر فاروق اعظم تمام کام چھوڑ سواد کے پاس پہنچے اور اُس سے واقعہ مذکورہ بیان کرکے تصدیق چاہی تو اُس نے کہا :۔

میرے پاس کوئی جن نہیں آتا مگر یہ بات بالکل سچ ہے۔ فاروق اعظمؓ کے ثبوت چاہنے پر اُس نے بتایا۔

میں ایک رات سوتا تھا کہ کسی نے مجھے جھنجوڑ کر کہا اُٹھ بنی ہاشم میں ایک نبی مبعوث ہوئے ہیں۔ جو خلق اللہ کو معبودِ حقیقی کی طرف بلاتے ہیں۔ اور توحید کا آفتاب چمکاتے ہیں۔

میں جب سو کر اٹھا تو اُس خواب کا اثر میرے دل پر کچھ نہ تھا۔ دوسرے دن پھر میں نے یہی دیکھا تو میں نے ہاتف سے کہا مجھے سونے دے کہ کئی راتیں مجھے جاگتے کٹ گئی ہیں۔ یہ سنکر وہ غائب ہوگیا۔ مگر تیسری شب پھر آیا اور انہیں مذکورہ باتوں کو دہرایا۔ مگر کچھ اس لب ولہجہ سے کہ میرے دل میں حضور کی صداقت اور اسلام کی حقانیت نقش کالحجر ہوگئی۔

میں دوسرے ہی دن دربارِ رسالت میں حاضر ہوا اور آپ سے عرض کرنے لگا حضور ذرا میری باتیں سنئے۔ آپ نے مجھے قریب بلایا۔ میں گیا۔ یہاں تک کہ آپ کے فرمانے سے میں حضورِ اکرم صلعم سے اتنا قریب ہوگیا کہ میرے دونوں گھٹنے حضور کے مبارک زانوؤں سے مل گئے۔ تب آپ نے فرمایا۔ اب کہہ کیا کہتا ہے۔

میں نے کل کیفیت عرض کی اور حضور کے غلاموں میں شامل ہوگیا۔ میرے

اسلام لانے پر حضورِ اکرم صلعم اور تمام صحابۂ کرام بہت ہی مسرور ہوئے۔
جب فاروقِ اعظمؓ نے یہ عجیب و غریب کیفیت سُنی تو فرطِ مسرت سے سوّاد کو گلے لگا لیا اور فرمایا میں یہی چاہتا تھا کہ یہ تمام حیرت انگیز واقعہ تمہاری ہی زبان سے سُنوں۔ الحمدللہ کہ خدا نے آج میری تمنا پوری کر دی۔

ابلیس کا اضطراب

مواہب لدنیہ۔ شواہد النبوت کے مطابق جس دن آپ خلعتِ نبوت سے مشرف کیے گئے اُس روز تمام شیاطین ابلیس کے پاس آئے اور بصد تضرع کہنے لگے اے ہمارے اُستاد آج تو ہم پر عجیب سانحہ گزرا ہے جو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ ہم آج آسمانوں پر چڑھنے سے روک دیئے گئے ملائکہ مار و عقرب کے تازیانوں سے ہمیں مار مار کر زمین پر پھینک دیتے ہیں۔ تو بتا آج کیا نیا واقعہ ہوا ہے۔ ابلیس متحیّر ہوا اور اُس نے کہا تم ہر قریے۔ قصبے۔ شہر کی ایک ایک مٹھی خاک لاکر مجھے سنگھاؤ تاکہ میں کچھ بتا سکوں

شیاطین دنیا بھر میں پھیل گئے اور تھوڑی ہی دیر میں اُنہوں نے ابلیس کے سامنے مٹی کا ڈھیر لگا دیا۔ مگر شیطان نے اُسے سونگھ کر یہی کہا کہ اِن مقامات میں کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ ابلیس کا ایک شاگرد مکہ معظمہ کی مٹی لایا جسے دُور ہی سے دیکھکر ابلیس نے کہا۔ ہاں یہاں ضرور کوئی نئی بات ہوئی ہے۔ کیونکہ اس خاک میں مشک و عنبر کی سی خوشبو آ رہی ہے۔

جستجو

اس کے تھوڑے دن بعد شیطان نے اپنے شاگردوں سے کہا تم مکہ معظمہ جاؤ اور معلوم کرو وہاں کیا خاص بات ہوئی ہے۔ پانچ سو جنوں کا ایک دستہ خبر لینے کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہوا۔ اور عین اُس وقت پہنچا جب آقائے نامدار سرورِ عالم حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑی کی اس گھاٹی میں صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔

گوہرِ مراد

یہ دستہ ایک درخت کے نیچے ٹھہر کر یہ روحانی منظر دیکھنے لگا جس سے متاثر ہو کر

ایک بولا۔ یہ کیا بات ہے؟ کہ کچھ لوگ پیچھے صف بستہ اور ایک بزرگ سب سے آگے کھڑے ہیں۔

دوسرا۔ دیکھو یہ کچھ کہہ بھی رہے ہیں؟

تیسرا۔ چپ رہو۔ ذرا سنو! الفاظ نہایت ہی دلکش بہت ہی روح پرور اور بے انتہا معنی آفریں ہیں۔ سب ساکت اور صامت ہو کر سننے لگے۔

حضور اکرم صلعم "طٰہٰ ما انزلنا الیک القرآن لتشقیٰ" کی مبارک آیات پڑھ رہے تھے۔ جب قرأت ختم ہوئی اور رکوع سجدے کی نوبت آئی تو جنوں میں سے ایک پکار اُٹھا۔ واللہ! کس قدر روحانی مظاہرہ ہے

دوسرا۔ کلام کیسا دلکش ہے

تیسرا۔ کلام زمین والوں کا سا ہے اور معنی آسمان والے کے۔

اس مقدس نماز سے یہ سارا دستہ بہت متاثر ہوا اور اس نے سمجھ لیا کہ یہ جو آگے کھڑے قرأت پڑھ رہے ہیں ضرور اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں۔

ادھر نماز کا سلام پھرا اُدھر جنوں کا یہ پورا دستہ شوق کے قدموں سے دوڑتا آرزوؤں کے ہاتھ پھیلاتا حضور اکرم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر مشرف باسلام ہو گیا۔

آپ نے اس دستہ سے ایک کو اُن سب کا افسر بنایا اور دوسرے جنوں کی ہدایت کے لئے روانہ فرما دیا۔ سبحان اللہ ؎

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

جنوں کا دستہ نخلہ میں بغض عناد لئے ہوئے خبر دریافت کرنے آیا تھا۔ لیکن آفتاب رسالت کی نور افگن شعاعوں سے ظلمتِ کفر کافور ہو گئی اور نورِ ہدایت سے اس پورے دستے کے دل چمک اُٹھے۔ سچ ہے مشک کی خوشبو جہاں جہاں پھیلے گی۔

اُن مقامات کو معنبر کر دے گی۔ پھولوں کی مہک جہاں جائے گی۔ تراوت۔ مسرت نکھار۔ اور خوشبو ہی پھیلائے گی۔ آفتاب کی روشنی جس جس جگہ پہنچے گی منور ہی کر دیگی۔ ہاں مشک سے زیادہ معنبر پھولوں سے سوا معطر اور آفتاب سے کہیں بڑھ کر نور اُس ذات میں جلوہ گر تھا۔ جو اکیلی ذات وحدہٗ لاشریک کی طرف سے تمام دنیا پر نبی بنا کر بھیجی گئی تھی، مبارک ہیں وہ دل۔ مقدس ہیں وہ آنکھیں اور بے مثال ہیں وہ ہستیاں جنہوں نے فخرِ دو عالم حضور محمدؐ رسول اللہ صلعم کی غلامی کا شرف حاصل کر لیا۔ گندے ہیں وہ دل، بے نور ہیں وہ آنکھیں اور ملعون ہیں وہ لوگ جنہوں نے آفتاب رسالت گلزارِ سعادت، اللہ کے پیارے، اُمت کے دُلارے۔ عبداللہ کے دُرِ یتیم۔ آمنہ کے چاند، سرورِ دوسرا، حضور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر کے ہمیشہ کی لعنت اور ابدی جہنم مول لے لیا۔

یہ (بعض صحابہ اور جنوں کے مشرف باسلام ہونے کے واقعات جو زیب صفحات کئے گئے ہیں۔ سیرت کے بحرِ ذخار کا ایک قطرہ، اور مرتبۂ آفتاب نبوت کا ایک ذرہ میں ایسے ایسے واقعات سے کتب سیر بھری پڑی ہیں۔ مثال کے طور پر اور خوفِ طوالت کی وجہ سے صرف انہیں پر اکتفا کیا جاتا ہے یوں سمجھئے کہ یہ اُن دلچسپ حیرت انگیز اور سبق آموز واقعات کی تمہید ہیں جو انشاء اللہ اپنے مقام پر قارئین کے ملاحظہ سے گزریں گے۔

مؤرخینِ یورپ اور ہم اگر ہمارے دوست سر ولیم میور۔ فاضل اسپرنگر اور قابل پروفیسر مارگولس یہ واقعات سُن کر اسلامی مورخوں پر مضحکہ کریں تو یہ اُن کے اور اُن جیسے خیال والوں کے ناقص فہم بھونڈی سمجھ اور کوتاہ عقلی کا قصور ہے۔ وہ اسلامی مورخوں کو بُرا بھلا کہنے سے پہلے اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں۔ اور پھر وہی کہنا پڑتا ہے کہ اپنے مذہبی آئینہ میں اپنی صورت

دیکھیں، جس میں اُن کے خداوند کے باپ کے پاس آسمانی خدا کے فرشتے آیا اور اُسے غیب کی باتیں بتایا کرتے تھے۔ افسوس ہوتا ہے۔ جب ہمارے مغربی فاضل اپنی طرف سے تو بالکل منہ موڑ لیتے ہیں اور دوسروں پر آنکھ بند کر کے خواہ مخواہ نکتہ چینیاں کرتے ہیں۔ اگر پانی کی شراب بن جائے تو بجا۔ مسیح پانی پر چلیں تو درست اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کریں تو صحیح۔ لیکن اگر مصلح اعظم نجات دہندۂ عالم حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنوں کو مسلمان کریں۔ پتھر آپ سے کلام کریں۔ بُت آپ کی رسالت پر گواہی دیں تو غلط۔ بھلا اِن عقل کے اندھوں سے کوئی یہ تو پوچھے کہ تمہاری کہانیوں میں ایسا کونسا سرخاب کا پَر لگا ہوا ہے کہ ہم اُنہیں تو تسلیم کریں۔ اور ہمارے مقدس نبی کی سیرت میں ایسی کیا بات ہے جو آپ کی محدود عقلوں اور ناقص دماغوں میں نہ آئے۔ اگر آپ اپنی آنکھوں سے تعصب کی پٹی کھول پھینکیں اور تورات و انجیل حق و صداقت کی روشنی میں پڑھیں تو خود آپ کو اُنہیں کتابوں میں معلوم ہو جائیگا کہ ہمارے آقا، ہمارے مولا اور ہمارے سردار محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی ارفع و اعلیٰ شانیں ہیں۔ اور تورات و انجیل میں حضور کے متعلق (اوصاف سے لبریز) کس قدر پیشینگوئیاں موجود ہیں۔ گھبرایئے نہیں۔ ہم عنقریب آپ دوستوں کا کام خود ہی انجام دیں گے اور جن چیزوں پر گہرے گہرے پردے پڑے ہوئے ہیں اُنہیں (تائیدِ الٰہی) چاک چاک کرتے ہوئے آپ کو آپ کی کتابوں سے بھی حضور اکرم صلعم کے فضائل نکالکر دکھادیں گے۔

یہود کی پیشینگوئیوں پر (جو اُنہوں نے آسمانی کتابوں میں پڑھی تھیں) لوگ جو مشرف باسلام ہوئے تو آپ کا کلیجہ دھک سے ہوگیا۔ اور آپ نے اُن واقعات کو سرے سے جھوٹ بتادیا۔ جن کے ماننے نہ ماننے پر کچھ اسلام کا دارومدار نہیں۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ چلیئے ہم آپ کی خاطر سے مذکورہ واقعات غیر صحیح مانے لیتے ہیں مگر آپ بھی اپنی اناجیل کے

بے سروپا واقعات غلط مان لیجئے۔ لیکن پھر بھی نقصان آپ ہی کا ہوگا۔ کیونکہ ہمارے اسلام میں تو ان کے نہ ماننے سے کچھ بھی فرق نہ آئیگا ہاں آپ کی مذہبیت کا ضرور ستیاناس ہو جائے گا۔

مغربی دوستو! ہوش کی باتیں کرو۔ اور یوں بے سوچے سمجھے دوسرے مذہب پر اعتراض کرنے سے باز آؤ۔ لکھو تو ایسے صحیح صحیح واقعات لکھو جنہیں پڑھ کر مسلمان بھی تمہاری راستبازی کے قائل ہو جائیں۔

سرکار کا مبارک سراپا اب یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس مبارک نبیؐ کے نور سے سورج، چاند، تارے فیضیاب ہوئے اس مقدس ذات کا کسی قدر سراپائے مبارک زیب قرطاس کیا جائے۔ اگرچہ یہ کام بندے کے احاطۂ امکان سے باہر ہے، بھلا کس میں طاقت ہے جو جمالِ محمدیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نقطہ بھی بیان کر سکے۔ ہاں وہ جمالِ جہاں آفروز، جو حق تبارک وتعالیٰ شانہ کو سب سے زیادہ پسند آیا۔ وہ حسنِ عالمتاب جس کی صحیح مثال کے لئے بھی کوئی چیز ہماری نظروں کے سامنے نہیں۔ وہ مجسمہ نور جسے من نور اللہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ (یعنی جو ذاتِ گرامی حق تبارک وتعالیٰ کے نور کے فیض سے پیدا کی گئی) اس کا پورا پورا سراپا صفحۂ کاغذ پر کھینچنا مشکل محال اور ناممکن۔ کہاں ہیں مانی و بہزاد آئیں اور جمالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلپذیر تصویر کھینچکر دکھائیں۔ مگر نہیں وہ کبھی اس اہم ترین کام میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ قلم بے دم۔ روشنائی پھیکی۔ اور کاغذ بے روپ۔ بھلا دنیا کی کثیف مادی چیزیں اس روحانیت کے آفتاب کا سراپا کس طرح کھینچ سکتی ہیں ؎

سراپائے حضورؐ

بیاں کیا ہو سراپائے محمدؐ
کہ خود خالق ہے شیدائے محمدؐ

ہو جس دل میں تمنائے محمدؐ
ہو جس کی آنکھ جویائے محمدؐ

نہ ہوگا اُسکی بھی کلک و زباں سے
بیانِ حُسنِ یکتائے محمدؐ

بھلا میں جس کی ناقص عقل کم فہم
لکھوں کیونکر سراپائے محمدؐ

میں تیری شان کے قربان مولا
کہ لکھوں حُسنِ زیبائے محمدؐ

پرِ جبریل کامل جائے خامہ
رقم جب ہو سراپائے محمدؐ

جو واللیلِ اذا یغشیٰ سے افزوں
وہ ہے زلفِ چلیپائے محمدؐ

ہے والشمس الضحیٰ جس رُخ کی تفسیر
ہے ایسا روئے زیبائے محمدؐ

جو ہیں گوہر سے بڑھکر مہ سے افزوں
وہ ہیں دندان و لب ہائے محمدؐ

تصدق جن پہ تارے، چاند، سورج
وہ ہیں رخسارِ یکتائے محمدؐ

حسینانِ جہاں حورانِ جنت
ہیں سب محوِ تماشائے محمدؐ

وہ ذرّے ہو گئے خورشیدِ تاباں
ملا جن جن کو جلوائے محمدؐ

تمنا کر رہے ہیں چاند۔ سورج
کہ ہوتے وہ جبیں سائے محمدؐ

شرابِ نور سے لبریز مخمور
بنیں ہیں چشمِ صہبائے محمدؐ

جبینِ نور افگن وہ جبیں ہے
کہ اک عالم ہے شیدائے محمدؐ

ہیں سارے سرو قد جس پر تصدق
ہے ایسا قدِ زیبائے محمدؐ

فدا خود حُسن جس پر وہ سراپا
وہ حُسنِ عالم آرائے محمدؐ

ہے جن ہاتھوں کے صدقے حسنِ عالم
ہیں ایسے دستِ زیبائے محمدؐ

جو گنجینہ ہے علمِ معرفت کا
ہے ایسا صدرِ یکتائے محمدؐ

جمالِ حق ہے جس میں جلوہ افروز — وہ کیا ہے قلبِ یکتائے محمدؐ
شکم یا تختیٔ الماس توبہ — وہ اک ذرّہ کفِ پائے محمدؐ
ہوئی عرش و فلک کو جن سے زینت — وہ خوش اسلوب ہیں پائے محمدؐ
تصدق جس پہ دنیائے نزاکت — ہے ایسی پُشتِ رعنائے محمدؐ
فزوں ہے مشک و عنبر سے جو خاک — وہ ہے خاکِ کفِ پائے محمدؐ
نہیں جس کی کوئی تشبیہ ممکن — کچھ ایسا ہے سراپائے محمدؐ

صلی اللہ علیہ وبارک وسلم

تجلیاتِ الٰہی کا آئینہ جس محبوبِ جہاں افروز کو حق تبارک وتعالیٰ شانہٗ تمام دنیا سے زیادہ ممتاز فرمادے اُس حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا حُسن وجمال آپ ہی بتائیے کیسا کچھ ہوگا۔ ہاں جس کے لئے جہان آفریں نے سب کچھ پیدا کیا جس کی زیارت اور جس کے قدوم کی وجہ سے عرش کرسی۔ آسمان سب مشرف ہو گئے۔ جس نے کچھ ہی عرصہ میں ظلمت کدۂ عالم کو نورستانِ جہان بنا دیا۔ جو تمام انبیائے کرام کا سردار بنا کر بھیجا گیا۔ اس کے بے مثال جمال کا نقشہ کس طرح پیش کیا جاسکتا ہے۔ ہم تو اپنے ناقص فہم وادراک کی وجہ سے صرف اتنا ہی عرض کرسکتے ہیں کہ جس خداوندِ جلیل نے اپنی ایک ادنیٰ ترین تجلّی سے دنیا جنت۔ انسان۔ جن فرشتے حوریں۔ وغیرہ سب چیزیں بنادیں۔ جن میں ہر ہر چیز اس قابل ہے جسے دیکھکر معبود کی قدرت پر وجد ہوتا ہے۔ تو تمام اشیا یکجا جمع کردینے سے قلبِ انسانی کی کیا کیفیت ہوگی چلئے اوروں کو جانے دیجئے اس مادّی دنیا ہی کو (جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے) لے لیجئے۔ اور دیکھئے حُسن کی کیسی کیسی مجسم تصویریں حُسن آفرین نے پیدا فرمائی ہیں۔ یوسف علیہ السلام کے جمال پر نظر ڈالئے تو سبحان اللہ ایسا جمال جسے دیکھکر سات دن رات کی بھوک پیاس یکلخت

مٹ جائے۔ پھر خدا جانے اُس خالق یکتا نے یوسف علیہ السلام جیسے کتنے حسین بنا دیئے ہونگے۔ موجودہ زمانہ ہی کو سامنے رکھیے۔ تو بھی بہت سی ایسی صورتیں ملجائیں گی۔ جو آپ کے خیال میں بے مثال۔ اور لاجواب ہونگی۔ جن میں کی ہر صورت اس قابل ہے کہ اُسے دیکھکر بے اختیار سُبحان اللہ کہنے کو جی چاہے۔ لیکن حُسن کی یہ رنگین تصویریں مظہرِ ذات کے ادنیٰ ترین ذرّے کا کروڑواں حصہ ہیں۔ اب ملاحظہ فرمائیے۔ جس ذات کو معبود نے من نُورُ اللہ فرمایا ہو۔ اُس ہستی کا جمال کیسا جمال ہوگا۔

ساری دُنیا کے حسینوں میں جمالِ الٰہی کی ادنیٰ ترین جھلک کا کروڑواں حصہ سمجھ لیجئے۔ لیکن حضورِ اکرمؐ کا جمال۔ ایسا جمال ہے۔ جو آئینہ ہے تجلیاتِ الٰہی کا یعنی آقائے نامدار۔ جمالِ الٰہی کا پورا پرتو ہیں۔ اب بتائیے اِس پرتوِ قدس کی مثال کہاں ممکن ہوسکتی ہے۔ جس کے سامنے تمام حسینانِ عالم کا جمال سیر میں رتی کی نسبت بھی تشکل سے رکھتا ہے۔

نُورِ محمدی کے باب میں یہ آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ جب آپ کے نُور نے جملہ انبیائے کرام کے نُور کی طرف دیکھا تو آپ ہی کا نُور رہا جو اکیلا تمام انوارِ انبیا پر غالب آگیا۔ پھر ایسے محبوب کا سراپا پیش کرنا کس قدر محال ہے۔ جو اپنی آپ ہی مثال ہے۔ اور جس کی ادنیٰ تشبیہ کے لئے بھی دُنیا میں کوئی چیز نہیں ملتی ؎

زلفِ مشکبارِ نبی کا جسے سودا ہوجائے ۔۔۔ حورِ سوجاں سے اُس انسان پر شیدا ہوجائے

ممکن ہے۔ بعض حضرات سمجھیں کہ ہم آپ کے سراپائے مقدس میں شاعرانہ مبالغہ سے کام لے رہے ہیں۔ معاذ اللہ ملاحظہ ہو

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں نے حضورؐ سے عرض کیا۔ میرے ماں باپ قربان۔ آپ کے حُسن اور یوسف علیہ السلام کے جمال میں کیا فرق ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اُنہیں حُسن ظاہری ملا تھا۔ اور مجھے جمالِ باطنی مرحمت

ہوا ہے۔ (سچ ہے جس کا دل ذرا بھی کفر کی کدورت سے صاف ہوتا تھا وہ حضورِ اکرمؐ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہی پکار اُٹھتا تھا۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدًا رسول اللہ۔ یہ دلچسپ تفاصیل انشاء اللہ اپنے اپنے مقام پر آئیں گی)

اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نے دنیا میں میرا استر پیش کیا ہے۔ یہ اس لئے کہ کوئی مجھے دیکھ کر میرے حُسن و جمال کی تاب نہ لا سکتا۔ لاریب جس کا نور سب سے پہلے پیدا فرمایا گیا ہو۔ اور جو ہزارہا سال بارگاہِ لم یزلی کا طواف کرتا رہا ہو۔ جس میں جمالِ الٰہی کی لاکھوں تجلیاں مضمر ہوں۔ اس کا جمال دُنیا کی کوئی آنکھ ہرگز نہیں دیکھ سکتی تھی)

قیامت کے دن۔ اللہ تبارک و تعالیٰ میرا ابرا تمام عالم کے سامنے پیش فرمائے گا۔ یعنی اُس روز آپ کا اصلی جمال سب کی آنکھیں دیکھیں گی۔ دنیا میں آپ کو اُتنا ہی حُسن مرحمت ہوا۔ جتنا تابِ نظر کے لائق تھا ؎

حشر کے دن جلوہ والائے سرور دیکھنا دیکھتے رہ جائیں گے سارے پیمبر دیکھنا

اب تو آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ ہم نے جمالِ محمدی کے متعلق بالکل مبالغہ سے کام نہیں لیا۔ بلکہ ہم اُس شمعِ جہاں افروز کے جمال کا ہزارواں حصہ بھی اہلِ نظر کے سامنے پیش نہیں کر سکے۔ اور نہیں کر سکتے۔

صحابۂ کرام رضؓ کا ہم پر ہزار ہزار احسان ہے کہ اُنہوں نے اُمّت کے سامنے جمالِ معنوی کے ساتھ ساتھ حضورؐ کا جمالِ ظاہری بھی پیش کر دیا۔ جس سے شیدایانِ رسالت عاشقانِ جمالِ قدس کو اپنے محبوب کی محترم تصویر آنکھوں اور دلوں میں رکھنے کا زرّیں وقت مل گیا۔ جو احادیث حضورؐ کے حلیۂ مبارک میں زیبِ صفحات کی گئی ہیں۔ اُن میں سے دو ایک پیش کی جاتی ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

(۱) حدثنا حمید بن مسعدۃ البصری ثنا عبد الوھاب الثقفی عن حمید عن انس بن مالک قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ربعۃ و لیس بالطویل ولا بالقصیر حسن الجسم وکان شعرہ لیس بجعد ولا سبط اسمر اللون اذا مشی یتکفاء (حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلعم کا قدِ مبارک درمیانہ تھا۔ نہ آپ کا قد لمبا تھا نہ ٹھنگنا۔ بلکہ بہت ہی موزوں۔ اور خوبصورت تھا۔ آپ کے بالوں میں بالکل پیچیدگی ہی تھی نہ سیدھاپن۔ بلکہ سی پیچیدگی تھی اور گھونگر والے تھے۔ اور آپ گندمی رنگ تھے۔ جب حضورؐ راستہ چلتے تھے تو نیچے کی طرف جھکے ہوئے۔)

اگرچہ اس حدیث میں جناب انسؓ نے حضورِ اکرم صلعم کا رنگ گندمی بتلایا ہے۔ لیکن انہیں کی ایک بیان کردہ حدیث میں آپ کو ملیح بتایا گیا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ "ولا بالابیض الامھق ولا بالادم" رنگت کے اعتبار سے آپ نہ بالکل چونے کی طرح سفید تھے نہ گندم گوں۔ کہ سانولاپن آجائے۔)

یعنی آپ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ملاحت لئے ہوئے چمکتا تھا۔ ان دونوں حدیثوں کے تطابق سے یہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ آپ بالکل گندمی تو نہ تھے کہ جس سے آپ کے حسن وجمال میں کچھ کمی واقعہ ہوتی لیکن آپ کی ملاحت کسی قدر گندمیت لئے ہوئے تھی۔ جس سے آپ کا مبارک چہرہ بہت ہی جاذبِ نظر ہوگیا تھا۔

(۲) حدثنا محمد بن بشار یعنی العبدی ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبۃ عن ابی اسحاق قال سمعت البراء بن عازب یقول کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً مربوعاً بعید ما بین المنکبین عظیم الجمۃ الی شحمۃ اذنیہ علیہ حلۃ حمراء ما رأیت شیئاً قط احسن منہ (براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک میانہ قد کے انسان تھے۔ لیکن کسی قدر مائل بہ درازی آپ کے دونوں شانوں کے بیچ میں اوروں سے کچھ زیادہ فاصلہ تھا۔ (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا سینہ بہت فراخ تھا) آپ گھنے بالوں والے تھے جو کان کی لو تک آجاتے تھے۔ آپ ایک سرخ دھاری کا جوڑا زیب جسم فرماتے تھے۔ (جوڑا سے مراد لنگی اور چادر ہے)۔ میں نے آپ سے زیادہ خوبصورت دنیا میں کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی)

حضرت براءؓ یہ بھی کہتے ہیں کہ میں نے کسی پھوں والے شخص کو سرخ لباس میں حضور اکرم صلعم جیسا حسین نہیں دیکھا۔

حضرت علیؓ ان تمام صفات کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ آپ کی ہتھیلیاں اور پاؤں گوشت سے بھرے ہوئے تھے۔ جو مردوں کے لئے بڑی محمود صفت ہے۔ کیونکہ طاقت اور شجاعت کی یہ بڑی علامت ہے۔

اور حضورؐ کا سر اقدس بھی بڑا تھا۔ اعضائے مبارک کے جوڑوں کی ہڈیاں بھی بڑی بڑی تھیں۔ سینے سے ناف تک بالوں کی ایک بہت ہی خوشنما ہلکی سی دھاری تھی۔ جب آپ چلتے تھے تو اس طرح۔ جیسے کسی اونچی جگہ سے نیچے اتر رہے ہیں۔ میں نے حضور اکرمؐ جیسا خوبصورت آپ سے پہلے دیکھا نہ آپ کے بعد

حضرت ابراہیم بن محمد (بنیرہ حضرت علیؓ) حضور اکرم صلعم کا حلیۂ مبارک بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مجھے میرے دادا جان حضرت علیؓ کی یہ روایت بھی پہنچی ہے کہ آپ کا چہرۂ مبارک لمبا تھا۔ نہ گول۔ بلکہ ان دونوں کے بین بین تھا حضور کی آنکھیں نہایت سیاہ۔ اور پلکیں بڑی بڑی تھیں۔ آپ کا رنگ سفید سرخی لئے ہوئے تھا۔

آپ کے حلیۂ شریف میں جو بہت سی احادیث وارد ہیں۔ ان میں سے یہ چند ہی

حوالۂ قلم کر دینی میرے نزدیک کافی ہیں۔ یوں تو اگر آپؐ کے ایک ناخنِ پا کی تعریف بیان کی جائے تو عمریں گزر جائیں مگر تعریف ختم نہ ہو۔

ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے۔ وہ آفتابِ جمالِ محمدی صلعم کا ایک ذرّہ ہے۔ تاہم عاشقانِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلّی اور تسکین کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ وہ سراپائے مبارک کے اسی قدر بیان سے محبوبِ عالم حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تصویر اپنے اپنے دل میں جلوہ افروز کر سکتے ہیں۔ انشاء اللہ جلدِ ثانی میں مناسب مقام پر سراپائے حضور کے متعلق چند اور احادیث بھی زیبِ قرطاس کی جائیں گی۔ چونکہ اس وقت سراپائے حضور پیش کرنا دلچسپی اور موقع کے لحاظ سے ضروری تھا۔ اس لئے سراپائے مبارک کے متعلق نظم و نثر کے چند موتی نذرِ ناظرین کر دیئے گئے۔

آفتابِ رسالت کی ابتدائی کرنیں

اب ہم اپنے محترم قارئین کی توجہ پھر حضورِ اکرم صلعم اور غارِ حرا کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں۔

یہ ہم عرض کر ہی چکے ہیں کہ اب (عمر شریف کے چالیسویں سال میں) حضورِ اکرمؐ کو خلوت بہت ہی اچھی معلوم ہونے لگی تھی۔ اور اسی لئے آپ غارِ حرا میں ایک ایک مہینے تک اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ لیکن اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نبوت کا دیباچہ کیا تھا۔ خلوت کا شوق آپ کو کس چیز نے دلایا تھا۔ اور پھر کس طرح حق تبارک و تعالیٰ نے نبوت کی تکمیل فرمائی ملاحظہ ہو۔

صحیح بخاری پارہ اول۔ عن عائشۃ ام المومنین رضی اللہ عنہا انہا قالت اول ما بدئ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرویاء الصالحۃ فی النوم فکان لا یری رویاء الا جاءت مثل فلق الصبح ثم حبب الیہ الخلاء وکان یخلو بغارِ حراء فیتحنث فیہ وھو التعبد اللیالی

ذوات العدد قبل ان ینزع الی اھلہ وتیزود لذلک ثم یرجع الی خدیجۃ فیتزود لمثلھا (ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ پہلے پہل حضور اکرم صلعم پر جو وحی آئی وہ اچھے اچھے اور سورج کی طرح سچے اور روشن خواب تھے۔ جو سوتے میں آپ کو دکھائی دیتے تھے۔ تو شروع شروع میں آپ کی یہ کیفیت تھی کہ آپ جو خواب رات کو سوتے میں ملاحظہ فرماتے تھے وہ صبح کو خورشید جہاں تاب کی طرح ہو بہو سچا ہو جاتا تھا۔ یہ زمانہ چھ مہینے تک رہا کہ آپ روز شب کو خواب دیکھتے تھے اور صبح نور سحر کی مانند وہ سچا ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کو خلوت سے نفرت۔ اور خلوت سے محبت ہو گئی اور آپ کے قلب مبارک میں ملت ابراہیمی کے موافق اللہ کی عبادت بجا لانے کا شوق و ذوق پیدا ہوا۔ لہٰذا آپ غار حرا میں (جو مکہ سے تقریباً تین میل کی مسافت پر ہے) تشریف لیجاتے۔ اور خلوت میں عبادت فرماتے تھے یعنی تحنث کرتے تھے۔ (تحنث کے معنی اہل و عیال کو چھوڑ کر خلوت نشین ہو کر ..... کئی کئی شبانہ روز مسلسل رب جلیل کی عبادت بجا لانا ہیں) اور آپ یہ زمانہ تحنث و تعبد پورا کرنے کے لئے کچھ ستو اور پانی بطور آب و طعام اپنے ہمراہ لیجاتے تھے۔ پھر جب وہ کھانے پینے کا سامان ہو چکتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کے پاس تشریف لاتے اور کھانے پینے کا اتنا ہی سامان لیکر پھر واپس تشریف لیجاتے تھے۔

(اس کی وضاحت اگرچہ پہلے بھی کی جا چکی ہے۔ تاہم مناسب معلوم ہوا کہ صحیح بخاری سے ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہ کی روایت بھی لفظاً لفظاً مع تشریح زیب صفحات کر دیجائے)

اب ایک طرف تو آپ کی علی الرغم فطرت بارگاہ لم یزلی میں محل محل کر آپ کو سید المرسلین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین بنانے کی سفارش کر رہی تھی۔ اور دوسری طرف آپ کی یہ

طلب حق (کہ آپ اہل وعیال سے علیحدہ ہو کر غارِ حرا میں تنہا دنوں اور مہینوں جستجوئے معبود میں سربسجود رہتے تھے) گزارش کر رہی تھی کہ اے روزِ ازل ہی سے اس آفتابِ جہاں تاب کے نور کو تمام انوار پر فضیلت دینے والے۔ اے سمندرِ سعادت کے اس درِ یتیم کو سب سے زیادہ محبوب بنانے والے۔ واسطہ اپنی رحمت کا۔ اس مقدس ذات کو خاتم النبیین کے لقب سے ممتاز فرما دے۔ چنانچہ دعا (وہ دعا جو مانگنے سے پہلے ہی مقبول ہو چکی تھی اور جس مبارک وقت کا مشیتِ ایزدی کو خود بھی بڑا انتظار تھا)..... قبولیت کے عرش طے کر گئی۔ اور آقائے نامدار حضورِ اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تبارک وتعالیٰ نے سید المرسلین کے بے مثال خلعت سے ممتاز فرما دیا۔ تشریح ملاحظہ ہو۔ جو اسی مذکورہ حدیث کا دوسرا ٹکڑا ہے۔

خورشیدِ رسالت کا طلوع

قولہ حتی جاءہ الحق وھو فی غار حراء فجاءہ الملک فقال اقرأ فقال فقلت ما انا بقارئ قال فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجھد ثم ارسلنی فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ فاخذنی فغطنی الثانیۃ حتی بلغ منی الجھد ثم ارسلنی فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ قال فاخذنی فغطنی الثالثۃ ثم ارسلنی فقال اقرأ باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربک الاکرم۔ فرجع بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرجف فؤادہ فدخل علی خدیجۃ بنت خویلد فقال زملونی زملونی فزملوہ حتی ذھب عنہ الروع فقال لخدیجۃ واخبرھا الخبر لقد خشیت علی نفسی فقالت خدیجۃ کلا واللہ ما یخزیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق فانطلقت بہ خدیجۃ حتی اتت بہ ورقۃ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ ابن عم خدیجۃ و کان امرء تنصر فی الجاھلیۃ وکان یکتب الکتاب العبرانی فیکتب من الانجیل

بالعبرانیۃ ما شاء اللہ ان یکتب وکان شیخاً کبیراً قد عمی فقالت لہ خدیجۃ
یا ابن عم اسمع من ابن اخیک فقال لہ ورقۃ یا ابن اخی ماذا ترٰی فاخبرہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خبر ما رأی فقال لہ ورقۃ ھذا الناموس الذی
نزل اللہ علی موسیٰ یا لیتنی فیھا جذعاً یا لیتنی اکون حیاً اذ یخرجک قومک
فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او مخرجی ھم فقال نعم لم یأت رجل
قط بمثل ما جئت بہ الا عودی وان یدرکنی یومک انصرک نصراً مؤزراً ثم
لم ینشب ورقۃ ان توفی وفتر الوحی فقال ابن شہاب واخبرنی ابوسلمۃ
بن عبد الرحمٰن ان جابر بن عبد اللہ الانصاری قال وھو یحدث عن
فترۃ الوحی فقال فی حدیثہ بینا انا امشی اذ سمعت صوتاً من السماء فرفعت
بصری فاذا الملک الذی جاءنی بحراء جالس علی کرسی بین السماء
والارض فرعبت فرجعت فقلت زملونی زملونی فانزل اللہ تعالیٰ یا ایھا
المدثر قم فانذر وربک فکبر وثیابک فطھر والرجز فاھجر فحمی الوحی وتتابع

آپ کی عبادت کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس جبریل کی معرفت
اللہ کا حکم آگیا اور آپ اُس وقت غارِ حرا ہی میں عبادت فرما رہے تھے کہ ایک فرشتہ
آپ کے حضور میں حاضر ہوا۔ اور اُس نے کہا۔ اے محمدؐ پڑھئے۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا۔
میں کچھ بھی پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ حضور فرماتے ہیں۔ میرے اس جواب پر اُس
فرشتے نے مجھے اپنے آغوش میں لیکر خوب بھینچا۔ اس قدر زور سے بھینچا۔ کہ میری جسمانی
طاقت نے مجھے جواب دیدیا لیکن پھر اُس فرشتے نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا۔ اے محمدؐ۔
پڑھئے۔ میں نے دوسری دفعہ بھی جواب میں یہی کہا کہ میں کچھ پڑھا ہوا نہیں ہوں۔
میرے اس کہنے کے ساتھ ہی پھر اُس نے مجھے پکڑ کر دوبارہ خوب زور سے بھینچا۔
ایسی قوت سے بھینچا کہ میری ساری طاقت سلب ہونے لگی۔ لیکن اُس نے مجھے پھر

چھوڑ دیا۔ اور پھر کہا۔ اے محمدؐ۔ پڑھئے۔ پھر بھی جواب میں میں نے پڑھے ہوئے ہونے کی نفی کی۔ حضورؐ فرماتے ہیں۔ میرے اس جواب پر پھر اس نے مجھے پکڑ لیا۔ اور آغوش میں لیکر تیسری دفعہ پھر بہت زور سے .... دبوچا۔ لیکن پہلے کی طرح پھر چھوڑ دیا۔ اور کہا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الّذی اپنے مقدس پروردگار کے نام کی برکت سے پڑھیئے۔ وہ رب ہے۔ جس نے تمام عالموں کو پیدا فرمایا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا۔ ہاں پڑھیئے۔ اور یہ یاد رکھیئے۔ کہ آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے) بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلام ربانی کی یہ چند مقدس آیات لیکر دولت سرائے کی طرف تشریف لے چلے۔ مگر اس حالت اور کیفیت میں۔ کہ آپ کا مبارک قلب اس عجیب وغریب واقعہ کے پیش آنے سے ڈر کے مارے کانپا جارہا تھا۔ آپ سیدھے اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کے پاس تشریف لائے۔ اور فرمانے لگے۔ مجھے کچھ اُڑھا دو۔ مجھے کچھ اُڑھا دو۔ انہوں نے فوراً آپ کو ایک چادر اُڑھا دی۔ آپ تھوڑی دیر چادر اوڑھے رہے یہاں تک کہ آپ کے دل سے سارا خوف۔ ڈر۔ دُور ہوگیا۔ جب حضورؐ کی طبعِ مبارک کچھ سکون پذیر ہوئی۔ تو آپ نے اُمّ المؤمنین سے تمام وکمال حیرت انگیز واقعہ (جو پیش آیا تھا) بیان فرمایا۔ اور فرمانے لگے۔ واللہ مجھے اپنی جان کا سخت اندیشہ ہوگیا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے جواب میں آپ سے تسلی بخش باتیں کیں۔ اور کہا آپ بالکل مطمئن رہیئے۔ آپ کے ساتھ کبھی بھی کوئی کچھ بدسلوکی نہیں کرسکتا۔ خدا کی قسم انصاف اور مہربانیاں فرمانے والا خدا آپ کو کبھی ملول وحزیں نہ فرمائیگا۔ آپ اپنے کریمانہ اخلاق کے سبب خلاقِ دوعالم کے محبوب ہیں اور آپ ہی تو ہیں جو خدا کی مخلوق پر صلہ رحمی فرماتے۔ بے زر۔ بے پر لوگوں کے مددگار رہتے۔ اُن کا بوجھ اپنے سر لیتے۔ ضرورت کی جو چیزیں اُن غرباء کے پاس نہیں ہوتیں۔

آپ انہیں کما کما کر عطاء فرماتے۔ مہمانوں کی خاطر تواضع میں مصروف رہتے۔ اور سچوں کی مصیبتوں میں کام آتے ہیں۔ اس کے بعد مزید اطمینان دلانے کے لئے حضرت خدیجہؓ آپ کو لے کر چلیں اور اپنے چچازاد بھائی۔ ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس آنحضرت کو لائیں۔ (ورقہ وہ انسان ہیں جو جاہلیت کے زمانہ میں بھی بتوں کی پوجا سے متنفر ہوکر مسیحی دین میں جاچکے تھے اور عبرانی زبان میں کتابیں لکھا کرتے تھے۔ یعنی انجیل سُریانی سے عبرانی میں جتنی خدا کو منظور ہوتا ہی لکھتے تھے) ان کے علم و فضل اور مذہبی معلومات کا یہ عالم تھا۔ کہ سُریانی سے عبرانی میں بسہولت انجیل کا ترجمہ کرلیتے تھے۔ اور آپ ایسے بڈھے پھونس تھے۔ کہ بصارت بھی جواب دیچکی تھی۔ بہرکیف اُن سے بی بی خدیجہؓ نے کہا۔

اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھائی کے فرزند کی بات تو سنو۔ کہ ان کے پاس کون آیا۔ اور انہوں نے آج کیسی عجیب بات دیکھی ہے۔ یہ سُنکر ورقہ آنحضرت صلعم کی طرف مخاطب ہوکر کہنے لگے۔ اے میرے بھتیجے۔ کہو۔ آج تم نے کیا دیکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام واقعہ۔ جو ملاحظہ سے گزرا تھا۔ بیان فرمایا۔ ورقہ یہ عجیب وغریب واقعہ سنتے ہی فوراً پکار اُٹھے۔ کہ محمدؐ اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔ خوش ہوجاؤ۔ کہ تم آج خدائے برحق کے نبی بنائے گئے اور یہ تمہارے پاس آنے والا وہی ناموس اکبر (جبریلؑ) تھا جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے پاس بھی بھیجا تھا۔ اے کاش! میں اُس وقت ایک طاقتور جوان مردِ میدان ہوتا۔ جب آپ لوگوں کو حق کا راستہ بتائیں گے۔ کیا اچھا ہوتا۔ کہ میں اُس وقت زندہ ہی ہوتا۔ جب آپ کے ہم قوم آپ کو مکہ کی سرزمین سے نکال دینگے۔ یہ سُنکر حضورِ اکرمؐ کو بڑی حیرت ہوئی۔ اور تعجب سے فرمانے لگے۔ ہائیں۔ کیا میرے ہم قوم (جن کی نگاہوں میں) میں بہت عزیز ہوں) مجھے میرے

وطن سے نکال دیں گے۔ ورقہ نے کہا۔ اس جہان میں اب تک جو شخص آپ کی طرح عہدۂ رسالت، اور خدمتِ تبلیغ کا منصب حاصل کر کے آیا ہے۔ اس کے ساتھ ہمیشہ دشمنی ہی کی گئی ہے۔ اگر آپ کے زمانۂ نبوت میں میں موجود ہوا۔ تو بڑے زور سے آپ کی مدد کرونگا۔ (مگر ہوا یہ کہ ورقہ اس کے بعد زیادہ دنوں زندہ نہ رہے۔ اس واقعہ کے چند ہی روز بعد انتقال کر گئے۔ اور آپ پر وحی کا آنا تین برس کے لئے رُک گیا)

اس حدیث کے راویوں میں ایک ابن شہاب بھی ہیں۔ وہ انقطاعِ وحی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے مجھے بتایا کہ جابر بن عبداللہ انصاریؓ کہتے ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں سے وحی کے رُک جانے کا ذکر فرما رہے تھے تو آپ نے اثنائے گفتگو میں وحی کے دوبارہ جاری ہو جانے کا بھی ذکر کیا۔ اور فرمایا۔ ایک دفعہ میں کہیں جا رہا تھا۔ کہ یکایک مجھے آسمان سے ایک آواز آئی۔ میں نے اپنی نگاہیں اوپر کیں۔ تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ وہی فرشتے (جبریلؑ) جو غارِ حرا میں پہلے میرے پاس آئے تھے۔ آسمان و زمین کے بیچوں بیچ اُدھر ایک کُرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں انہیں دیکھتے ہی ڈر گیا۔ فوراً اپنے مکان واپس چلا گیا۔ اور وہاں پہنچکر گھر والوں سے کہا مجھے کچھ اُڑھا دو۔ مجھے کچھ اُڑھا دو۔ انہوں نے کچھ اُڑھا دیا پھر حق تعالیٰ نے اسی حال میں (مجھ پر) یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (اے کپڑا اوڑھنے والے اُٹھیئے اور لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرایئے۔ اور اپنے پروردگار کی بزرگی بیان کیجئے۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھیئے یعنی ہر قسم کی نجاست کو چھوڑ دیجئے) اس کے بعد وحی خوب زور شور سے آنے اور پے در پے آنے لگی۔

تمثیل قاعدہ ہے۔ کہ لالٹینوں۔ جھاڑوں۔ فانوسوں۔ بجلی کی کپتیوں۔ یہاں تک کہ چاند تاروں کی روشنی بھی آفتاب کے سامنے مفقود ہو جاتی ہے۔ اسی طرح آفتاب رسالت کے طلوع ہوتے ہی۔ جملہ انبیاء کی شریعتیں منسوخ ہو گئیں۔

غارِ حرا کی خوش قسمتی زہے نصیب اس غار کے۔ جس میں ایک عرصہ تک خورشید رسالت پنہاں رہا۔ اور جبریلِ امین نے پہلے پہل اسی غار میں تشریف لاکر آپ کے سر پر خاتم النبیین کا بے مثال تاج رکھ دیا۔ سبحان اللہ۔ بارگاہِ الٰہی سے اس غار کو کیسی بڑی عزت اور سعادت نصیب ہو گئی۔ نورِ جمالِ محمدی سے غار کا ذرہ ذرہ چمک رہا تھا۔ کہ یکایک تجلّیٔ مولا نے اُسے آفتاب کی طرح روشن کر دیا۔

کونین کی عید وہ زمین۔ وہ باغ۔ وہ جنگل۔ وہ درخت۔ وہ پہاڑ۔ وہ پتھر۔ وہ دریا۔ وہ اہلِ زمین۔ وہ آسمان۔ وہ آسمان والے۔ وہ چاند سورج۔ تارے وغیرہ جو ایک عرصہ سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے شوقِ زیارت میں بے چین ہو رہے تھے۔ آج اُن سب کی تمنائیں بر آئیں۔ گلشنِ عالم میں ایک ایسی بہار آگئی۔ کہ ذرّے ذرّے میں پھولوں کی عطر بیز مشامِ جان معطر کر دینے والی مہک دوڑ گئی۔ پتے پتے۔ بوٹے بوٹے کی زبان پر حمدِ الٰہی کے نغمے جاری ہو گئے تمام عالم کے درخت سرسبز و بیاری دنیا کے پہاڑ۔ پتھر۔ حمدِ باری میں مصروف ہو گئے۔ آناً فاناً سمندرِ رحمتِ الٰہی کی ایک ہی ایسی موج آئی۔ روح پرور بادِ بہاری کا ایک ہی ایسا جھونکا چلا کہ تمام ظلمتِ کفر دُور اور بُت پرستی بالکل کافور ہو گئی۔ دُنیا کا ذرّہ ذرّہ آفتابِ توحید سے چمک اُٹھا۔ آسمانِ رسالت کے چاند۔ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم افروز نورِ جمال کی ضیا باریاں مشرق سے مغرب تک پھیل

گئیں۔ اور یکایک دُنیائے خزاں عالم بہار سے تبدیل ہوگئی۔ وہ بُت پرست جو اپنے سامنے کسی کو موجود نہیں جانتے تھے۔ وہ جاہل۔ جن کی جہالت نے دُنیا میں اندھیر مچا رکھا تھا اور وہ گناہ گار۔ جن کے گناہوں کی سیاہی چادرِ ظلماتی کی طرح اُنہیں گھیرے ہوئے تھی۔ اب خورشیدِ رسالت کے ایک ہی چمکارے سے چند شیطانوں کے سوا یہ سب کے سب عارفِ کامل کے شاندار درجوں کو پہنچ گئے۔ اللہ! بندہ تیری شان کے قربان! تُو نے دَم کے دَم میں کیا سے کیا کر دکھایا جو دُنیا۔ عرصۂ دراز سے پردۂ ظلمات بنی ہوئی تھی۔ تو نے اپنی رحمت۔ اپنے حبیب کے جہاں تاب جمال کی ضیاباریوں کے طفیل اُس کی ساری ظلمت یکلخت مٹا دی۔ امن۔ سکون۔ تراوت۔ مسرت۔ محبت۔ اخوت۔ اخلاص۔ اخلاق۔ پیار۔ ایثار۔ اور حق پرستی کی ہوا چلا دی۔ ایسی ہوا۔ جس کا اثر۔ اس گیرودار کے زمانے میں بھی (جس میں خدا کا نام لینا۔ نبیٔ اکرمؐ کی سُنّت کا سبق دینا بھی مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ جس کے متعلق اکبر الہ آبادی کہتے ہیں ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانہ میں
کہ اکبر نام لیتا ہے۔ خدا کا اس زمانے میں)

باقی ہے۔ اور انشاء اللہ قیامت تک رہے گا۔ یہ سب کچھ کن قدموں کے طفیل ہوا۔ اُنہیں قدوم کے۔ جو حق تعالیٰ کے سب سے زیادہ پیارے اور اُمّت پر سب سے زیادہ مہربان ہیں

شوقِ درود

پھر ایسے مقدّس نبی پر خلوص کی زبان اور محبت کے لبوں سے کیوں نہ درود جاری ہو جائے۔ جس کے تشریف لاتے ہی باغِ عالم میں ایک ایسی بہار آگئی۔ جس کی شان قیامت تک باقی رہنے والی ہے جس کے طفیل آج برسرِ اقتدار لوگوں کے دل بھی نورِ اسلام سے منوّر اور

جمالِ ایمان سے مستفیض ہو کر بے اختیار پکار اُٹھتے ہیں۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

درود شریف کی برکتیں

ہاں اے غافل اُمتی۔ ایسے محترم نبی کی سرکار میں درود شریف کے پھولوں کا غیر فانی گلدستہ پیش کر۔ جس کی برکت سے میدانِ قیامت میں تیرے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیری شفاعت فرما کر تجھے اپنے ہمرکاب فردوس اعلیٰ میں لیجائیں۔ اللھم صلی علی سیدنا ومولانا محمدٍ احتی لا ابتقیٰ من صلوتیک شئی۔ اللھم بارک علی محمدٍ احتی لا ابتقیٰ من برکاتک شئی۔ اللھم صلم علی محمدٍ احتی لا ابتقیٰ من سلامک شئی۔ اگر تو اپنی سرکار کی زیارت سے مشرف ہونا چاہتا ہے تو یہ مبارک درود بعد نماز عشاء اکیس روز تک تین سو مرتبہ پڑھ اور کسی سے بات کئے بغیر اپنے آقائے نامدار کا تصور کئے ہوئے سو جا۔ انشاء اللہ اپنے سرکار کی زیارت سے مشرف ہو جائے گا۔

تکمیلِ نبوت کے متعلق دیگر روایات

بعض احادیث اور معتبر کتب تاریخ میں تکمیلِ نبوت کی تشریح یوں بیان کی جاتی ہے کہ ایک دن حضورِ اکرم صلعم غارِ حرا میں دیوار سے تکیہ لگائے بیٹھے مراقبہ میں مصروف تھے کہ یکایک کسی نے آپ کا پاؤں ہلایا آپ چونک پڑے اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ کہ اس تنہا غار میں کون آگیا۔ لیکن آپ کو کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ آپ تھوڑی جستجو کے بعد پھر مراقبہ میں مصروف ہو گئے۔ لیکن کچھ ہی دیر میں پھر کسی نے آپ کا مبارک پاؤں ہلایا۔ اور کہا۔

اے محمد صلعم! اپنی جگہ سے اُٹھئے۔

آپ یہ آواز سنتے ہی فوراً کھڑے ہو گئے۔ اور ملاحظہ فرمایا کہ ایک عجیب غریب

شکل۔ صورت۔ وضع قطع کا شخص میرے آگے آگے غار سے باہر کی طرف جا رہا ہے
حضور اکرم صلعم بھی اُس کے پیچھے پیچھے چلے۔ وہ شخص غار سے نکلکر صفا اور مروہ کی
پہاڑیوں کی طرف چلا۔ سرکار بھی عقب میں روانہ ہوئے۔ جب وہ شخص اُن دونوں
مبارک پہاڑیوں کے بیچ میں پہنچ گیا (جہاں آپ کی دادی جان حضرت ہاجرہ
معہ ذبیح اللہ علیہ السلام پہنچا دی گئی تھیں) تو ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔ اب سرکارِ دو عالم
نے ملاحظہ فرمایا۔ کہ اُس شخص کا سر آسمان سے جا لگا ہے۔ اور اُس کے بال مشرق۔
مغرب۔ شمال۔ جنوب۔ تمام جہان کے آخری سروں تک پھیل گئے ہیں۔ دونوں
آنکھوں کے درمیان مبارک کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلعم) عجیب غریب
خط میں مرقوم ہے۔

حضورِ اکرم صلعم یہ صورت دیکھکر ڈرے۔ کیونکہ آپ نے کبھی ایسی شکل
اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ آپ نے اس شخص کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔
تجھ پر اللہ رحم کرے۔ تو کون ہے۔ میں نے تو آج تک تجھ جیسا کوئی بھی نہیں دیکھا
میں اللہ کا بھیجا ہوا جبریلؑ۔ روح الامین۔ فرشتہ ہوں۔ اور میں وہی ناموس
اکبر ہوں۔ جو تم انبیائے کرام پر نازل کیا گیا ہے اے محمدؐ (صلعم) اقرار (پڑھئے)
کا انا بقاری (میں کچھ پڑھا ہوا نہیں ہوں)
یہ سُنکر روح الامین نے اپنے پروں سے ایک حریر کا ٹکڑا (جو جواہرات
ٹکے ہوئے ہونے کی وجہ سے جگمگا رہا تھا) نکالا۔ اور حضورؐ کے چہرۂ انور پر اُسے
اُڑھا کر آپ کو گلے لگا لیا۔ اور خوب زور سے بھینچا۔ آپ کو اس سے ایسی تکلیف معلوم
ہوئی کہ آپ بے ہوش ہونے کے قریب ہو گئے۔ لیکن جب جبریلؑ نے یہ دیکھا تو آپ
کو فوراً چھوڑ دیا۔ اور وہ حریر کا ٹکڑا آپ کے سامنے پیش کرتے ہوئے دوبارہ کہا:۔
اِقرَاء

مَا اَنَا بِقَارِئٍ۔

یہ سُنکر جبریلؑ نے پھر آپ کو آغوش میں لیکر خوب زور سے بھینچا۔ پھر آپ بیہوش ہونے کے قریب ہوگئے۔ مگر پھر حضرت جبریلؑ نے آپ کو چھوڑ دیا۔ اور تیسری دفعہ بھی یہی مذکورہ کیفیت ہوئی۔ چوتھی مرتبہ جبریلؑ نے کہا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ

(اللہ کا نام لیکر (قرآن) پڑھئے جس نے مخلوقات کو پیدا کیا جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے بنایا۔ ہاں پڑھئے۔ اور خدا پر نظر رکھئے۔ کہ آپ کا پروردگار بہت بڑا کریم ہے۔ وہ جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔ جس نے وحی کے ذریعہ آدمی کو وہ وہ باتیں سکھادیں جو اُسے بالکل معلوم نہ تھیں)

جس وقت جبریلِ امین نے کلام ربانی کی یہ پاک آیات حضورِ اکرم صلعم کے سامنے تلاوت کیں۔ تو آپ بھی ساری آیتیں بلا کسی ہچک کے فرفر پڑھ گئے۔

پہلا نکتہ تین دفعہ جبریلؑ نے آپ سے صرف اقراء (یعنی پڑھئے) کہا۔ اور آپ کو بڑے زور زور سے بھینچا۔ لیکن آپ نہ پڑھ سکے۔ اور آپ نے یہی عذر فرمایا۔ کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ مگر جب چوتھی مرتبہ حضرت جبریلؑ نے کلامِ الٰہی کی مذکورہ آیتیں پڑھیں۔ تو آپ بھی بالکل بے خوف اور بلا ہچک پڑھ گئے۔ اس کی کیا وجہ تھی؟

اگر جناب جبریلؑ پہلے ہی اقراء باسم ربک الذی خلق پڑھ دیتے تو حضورؐ کسی ہچک بغیر یہ آیاتِ بینات پڑھ جاتے۔ اور آپ کو ذرا بھی ڈر نہ معلوم ہوتا نہ کسی قسم کی تکلیف ہی ہوتی۔ کیونکہ باسم ربک الذی خلق میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک کو اس طرح تسلی دی ہے۔ کہ آپ بے خوف اس کلام کو اپنے

پروردگار کے مبارک نام کی برکت سے پڑھ جائیے۔ جو جملہ مخلوق کا خالق ہے۔ اس آیت کے لفظوں میں ایک طرف تو حضورؐ کو اطمینان دلایا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف کہا جاتا ہے کہ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھ جائیے۔ یعنی آپ کے خدا کے نام میں ایسی برکت ہے۔ جس سے آپ کا خوف بھی ہٹ جائے گا۔ اور آپ بے کھٹکے یہ مبارک آیتیں پڑھ جائیں گے۔ بس اگر پہلے ہی جبریلؑ پوری ایک آیت ہی آپ کے سامنے پڑھ جاتے تو حضور بھی بلا تامل پڑھ لیتے۔ کیونکہ واقعتاً سوائے کریم کے مبارک نام میں ایسی ہی برکتیں ہیں۔ کہ نہ اس کے پڑھنے والے کو کوئی خوف ہی رہتا ہے نہ دقت ہوتی ہے۔ اسی سے ہمارے بچوں کو "بسم اللہ" کی تقریب میں یہی آیاتِ بینات پڑھائی جاتی ہیں۔ جن کی برکت سے بچے بہت ہی جلدی قرآن کریم پڑھ لیتے ہیں۔ ورنہ ایک غیر زبان کا کلام اور نو دس برس کا بچہ محرابِ عبادت میں کھڑا ہو کر فر فر سنائے جائے اگر یہ معبود کے نام کی برکت نہیں تو کیا ہے۔ کہ اس کا سارا کلام چھوٹے سے بندے کے سینے میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ سبحان اللہ! اس معصوم بندے کے جس کے بالغ ہونے میں بھی ابھی کم و بیش پانچ چھ برس باقی ہیں۔

دوسرا نکتہ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا جبریلؑ نے جان بوجھ کر سرورِ عالم کو تکلیف پہنچائی۔ ہرگز نہیں۔ وہ کلامِ ربانی کی چند آیتیں۔ اور خاتم النبیین کا بے مثال خلعت لے کر آئے تھے۔ اُن جیسے امین کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ آپ میں پہلے بارِ نبوت کی طاقت و قابلیت کا مشاہدہ کر لیں۔

ہمیں پچھلی قوموں کی تاریخ صاف صاف بتا رہی ہے کہ ملک کے ملک جبریلؑ کی ایک ادنیٰ چیخ میں غارت ہو گئے۔ لہٰذا کوئی ایسا ویسا تو کجا۔ حضورِ اکرمؐ کے سوا دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ جو جبریلؑ کی یہ صورت دیکھ کر ہی زندہ رہ سکے۔ لیکن حضور کی طاقت۔ قوت۔ اور آپ کا دل گردہ دیکھئے۔ کہ آپ

جبریلؑ کی صورت دیکھکر کسی قدر ڈر تو گئے۔ لیکن فوراً ہی سنبھلکر آپ نے اُن سے باتیں کیں۔ پھر جس کی چیخ کی دُنیا آج متحمل نہیں ہوسکتی۔ اُس نے آپ کو تین مرتبہ گلے لگاکر زور زور سے بھینچا۔ کیا دُنیا کوئی ایسی مثال پیش کرسکتی ہے۔ کیا یہود و نصاریٰ کے علماء کوئی ایسا واقعہ بتا سکتے ہیں۔ کہ کسی نبی کو جبریلؑ نے اس طرح تین دفعہ گلے لگاکر بھینچا ہو۔ اور دوسرے پیغمبروں کے پاس تو آئے۔ اور کسی قدر فاصلے ہی سے اُنہیں احکام الٰہی سُنا کر چلے گئے۔ لیکن ہمارے سرکار۔ آقائے نامدار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین تین دفعہ بغلگیر کرکے خوب زور سے بھینچا۔ یعنی ایک طرف تو آپ سے اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار کیا۔ اور دوسری طرف آپ میں خاتم النبیین۔ رحمت للعالمین۔ رؤف رحیم۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی قابلیت کا معائنہ کیا۔ ہاں کیا کوئی ایسا انسان پیش کیا جا سکتا ہے۔ جسے جبریلؑ نے اس طرح ایک دفعہ بھی گلے لگایا اور بھینچا ہو۔ اور اُسے صرف تھوڑی سی تکلیف ذرا سی دہشت ہی معلوم ہوئی ہو۔ اور بس۔ دُنیا پلٹتی پھرے۔ زمانہ سرگرداں رہے۔ مغربی مستشرق سر سے کنواں کھودیں۔ عمر نوحؑ صرف کردیں۔ لیکن ایسی تو کیا۔ اس سے سو حصہ کم بھی کوئی مثال قطعاً نہیں پیش کی جا سکتی۔

بہرکیف، جبریلِ امین کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں خاتم الانبیاء۔ سرورِ دوسرا ہونے کی قابلیت معائنہ کرنی تھی۔ اس لئے، انہوں نے سرکار کو تین دفعہ گلے لگاکر زور سے بھینچا۔ جب تیسری دفعہ ہم آغوش کرنے اور بھینچنے کے بعد بھی آپ کو اسی طرح کھڑے ہوئے دیکھا تو جبریلِ امین نے آپ کو اللہ تبارک و تعالیٰ شانہٗ کے کلام کی مذکورہ آیتیں پڑھ کر سُنائیں۔ اور آپ بلا کسی دقت یا ہچک کے وہ ساری آیتیں پڑھ گئے۔

کامیابی کا نتیجہ جب جبریلؑ نے آپ سے سخت ترین امتحان لے لیا۔ اور

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُس سب سے زیادہ مشکل امتحان میں خدا کے فضل سے لاکھ میں سوا لاکھ درجہ کامیاب رہے۔ تو روح الامین نے آپ کے فرقِ عظمت پر قرآنِ کریم کا تاج رکھا۔ اور جسمِ اطہر پر بے مثال زہد۔ اتقار۔ ایثار۔ اخلاقِ محبت مروت۔ اخوت۔ عبادت۔ ریاضت وغیرہ کا خلعت پہنا دیا۔

جوشِ مسرت پھر کیا تھا دنیا کا ذرہ ذرہ اور بتا بتا جوشِ مسرت کے مارے پکار اُٹھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ گوشے گوشے۔ اور چپے چپے سے اِس مفہوم کے اشعار سنائی دینے لگے ہوں تو بجا ہے

خادم ہوں میں جناب رسولِ کریم کا
جن کو لقب ملا ہے رؤف رحیم کا

جھکتے ہیں اُس کے سامنے عالم کے تاجدار
رُتبہ ہے کیا عرب ترے دُرِ یتیم کا

آتا ہے دل میں شافعِ محشر کا پھر خیال
اب خاتمہ ہے حالتِ اُمید و بیم کا

صلِ علیٰ زباں پہ ہے دل میں ترا خیال
جنت کی آرزو ہے نہ ڈر کچھ جحیم کا

دُنیا بھٹک رہی تھی اندھیرے میں کفر کے
ملتا نہ تھا سُراغ رہِ مستقیم کا

تعلیم لوگ بھول چکے تھے مسیح کی
ہر لفظ مٹ چکا تھا کلامِ کلیم کا

یہ حال تھا کہ رحمتِ خالق عیاں ہوئی
باغِ جہاں میں آگیا جھونکا نسیم کا

رونق فزا جہاں میں شہِ دوسرا ہوا
لایا پیام مالکِ عرشِ عظیم کا

واقف کیا حقیقتِ دنیا و دین سے
رستہ بتا دیا ہمیں باغِ نعیم کا

کچھ بھی نہ چل سکی کسی باطل پرست کی
کیا ہو مقابلہ ترے عزمِ صمیم کا

عالم میں تیری رحمت و رافت کی دھوم ہے
شہرہ ہے خلق میں تیرے خُلقِ عظیم کا

اب ہو گئی زمین بلند آسمان سے
اب ہو گیا ہے فرق حقیر و عظیم کا

آیا ہے دُور سے پئے تکمیلِ دینِ حق
یہ ماہِ نو ظہور ہے نورِ قدیم کا

تائب ہے اُسکو عزتِ ہر دو جہاں نصیب
خادم ہے جو حبیبِ خدائے کریم کا

کائینات کی خوشیاں

آج وہ وقتِ ہمایوں۔ وہ ساعتِ انبساط۔ وہ روزِ عید۔ اور وہ دورِ فرخ سیر آگیا۔ جس کی امیدیں تارے۔ چاند۔ سورج روزانہ منزلیں طے کیا کرتے تھے اور جس آرزو میں کائینات کا ذرہ ذرہ پڑا کروٹیں بدل رہا تھا وہ آج برآئی کفر کی ظلمت دور ہوئی۔ تیرہ بختی کی سیاہی کافور ہوئی۔ آفتابِ توحید چمک اُٹھا۔ نورِ رسالت سے دُنیا جگمگا گئی ؎

غم کی کلفت دُور ہوئی فصلِ خزاں کافور ہوئی
رحم کے بادل آئے ہیں اب خوشیاں برسائینگے

یہ مژدۂ جاں نواز ایسا تھا جس کی وجہ سے دُنیا جنت معلوم ہونے لگی ہو تو بجا اور ذرہ ذرہ پر انتہائی مسرت کی وجہ سے آفتاب جیسی تابندگی آگئی ہو تو درست۔ کیونکہ کائینات کے سامنے ایک ایسا رُوح پرور منظر پیش تھا جس پر ہزار ہزار نہیں۔ لاکھ بہاریں عیدیں۔ اور مسرتیں قربان۔ آج وہ مقدس ہستی (جسے اللہ تبارک وتعالیٰ شانہٗ نے ازل کے دن ہی سے سب انبیائے کرام میں ممتاز فرما دیا تھا) خاتم النبیین کے لازوال تاج اور سید المرسلین کے بے مثال خلعت سے بنی سنوری ہوئی رونق افروز ہے۔ پھر بتائیے۔ جس زمین پر، جس آسمان کے نیچے۔ جس کائینات کے سامنے۔ اور جن چیزوں کے روبرو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل کے مقدس ہاتھوں نے دُولھا بنایا ہو۔ اُس زمین۔ آسمان۔ کائینات۔ فضا وغیرہ کی مسرتوں کا کیا عالم ہوا ہوگا۔

اگر کوئی انسان کے ہاتھوں سے دُولھا بنایا جاتا ہے۔ تو یقیناً اُس کا حسن پہلے سے زیادہ دلفریب معلوم ہونے لگتا ہے۔ پھر جس محترم ذات کو (اُس ذات کو جو تجلیاتِ الٰہی کا آئینہ بن کر پرتوِ قدس سے چمک کر عالم کو چمکا رہی ہو) جبریلِ امین کے پاک اور نورانی ہاتھ دُولھا بنائیں۔ تو اُس عرب کے دُولھا عجم کے آقا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور افروز جمال کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی۔

ہاں آپ کے بے مثال جمال کی ادنیٰ جھلک جن جن چیزوں پر پڑی۔ اُن سب میں ایک ایسی چمک دمک دوڑ گئی۔ جو انہیں اِس سے پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ یہی دن دیکھنے کے لئے تو کائنات کی ہر چیز روزِ ازل سے بیقرار تھی۔ اور صرف آپ کے دیدار کا مژدہ سن کر ہی تو دنیا کی پریشان چیزیں مختلف شکلوں میں تبدیل ہو گئی تھیں۔ (جیسا عرض کیا جا چکا ہے) تو آپ ہی بتلایئے۔ اِن ہزارہا برس کی تمنائیں بر آتے دیکھکر عالمِ ارض کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی۔

کائنات کی نذریں

ہاں جب جبریلِ امین نے حضورِ اکرم صلعم کو دولھا بنایا۔ سرتاجِ انبیاء کا تاج۔ اور سرورِ دوجہاں کا خلعت پہنایا۔ تو دنیا کی ہر چیز میں جو جو خوبیاں تھیں۔ وہ سب کی سب سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار ہو گئیں۔ جس طرح دُولھا کی سلامی میں روپیہ اور اشرفیوں کے ڈھیر لگ جایا کرتے ہیں۔ اسی طرح خدا کے حبیب اور اُمت کے دُولھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دم کے دم میں جملہ انبیائے کرام کی صفات سے متصف بنا کر اور صرف یہی نہیں۔ افضل الاولین والآخرین کا گراں بہا خلعت پہنا کر عالم کے سامنے پیش کئے گئے۔ تو بہار نے نکھار۔ سرور تازگی + پھولوں نے مہک۔ تراوت۔ عطریت + نگہت نے سکون۔ مسرت۔ حلاوت۔ وغیرہ۔ غرض ہر چیز نے اپنی اپنی روح اور اپنی اپنی عطریت حضورِ اکرم کا جمالِ جہاں تاب دیکھکر آپ کے حضور میں نذر گزاری۔ یا یوں کہیئے کہ سب نے اپنا اپنا حسن و جمال حبیب کبریا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار کر دیا۔ تو اُس وقت آپ کا حُسنِ عالم افروز کیا کچھ بن گیا ہوگا اور جہان جہاں سرکار کے قدم پڑتے ہونگے۔ اُس جگہ کا خوشی کے مارے کیا عالم ہوا ہوگا۔

سلام اور مبارکباد

ہاں بالکل صحیح اور عین عقل ہے۔ کہ جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جبریلؑ سے رخصت ہو کر سرورِ انبیاء کے لباس سے آراستہ ہو کر دولت کدہ عالی کی جانب تشریف لے چلے۔ تو جن جن راستوں سے آپ گزرتے تھے۔ وہاں کا ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ اپنی خوش نصیبی پر مسرور ہو کر..... آپ کی خدمت میں السلام علیک یا رسول اللہ کی مسرت۔ محبت اور عقیدت میں ڈوبی ہوئی نذر پیش کر رہا تھا۔ ہر پہاڑ۔ پتھر۔ شجر۔ حجر۔ گھاس۔ غرض ہر چیز اور ہر روئیدگی سے یہی السلام علیک یا رسول اللہ کی مبارک صدائیں آرہی تھیں کیوں نہ آتیں؟ پھر کہوں گا کہ آج ہی کا مبارک دن دیکھنے کی تمنا میں تو مادیت کے تہ تہ تبر ذرے مختلف صورتوں میں تبدیل ہوئے تھے۔ اور یہ قید اسی لئے تو گوارہ کی تھی کہ وہ ایک نہ ایک دن ایسے مقدس نبی کی زیارت سے مشرف ہو جائیں گے جسے خدا بھی سب سے زیادہ چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں کائنات کی ہر چیز جس قدر صدائے مبارک باد بلند کرے اور جیسے جیسے مسرت و محبت میں ڈوبے ہوئے سلام پیش کئے جائیں۔ بجا اور بالکل بجا۔

مغربی مورخوں کی ناقص ذہنیت اور مسکت جواب

یورپ کے تنگ نظر اور کوتاہ دماغ مورخ کہتے ہیں۔ یہ کونسی عقل کی بات ہے کہ بے جان چیزیں انسان کو سلام اور مبارکباد کی نذر پیش کریں۔

میں کہتا ہوں۔ بالکل صحیح اور عین عقل ہے۔ تم اپنی نظر میں اپنے ہی جیسے بدترین اور گناہگار انسان کو انسان سمجھ رہے ہو جب تم جیسے ادنیٰ ترین انسانوں میں بھی یہ قوت ہے کہ تم چاند یا کسی ستارے سے بات کرنے میں کچھ کچھ کامیاب نظر آرہے ہو۔ تو وہ ذاتِ گرامی۔ جسے اللہ نے سب سے زیادہ پسند فرمالیا ہو۔ جب خلعتِ

نبوت پہن کر جلوہ افروز ہو۔ اور بہاروں۔ پھولوں ہواؤں کی مہک تراوت مسرت سب چیزیں اُس ذاتِ گرامی پر اپنی مین سعادت اور خوش نصیبی سمجھتے ہوئے نثار ہو جائیں۔ پھر بے ساختہ اُن میں سے السلام علیک یارسول اللہ کی صدائیں آنے لگیں تو کچھ بھی تعجب نہیں۔ اگر ہے تو تم پر۔ تمہاری عقلوں پر۔ اور تمہارے دماغوں پر۔ کہ تمہیں اِس صحیح اور بالکل صحیح چیز کے ماننے میں تامل ہی نہیں انکار ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سلام اور مبارکباد کی صدائیں انسانی زبان میں نہیں۔ اُن کی اپنی زبانوں میں بلند ہو رہی تھیں۔ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔ جب تمہارے نزدیک بھی ہر انسان یکساں نہیں ہوسکتا۔ تو معاذ اللہ تم اور سید المرسلین کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ جبکہ آپ انسانوں ہی کے نہیں جملہ انبیائے کرام کے سردار ہیں۔ اگر تم حضورِ اکرم جیسا کوئی انسان پیش کر دو تو ہم تمہیں بھی بے جان چیزوں سے اُسے سلام اور مبارکباد کی نذر پیش کرتے ہوئے سُنا دیں گے؟

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ میں برابر قدم اُٹھائے اپنے مکان چلا جا رہا تھا۔ اور برابر جہار جانب سے السلام علیک یارسول اللہ کی صدائیں آ رہی تھیں۔ لاریب۔

ایک اور روایت

جب حضورِ اکرم سے جبریلؑ نے کہا۔ اِقراء۔ تو چونکہ آپ کو جبریلؑ کے گلے لگانے اور بھینچنے سے تکلیف پہنچ رہی تھی اس لئے آپ کے دل میں ایک لحظہ کے لئے موت کی تمنا پیدا ہوئی۔ تاکہ آپ اس تکلیف سے نجات پا جائیں۔ لیکن رحمتِ الٰہی نے آپ کو سہارا دیا۔ اور آپ فوراً ہی مطمئن ہو گئے۔ ساتھ ہی جبریلِ امین نے اپنا پاؤں زمین پر مارا۔ فوراً ہی پانی کا ایک چشمہ زمین سے اُبلنے لگا۔

نماز

روح الامین نے اُس پانی سے وضو کیا۔ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کو بھی وضو کرایا۔ پھر جبریلؑ نماز کے لئے آگے اور اُن کی اقتداء میں رسول اکرم صلعم کھڑے ہوئے۔ دو رکعتیں پڑھی گئیں۔ اور آج ہی سے حضورِ اکرم صلعم پر پنجگانہ نماز فرض ہو گئی۔ جس وقت تک آپ کو نمازِ پنجگانہ کا حکم نہ ہوا (جس کی دلچسپ اور عجیب تفصیل آگے آتی ہے) اُس وقت تک آپ دو رکعت نماز ہی ادا فرماتے رہے۔

جب نماز ختم ہوئی اور آپ نے نظر اُٹھائی تو جبریل امین کو نہ پایا پھر آپ وہاں سے چلے اور دولت کدہ مبارک پر تشریف لائے۔

معلومات یہ واضح رہے کہ جب آپ جبریلؑ کے بھینچنے سے متردد متوحش ہوئے اور توفیقِ الٰہی نے آپ کو سنبھال لیا۔ تو جبریلؑ امین نے آپ کو پہلے کلامِ ربانی کی آیتیں پڑھا کر نماز پڑھوائی تھی۔

بی بی خدیجہؓ پر اِن عجیب باتوں کا اظہار جب آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ تو بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ نے آکر دروازہ کھولا۔ جیسے ہی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں افروز پر نظر پڑی وہاں اُس جمال پر جس میں مولائے کریم کے جلال و جمال کی تجلیاں مضمر ہو چکی تھیں تو اُمّ المؤمنین آپ کا رُعب و داب۔ جلال و جمال دیکھکر تھرا گئیں۔ اور فوراً ہی آگے بڑھ کر حضورِ اکرم کے دستِ مبارک چوم لئے۔ حضورؐ اپنے پاک مکان میں تشریف لائے تو اُمّ المؤمنین نے بصد ادب خدمت والا میں عرض کیا۔

فداک اُمّی و ابی (میرے ماں باپ آپ پر قربان) حضور میں اس وقت آپ کے رُخِ روشن پر ایسا مبارک اور آنکھوں میں ٹھنڈک ڈالنے والا نور دیکھ رہی ہوں۔ جو میں نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اور آپ کے جسمِ اطہر سے ایسی مشامِ جان معطر کر دینے والی خوشبو آ رہی ہے۔ جو میں نے پہلے کبھی نہیں سونگھی تھی ارشاد تو فرمایئے۔ آج کیا نئی بات ہوئی ہے۔ کہ نورِ جمال سے سارا گھر روشن۔

اور رشکِ مشک عنبر خوشبو سے تمام مکان معطر ہو رہا ہے۔

جواب میں حضورؐ نے تمام مذکورہ کیفیت بیان فرمادی۔ یہ سُنا تو اُمّ المؤمنین نے عرض کیا۔

شناخت کی تدبیر

بے شک خدائے تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کو بہت معزز و ممتاز فرما دیا۔ اب آپ مکان کے کسی علیحدہ حصّے میں تشریف لے جاکر رونق افروز ہوں۔ اور جب آپ کے پاس جبریلؑ امین تشریف لائیں تو آپ مجھ سے ضرور کہہ دیں۔

سرکار نے اُمّ المؤمنین کی یہ درخواست منظور فرمائی۔ اور جب آپ پر جبریلؑ امین منکشف ہوئے تو آپ نے خاتونِ اکرمؓ کو پاس بُلا کر فرمایا۔

دیکھو اس وقت میرے پاس جبریلؑ تشریف لائے ہیں۔

اُمّ المؤمنین نے آپ کو اپنے بائیں پہلو کی طرف بٹھا کر کہا کہ کیا اب بھی آپکو جبریلؑ نظر آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔

پھر اُمّ المؤمنین نے آپ کو دائیں پہلو کی طرف بٹھا کر پوچھا۔ تو بھی آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر خاتونِ معظّمؓ نے آپ کو اپنی ایک چادر اُڑھا دی جس سے سرِ مبارک کے سوا آپ کا سارا جسم ڈھک گیا۔ اب پھر حضرت خدیجہؓ نے پوچھا کیا اب بھی آپ کو جبریلؑ دکھائی دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اب نہیں دکھائی دیتے۔ یہ سُنکر بی بی خدیجہؓ نے جوشِ مسرت میں ہنستے ہوئے آپ سے کہا

نبوت کی تصدیق اور مبارکباد

میں آپ کو خوشخبری سُناتی ہوں کہ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبوت کے خلعت سے مشرف فرمادیا۔

اس کے بعد آپ کو گھر میں چھوڑ بی بی خدیجہؓ ورقہ کے پاس گئیں۔ اور اس طرح ہمکلام ہوئیں۔

ورقہ اور اُمّ المؤمنین | مجھے بتاؤ۔ جبریلؑ کون۔ کیا اور کیسے ہیں۔ اُن کے کچھ حالات اُن کا کچھ ذکر مجھے سُناؤ۔

ورقہ۔ قدّوس۔ قدّوس۔ بھلا جہاں خدا پرستی کا نام و نشان بھی نہیں۔ وہاں جبریلؑ کا ذکر کرنا کیا معنی۔

اُمّ المؤمنین۔ میرے سرتاج محمدؐ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے پاس جبریلؑ آتے ہیں

ورقہ۔ اگر جبریلؑ دُنیا میں نازل ہونے لگیں۔ تو خیر و برکت کا مینہ برس جائے۔ وہ ناموسِ اکبر ہیں۔ وہی حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ پر نازل ہوتے۔ اور خدا کا کلام پہنچاتے تھے

اُمّ المؤمنین۔ اچھا یہ تو بتاؤ تورات و انجیل میں کوئی ایسی پیشین گوئی بھی ہے جس سے اِس زمانہ میں پیغمبر کے مبعوث ہونے کی بشارت پائی جاتی ہو۔ اور اُس پیغمبر کے متعلق یہ ہو کہ وہ یتیم مسکین ہوگا۔ اور خدائے جل شانہٗ اُسے اپنے فضل سے غنی کر دیگا۔ اور یہ بھی ہو کہ وہ سب سے زیادہ عالی نسب والا حسب ہوگا۔

ورقہ۔ ہاں۔ ایسی پیشین گوئیاں ضرور موجود ہیں۔ بلکہ اِن کے علاوہ اُس پیغمبر میں اور بہت سی باتیں بھی ہوں گی جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) اُس پیغمبر سے مُردے باتیں کریں گے۔ جیسے مسیحؑ سے کرتے تھے (۲) درخت اُس کے نبی ہونے کی گواہی دیں گے (۳) پتھر اُس مقدّس پیغمبر کو سلام کریں گے (۴) یہ پاک نبی مسیحؑ کی طرح سطحِ آب پر اِس طرح چلے گا۔ جیسے کوئی زمین پر چلتا ہے۔

اچھا خدیجہؓ! تم ذرا اپنے شوہر محمدؐ بن عبداللہ کو میرے پاس تو بھیجو کہ میں اُن میں نبوت کی نشانیاں دیکھوں۔ اور اُن کی زبان ہی سے اُن پر گزرا ہوا عجیب و غریب واقعہ سنوں۔

نبوت و رسالت کی دوسری تصدیق | اُمّ المؤمنین نے ورقہ کی درخواست قبول

کی۔ گھر واپس آئیں۔ اور حضورِ اکرمؐ سے ورقہ کی درخواست بیان کی۔ آپ اسی وقت ورقہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اور اس کے استفسار پر آپ نے کل کیفیت بیان فرمادی۔

لیکن بعض روایات میں یہ ہے کہ بی بی خدیجہؓ جب پہلے ورقہ کے پاس گئی تھیں تو حضورِ اکرم صلعم کو بھی ساتھ لیتی گئی تھیں۔ اور آپ کو مکان کے دوسرے حصہ میں ٹھہرا کر تنہا ورقہ کے پاس تشریف لاکر مذکورہ گفتگو کی تھی۔ جب ورقہ نے ام المؤمنین سے حضورؐ کے جمال اور کلام سے مشرف ہونے کی درخواست کی تو آپ دوڑی دوڑی اس حصۂ مکان میں گئیں۔ جہاں حضور کو چھوڑ آئی تھیں۔ اور آپ سے کہا چلئے آپ کو ورقہ بلاتے ہیں۔ حضور ام المؤمنینؓ کے ساتھ ساتھ ورقہ کے پاس تشریف لائے۔ اور آپ پر جو کیفیت گزری تھی۔ ورقہ سے کہہ سنائی۔

جب ورقہ سب کچھ سن چکے تو خوشی کے مارے اچھل پڑے اور بے اختیار تین مرتبہ یہ الفاظ کہے۔

اے محمدؐ! (صلعم) آپ خوش ہو جائیے۔ کہ آپ ہی وہ مبارک نبی ہیں جن کی آمد کی بشارت حضرت مسیحؑ نے دی ہے۔ اور یہ فرمایا ہے کہ میرے بعد صرف ایک ہی پیغمبر ہوگا جس کا مبارک نام احمدؐ ہوگا۔ اور جبریلؑ جو آپ کے پاس آئے۔ وہ ناموسِ اکبر ہیں۔ وہی سب نبیوں کے پاس آتے ہیں۔ اور وہی آپ پر بھی نازل ہوئے ہیں۔ یہ کہتے ہی ورقہ حضورِ اقدس کی طرف بڑھے اور جب آپ کے قریب ہو گئے تو جھک کر آپ کی نورِ افگن پیشانی چوم لی اور عرض کرنے لگے۔

یا محمدؐ! اب وہ وقت دور نہیں ہے۔ جب آپ کو جنابِ باری سے بتوں کے توڑنے۔ اور بت پرستوں کے خلاف جنگ کرنے کا حکم ہوگا۔ اور وہ زمانہ بھی قریب ہے جب آپ مصائب برداشت کرنے کے بعد سارے عالم میں توحید کا دلکش اور مؤثر

نغمہ پہنچا۔ اور بتوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے۔ آپ کو خدا سب پر فتح دیگا۔
اس کے بعد ورقہ نے وہی الفاظ کہے۔ جو اس سے پہلے صحیح بخاری کی حدیث سے پیش کئے جا چکے ہیں۔
اس گفتگو کے بعد حضورِ اکرم صلعم ورقہ سے رخصت ہوئے۔ اور اُم المؤمنینؓ کے ساتھ ساتھ ہشاش بشاش دولت کدۂ عالیہ پر تشریف لے آئے۔ اور جناب باری کے احکام کا بڑے شوق اور بہت بے صبری سے انتظار فرمانے لگے۔

معلومات

افسوس ہے کہ ورقہ نے دعوتِ اسلام کا زمانہ نہیں پایا۔ اور وہ اس سے پہلے ہی وفات پا گئے۔ اور اُنکا یہ شک یقین سے بدل گیا۔ کہ اگر میں زمانۂ دعوتِ اسلام میں زندہ رہا تو مشرکین کے مقابلہ میں آپ کے ساتھ ساتھ تلوار علم کرونگا۔

حکمت

چونکہ ورقہ نصاریٰ کے بڑے عالم تھے۔ جیسا ہم عرض کر چکے ہیں۔ اس لئے وہ اگر زیادہ مدت تک زندہ رہتے تو لوگ یقینی طور پر یہ سمجھ لیتے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب تعلیم ورقہ ہی سے پائی ہے۔ اور اُن ہی کے کہنے سے آپ یہ جدید دین۔ دُنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ جیسے ہمارے دوست مارگولیس اسپرنگر اور سر ولیم میور کے اقوال اب بھی موجود ہیں۔ کہ حضورِ اکرم نے ورقہ ہی سے یہ تعلیم حاصل کی تھی جن کے جواب ہم وضاحت سے عرض کر چکے ہیں۔
غرض لوگوں کے دلوں میں یہ خیال بیٹھ جانا یقینی تھا کہ آپ کم از کم اس نئے مذہب میں ورقہ سے مدد ضرور لے رہے ہیں۔ کیونکہ ورقہ آپ کے قریبی سسرالی رشتہ دار تھے۔ اور اُن کے پاس حضورؐ اکثر آیا جایا کرتے تھے جس کے سبب آپ میں اور ورقہ میں ایک گہری موانست پیدا ہو گئی تھی۔ ان وجوہ سے حق تعالیٰ نے دعوتِ اسلام سے پہلے ہی ورقہ کو اُٹھا لیا۔ اور ان بے سروپا خیالات کا دروازہ

ہوئے) خاتمہ کر دیا۔

ورقہ بھی جنتی تھے

اِن کی بخشش کے متعلق جب خود حضورِ اکرم صلعم کا ارشاد موجود ہے تو کسی کو ان کے خلاف زبان کھولنے کی کیا جرأت ہو سکتی ہے۔

ارشادِ نبوی

"لقد رایت القصر فی الجنۃ علیہ ثیاب خضر فلم آمن بی فصدقنی" قصر سے ورقہ ہی مراد بتلائے جاتے ہیں جن کے جنتی ہونے کی بشارت حضورِ اکرم صلعم نے فرمائی ہے۔

تکمیلِ نبوت کے متعلق ایک اور روایت

ابن اثیر کہتے ہیں کہ جب حضورِ اکرم صلعم کی حیاتِ طیبہ کا چالیسواں سال آیا۔ تو آپ بہت زیادہ غارِ حرا میں معتکف رہنے لگے۔ جیسا ہم عرض کر چکے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ تو اُس وقت کسریٰ پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں کی سلطنت کو بیس سال ہوئے تھے۔ اور حرا میں حکومت فارس کی طرف سے ایاس بن قبیصۃ الطائی عربوں پر حکمراں تھا۔

حضرت حمزہ اور عکرمہ فرماتے ہیں۔ نیز انس بن مالک اور عروہ بن زبیر بھی راوی ہیں کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ پر وحی آئی۔ اُس وقت آپ کی عمر شریف چالیس برس کی تھی۔ اگرچہ بعض حضرات صحابہ جیسے سعید بن المسیب وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ آپ کا سن شریف تینتالیس ۴۳ سال کا تھا۔ جب آپ خلعتِ نبوت سے مشرف ہوئے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ایک تو کثرت پہلے ہی قول کی طرف ہے۔ اور اُس کے سب راوی بھی بہت مضبوط ہیں اور اس دوسرے قول میں ایک تو قلت پائی جاتی ہے۔ دوسرے اسناد کا سلسلہ بھی کہیں کہیں قطع سا ہو گیا ہے۔ مگر یہ دوسرا قول غالباً اس لئے ہے۔ کہ آپ پر تین سال کے لئے وحی رُک گئی تھی۔

جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ لہٰذا انہوں نے تیتالیسواں سال ہی (جب آپ نے لوگوں کو دعوتِ اسلام دینی شروع کر دی تھی) نبوت کا پہلا سال سمجھا۔ تاہم اس پر سب کا اتفاق ہے۔ کہ حضور پر دوشنبہ کے دن وحی آئی۔ ہاں اس میں اختلاف ہے کہ وہ کونسا دوشنبہ تھا۔ ابو القلابۃ الجرمی کہتے ہیں کہ حضور پر ۱۸۔ رمضان المبارک کو پہلے پہلے قرآن نازل ہوا لیکن ایک جماعت کا بیان ہے کہ ۱۸ نہیں اونیس ۱۹ تاریخ تھی۔

وحی سے پہلے بھی سرکار اسرارِ باطنیہ ملاحظہ فرمایا کرتے تھے منجملہ اُن کے ایک حضورؐ کے سینہ چاک کرنے، قلب دھونے اور پھر اُسی جگہ رکھ دینے کا عجیب و غریب واقعہ بھی ہے۔ (جس کی تفصیل پیش کی جا چکی ہے)

اُن اسرار میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ کو شجر و حجر سلام کرتے تھے۔ اس پر آپ اپنے دائیں بائیں دیکھتے لیکن وہاں کوئی بھی دکھائی نہ دیتا اور لوگوں میں یہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے علماء بڑی شد و مد سے آنے والے نبی کا ذکر اور فضائل بیان کیا کرتے تھے۔ (جنہیں ہم تفصیلاً پیش کر چکے ہیں لیکن ابن اثیر نے (جن کی روایات ہم یہاں نقل کر رہے ہیں) اس مقام پر دو اور ایسے واقعات لکھے ہیں جنہیں ہم بھی حوالۂ قلم کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

ایک عجیب واقعہ

عامر بن ربیعہ کہتے ہیں کہ مجھ سے زید بن عمرو بن نوفل نے بیان کیا تھا کہ ہم اسمٰعیلؑ کی اولاد اور بنی عبد المطلب سے ایک پیغمبر کے منتظر ہیں۔ مجھے اُن نبی کے زمانہ تک زندہ رہنے کی امید نہیں۔ لہٰذا میں ابھی سے اُن پر ایمان لاتا۔ اور گواہی دیتا ہوں۔ کہ وہ نبی ہیں۔ اگر تو اُن مبارک نبی کے زمانہ تک زندہ رہے اور اُن کی زیارت کرے تو میرا اسلام کہہ دینا۔ لے میں تجھے اُن کی صفات بھی بتائے دیتا ہوں۔ وہ نبی بہت ٹھگنے ہوں گے نہ لمبے

اُن کے بدن پر تھوڑے بہت بال بھی نہ ہونگے۔ اُن کی آنکھوں کی تیز سُرخی بھی کبھی نہ جائیگی اُن کے شانوں کے بیچ میں مُہرِ نبوت ہوگی۔ اور اُن کا نام احمدؐ ہوگا۔ وہ اسی شہر میں مبعوث ہونگے۔ لیکن دشمنوں کی وجہ سے یثرب میں ہجرت فرما جائیں گے۔ جہاں اُن کا بول بالا۔ اور ایک دُنیا پر غلبہ ہو جائیگا۔ اُس وقت تو بغیر صحبت اُن پیغمبر پر ایمان لے آنا۔ کیونکہ میں دینِ ابراہیم کی تلاش میں دُور دُور پھرا۔ مگر جس سے پوچھا۔ یہی معلوم ہُوا کہ میں جہاں سے چلا ہوں۔ وہیں سے دینِ ابراہیمی کا ظہور ہوگا۔ اُن نبی کے سوا اب اور کوئی پیغمبر نہ آئیں گے۔ اور انھیں کے دم قدم سے سچے دین کا عروج ہوگا۔

عامر کہتے ہیں۔ کہ یہ بات میرے دل میں کچھ ایسا گھر کر گئی۔ کہ توفیقِ الٰہی نے مجھے مشرف باسلام کر دیا۔ میں نے زید کی ساری نشانیں گوئیاں آپ سے کہہ سُنائیں اور اُس کا سلام بھی پہنچایا۔ حضورؐ نے سلام کا جواب دیا۔ اور اُس پر رحمت بھیجی۔ پھر فرمایا۔ میں نے اُسے جنت میں دامن گھسیٹتے ہوئے جاتے دیکھ لیا۔

بُت سے حضورؐ کی صداقت

دوسرا واقعہ ابنِ اثیر یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ جبیر بن معظم کہتے ہیں۔ ہم حضورؐ کی بعثت سے ایک مہینے پہلے سوانہ بُت کے پاس بیٹھے تھے۔ اُس کے نام قربانیاں بھی چڑھائی تھیں۔ یکایک اُس بُت کے جوف میں سے یہ آواز آئی۔

لو! عجیب بات سُنو۔ وحی کا نُور چمکا اور ہم پرانگارے ٹوٹ پڑے۔ مکہ میں ایک نبی پیدا ہوا ہے۔ جس کا نام احمدؐ ہے۔ وہ ہجرت کر کے یثرب جائے گا۔ یہ سُنکر ہم جتنے وہاں بیٹھے تھے۔ سب چُپ اور حیرت زدہ رہ گئے۔

تھوڑے ہی دنوں بعد حضورِ اکرم صلعم کا ظہور ہوا۔ اور میں دولتِ اسلام سے مشرف ہوگیا۔

ان واقعات کے بیان سے مطلب یہ ہے کہ بعثت سے قبل ہی ایک طرف تو آپ پر اسرارِ باطنی منکشف ہونے لگے تھے۔ اور دوسری طرف ایک ہونے والے نبی کے متعلق بڑے زور سے کتبِ سماوی کے ماتحت پیشین گوئیاں بیان کی جاتی تھیں یہ بھی آپ کی کرامت تھی کہ بعثت سے قبل ہی بعض نیک دلوں میں آپ کے آنے کا انتظار اور زیارت کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ آپ کے دلائلِ نبوت اس قدر کثرت سے ہیں کہ بڑے بڑے علماء نے ضخیم ضخیم کتابیں صرف آپ کی نبوت کے دلائل ہی میں لکھی ہیں۔ جن میں بڑی بڑی عجیب و غریب باتیں زیبِ صفحات کی گئی ہیں۔ انشاء اللہ کسی اور مناسب موقعہ پر اُن میں سے کچھ پیش کی جائیں گی۔

اس کے بعد ابن اثیر نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیثیں اور نزولِ وحی کی کیفیتیں لکھی ہیں۔ جنہیں ہم پہلے ہی پیش کر چکے ہیں۔ لیکن بعض مؤرخین کے بیان میں جو اور اضافہ ہے اُسے بھی سپردِ قلم کئے دیتے ہیں۔

ابتدائے وحی کے متعلق دیگر روایات

شنبہ اور یکشنبہ کی رات حضرت جبرئیلؑ کی آواز آپ کو سُنائی دی۔ لیکن وہ دکھائی نہ دیئے۔ دوشنبہ کے دن جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار سے نکلکر مکان تشریف لے جا رہے تھے۔ تو جبریلِ امین آپ کو نظر آئے۔ اور آپ سے وہی کہا۔ جو ہم بالتفصیل عرض کر چکے ہیں۔ جب جبریلِ امین نے خدا کے حکم سے آپ کو خاتم النبیین کا شاندار خلعت پہنا دیا۔ تو وہ غائب ہو گئے۔ آپ کو تین تین دفعہ بھینچنے کی یہاں یہ وجہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ جبریلؑ آپ کے اندر انوار و برکات اور ایسی طاقتیں بھر رہے تھے۔ کہ آپ بارِ نبوت اور اسرارِ غیبی سے (بتقاضائے بشریت) گھبرا نہ جائیں۔ لیکن ہمارے خیال میں وہی صحیح ہے جو ہم عرض کر چکے ہیں۔ کہ ناموسِ اکبر آپ کا امتحان لے رہے تھے۔ غرض جب

آپ خلعتِ نبوت سے مشرف ہو کر چلے تو راہ میں جو درخت جو سنگریزے ملے۔ اُن سے السلام علیک یا رسول اللہ کی آوازیں آنے لگیں۔ اور ذرہ ذرہ آپ کے نورِ جمال سے منور ہو گیا۔ جب آپ اُمّ المؤمنین کے پاس پہنچے۔ تو وُہی فرمایا۔ زملونی زملونی (مجھے کچھ اُڑھا دو۔ مجھے کچھ اُڑھا دو) آپ کو چادر اُڑھا دی گئی۔ تاہم آپ کے دونوں مونڈھے ہیبتِ الٰہی سے کپکپا رہے تھے۔ جب آپ کی یہ کیفیت رفع ہوئی۔ اور آپ نے اُمّ المؤمنین کے استفسار پر اُن سے سب کچھ بیان فرمایا تو اُنہوں نے آپ سے وہی اطمینان بخش باتیں کہیں۔ جو مذکور ہو چکی ہیں۔ اور یہ فرمایا کہ ہم سب سے پہلے آپ پر ایمان لاتے ہیں۔

غرض اِسی قسم کی تھوڑی تھوڑی کمی بیشی کے ساتھ سلسلہ یہ روایات کتبِ حدیث و تاریخ میں مذکور ہیں۔

وحی رُک جانیکا سبب

تین سال تک آپ پر وحی نہ آنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ پر اُس وقت تک وحی نہیں بھیجی۔ جب تک آپ کا قلبِ مبارک اسرارِ غیبی کا متحمل نہیں ہو گیا اِس کے بعد وحی خوب زور سے آنے لگی۔ لیکن اس تین سال کے زمانہ میں بھی حضور کے پاس جبریلؑ وقتاً فوقتاً آتے رہے۔ جیسا صحیح بخاری باب التعبیر کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب وحی رُک گئی۔ تو آپ حد سے زیادہ پریشان اور سراسیمہ رہنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ اِس انتظار سے گھبرا کر کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے۔ اور چاہتے تھے کہ اپنے آپ کو اُس پر سے گرا دیں۔ معاً جبریلؑ آتے۔ اور فرماتے۔ ہیں۔ یہ آپ کیا کرتے ہیں۔

خدا کی قسم آپ اللہ کے رسول اور میرے بھائی ہیں۔ مشیتِ ایزدی کا انتظار کیجئے۔ اِس سے حضور کو کچھ دن کے لئے تسکین ہو جاتی تھی۔ لیکن بیتابیٔ انتظار بڑھتے بڑھتے

آپ کو پھر کسی پہاڑ سے گرنے پر مجبور کرتی۔ اور پھر جبریلِ امین آکر آپ کو تسلی دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جبریلؑ امین اس تین سال میں بھی آپ کے پاس آتے تو رہے مگر کلامِ ربانی لیکر نہیں۔ آپ کی تشفی اور اطمینان کے لئے۔

فاضل مغربیوں کے اعتراض پر دندان شکن جواب

اگر کوئی یہ کہے جیسا بعض مغربی مورخوں کا خیال ہے کہ آپ کو اپنی نبوت میں اس قدر شک کیوں ہوگیا تھا۔ کہ کبھی جبریلؑ آپ کو اطمینان دلاتے۔ اور کبھی ورقہ آپ کو تسلی دیتے تھے۔ تو اس کا جواب اگر معترضین دماغ سے تعصب کے پردے ہٹاکر خود ہی سوچتے تو اُن کی ذہنیت ہی انہیں پورا اطمینان بخش جواب دیدیتی۔ صورت یہ تھی۔ کہ آپ چونکہ اپنی امید کے خلاف حضرت حق جل مجدہٗ کے سب سے زیادہ محبوب بن گئے تھے۔ یعنی جبریلؑ نے آپ کو خدا کے حکم سے سید المرسلین۔ خاتم النبیین۔ رحمۃ للعالمین کا لاجواب خلعت پہنا دیا تھا اب جو تین سال کے لئے ایک دم وحی رُک گئی تو۔ فطرت انسانی کے ماتحت آپ کی بے چینیاں روز بروز بڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ آپ نے کئی مرتبہ اپنے کو پہاڑ سے گرا دینا چاہا۔ لیکن خدا نے فوراً جبریلِ امین کو بھیجکر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ارادہ سے بعض رکھا۔

اضطرار کی وجہ

آپ کی یہ حالتِ اضطرار جہاں تک ہم سمجھتے ہیں کسی شبہ کے ماتحت نہ تھی۔ بلکہ جس حُسنِ عالم سوز نے طُور کو سُرمہ اور موسیٰ کو بے ہوش کر دیا تھا۔ اُسی جمالِ جہاں تاب کے جلوے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینہ دل میں منعکس ہوکر آپ کو بے قرار کر رہے تھے۔ جس ناموسِ اکبر نے حق تبارک وتعالیٰ شانہٗ کے مقدس کلام کی چند آیتیں غارِ حرا میں خود پڑھیں اور حضور سے پڑھوائیں تھیں۔ ہاں انہیں باتوں کا شوق وذوق سرکار کے دل میں اس قدر

بڑھا۔ کہ اضطرار سے تبدیل ہوگیا۔ یہ بھی ایک بڑا نازک وقت تھا۔ کہ حسن آفریں کے جلوے تو حضورِ اکرم صلعم کے قلبِ اطہر کو برابر منور کئے جارہے تھے لیکن آپ کے گوشِ حق نیوش کلامِ ربانی سے محروم رہے جاتے تھے۔ اس صورت میں آپ کا اضطرار جتنا بھی بڑھ جاتا کم تھا آپ نے غارِ حرا میں کیا دیکھا۔ ناموسِ اکبر سے کیا سُنا۔ کلامِ ربانی کا آپ کے قلب پر کیا اثر ہوا۔ جبریلؑ سے آپ کی کیا کیا باتیں ہوئیں۔ روح الامین کے بار بار بھینچنے سے قلبِ اطہر کن کن کیفیات اور تجلیات کا مخزن بن گیا۔ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ کسی طرح بھی دنیا کے محدود اور کمزور الفاظ ان کے متحمل نہیں ہو سکتے ہم نے جو کچھ بھی عرض کیا۔ وہ ایسا ہی تھا۔ جیسے کسی داستان گو سے کوئی پانچ سالہ بچہ قصہ سُنکر اُسے اپنے الفاظ میں ہم سن لڑکوں کو سُنائے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اصل قصے کی شان اور دلچسپی بالکل بھی نہیں رہ سکتی۔ اُس بچہ سے بھی لاکھوں درجے کم ہماری مثال ہے۔ ہم نے اپنے تنگ دماغ۔ محدود دل۔ اور موٹے جھوٹے الفاظ سے کام لے کر غارِ حرا کا واقعہ پیش کر دیا۔ لیکن کون کہہ سکتا۔ اور جان سکتا ہے کہ وہ منظر کس نوعیت کا منظر۔ وہ جلوے کیسے جلوے۔ اور وہ الفاظ کس قسم کے الفاظ تھے۔

کوئی بڑے سے بڑا عالم۔ ادیب۔ اور فلسفی بھی غارِ حرا کا واقعہ بالکل اس طرح نہیں بیان کر سکتا۔ جس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح کیفیتِ قلب معلوم ہو سکے۔ ہاں یہ انوار۔ مشاہدات۔ اور تجلیات نہ بیان ہی کئے جا سکتے ہیں۔ اور نہ کوئی ان مشاہدات قدرت کے سننے کا متحمل ہی ہو سکتا ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا۔ کہ آپ پر غارِ حرا میں جو کیفیت گزری تھی۔ وہ ایک بالکل ہی خاص تاثر سے لبریز اور احاطۂ تحریر سے باہر ہے اس کے بعد جب تین سال کے لئے وحی رُک گئی اور کلامِ ربانی سے اس عرصہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشنہ رہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس حالت میں آپ کے قلبِ اطہر پر کیا کیا کیفیات طاری رہی ہونگی۔ اور آپ کے دل و دماغ پر مفارقت نے کیا کچھ

بنا دی ہوگی۔ کلامِ الٰہی کے اشتیاق اور احکامِ سبحانی کے انتظار میں اگر آپ کا حزن و ملال حد سے زیادہ بڑھ گیا ہو تو بالکل صحیح۔ ہاں اگر آپ کے قلبِ مبارک پہ بے چینی و اضطرار کی کیفیات طاری نہ ہوتیں تو قابلِ اعتراض بات تھی۔ کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا۔ کہ ارشادِ باری رُک جانے کے سبب آپ کچھ اندوہگین نہیں ہوئے جس سے صاف آپکی بدذوقی کا ترجمہ ہوتا ہے۔ لیکن آپ کے تاثر۔ حزن و ملال نے دُنیا کو یہ بتا دیا کہ آپ ایک لحظہ کے لئے بھی کلامِ الٰہی کی مفارقت گوارا نہیں فرما سکتے۔ آپ کے حزن و ملال سے ایک طرف تو یہ معلوم ہو گیا۔ کہ آپ حق تعالیٰ کے سب سے بڑے عاشق ہیں۔ اور دوسری طرف یہ اظہر من الشمس ہو گیا۔ کہ ارشادِ الٰہی بجا لانے میں تاخیر تو کجا۔ احکامِ ربانی تھوڑے ہی زمانہ کے لئے رُک جانے کی وجہ سے بھی آپ سخت متردد متفکر۔ اور مضطرب ہو گئے۔ آپ کا شوق آپ کو بے چین کر رہا تھا۔ کہ کب ارشادِ باری ہو۔ اور کب آپ پہاڑوں پر چڑھ کر اپنے پروردگار کی عبادت کرنے کے لئے قریش کو طلب فرمائیں۔ ہاں یہ شوق و ذوق تھا جو انتظار اور پھر اضطرار سے بدل گیا۔ یہاں تک کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ پر یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ کی چند آیتیں نازل فرما کر آپ کا سارا حزن و ملال آن کی آن میں دُور فرما دیا۔

وحی رک جانے کا دوسرا سبب تین سال تک آپ پر وحی رُک جانے کی وجہ ہماری ناقص رائے میں یہ تھی۔ کہ ایک طرف تو آپ کو رنج و ملال سہنے اور صبر کرنے کی عادت ہو جائے۔ اور دوسری طرف لوگوں کو بھی بہت اچھا موقع مل جائے کہ وہ خوب سوچ سمجھ کر حق و باطل میں بہ آسانی تمیز کر سکیں اور جس وقت خدا کے حبیب۔ اُمت کے آقا حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو دعوتِ اسلام دیں۔ تو یہ بلا چون و چرا آپ کے ارشاد پر لبیک کہتے ہوئے مشرف باسلام ہو جائیں۔

اشاعتِ اسلام چنانچہ تین سال کے بعد جب آپ پر سورۂ "مدثر" کی چند آیتیں نازل ہوئیں۔ اور آپ کو کمر بستہ ہو کر اللہ کی بڑائی بیان کرنے۔ کپڑوں کو پاک وصاف رکھنے وغیرہ کا حکم ملا۔ تو آپ نے مناسب سمجھا کہ سب سے پہلے آپ اپنے اہلِ بیت ہی کو دعوتِ اسلام دیں۔ اور ساتھ ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی خیال آیا۔ جو بیس برس سے آپ کے بڑے گہرے دوست تھے۔ چنانچہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ (جو آپ کی شریک حیات تھیں) ابوبکر صدیق تھے (جو آپ کے سب سے بڑے دوست تھے) حضرت علیؓ تھے (جو آپ کے آغوشِ تربیت میں پلے تھے) زیدؓ تھے (جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے) غرض یہ لوگ تھے۔ جن پر آفتابِ رسالت کی شعاعیں اکثر پڑا کرتی تھیں۔ جب ان مقدس حضرات کے سامنے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام پیش کیا تو آپ کی مبارک زبان سے ابھی آخری الفاظ بھی ادا نہ ہوئے تھے۔ کہ یہ سب کے سب حضرات بلا تامل مشرف باسلام ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ نفوس حضورِ اکرم صلعم کے ارشاد کا انتظار ہی کر رہے تھے۔ کہ کلمۂ حق سننے سے پہلے ہی یہ لوگ لبیک کہنے والے تھے۔ جس کی وجہ ایک تو آنحضور صلعم کی قربت تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی۔ کہ آپ نبوت سے پہلے ہی امین۔ صادق کے القاب سے پکارے جانے لگے تھے۔ اور حق پسندوں کی نظریں آپ پر رسالت سے پہلے ہی پڑا کرتی تھیں۔ اب اس تین سال کے عرصہ میں کافی غور وخوض کا موقعہ مل گیا۔ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے پیغام سنتے ہی یہ حضرات مسلمان تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تو اپنی کوشش سے اور متعدد حضرات کو بھی شمعِ جمالِ محمدی کا پروانہ۔ اور شرابِ توحید کا مستانہ بنا دیا۔ جس کی دلچسپ تفصیل ابھی آتی ہے۔

فائدہ بہرکیف یہ انتظار مفید ضرور ہوا۔ جن کے دلوں میں حق کے قبول کرنے کی صلاحیت تھی۔ وہ بلا پس وپیش یا دو چار سوال کرنے کے بعد دولتِ اسلام

سے مالا مال ہو کر صحابہ کے شاندار خلعت سے سرفراز ہو گئے۔ اور جن بدبختوں کے دل بالکل تاریک تھے۔ اُن کے لئے اتمام حجت ہو گئی۔ چنانچہ ان تین سال کے بعد بھی حضرت حق جلّ علیٰ شانہ نے کفار کو دس سال کی اور مُہلت دی۔ اس عرصہ میں جو حق کو سمجھ گئے۔ وہ ماہتابِ نبوّت کے درخشندہ ستارے بنکر فلکِ سعادت پر چمک اُٹھے۔ اور جو لوگ اسی طرح کفر پر اڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ناقابلِ بیان مظالم کرتے رہے۔ اُنہیں حق جلّ مجدہٗ نے صفحہ ہستی سے مٹا کر جہنم کے ابدی عذاب میں ڈالدیا۔

یہ وجوہ تھے جن کے باعث حضورِ اکرم صلعم پر تین سال کے لئے وحی رُک گئی ہم سمجھتے ہیں کہ اب ضرور معترضین کی تسکین ہو گئی ہو گی۔ اور وہ سمجھ گئے ہونگے کہ واقعتاً آپ کی چالت کسی شک کی وجہ سے نہ تھی۔ بلکہ وحی کے رُک جانے کے باعث آپ پر یہ اضطراری کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ جو بیان کی گئی۔ معترضین کے جواب میں ہمیں ایک مشہور محدث کا قول بھی مل گیا ہے۔ جسے ہم یہاں زیبِ قرطاس کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

ایک فاضل محدث کا جواب

نبوّت ایک امرِ عظیم ہے۔ کوئی اس کا متحمل فوراً نہیں ہو سکتا۔ اس لئے پہلے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھے اچھے اور سچے سچے خواب دکھا کر اس سے مانوس کیا گیا ہے۔ اور جب آپ کو فرشتہ دکھائی دیا۔ تو بھی حضور بشریت کی وجہ سے ڈر گئے۔ جب حضرت خدیجہؓ نے آپ کو اطمینان دلایا۔ اور ورقہ نے تصدیق کی۔ تو آپ کو اپنی نبوت کا بالکل یقین ہو گیا۔

محدث صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔ فَلَمَّا سَمِعَ کَلَامَہٗ اَیْقَنَ بِالْحَقِّ وَ اعْتَرَفَ بِہٖ (پس جب آپ نے (ورقہ) کی باتیں سنیں۔ تو آپ کو یقین ہو گیا۔ اور آپ نے اس کا اعتراف کیا) لیکن ورقہ کی باتوں سے آپ کو حق کا یقین ہونا۔ یہ

ایسی چیز ہے کہ ہمیں محدث صاحب کے اس فقرے سے بالکل اختلاف ہے۔ آپ کو حق کا یقین تو اسی وقت آگیا تھا جب ناموس اکبر نے غار میں آکر آپ کو اقرا باسم ربک الذی کی آیتیں پڑھائی تھیں لیکن آپ کو یہ خیال مضطرب بنا رہا تھا کہ آپ کی یہ باتیں سُنکر کوئی آپ کی تصدیق کیوں کریگا۔ تاہم جب ورقہ نے آپ کی تصدیق کی تو آپ پر سے یہ بوجھ اُتر گیا۔ اس لئے کہ آپ نے خیال فرمایا۔ جب ایک عیسائی میری یہ عجیب وغریب باتیں سُنکر تصدیق کرتا ہے۔ تو کفارِ قریش (جو بتوں کو خدا بنا بیٹھے ہیں) ضرور میری صداقت میں آوازیں بلند کریں گے۔ اور اب مجھے اپنا فرض ادا کرنے میں زیادہ مشکل نہ ہوگی۔ یہ بات تھی۔ جس سے آپ کو اطمینان ہوگیا۔ ورنہ یہ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ معاذ اللہ آپ اب تک جبریلؑ سے ہمکلام ہونے کے بعد بھی اپنی نبوت کے متعلق شبہ میں پڑے ہوئے تھے۔ میں سمجھتا ہوں۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو اُس کی صریحاً غلطی ہے۔ بات وہی تھی۔ جو عرض کی جا چکی ہے۔ آپ کو صرف یہی خیال مضطرب کرتا تھا کہ آپ سے یہ سُنکر کہیں ایسا تو نہ ہوگا۔ کہ لوگ معاذ اللہ آپ کو جھوٹا سمجھنے۔ اور آپ کی مخالفت کرنے لگیں۔ جب ورقہ نے آپ کی باتیں سُنکر اُن میں ذرا بھی شبہ نہ کیا اور آپ کے سچے نبی ہونے کی گواہی دیدی۔ تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین ہوگئی۔ کہ قریش بھی ضرور میری اِن باتوں۔ اور میری نبوت کو صحیح سمجھیں گے۔ بھلا خیال تو فرمایئے۔ کہ اگر حضرت جبریلؑ کے کہنے سے بھی آپ کو اپنی نبوت کا یقین نہ آیا تو بیچارہ ورقہ کس شمار وقطار میں تھا۔ لہٰذا یہی صحیح ہے۔ جو ہم نے مکرر عرض کر دیا۔ آپ کے دل میں یہ خیال آنا کہ لوگ میری نبوت کی تکذیب کریں گے۔ کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں اور اگر ہے تو اس اعتراض سے کوئی نبی بھی پاک نہیں ہے۔

جب خدا نے کسی نبی کو کفار پر بھیجا۔ تو اُس مقدس نبی نے یہی عرض کیا۔ الٰہی میں ڈرتا ہوں۔ کہ یہ لوگ مجھے جھوٹا بنائیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

بھی خدائے تعالیٰ کے حضور میں یہی عرض کیا تھا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارِ قریش نے جھٹلایا۔ تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا۔ آپ اس سے رنجیدہ نہ ہوں۔ کیونکہ آپ سے پہلے انبیاء بھی اسی طرح جھٹلائے جا چکے ہیں۔

سورۂ یٰسین میں مولا۔ بندوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتا ہے یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝

اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ یہ ڈر ہر پیغمبر کو ہوا ہے۔ اور چونکہ ایسا ڈر بشریت کا عین اقتضاء ہے۔ اس لئے یہ بالکل اعتراض کی بات نہیں۔

بہر کیف آپ کو یہی اندیشہ تھا کہ کہیں لوگ آپ کی نبوت کی تکذیب نہ کریں۔ اس لئے آپ غمگین ہوئے تھے لیکن جب ورقہ نے آپ کی باتوں میں ذرا بھی شک نہ کیا تو آپ کو اطمینان ہو گیا۔ کہ اگر بعض لوگ تکذیب بھی کریں گے تو کچھ تصدیق کرنیوالے بھی ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آخر کار حق کی فتح اور باطل کی شکست ہو گئی۔

اقسامِ وحی

علماء اور محدثین کے فرمان کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی طرح سے وحی آتی تھی۔ (۱) کبھی تو جبریلؑ انسان کی صورت میں متمثل ہو کر آپ کو کلامِ ربانی پہنچاتے تھے۔ (روح الامین دحیہ کلبی کی صورت میں (جو بڑے حسین وجمیل اور بنی کلب کے ایک نمایاں فرد تھے) خدمتِ اقدس میں آتے اور پیغامِ الٰہی پہنچاتے تھے (۲) اور کبھی آپ پر وحی کی آمد اس طرح ہوتی تھی کہ آپ لیٹ جاتے تھے۔ اور آپ کو کپڑا اُڑھا دیا جاتا تھا۔ جب آپ اُٹھتے تو سخت سردی کے موسم میں بھی پسینے میں نہائے ہوئے ہوتے تھے۔ جیسا طبرانی نے زید بن ثابت سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں میں کاتبِ وحی تھا اور دیکھتا تھا۔ کہ آپ وحی کے بعد پسینوں میں ڈوبا ڈوب ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ وحی کی حالت میں آپکا فرقِ عظمت

فرقِ عظمت میرے زانو پر تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ میری ران بوجھ کے مارے ٹوٹ جائے گی۔ جب سورہ مائدہ نازل ہوئی تو ثقل و گرانی کی وجہ سے اونٹ زمین پر بیٹھا جاتا تھا کچھ اسی میں نہیں ہر قسم کی وحی میں آپکو تکلیف ہوتی تھی (۳) آپکے کانوں میں گھنٹی کی طرح ٹن ٹن آواز آتی تھی تب آپ فرماتے ہیں۔ یہ حالتِ وحی میرے لئے سب سے زیادہ گراں ہوتی ہے جب آپ کو پیغام الٰہی پہنچا دیا جاتا تھا۔ تو آپ پر سے یہ حالت جاتی رہتی تھی۔ (۴) وحی کی ایک قسم آپ کے سچے اور اچھے خواب تھے جن کی تفصیل پیش کی جا چکی ہے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ وحی کے متعلق صحیح بخاری میں جو کچھ ملتا ہے۔ اُسے حرف بحرف پیش کر دیں۔ تاکہ قارئین پوری وضاحت سے وحی کے اقسام سمجھ لیں۔ اور ملاحظہ فرمائیں کہ نوحؑ اور ابراہیمؑ کی طرح آپ پر کس طرح وحی کی ابتداء ہوئی۔ پہلے قرآن کریم کی یہ آیت اور کچھ حدیثیں پڑھ اور سمجھ لیجئے۔ جو ذیل میں درج ہیں۔ پھر صحیح بخاری کی وہ احادیث جو وحی کے متعلق ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ ج الخ

سورۃ النساء پارہ ۶ رکوع ۲ (بیشک ہم نے آپ پر وحی کی۔ جیسے ہم نے وحی کی نوحؑ پر اور اُن کے بعد کے نبیوں پر)

اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ وحیٔ الٰہی صرف آپ ہی پر نہیں آئی۔ بلکہ تمام انبیاءِ کرام پر آتی رہی ہے۔

قرآن اور وحی کے متعلق کفار کے خیالات

نادان ہیں۔ جو آپ پر بھیجی ہوئی وحی کا استہزا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کلام جسے آپ پڑھ پڑھ کر سناتے اور اللہ کا کلام بتلاتے ہیں آپ ہی کا بنایا ہوا کلام ہے اگرچہ تمام فصحائے عرب کی فصاحتیں۔ بلاغتیں۔ انہیں جواب دے گئیں۔ اور وہ ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگانے کے باوجود ایک آیت بھی ایسی نہ بنا سکے۔ جو

کلامِ ربانی سے کچھ بھی ملتی جلتی ہوتی۔ لیکن خدا بیغیرتی کا بھلا کرے۔ کہ یہ کفار اپنی ہی گائے جاتے ہیں۔ اور جو وحی آپ پر بھیجی جاتی ہے۔ اس کے کلامِ ربانی ہونے سے انکار کئے دیتے ہیں۔ لیکن حق کوئی لاکھ چھپائے چھپتا نہیں۔ کفارِ قریش نے چاہا کہ وہ کلامِ ربانی کو ملیامیٹ کردیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین۔ اور اسلام کی تردید میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں لیکن کہیں ان پھونکوں سے حق کا چراغ بجھ سکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ جو بدنہاد اللہ تعالیٰ کے کلام اور رسولِ ربِ انام کی تحقیر و تذلیل میں جان توڑ کوششیں کرتے تھے۔ انہیں موت کے ایک ہی جھونکے نے صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا۔ اس طرح کہ آج کوئی ان کا نام لینے والا۔ پانی دینے والا بھی باقی نہیں۔ قرآنِ کریم ساڑھے تیرہ سو برس سے اسی طرح آفتابِ ہدایت بنکر اپنی ضیاء باریوں سے ایک دنیا کو منور کرتا رہا۔ اور کرتا رہیگا۔ دشمنانِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نیست و نابود ہو گئے لیکن آقائے نامدار کے نام پر فدا ہونے والے اب بھی چالیس کرور غلام موجود ہیں جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ دنیا دنگ اور زمانہ محوِ حیرت رہ گیا۔ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ شانہٗ کا یہ فرمان بھی کس طرح پورا ہوا۔ کہ جب حق آگیا تو باطل فنا ہو گیا

تنبیہ اس زمانہ کے بعض نام نہاد مسلمان بھی جنہیں مغرب کی تہذیب نے اندھا اور یورپ کی زہریلی ہواؤں نے دیوانہ بنا دیا ہے۔ وہ اپنے ناقص فلسفہ اور سائنس کے اندھیرے میں پڑکر عوام میں نہیں تو اپنے حلقۂ احباب میں ضرور کہہ اٹھتے ہیں کہ قرآنِ کریم کو خدا کا کلام ماننے کے لئے عقل مانع ہے۔ فلسفہ روک رہا ہے۔ اور سائنس دانتوں کے نیچے انگلی دبائے ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ گدھے کے ہم جلیس بھی گدھے ہی ہوتے ہیں۔ وہ احباب بھی خود انہیں جیسے خیال کے ہوتے ہیں۔ بس اُن کی زبان سے یہ سنتے ہی منہ بنا تیوری چڑھا پکار اٹھتے ہیں۔ اجی رہنے بھی دو۔ یہ سب ملاؤں کی رویوں کے دھندے ہیں۔

ہماری عقل تو غیر محسوس اور نامعلوم خدا ہی کو تسلیم نہیں کرتی۔ بھلا ہم قرآن کو اس کا کلام کس طرح مان لیں۔ ہاں یہ ضرور کہیں گے کہ محمد (صلعم) ایک نہایت بلند حوصلہ اور ذی عقل بزرگ تھے۔ اُنہوں نے یہ کتاب (قرآن) کچھ ایسے ہوش و حواس کی سلامتی میں تصنیف کی ہے کہ آج تک مخالفین اس پر کوئی کارگر اعتراض نہیں کر سکے۔ یہی تو وجہ ہے کہ اسلام ساڑھے تیرہ سو برس سے پوری شد و مد کے ساتھ قائم ہے۔ اور اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جسے مذہب کہہ لیجئے ورنہ دنیا کے اور تمام مذاہب تو اس سے ادنیٰ نسبت بھی نہیں رکھ سکتے۔ اسی لئے تو اس نئی روشنی کے زمانہ میں بھی دُنیا میں مسلمانوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔

یہ ہوتے ہیں ان مغربی دیوانوں کے خیالات جو اپنی خاص نشستوں میں اُن کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ اپنا گندہ عقیدہ بچے اور سچے مسلمانوں کے سامنے ظاہر نہیں کر سکتے۔ اس خوف سے کہ کبھی مسلمانوں کے جوتے اِن کی ناپاک کھوپریاں نہ اُڑا دیں۔

ہم اِن کی مہمل باتوں کے جواب میں اپنا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ اِن کے مہملات سُنکر کوئی بھی سچا مسلمان از خود اِن پر تھوکے بغیر نہیں رہے گا۔ اِس لئے ضرورت نہیں کہ ان لغویات میں پڑکر اصل چیز سے دور ہٹ جائیں۔

ہم عنقریب ایک کتاب حکمت و شریعت کے عنوان سے قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔ جس کا پورا خاکہ ذہن میں ہے۔ جس میں انشاء اللہ اِن کے اِن لغویات کی مدلل تردید کی جائیگی۔ یہاں تو ہم ان مغربی تقلید کے اندھوں سے صرف یہی کہتے ہیں۔ کہ جو حشر کفارِ قریش کا ہوا۔ وہی عنقریب آپ جیسے فلسفیوں کا بھی ہونیوالا ہے جو قرآن کو معاذ اللہ خدا کا کلام نہیں۔ حضورِ اکرم کی تصنیف شدہ کتاب سمجھتے ہیں اور اِس سے بھی زیادہ آگے بڑھ چلتے ہیں۔ کہ خدا کی وحدانیت اور اُس کے وجود

سے بھی انکار کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی بس نہیں حضور اکرم صلعم کا نام لیتے ہیں۔ تو صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کے چھوٹے منہ سے نہیں نکلتا۔ اُن کی معلوماتِ جدیدہ نے انہیں

ع "اے روشنیٔ طبع تو برآں بلا شدی"

کا مصداق کر دیا ہے۔ اگر یہ اب بھی اپنی خام خیالیوں سے باز نہ آئے۔ تو انہیں متنبہ ہو جانا چاہیے کہ عنقریب انہیں قہرِ الٰہی کی زبردست بجلیاں جکڑ لینے والی۔ اور موت کا ایک ہی تُند جھونکا ہمیشہ کے لئے دنیا سے غارت کر دینے والا ہے۔

افسوس اِن پر تف اِن کی سمجھ پر۔ اور پھٹکار ان کی معلومات پر۔ کہ انہوں نے جدید تعلیم پاکر بھی یہ نہ سمجھا کہ دنیا کی تمام اختراعات قرآن کے ایک ایک حرف پر لاکھ لاکھ بار قربان۔

ہر زبان کے فصیح تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کا جواب آج تک دنیا پیش نہیں کر سکی۔ لیکن ہمارے نئے بگڑے ہوئے فلسفی اپنی ہی گائے جاتے ہیں۔ بہت اچھا منتظر رہیں۔ حق جل مجدہٗ کی پیشی۔ قبر کی تاریکی۔ عذابِ الٰہی کی شدت اور ملک الموت کے ایک سخت اور تلخ مصافحے کے۔ جس سے اِن کی ساری لفاظی۔۔۔ چرب زبانی اس طرح خاک میں ملے گی کہ خود انہیں بھی مشکل سے یاد آئے۔

اے کاش! یہ مُردود طبقہ اب بھی سنبھل جائے۔ اور جنابِ باری کی درگاہ میں سچے دل سے اپنے ناقابلِ معافی تصوروں کا اعتراف کرے۔ تو اب بھی رحمتِ الٰہی کا دامن اِسے اپنے اندر ڈھانک لینے کے لئے تیار ہے۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ مگر اُسی وقت تک جب تک۔ باب موت ان بدنصیبوں پر وا نہ ہو جائے

وہ دل ہی کیا اگر اثرِ امرِ حق نہ ہو — سینہ وہ کیا جو ذکر سُنے اور تپش نہ ہو
یہ کیا کہ کجروی بھی ہو اور پھر قلق نہ ہو — تم نے جو پڑھ لیا ہے وہ اُلٹا سبق نہ ہو

وحی نازل ہونے کے طریقے | قرآن کریم کی مذکورہ آیت۔ کفار کے خیالات۔ اور تنبیہ

کا مقالہ پیش کرنے کے بعد ہم قارئین کرام کو یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحیٔ الٰہی کن کن طریقوں سے نازل ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیے۔

صحیح بخاری

(۱) عن عائشۃ ام المؤمنین ان الحارث بن ھشام سئل رسول اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ کیف یاتیک الوحی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احیانًا یاتینی مثل صلصلۃ الجرس وھو اشدہ علی فیفصم عنی وقد وعیت عنہ ما قال واحیانا یتمثل لی الملک رجلاً فیکلمنی فاعی ما یقول (ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ حارث ابن ہشام نے رسول اکرم صلعم سے سوال کیا۔ اور کہا کہ۔ یا رسول اللہ صلعم آپ پر وحی کیسے آتی ہے؟ تو حضورِ اکرم صلعم نے (حارث کو ایک دنیا کی مثال میں سمجھاتے ہوئے) فرمایا۔ کہ کبھی تو وحی میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے۔ (جسے میں سمجھ نہیں سکتا کہ پردۂ غیب سے جو صدائے ملکوتی میرے کانوں میں آرہی ہے اُس کا کیا منشاء ہے۔ اگرچہ اُس وقت دنیا کی کوئی آواز میرے کان میں نہیں آتی۔ تاہم یہ گھنٹی کی ٹن ٹن جیسی آواز کچھ ایسی آواز ہوتی ہے جس کا مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا۔) ساری وحیوں میں یہی وحی مجھ پر بہت زیادہ سخت ہوتی ہے لیکن (کچھ ہی عرصہ میں) یہ کیفیت مجھ پر سے جاتی رہتی ہے۔ مگر اس صورت میں کہ فرشتے نے جو کچھ مجھ سے کہا تھا میں بالکل سمجھ اور یاد کر چکتا ہوں۔ اور کبھی فرشتہ میرے پاس انسانی صورت میں آتا ہے۔ پھر مجھ سے باتیں کرتا ہے۔ لہٰذا جو کچھ وہ کہتا ہے۔ میں اُسے یاد کر لیتا ہوں

(۲) قالت عائشۃ رضؓ ولقد رائیتہ تنزل علیہ الوحی فی الیوم الشدید البرد فیفصم عنہ وان جبینہ لیتفصد عرقًا (ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضؓ (حضور کی وحی کے متعلق) ارشاد فرماتی ہیں کہ قطعًا یقینًا میں نے تیز سردی کے دن آپ پر (یہی) وحی آتے دیکھی ہے۔ (اُس وقت) میں دیکھتی

تھی۔ کہ آپ کی (مقدس) پیشانی سے پسینے کی لڑیاں (ٹپ ٹپ) بہنے لگتی تھیں)

اطلاع اس کے بعد ایک طویل حدیث ہے جسے ہم خورشید رسالت کے طلوع کے عنوان میں پیش کر چکے ہیں۔

اب یہ معلوم ہو گیا۔ کہ آپ پر وحی کس کس طرح آئی۔ اور اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ (بیشک ہم نے آپ پر وحی بھیجی) کی ابتدا کس طرح ہوئی۔

معلومات ہم وحی کے اقسام مفصل طور پر عرض کر چکے ہیں لیکن مختصراً وحی کی علیحدہ علیحدہ قسمیں اس صورت سے پیش کئے دیتے ہیں۔ جس صورت سے ہمارے علمائے کرام نے وحی کے اقسام بیان فرمائے ہیں۔

(۱) خدا خود بلا واسطہ نبی پر احکام نازل فرمائے۔ (جیسے معراج کی رات اللہ نے آپ سے بلا واسطہ کلام و پنج بارہ ہزار کلام فرمائے۔ اور نماز پنجگانہ فرض کی۔ تفصیل اپنے مقام پر آئے گی) (۲) فرشتہ اپنی شکل میں آئے اور پیغام الٰہی پہنچا جائے (چنانچہ جبریلؑ اپنی اصلی صورت میں ایک سے زیادہ مرتبہ آپ کے پاس آئے ہیں۔) (۳) فرشتہ انسانی صورت میں پیغام الٰہی لیکر آئے۔ جس کی تصریح پیش کی جا چکی ہے۔ (۴) صرف آواز کے ذریعہ سے کسی مشاہدے بغیر حکم خداوندی پہنچے (۵) خدا کی طرف سے قلب میں پیغام ربانی ڈالا جائے۔ جسے القا کہتے ہیں القاء کی دوسری صورت یہ ہے۔ جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا۔ جبریلؑ نے میرے دل میں (دکھائی دیئے بغیر یہ بات ڈالی۔ کہ کوئی انسان اپنا پورا رزق کھائے بغیر نہیں مرتا۔ (۶) خواب یا بیداری کے عالم میں کشف کے ذریعہ سے حکم الٰہی بتایا جانا جسے کشف یا الہام کہتے ہیں۔

محققین کا قول کبھی جبریلؑ کی ملکوتیت آپ پر غالب آجاتی تھی۔ اور کبھی آپ کی بشریت جبریلؑ پر غلبہ پالیتی تھی۔

ہم نے گذشتہ مقالہ میں احادیثِ صحیحہ سے یہ بتایا تھا۔ کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا کس طریقے سے ہوئی۔ اور پیغامِ الٰہی کن کن صورتوں سے آپ تک پہنچا۔

معترضین کے اعتراضات

لیکن سطورِ بالا میں عام وحی کے اقسام پیش کئے گئے ہیں۔ جن سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ بعض طبیعتوں میں یہ خیال آتا ہے۔ اور اس خیال کا آنا بادی النظر میں غلط بھی نہیں معلوم ہوتا۔ کہ وحی تو ایک ایسی چیز ہے۔ جو انبیائے کرام کے علاوہ لوگوں پر بھی آتی رہی ہے۔ آدمیوں کا تو کیا ذکر۔ شہد کی مکھیاں بھی وحیِ الٰہی سے محروم نہیں رہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے۔ وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ الخ (اور وحی کی پروردگار نے شہد کی مکھی کی طرف) تو یہ چیز جب اظہر من الشمس ہے۔ کہ وحی شہد کی مکھی کے پاس بھی آتی ہے۔ تو انبیاء کی صرف وحی سے کیا تخصیص ہو گئی اور کیوں اُن کے ارشادات پر عمل کرنا ضروری سمجھا گیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ انسان اور شہد کی مکھی میں بڑا فرق ہے۔ تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ انبیاء کے علاوہ لوگوں پر بھی وحی آتی رہی ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے پاس۔ بی بی مریم کے پاس۔ وغیرہ۔ چنانچہ قرآن میں آتا ہے۔ کہ وَاَوْحَيْنَا اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی الخ (اور وحی کی ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف) اسی طرح سورۂ مریم میں آتا ہے کہ جب حضرتِ مریم لوگوں سے ہٹ کر ایک شرقی مکان کی جانب جا بیٹھیں تو اُن کے پاس خدا کے حکم سے روح القدس آئے۔ اور حضرت مریم نے اُنہیں دیکھکر فرمایا۔ اگر تم متقی ہو تو میں تمہیں خدا کا واسطہ دیکر کہتی ہوں کہ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ جواب میں روح القدس نے کہا۔ میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ اس لئے کہ تمہیں ایک نفیس صاحبزادہ دوں۔ حضرت مریمؑ نے کہا۔

یہ ناممکن ہے۔ اس لئے کہ آج تک مجھے کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ پھر بھلا میرے ہاں لڑکا کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ حالانکہ میں نے کبھی بدکاری نہیں کی۔ روح القدس نے کہا۔ میں جو کچھ کہتا ہوں وہی ہوگا۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ۔ الخ

ان آیاتِ بینات کے ترجمہ سے یہ معلوم ہوگیا۔ کہ اللہ نے اُمِّ موسیٰ پر بھی وحی بھیجی اور حضرت مریم پر بھی۔ بلکہ حضرتِ مریم کے پاس تو روح القدس کا آنا باتیں کرنا بھی صاف صاف ثابت ہوگیا۔ جب یہ دونوں مبارک عورتیں نبی نہیں تھیں۔ تو ان پر وحی آنے کے کیا معنی تھے۔ اور پھر حضرت مریم پر تو ایسی شاندار وحی آئی۔ کہ روح القدس نے خود ان سے باتیں کیں۔ اب صرف وحی کی وجہ سے ہم کسی کو نبی کیونکر سمجھ لیں۔

اعتراضات کے جواب

فی الحقیقت یہ شبہات ایسے ہیں۔ جن کا قلب انسانی میں پیدا ہونا ملامت کے قابل نہیں۔ اگرچہ بادی النظر میں ان اعتراضات کے جواب نہیں مل سکتے۔ تاہم ذرا گہری نظر ڈالئے تو معلوم ہو جائے گا۔ کہ یہ اعتراضات ہی سرے سے غلط ہیں۔ اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے۔ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ (یقیناً ہم نے آپ پر وحی کی جیسے کہ نوح اور ان کے بعد کے نبیوں پر وحی کی تھی)

لیجئے یہ شبہات خداوند قدوس ہی نے دُور فرما دیئے۔ اگر صرف اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ فرماتے تو بیشک اعتراض کی جگہ تھی۔ کہ آپ پر وحی کی تو شہد کی مکھیوں۔ موسیٰ کی ماں۔ اور حضرت مریم پر بھی وحی کی۔ بلکہ آسمانوں پر بھی وحی آئی۔ پھر اس صورت میں صرف وحی کی وجہ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سید الاولین والآخرین کس طرح مانا جائے۔ اور اگر آپ کو فخرِ دو عالم تسلیم کر لیں تو شہد کی مکھیوں کو کیا سمجھیں۔ آسمانوں کو کیا کہیں۔ موسیٰ اور عیسیٰ کی مبارک ماؤں کو کیا خیال کریں

لیکن علّامُ الغیوب یہ سب کچھ جانتا تھا جبھی تو ساتھ ہی ساتھ ارشاد فرمادیا کہ
کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ (ہم نے آپ پر اُسی طرح وحی بھیجی
جس طرح نوحؑ اور اُن کے بعد کے نبیوں پر بھیجی تھی)

لیجئے صاحب ثابت ہوگیا کہ انبیاء اور دوسرے لوگوں کی وحی میں زمین
و آسمان کا فرق ہے۔

اگر کسی انسان۔ آسمان۔ یا شہد کی مکھی کے متعلق بھی یہ آیت ہوتی کہ
ہم نے اِن پر اس طرح وحی کی جس طرح نبیوں پر کی تھی۔ مثلاً یوں ارشاد ہوتا۔
وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰی کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ۔ تو
بیشک معترضین کے اعتراضات بجا تھے۔ لیکن حق تبارک وتعالیٰ شانہٗ نے
تو پہلے ہی آپ کی وحی کی تخصیص فرمادی کہ جس طرح اور نبیوں پر وحی آتی
رہی ہے۔ اسی طرح ہم نے آپ پر بھی وحی بھیجی۔

اگرچہ شبہات اب دُور ہوگئے۔ تاہم چند چیزیں اور بھی پیش کی جاتی ہیں
جن سے رہے سہے شبے بھی دور ہو جائیں گے۔ یہ دُنیا جانتی ہے کہ بغیر حکمِ الٰہی پتہ بھی
نہیں ہل سکتا اس لئے جہاں کہیں جو کچھ بھی ہوتا ہے حکمِ الٰہی سے ہوتا ہے جو زمینیں چٹیل میدان
کی طرح پڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ اُنہیں جب حکمِ الٰہی آتا ہے۔ کہ اِن میں روئیدگی ہو
تو وہ زمینیں ہری بھری ہو جاتی ہیں۔

یہ کلام اگرچہ بظاہر تو ساون کی دو بوندوں کا ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ
اُن زمینوں۔ یا باغوں۔ درختوں وغیرہ کو حکم ہوتا ہے کہ تمہاری غذا پہنچ گئی۔
اب تم خزاں کا زرد پیرہن اُتار پھینکو۔ اور بہار کے سرسبز و شاداب لباس سے
ملبوس ہو جاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ حکم بھی وحیٔ الٰہی ہے۔ تاہم یہ وحی
اُن کی ذات کے لئے ہوتی ہے۔ اور انبیاء خصوصاً فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی

وحی دُنیا بھر کے لئے ہوتی تھی۔ بھلا انبیاء اور پھر حضور کی وحی کو ان جمادات۔ حیوانات۔ نباتات وغیرہ کی وحی سے کیا نسبت۔ جبکہ تمام انبیاء کی وحی سے بھی حضورِ اکرم صلعم کی وحی بہت زیادہ ممتاز تھی۔ تو اِن نباتات وغیرہ کی وحی کی کیا حقیقت ہے۔ آپ تو وحیٔ مجسم تھے۔ سراپا نُور و برکات تھے۔ ماں کے پیٹ میں تشریف لانے سے پہلے نبی تھے۔ جہان کا اُجالا بننے سے پہلے پیغمبرِ اعظم تھے۔ یہی تو وجہ ہے کہ آپ کی مُبارک سیرت میں ایک حرف بھی ایسا نہیں جو نکتہ چینی کے قابل تو کجا۔ شانِ رسالت سے کچھ ہلکا بھی ہو۔ ہاں آپ روزِ ازل ہی سے خدا کے محبوب نبیوں کے سردار۔ اور اُمت کے تاجدار بنا دیئے گئے تھے۔ اکثر و بیشتر ناموسِ اکبر جبریلؑ آپکے ہمجلیس رہا کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رمضان کے مبارک مہینے میں ہر رات جبریلؑ امین حضورِ اکرم صلعم کے پاس آتے اور آپ اُن سے قرآنِ کریم کا دور کیا کرتے تھے۔ اللہ اکبر! کیا یہ اعلیٰ ترین شان کسی پیغمبر کو نصیب ہوئی ہے۔ ہرگز نہیں

صحیح بخاری میں ہے۔ کہ جبریلؑ امین نے ایک دن آپ کے پاس تشریف لاکر آپ سے اسلام اور ایمان کے متعلق سوالات کئے۔ اور آپ نے تمام سوالات کے مدلّل اور مکمّل جواب دیدیئے۔ تفصیلات اپنے مقام پر آئیں گی۔

صحاح میں ہے کہ جبریلؑ کسی نبی کے پاس ایک مرتبہ۔ کسی کے پاس دو دفعہ۔ کسی کے پاس دس بیس پچاس۔ سو مرتبہ۔ تشریف لائے۔ زیادہ سے زیادہ تعداد جو کسی نبی کے پاس جبریلؑ امین کے آنے کی ہے۔ وہ چار ہزار دفعہ ہے۔ لیکن حضورِ اکرم صلعم فرماتے ہیں۔ کہ میرے پاس جبریلؑ امین ایک لاکھ چوبیس ہزار مرتبہ آئے ہیں۔ اب بتایئے۔ کہ حضورؐ صلعم کی وحی اور انبیا کی وحی سے بھی کسقدر ممتاز ہے پھر نبیوں کے علاوہ لوگوں۔ حیوانوں۔ آسمانوں وغیرہ کا تو ذکر ہی کیا۔

مثال ایک بادشاہ کا وزیر ہے۔ جو ہر وقت بادشاہ کی حضوری اور ہمکلامی سے مشرف رہتا ہے۔ دوسرا ایک گھسیارہ ہے جس سے بادشاہ نے عمر بھر میں ایک مرتبہ بات کرلی۔ تو بادشاہ کی ہمکلامی کا شرف تو اُس گھاس کھودنے والے کو بھی حاصل ہو گیا۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے۔ کہ اُس کا مرتبہ وزیرِ اعظم کے برابر ہے۔

مطابقت شہنشاہِ عالم حق تبارک وتعالیٰ شانہ کے درباری ہیں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی۔ اور سب سے بڑے مصاحب۔ سب سے زیادہ مقرب۔ صرف حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والاصفات ہے۔ لہٰذا مولا کی جو نظریں انبیاء۔ اور سرورِ انبیاء پر پڑتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ کسی پر نہیں پڑ سکتیں۔ اسی طرح مولا کی ہمکلامی کا شرف انبیاء کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر دُنیا بھر میں ایک مثال (جیسے شہد کی مکھیوں یا آسمانوں پر وحی آنے کی) وہ بھی صرف ایک دفعہ کے لئے ملتی ہے۔ تو اس مثال سے انبیاء جیسا تقرب کسی ایک کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دلیل میں یہ مثال پیش کرنا ہی بالکل غلط ہے۔

انبیاء اور دوسروں کی وحی میں فرق اب رہ گئیں دوسری چیزیں۔ اُن کے متعلق پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ علمائے کرام نے انبیاء اور دوسروں کی وحی میں کیا فرق بتایا ہے۔

خدا کا براہِ راست پیغام پہنچانا فرشتے کا اپنی شکل میں آنا۔ یا انسان کی صورت میں پیغامِ الٰہی لانا۔ ندائے غیبی بلا کسی مشاہدے کے آنا۔ وحی کی یہی قسمیں اعلیٰ درجہ کی قسمیں ہیں۔

خواب یا بیداری میں اسرارِ غیبی کے معلوم ہونا کا نام مکاشفہ یا الہام ہے جو اولیائے کرام کو ہوتا ہے۔

جو بات خود بخود دل میں آئے۔ اُسے القاء کہتے ہیں۔ جو عام مسلمانوں پر بھی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا آسمان شہد کی مکھیوں وغیرہ کو جس قسم کی وحی آئی۔ وہ القاء الہام یا مکاشفہ تھا۔ جو وحی کی ادنیٰ قسم ہے۔ اور جس کے بغیر دُنیا کا کام نہیں چل سکتا ہوا کو حکم ہوتا ہے۔ کہ چل۔ تو چلنے لگتی ہے۔ پھر جس مقدار میں حکم ہوتا ہے۔ اسی مقدار سے چلتی ہے۔ اگر پوری تیزی کے ساتھ ایک جھونکا بھی آجائے تو تمام دُنیا کو تہس نہس کر ڈالے۔ اسی طرح پانی کو حکم ہوتا ہے۔ کہ بہہ۔ تو وہ بہہ نکلتا ہے اور نہروں سے دریاؤں اور دریاؤں سے سمندروں میں جا ملتا ہے۔ خدا کے حکم ہی سے زمین۔ درخت + اور درخت پھل۔ پھول پیدا کرتے ہیں۔ پھر جب حکم ہوتا ہے۔ تو آناً فاناً دورِ خزاں موسمِ بہار سے مبدّل ہو جاتا ہے۔ اور کبھی فصلِ خزاں سے دورِ بہار۔

دنیا پر نظر ڈالیئے۔ چپہ چپہ دیکھ ڈالیئے۔ تو یہی معلوم ہوگا۔ کہ کائنات کا ہر ذرہ حکمِ الٰہی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ جیسے جس طرح حکم ہوتا ہے۔ وہ اسی طرح حکمِ الٰہی بجا لاتا ہے۔ اور یہ دُنیا کی تمام چیزیں محض انسان کی آسائش کے لئے پیدا کی گئی ہیں تو ان سب چیزوں پر جدا جدا احکام نازل ہوتے ہیں۔ انبیاء کرام خصوصاً حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے تمام جہان سے افضل پیدا فرمایا۔ اب ایک طرف تو انبیاء اور سردارِ انبیاء کو دیکھیئے جو تمام جہان کے سرتاج بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اور دوسری جانب کائنات کی اُن چیزوں کو دیکھیئے۔ جو سب کی سب ادنےٰ ادنیٰ انسان کی راحت کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ اور اِن دونوں کی وحیوں کو بھی سامنے رکھیئے۔ پھر دیکھیئے کہ جس طرح اس ارزل ترین مخلوقات اور اُن اعلیٰ ترین انبیائے کرام میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اسی طرح دونوں کی وحی میں بھی فرقِ بیّن ہے۔

انبیا (خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی وحی اعلیٰ درجہ کی وحی ہے کہ خود جبریلِ امین ایک دفعہ نہیں اکثر اوقات دربارِ رسالت میں آکر پیغامِ الٰہی پہنچاتے تھے۔ اور شہد کی مکھیوں وغیرہ کی وحی میں اس سے لاکھ درجہ کم بھی شان نہیں ہوتی۔ چہ نسبت خاک را بعالم پاک ان چیزوں کی وحی کا مطلب صرف یہ ہے کہ خدا نے اُن کے دل میں ایک بات ڈالی۔ اور اُنہوں نے اس پر عمل کر لیا۔ لیجئے۔ اعتراضات کی ظلمت جو شبِ دیجور کی طرح چھا رہی تھی۔ دُور ہو گئی۔ اور حقانیت کے آفتاب نے معترضین کی دُنیائے ظلمت کو منور کر دیا۔ نتیجہ صاف نکل آیا۔ کہ چونکہ دُنیا کا ذرّہ ذرّہ احکامِ الٰہی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس کے کل کائنات پر احکامِ الٰہی آتے ہیں۔ لیکن انبیاء پر جو وحی آئی۔ اُس کی شان سب سے بلند ہے۔ اس لئے کہ بار بار جبریلِ امین نے تشریف لاکر انبیاء کرام کو پیغامِ الٰہی پہنچایا ہے۔ جس طرح ایک ذرّہ اور آفتاب کہنے میں دونوں خدا ہی کی مخلوق ہیں۔ لیکن مرتبوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اسی طرح اشیائے دنیوی اور انبیائے کرام پر جو حکمِ الٰہی آتا ہے۔ اگرچہ کہنے میں دونوں خدا کے حکم ہیں۔ لیکن دونوں میں عرض و عرش کا فرق ہے۔ لہٰذا انبیاء کی شانِ وحی اور چیزوں کی وحی سے لاکھوں درجہ بلند و برتر ثابت ہو گئی پھر ہمارے نبی اکرمؐ کی وحی کا درجہ تو تمام انبیاء کرام کی وحی پر بھی غالب ہے۔ جیسا ہم عرض کر چکے ہیں۔

جب انبیائے سابقین کی وحی اور آپ کی وحی میں بھی بڑا فرق ہے تو آپ ہی بتائیے کہ کائنات کی چیزوں کی وحی اور انبیائے کرام کی وحی میں کس قدر عظیم الشان فرق ہو گا۔

سیرت النبیؐ میں مختلف متعلقات پیش کرنے کے اسباب

ان متعلقہ مقالات پیش کرنے کے بعد

ہم پھر قارئین کرام کی توجہ اصل سلسلۂ سیرت کی طرف دلاتے ہیں۔ ہم معترف ہیں کہ سیرت النبی صلعم کو مسلسل پیش نہ کر سکے۔ اور نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ اطلاع۔ معلومات۔ تنبیہ۔ اسرار و نکات اور مباحثوں کے ضروری مقالات پیش کرنے تھے۔ جو اگرچہ بعض ناظرین کی نظروں میں اصل واقعہ سے تعلق نہ رکھتے ہوں لیکن ہم بارہا عرض کر چکے ہیں کہ سیرت النبی صلعم زیب قرطاس کرنے سے ہمیں تجارت مدنظر نہیں ہے۔ بلکہ متعدد مقاصد ہیں جنہیں پیش نظر رکھتے ہوئے یہ سیرت پیش کی جا رہی ہے۔ ان مقاصد میں اصلاح اور تاریخی واقفیت بھی شامل ہے۔ اس لئے ہمیں اکثر مجبوراً اپنے اصل سلسلے سے کسی قدر ہٹ جانا پڑا ہے۔

اگرچہ اصلاح وغیرہ کی ضروری چیزیں لکھکر پھر اسی سلسلہ کو ملا دیا گیا ہے تاہم ممکن ہے کہ بعض قارئین کی طبع مبارک پر یہ چیز گراں گزرے۔ مگر ذرا بھی گہری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ ہم نے ایک نکتہ بھی سیرت کے علاوہ نہیں لکھا۔ نیچریوں کے خیالات کی اصلاح۔ مغربی مصنفوں کے اعتراضات کے منہ توڑ جواب۔ مسلمانوں کو تنبیہ۔ ورقہ کی شہادت۔ نبوت کے متعلق مکمل بحث۔ ساتھ ہی شبہات کا ازالہ۔ اقسام وحی۔ مختلف معلومات وغیرہ ان میں کوئی عنوان بھی ایسا نہیں جس سے سیرت النبی کا گہرا تعلق نہ ہو۔ ہاں سیرت النبی کو ان چیزوں سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر صرف سیرت ہی پیش کر دی جاتی تو زائد میں کسی نئی چیز کا اضافہ ہی ہوتا۔ اور نہ مسلمانوں کی اس قدر آنکھیں ہی کھل سکتیں۔ پھر مغربی مصنفوں سے بحث تو ایک ایسی بحث ہے۔ جسے پڑھ کر انشاء اللہ ہر مسلمان کے دل میں اپنے سرکار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہزاروں حصہ بڑھ جائیگی اور یہی ہمارا

مقصدِ اصلی ہے۔

پھر یہی ایسی ضروری چیزیں ہیں۔ جو اکثر سیرت نگار حضرات نظر انداز کر گئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ یہ چیزیں قارئین کرام کے لئے بہت زیادہ مفید۔ کارآمد۔ اور ساتھ ہی دلچسپ بھی ثابت ہوں گی۔ اور یہ بھی (جیسا ابھی عرض کیا جا چکا ہے) کہ ایسی مکمل سیرت دیکھکر جس میں مخالفین کے اعتراضات کے جواب شبہات کا ازالہ وغیرہ یہ چیزیں ہیں۔ حضورِ اکرم سے مسلمانوں کی عقیدت و محبت پہلے سے دگنی چوگنی ہو جائے گی۔ کیونکہ جب وہ ہر حیثیت سے اپنے ہادیٔ برحق کو افضل الاولین والآخرین پائینگے۔ تو اُن کا ذوقِ ایمانی یقیناً پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ جائے گا۔

ہاں جب وہ دیکھیں گے کہ حضورؐ پر دشمنوں نے جو اعتراضات کئے تھے۔ اُن کے جوابات ایسے معقول اور صحیح دیئے گئے ہیں کہ اُن معترضین کی بلا خود اُن ہی کے سر جا پڑی۔ ہاں جب قارئین عقل کی کسوٹی پر کسنے کے بعد بھی یہی دیکھیں گے۔ کہ حضور کے عجائبات اور معجزات عینِ فطرت ہیں۔ اور اُن کے متعلق ساتھ ساتھ جب شک میں پڑنے والوں کے لئے اطمینان بخش۔ اور مخالفین کو لاجواب کر دینے والی بحث بڑھیں گے۔ تو یقیناً اُنہیں صحیح طور پر معلوم ہو جائے گا۔ کہ ہمارے سرکار ہی کی ذات وہ ذات ہے۔ جسے ہر حیثیت سے نبیوں کی "تاجداری۔ اور اُمت کی سرداری زیبا ہے۔ بیشک حضورِ اکرم صلعم ہی وہ نبی ہیں۔ جن کا مرتبہ خدا کے بعد تمام انبیائے کرام سے بھی ارفع و اعلیٰ ہے۔ یہ صحیح کہ اب بھی مسلمان حضور کے متعلق یہی ایمان رکھتے ہیں۔ تاہم جب وہ گلزارِ سیرت النبیؐ کی سیر کریں گے۔ اعتراضات کے کانٹوں کو کچلا ہوا پائینگے محبت۔ مروت۔ اخلاق۔ ایثار۔ عبادت۔ ریاضت۔ خیرات۔ صدقات۔

شجاعت۔ سخاوت۔ حلم۔ اخوت۔ معجزات وغیرہ کے پھولوں سے اپنا مشامِ جان معطر کریں گے۔ اور آپ کے معجزات کو عقل کی کسوٹی پر بھی بالکل کھرا پائینگے تو یقیناً اُن کی قوتِ ایمانی اور محبت و عقیدت کہیں سے کہیں پہنچ جائے گی۔ اور یہی میری سب سے بڑی کامیابی ہوگی۔ کہ میں اپنے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سیرت پیش کر کے غلامانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساغرِ دل میں شرابِ محبتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبریز کر دوں۔

ابھی جبکہ رؤف رحیم کا آخری حصہ زیرِ طبع ہے۔ اور اسی وجہ سے کتاب کے شائع ہونے میں ابھی کچھ اور دن باقی ہیں۔ اس صورت میں بھی سَو سے زیادہ حضرات اس کتاب کے مختلف حصے پڑھ چکے ہیں۔ اور پڑھنے کے بعد جس قدر عاجز کی تعریف کے پُل باندھے ہیں۔ عرض کرنا نہیں چاہتا۔ تاہم اتنا ضرور کہوں گا کہ مغربی مورخوں کی بحث کے حصہ کو اُن تمام حضرات نے بہت زیادہ مفید اور دلچسپ بتایا ہے۔ اِس لئے کہ اُن کے خیال میں اس قدر خشک موضوع کو اتنا دلچسپ بنا دینا بہت مشکل تھا۔ بہرکیف یہ وجہ ہے کہ اصل واقعہ سے کسی قدر ہٹ کر دوسری چیزیں پیش کی گئی ہیں (اگرچہ درحقیقت انہیں سیرت النبیؐ سے بہت گہرا تعلق ہے۔ ایسا گہرا تعلق جیسا جسم کو لباس سے ہوتا ہے۔) اور اُن کے بعد اصل واقعہ پھر وہیں سے شروع ہو جاتا ہے۔ جہاں سے چھُٹ گیا تھا۔ اُمید کہ قارئین کرام مجھے قابلِ ملامت نہ سمجھیں گے۔

ان مقالات متعلقات اور اس معروضہ کے بعد ہم اپنے قارئین کی توجہ پھر ہمیں آقائے نامدار صلعم اور اُمّ المؤمنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کی طرف دلانا چاہتے

عداس راہب اور بی بی خدیجہؓ

جب اُمّ المؤمنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضؓ ورقہ بن نوفل کے پاس سے واپس

تشریف لائیں تو ورقہ کے کلام کی تصدیق کرنے کے لئے آپ عداس راہب کے پاس تشریف لے گئیں۔ اور اس سے اس طرح گفتگو ہوئی۔

عداس راہب کھڑا ہو گیا۔ اُمّ المؤمنین کی تعظیم بجالایا اور کہنے لگا۔

خیر تو ہے۔ آج آپ نے یہاں تک تشریف لانے کی زحمت کس لئے گوارا فرمائی

اُمّ المؤمنینؓ۔ میں اس لئے آئی ہوں۔ کہ تم مجھ سے حضرت جبریلؑ کا کچھ حال بیان کرو۔ کہ وہ کون ہیں۔ اور بارگاہِ الٰہی میں کیا حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ سُنتے ہی عداس فوراً سجدے میں گر پڑا۔ اور قدوس قدوس کہنے لگا۔ پھر اُس نے سجدے سے اُٹھ کر اُمّ المؤمنین کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے عرض کیا۔

عداس۔ جس شہر میں سیاکاری کی انتہا ہو رہی ہے۔ اور جہاں خدائے برتر کی پوجا کرنے والا ایک بھی نہیں۔ اُس جگہ جبریلؑ جیسی مقدس ہستی کا نام کیوں لیا جاتا ہے

اُمّ المؤمنینؓ۔ (راہب کی بات نظرانداز کرکے) ہاں تم مجھے بتاؤ۔ کہ جبریلؑ کون ہیں۔ اُن کا فرض کیا ہے۔

عداس۔ واللہ آپ جب تک یہ نہ بتا دیں۔ کہ آپ مجھ سے جبریلؑ کے متعلق کیوں پوچھ گچھ کر رہی ہیں۔ اُس وقت تک میں ایک حرف بھی نہ کہوں گا۔

اُمّ المؤمنینؓ۔ میں کہہ تو دوں۔ مگر اندیشہ ہے۔ کہ بات کہیں سے کہیں نہ پہنچ جائے اگر تم اس معاملہ میں پوری رازداری سے کام لینے کا اقرار کرو۔ تو میں جبریلؑ کا حال دریافت کرنے کی وجہ بتا دوں۔

عداس۔ میں آپ سے بقسم کہتا ہوں کہ جو بات آپ مجھ سے کہیں گی وہ صرف مجھ ہی تک رہے گی۔

اُمّ المؤمنینؓ۔ میرے سرتاج محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب فرماتے ہیں کہ مجھ پر جبریلِ امین نازل ہوئے ہیں۔

عدّاس ۔ بخدا جبریلؑ ناموسِ اکبر ہیں۔ وہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ علیہم السلام کے پاس بھی آتے۔ اور پیغامِ الٰہی لاتے تھے۔ اگر وہ یہاں نازل ہونے لگیں۔ تو مُلک بھر خیر و برکت کی دولت سے مالا مال ہو جائے۔ تاہم مجھے شک ہے کہ کہیں جن یا شیطان کے غلبہ سے محمد صلعم کی حالت میں یہ انقلاب نہ پیدا ہو گیا ہو۔ اچھا آپ میری ایک کتاب اُن کے پاس لے جائیے کہ وہ اس کی زیارت کریں۔ اگر جن یا شیطان کا غلبہ ہو گا۔ تو اس کی زیارت سے دُور ہو جائے گا۔ اور اگر اُن کی یہ حالت رحمانی ہے۔ تو اس کتاب کے دیکھنے سے انہیں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے گا۔ میری کتاب یہ عقدہ فوراً حل کر دے گی۔

دیوانگی کی نفی اور نبوت کی تصدیق

یہ کہہ کر عدّاس نے ایک کتاب اُٹھائی۔ اور اُمّ المؤمنینؓ کے حوالہ کر دی جسے آپ لے کر حضورِ اکرم صلعم کی خدمت میں تشریف لائیں۔ جب وہ کتاب مخزنِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے پیش ہوئی۔ تو فوراً جبریلِ امین نازل ہوئے۔ اور سورۂ قلم کی ابتدائی آیتیں حضورؐ کے سامنے تلاوت کیں۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝ مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۝

(پارہ ۲۹) اے نبیؐ! قلم کی قسم اور لوگوں کے لکھنے کی قسم کہ آپ اپنے پروردگار کے فضل سے ہرگز دیوانے نہیں ہیں۔ (جیسا کافر کہتے ہیں)

اِن آیتوں کے نازل ہونے سے اُمّ المؤمنینؓ خوشی سے باغ باغ ہو گئیں اور اسی فرطِ مسرت میں حضورِ اکرم صلعم سے عرض کیا۔

اُمّ المؤمنینؓ ۔ فداک اُمّی وابی۔ (میرے ماں باپ نثار) اُٹھئے تاکہ میں اور آپ دونوں مل کر عدّاس کے پاس چلیں۔

حضورِ اکرم صلعم اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور دونوں مقدس نفوس

عداس کے پاس پہنچے۔ عداس آپ کو دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔ اور تعظیم و تکریم بجا لا کر آپ کو اپنے مقام پر جگہ دی۔ پھر حضورؐ سے اجازت لے کر آپ کی نسبت سے جامہ ہٹایا۔ اور مہرِ نبوت کی زیارت کی۔ جو آپ کے دونوں شانوں کے درمیان موجود تھی۔

راہب کی باتیں اور عقیدتمندی کا اظہار

یہ دیکھتے ہی عداس سجدے میں گر پڑا۔ اور دیر تک پڑا رہا۔ پھر اٹھ کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

عداس۔ قدوس قدوس۔ بے شک جس نبیٔ آخر الزماں کی بشارت موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ اے محمدؐ صلعم وہ آپ ہی ہیں۔ بخدا جس زمانہ میں آپ خلق اللہ کو دعوتِ اسلام دیں گے۔ اور محروم القسمت آپ کی تکذیب کر کے آپ کی ایذا رسانی کے باعث ہوں گے۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا۔ تو یقیناً آپ پر سینہ سپر ہو کر دشمنوں سے مقابلہ کروں گا۔ لیکن یہ تو فرمائیے۔ ابھی آپ کو کسی چیز کا حکم دیا گیا یا نہیں۔

ابھی تک مجھے کوئی حکم نہیں دیا گیا۔

عداس۔ وہ وقت دور نہیں۔ جب آپ کو لوگوں کی ہدایت کا حکم دیا جائے۔ اور لوگ آپ کو جھٹلائیں۔ پھر ضرورت مجبور کر دے۔ کہ آپ اپنا مولد گاہ چھوڑ دیں

کچھ دیر عداس حضورؐ سے ایسی ہی باتیں کرتا رہا۔ اس کے بعد آپ راہب سے رخصت ہوئے۔ اور اُمّ المومنینؓ کے ساتھ دولت کدے پر تشریف لے آئے۔

معلومات

مذکورہ روایت کی صحت میں کلام ہے۔ لیکن چونکہ ارباب سیر نے اسے اپنی اپنی کتابوں میں قلمبند فرمایا ہے۔ اس لئے ہم نے بھی یہ روایت پیش کر دی۔ اس کے غیر صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ قلم کی

شانِ نزول یہ نہیں ہے۔ جو یہاں بیان کی گئی ہے۔ بلکہ جب آپ نے دعوتِ حق شروع کی۔ اور کفارِ قریش نے حضورؐ کو مجنوں۔ دیوانہ کہا۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے کفارِ قریش کو جھوٹا ثابت کرنے اور حضورِ اکرمؐ کو تسلی دینے کے لئے اس سورۃ کی چند آیتیں نازل فرمائی تھیں۔ لیکن غور کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر روایتِ مذکور صحیح ہے۔ تو یہ غلط ہے۔ کہ جب آپ کے سامنے کتاب آئی۔ تو آپ پر سورۂ نون کی چند آیتیں نازل ہوئیں۔ غالباً یہ حصہ اس روایت میں غلطی سے شامل کر دیا گیا ہے۔ جس طرح بی بی خدیجہؓ ورقہ بن نوفل کے پاس گئی تھیں۔ اسی طرح مزید تحقیق و تصدیق کے لئے عداس کے پاس بھی گئی ہوں گی۔ اور اس نے بھی ورقہ کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی ہوگی۔ جیسا عرض کیا جا چکا ہے۔ جبکہ عورت کی فطرت میں تحقیق و تلاش۔ پوچھ گچھ کا مادہ بدرجۂ غایت موجود ہے۔ تو میرے خیال میں کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ یہ روایت کتاب کے حصہ کے علاوہ خواہ مخواہ غلط سمجھ لی جائے۔ ان تمام چیزوں پر غور کر کے روایتِ مذکور پیش کر دی گئی۔ واللہ اعلم

دوبارہ وحی کی آمد یہ ہم عرض کر ہی چکے ہیں۔ کہ حضورِ اکرم صلعم پر تین سال کے لئے وحی رُک گئی تھی۔ اور اس کے وجوہ بھی پیش کئے جا چکے ہیں۔ تاہم وہاں صحیح بخاری کی ایک طویل حدیث میں یہ خبر پیش کی گئی تھی۔ اور یہاں سلسلہ کے لئے اسے زیبِ قرطاس کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ فطرتِ وحی کے زمانہ میں جو یقیناً آپ کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ آپ نے انتظار سے رنجیدہ ہو کر کئی مرتبہ اپنے کو پہاڑ سے گرا دینا چاہا۔ لیکن فوراً جبریلؑ امین تشریف لاتے اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر فرماتے تھے۔ اے خدا کے رسول یہ آپ کیا کرتے ہیں۔ میں آپ سے سچ کہتا اور یقین دلاتا ہوں۔ کہ واقعی آپ خدا کے

رسول ہیں۔ یہ تسلی بخش باتیں سُنکر حضورِ اکرم صلعم کو گونہ تسلی ہو جاتی۔ اور آپ ولتکدہ پر واپس ہو جاتے تھے۔

جابرؓ بن عبداللہ کہتے ہیں۔ کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فطرتِ وحی کے زمانے میں ایک روز میں کہیں چلا جا رہا تھا۔ کہ مجھے آسمان سے ایک آواز آئی۔ میں نے نگاہ اُٹھائی تو دیکھا۔ زمین و آسمان کے بیچوں بیچ ایک نورانی کرسی پر وہی فرشتے (جبریلؑ) بیٹھے ہیں جو پہلے پہل غارِ حرا میں میرے پاس آئے تھے یہ دیکھکر مجھے ڈر لگا۔ میں اپنے مکان پر چلا آیا۔ اور کہا زملونی۔ زملونی۔ میں لیٹ گیا۔ اور مجھے فوراً چادرہ اُڑھا دیا گیا۔ لیکن فوراً ہی مجھ پر جبریلِ امین کلامِ الٰہی کی یہ آیتیں لیکر نازل ہوئے۔ یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ الخ (اے نبیؐ! آپ جو وحی کی وحشت سے چادرہ لپیٹے پڑے ہیں۔ اُٹھئے۔ اور لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرائیے۔ اور اپنے پروردگار کی بڑائیاں بیان کیجئے۔ اور اپنے کپڑوں کو صاف ستھرا رکھئے۔ اور ناپاکیوں سے الگ رہیئے۔ اور تبلیغِ رسالت کو ایک کارِ نمایاں سمجھ کر لوگوں پر احسان نہ رکھئے۔ اور رسالت کی تبلیغ میں جن جن دشواریوں کا مقابلہ کرنا پڑے۔ اُنہیں برداشت کرکے اپنے پروردگار کی رضامندی کیلئے صبر کیجئے

یہ تھا۔ وہ مبارک دن جس کے لئے تین سال سے آقائے نامدار بیقرار تھے۔ ہم عرض کر چکے ہیں۔ کہ جب آپ کو تبلیغِ رسالت کا حکم ہوا۔ تو بی بی خدیجہؓ حضرت ابوبکرؓ جناب زیدؓ اور مقدس شیرِ خدا علی مرتضیٰؓ سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔

دسواں باب

آغازِ اسلام

بہار جب گلستانِ ارم میں داخل ہوتی ہے۔ تو اگرچہ اُس کی آمد سے باغ کے پتے پتے بوٹے بوٹے اور تنکے تنکے میں جان آجاتی ہے۔ تاہم بہار کے ملاحظہ سے کم سے کم خزاں کا آخری الوداعی منظر ضرور گذر جاتا ہے۔ اس لئے کہ جس خزاں نے مہینوں گلشنِ جانفزا کو روح فرسا بنا رکھا ہو۔ وہ خزاں اگرچہ بہار کے آتے ہی دور ہو جاتی ہے۔ لیکن خزاں کو جاتے ہوئے بہار (وہ بہار جس کے نام میں سرور۔ سکون۔ تراوت۔ تازگی۔ مہک اور نکھار یہ چیزیں قدرت نے ودیعت کر دی ہیں) ضرور دیکھ لیا کرتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ باغ میں بہار جب قدم رکھتی ہے۔ تو اُسے پتے پتے کی نیم افسردگی سے یہ ضرور پتہ لگ جاتا ہے کہ اُس کے آنے سے پہلے اُس بوستانِ ارم کی کیا حالت تھی۔ کہ اب تک اُس کے کچھ کچھ اثرات سارے ہی باغ پر موجود ہیں۔

ہاں خزاں کے کانٹوں سے اُلجھے بغیر بہار باغ میں داخل نہیں ہو سکتی اسی طرح آج اگرچہ بوستانِ عالم پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل بہار آگئی ایسی بہار جو انشاء اللہ قیامت تک باقی رہے گی مگر جس طرح بہار کانٹوں سے اُلجھے بغیر کامیاب نہیں ہوتی۔ اسی طرح وہ جن پر دُنیا اور فردوس کی لاکھوں بہاریں نثار۔ وہ جن کے طفیل کونین کی تمام چیزیں بنائی گئیں۔ وہ جن کی شان من نور اللہ ہے۔ وہ۔ جنہیں روزِ ازل ہی سے عالم آفریں نے دنیا

بھر کا آقا۔ اور جملہ انبیاء کا سردار بنا دیا۔ وہ۔ جن کے نصیب میں پہلے ہی سید المرسلین خاتم النبیین۔ رحمت للعالمین۔ رؤف رحیم رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونا ثبت ہو چکا تھا۔ وہ جن کی ولادت باسعادت سے اب تک حق تبارک تعالیٰ شانہٗ نے اپنی بیشمار رحمتوں کا مینہ برسا دیا۔ اور برابر برسا رہا ہے۔ وہ۔ مقدس ہستی۔ جسے کلیم طور پر بھی لاکھوں درجے فوقیت حاصل ہے۔ وہ ذات گرامی جس کے پاس جبریل خادم بنا کر اور بے شمار ملائکہ جلودار کی حیثیت میں بھیجے گئے جنت کا براق مرکب کی جگہ حاضر ہوا۔ اور وہ مقدس نبی جس نے دم کے دم میں سارے جہان۔ آسمانوں۔ جنت۔ دوزخ وغیرہ تمام چیزوں کی سیر کرنے کے بعد اپنے پروردگار سے کم و بیش بارہ ہزار کلام فرمائے جس سے دنیا پر اظہر من الشمس ہو گیا۔ کہ یہ ذات عالی۔ یہ بے مثال ہستی اور یہ مقدس نبی نہ صرف دنیا ہی سے بلکہ جملہ انبیائے کرام سے بھی لاکھوں درجے ممتاز ہے۔ ؎

لَا یُحْصِیْ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقَّہٗ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ہاں وہ مبارک نبی جن پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے بیشمار انعام اور ان گنے افضال ہیں۔ جن کے طفیل اُن کی اُمت بھی کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ کے لازوال گراں بہا۔ اور کسی قوم کو میسر نہ آنے والے خلعت سے ممتاز ہو گئی۔ ہاں وہ نبی جب خیابانِ عالم میں قدم رکھتے ہیں۔ تو انہیں بھی کفر کے خارستان سے کچھ نہ کچھ ضرور اُلجھنا پڑتا ہے

راز (۱) یہ اس لئے کہ اگرچہ آپ کی شان خدا کے بعد سب سے افضل ہے۔ مگر بشریت اور عبدیت کا تقاضا یہی ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھ لے۔ جیسا بعض پوچ خیال جاہل کہا کرتے ہیں۔ کہ خود خدائے تعالیٰ رسول اکرم کے بھیس یا صورت

میں متشکل ہو کر دنیا کے سامنے پیش ہوا ہے معاذ اللہ۔ خدا اس گمراہ کن عقیدے سے سادہ لوح اور بھولے بھالے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ آمین۔

(۲) وہ جن کے اک ناخنِ پا پر کونین کی تمام بہاریں لاکھ لاکھ بار نثار۔ وہ جن پر حق جل مجدہٗ کا سب سے زیادہ پیار۔ اور وہ جن پر تمام دنیائے اسلام اور عالم آخرت نثار۔ اگر بوستانِ عالم میں تشریف لاتے اور آپ کا مبارک دامن خارستان میں نہ الجھتا۔ یعنی فخرِ بہارِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اگر کفارِ قریش کی مخالفت کے کانٹوں میں نہ الجھتے تو دنیا کو یہ کس طرح معلوم ہوتا۔ زمانہ کیونکر سمجھتا اور بالخصوص اوندھی ذہنیت کے مغربی مورخ کیسے پتہ چلاتے کہ خاکِ عرب سے ایک تن تنہا مقدس ذات (جس کے ہزاروں اور لاکھوں کیا۔ سارے دنیا والے دشمن ہیں) اٹھتی ہے۔ صعوبتیں جھیلتی ہے۔ تکلیفیں اٹھاتی ہے۔ دنیا کی بلائیں اپنے سر لیتی ہے۔ طرح طرح کے مصائب و شدائد میں مبتلا رہتی ہے دشمن بڑے زور شور سے اس ذاتِ گرامی کے شہید کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر یہ سب جن کا زور و قوت۔ مال و دولت۔ جاہ و حشمت میں کوئی شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی ساری کوششیں ملیامیٹ ہو جاتی ہیں۔ اور ان میں سے نیک دل۔ خوش طینت اور پاک نفوس سرکارِ دو عالم حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں پر اپنا سارا وقار و جلال نثار کر کے غلامانِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عزت حاصل کر کے دنیا بھر سے زیادہ ممتاز ہو جاتے ہیں۔ مگر بدبخت نامراد مقدر پھوٹے۔ جنہوں نے آفتابِ عالم تاب عرستان۔ فخرِ دو جہان حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا دیا۔ کوئی تکلیف اور کوئی مصیبت ایسی نہ رکھی۔ جو آقائے نامدار پر نہ ڈالی ہو۔ ہزاروں میں فخرِ انبیاء حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تالیاں پیٹوائیں

کیچڑ پھینکی۔ پتھر مارے۔ کتے چھوڑے۔ راہ میں کانٹے بچھائے۔ نماز کی حالت میں اونٹ کا اوجھ پشتِ اقدس پر رکھ دیا۔ راس پشتِ اقدس پر جس پر تمام دنیائے نزاکت قربان مگر جو تمام ایماندار اُمت کی شفاعت پر بستہ ہے۔ اللہ اللہ اس قدر نازک ہونے کے باوجود ایسی۔ جو (کمر) ساری اُمت کی شفاعت کے لئے بندھ گئی ؎

ساری اُمت کی شفاعت پر کمر بستہ ہیں آپ
کون کہتا ہے حسینوں کے کمر ہوتی نہیں

اظہارِ جذبات ہاں۔ بیتابانہ ذوق وشوق کا تقاضا ہے۔ محبتِ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہی ہے۔ ہجرِ محبوب کا اصرار ہے۔ کہ اس نظم کے چند اشعار پیش کر کے۔ اپنے اور عاشقانِ جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں میں تسکین۔ طمانیت۔ عقیدت۔ محبت۔ اخلاص۔ ضبطِ مفارقت اور شوقِ وصال لبریز کر دے۔ اور ایسے عالم میں پہنچ جا۔ جہاں تجھے اپنے آپے کی بھی کچھ خبر نہ رہے ہاں پھر اُس عالم میں پہنچکر اپنے آقا۔ اپنے مولا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سیرت کی پہلی جلد کے آخری صفحات ختم کر دے۔ کیونکہ نہ جانے یہ کیف تجھ سے کیا کچھ اور کس عجیب وغریب انداز میں قلم بند کرا جائے گا۔

دین و دُنیا کیا مجھے اپنی خبر ہوتی نہیں

کیا قیامت ہے شبِ ہجراں سحر ہوتی نہیں
یادِ گیسوئے پیمبر میں سحر ہوتی نہیں

پھروں رہتا ہوں خیالِ جلوۂ احمدؐ سے غش
دین و دُنیا کیا مجھے اپنی خبر ہوتی نہیں

ساری اُمت کی شفاعت پر کمر بستہ ہیں آپ
کون کہتا ہے حسینوں کے کمر ہوتی نہیں

عمر کے دن کاٹنے دے اے اجل تلوار سے
فرقتِ محبوبِ عالم میں بسر ہوتی نہیں

ہو الٰہی دیدۂ شاعر کا نیزہ وہ قلم
جس قلم سے مدحتِ خیر البشر ہوتی نہیں

تیری قسمت میں نہ تھا جامِ مئے دنیا پرست
جو نہ ہونی ہوتی ہے وہ عمر بھر ہوتی نہیں

تجھ سے اور روئے شہِ بطحیٰ کو نسبت دوں غلط
تجھ سے تسکینِ دلِ عاشق مگر ہوتی نہیں

کیوں نہیں ہوتا میسر مجھ کو دیدارِ حضور
کیوں مری فریادِ مولیٰ با اثر ہوتی نہیں

یہ اندھیری ہجر کی شب جانے کب ہوگی تمام
آفتابِ دیدِ احمدؐ کی سحر ہوتی نہیں

ابتو پہنچا دے مدینہ اور دکھا دے روئے دوست
ہند میں اللہ اب میری بسر ہوتی نہیں

حیف ایسی زندگی پر جو رہے محرومِ دید
آرزوئے دید میں کب چشم تر ہوتی نہیں

ہجرِ محبوبِ جہاں افروز میں ہوں جاں بلب
چاہتا ہوں قلب کی تسکیں مگر ہوتی نہیں

چین عنقا ہو گیا ہے طالبِ دیدار کو
اب تو تسکینِ دل و جان و جگر ہوتی نہیں

صلی اللہ علیہ وبارک وسلم

گذارش اس نظم کے ابتدائی چھ اشعار میرے اُستاد وطنِ ہند حضرت مولانا راسخ علیہ الرحمۃ کے پاک جذبات کا نمونہ ہیں۔ "عمر بھر ہوتی نہیں" تک لکھنے کے بعد میں کچھ ایسا متاثر ہوا کہ معاً میرے دل میں اِک شعر آیا۔ میں نے اُسے لکھا۔ ساتھ ہی فوراً دوسرا شعر میرے ذہن میں آگیا۔ اور میں نے قلمبند کر لیا اسی طرح بقیہ جتنے اشعار لکھے گئے۔ فوراً فوراً خیال میں آتے رہے۔ اور میں اُنہیں لکھتا چلا گیا۔

اب ہونا یہ چاہیے تھا۔ کہ یا میں اپنے اشعار لکھتا یا اُستاد کے زریں اور جذبات سے لبریز شعر۔ لیکن چونکہ استاد علیہ الرحمۃ کے اشعار نے میرے جذبات برانگیختہ کر دیئے تھے۔ اور اُن کے بہترین اشعار کو ان پر ترجیح بھی کس طرح ہو سکتی تھی۔ اس لئے اُستاد کے شعر رکھنے ضروری تھے۔ میں اپنے شعر نکال دیتا۔ مگر چونکہ خود بخود بغیر سوچے یہ شعر خدا کے فضل سے میرے سامنے آگئے اس لئے اِن کا قلم زن کرنا بھی مناسب نہ معلوم ہوا۔ لہٰذا یہ اشعار اسی صورت

سے پیش کر دیئے گئے۔ جو رونما ہوئی۔

معذرت ۔ میں معترف ہوں۔ کہ بارہا قارئین کرام کو طویل طویل بریکٹ پڑھنے اور تھوڑی دیر کے لئے سلسلہ سے الگ ہونے کی زحمت گوارا کرنی پڑی ہے۔ اگرچہ مجھے خود اس میں تامل ہوتا تھا۔ مگر کیا کروں۔ مسلمانوں کی اصلاح کے خیال اور حضورؐ کی عقیدت و محبت وغیرہ ان چیزوں سے میں اتنا متاثر ہو گیا کہ کبھی کبھی سلسلہ سے الگ ہو جانا میں نے اپنے اور مسلمانوں کے لئے ضروری اور اشد ضروری سمجھا۔ اگر قارئین کرام کے خیال میں یہ غلطی ہے۔ تو مجھے معاف فرمائیں۔ لیکن یہ عرض کئے دیتا ہوں۔ کہ ایسی غلطی کا امکان آئندہ بھی بہت ممکن ہے۔

سلسلۂ بیان بہر کیف جو لوگ ایسے تھے جنہوں نے سرکار کو تکالیف پہنچانے دکھ دینے۔ ستانے کی انتہا کر دی۔ حتی کہ نماز اور وہ بھی سجدے کی حالت میں اونٹ کا بھاری اوجھ پشتِ اطہر پر رکھدیا وغیرہ ایسے لوگوں کا حشر کیا ہوا۔ دنیا نے دیکھ لیا۔ کہ کس طرح یہ موذی کیفر کردار کو پہنچے۔ دنیا کی لعنت۔ سکرات کی سختی۔ قبر کی تاریکی جہنم کے زہریلے جانوروں کے ڈنک۔ آخرت کی تباہی۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کا جہنم۔ ان بدبختوں اور نامرادوں کو نصیب ہوا۔ ہاں تو وہ ذاتِ گرامی جس کا سارا عالم دشمن تھا۔ کن تکالیف میں پڑ کر اور کیسے مصائب جھیلکر کس قدر کامیاب ہو گئی۔ یہ چیزیں خصوصاً اوندھی کھوپڑی کے فاضل مگر متعصب مغربی مورخوں کو کس طرح معلوم ہوتیں۔ آج ساری دنیا دنگ اور زمانہ محوِ حیرت ہے۔ کہ ایک طرف تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر۔ ضبط۔ تحمل۔ عفو۔ کرم۔ حلم۔ ایثار۔ اخلاق۔ اخلاص وغیرہ کا زبردست امتحان ہو گیا۔ (ایسا زبردست امتحان۔ جو کبھی کسی نے دیا۔ اور نہ دے سکتا ہے

ہاں آپ کا یہ استحان ہوگیا۔ جس میں آپ خدا کے فضل سے لاکھ میں سوا لاکھ درجہ کامیاب ہو گئے۔

انجیل کے قول کے مطابق جب مسیح علیہ السلام کو لوگوں نے بہت ستایا تو آپ نے تنگ آکر انہیں گالیاں دینی شروع کر دیں۔ لیکن آقائے کونین۔ فخرِ دوعالم حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارِ قریش طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے ہیں۔ ستم قسم کی تکلیفیں دیتے ہیں۔ (جن کی کچھ تفصیل ابھی عرض کی جا چکی ہے) یہاں تک کہ دندانِ مبارک شہید ہو جاتا ہے۔ فرقِ عظمت میں خود کی کڑیاں چبھ جاتی ہیں۔ روئے انور خون سے تر بتر ہو جاتا ہے (وہ خون جس کا ایک قطرہ دنیا بھر کے لعل و یاقوت سے لاکھوں درجہ افضل ہے) سب کچھ ہوتا ہے۔ لیکن آپ جب لوگوں کے کہنے سے کفار کو بد دعا دینے کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو یہ فرماتے ہیں۔ جس پر لاکھوں دعائیں قربان۔

رَبِّ اِهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ط۔ (پروردگار میری قوم کو ہدایت فرما کیونکہ یقیناً یہ لوگ میرے مراتب کو جانتے نہیں ہیں۔ یہی وجہ۔ یہی راز۔ یہی نکتہ اور یہی چیز ہے۔ کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس گزر جانے کے بعد بھی اسلام اپنی پوری شد و مد کے ساتھ قائم ہے۔ اور انشاء اللہ قیامت تک رہے گا۔ ورنہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام یہی مقصد لیکر دنیا میں تشریف لائے لیکن جب اُن کی قوموں نے انہیں زیادہ ستایا۔ تو اُن مقدس نفوس نے اکتا کر۔ تنگ آکر۔ بد دعا کی۔ اور قریب قریب ساری قوم ہلاک ہوگئی۔ وفات یا شہادت کے بعد جیسا عرض کیا جا چکا ہے۔ بہار ستانِ اسلام۔ خارستانِ کفر سے بدل گیا۔ اور پھر فوراً ہی کسی رہبر۔ رہنما مصلح اور نبی کی ضرورت پیش آگئی۔ مگر قربان اس آقائے نامدار پر اُمت ہزار ہزار بار قربان جس کے پاک اور مقدس قدموں نے

دُنیائے کفر میں آفتاب توحید چمکا دیا۔ مزارِ مقدس میں جلوہ افروز ہونے کے بعد بھی آج تک آفتاب رسالت کی ضیاء باریاں دُنیا میں نُور ہی نور پھیلا رہی ہیں اور انشاء اللہ پھیلاتی ہی رہیں گی۔

ایک شبہ کا جواب

خدانخواستہ میرا یہ منشا نہیں ہے۔ کہ میں معاذ اللہ اس سے اور انبیاء کی تحقیر ثابت کر رہا ہوں۔ توبہ توبہ۔ یہ سارے نبی اللہ تبارک وتعالیٰ کے خاص دوست اور بارگاہِ لم یزلی میں بڑے مقدس ہیں۔ تاہم میں کہیں عرض کر چکا ہوں۔ کہ اعلیٰ درجہ کے موتیوں میں بھی بعض موتی بعض پر فوقیت لے جاتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ ایک ہی موتی ایسا ہوتا ہے۔ جو انتخاب کرنے والے کی نظروں میں سب سے زیادہ پسندیدہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سوالاکھ گہر ہائے رسالت میں سے حق تعالیٰ کی نظرِ انتخاب میں سب سے زیادہ عبداللہ کے دُرِ یتیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممتاز ہو گئے۔ کسی کی فضیلت بیان کرنے سے دوسرے کی تحقیر ہرگز نہیں ہو سکتی۔ مولائے کریم خود ارشاد فرماتا ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط پارہ ۳ رکوع ۱ (یہ رسول ہیں جن میں ہم نے اپنے فضل سے بعض کو بعض پر فضیلت مرحمت فرمائی) میں سمجھتا ہوں۔ اب یہ شبہ بالکل رفع ہو گیا۔ اور اب مزید وضاحت کی ضرورت نہیں رہی۔ جلدِ ثانی میں انشاء اللہ ذرا تفصیل سے اس موضوع پر عرض کر دیا جائیگا۔ اور کچھ تفصیل غالباً اس جلد میں بھی پیش کی جا چکی ہے۔

بہرکیف ایک طرف اللہ کو آپ کی زبردست سیرت دُنیا والوں کے سامنے پیش کرنی تھی۔ کہ دیکھو یہ نبی تن تنہا اُٹھتے ہیں۔ اور ہمارے فضل سے تھوڑے ہی عرصہ میں توحید کے دلکش اور موثر نغمے سے ایک عالم کو مستفید فرما دیتے ہیں۔ دشمن باوجود سخت کوششوں کے آپکا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔

اور دیکھو۔ یہی وہ نبی ہیں۔ جنہوں نے دُنیا میں سب سے زیادہ تکلیف اُٹھا کر ثابت کر دیا ہے کہ یہ ہمارے اعلیٰ ترین محبوب اور افضل ترین حبیب ہیں۔

پھر یہ سبق بھی دینا منظور تھا کہ تم اگر اسلام کے لئے کسی مُصیبت میں ڈالے جاؤ۔ تو خبردار کسی حالت میں بھی اسلام سے مُنہ نہ موڑنا۔ اور اپنے آقا اپنے مولا حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اپنے سامنے رکھنا مگر افسوس آج چند چند پیسوں کی خاطر عوام تو عوام بعض علمائے کرام بھی اپنا مقدّس اسلام کفر کے ہاتھوں بیچ ڈالتے ہیں۔ اور شاید یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم نائب نبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ باتیں۔ اور یہ حرکتیں زنہار ہماری شان کے شایاں نہیں۔ افسوس۔ صد ہزار افسوس۔

دوسری طرف خدا کو یہ دکھانا تھا۔ کہ کفارِ قریش کے دل میں اپنی جدّ وجہد کا کوئی بھی ارمان باقی نہ رہ جائے۔ انتہائے کوشش۔ دولت عظمت طاقت۔ قوت۔ امارت۔ ریاست کے باوجود بھی یہ سرکار کے مقابلہ میں ناکام ہی رہے۔ اور بالکل ناکام۔

تیسرے یہ بات تھی کہ ہر چیز کی قدر ضد سے ہوتی ہے۔ رات نہ ہوتی تو دن کی۔ اور دن نہ ہوتا تو رات کی مصیبت نہ ہوتی تو راحت کی۔ اور راحت نہ ہوتی تو مصیبت کی۔ تنگی نہ ہوتی تو فارغ البالی کی۔ اور فارغ البالی نہ ہوتی تو تنگی کی اب سے ہزار حصے کم بھی قدر نہ ہوتی۔ اگر آفتاب رسالت کے طلوع ہوتے ہی اور چیزوں کے علاوہ انسان بھی فوراً اپنے اپنے دل حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نثار کر دیتے تو یہ کیسے معلوم ہوتا کہ آپ نے اسلام کے لئے کیا کیا کچھ کیا۔ یہ کس طرح پتہ چلتا کہ آپ نے سیّد المرسلین۔ خاتم النبیین رحمۃ للعالمین۔ رؤف رحیم۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا بے مثال اور

اور لاجواب امتحان کس طرح دیا۔

بہرکیف، آپ کی ارفع واعلیٰ شان اور کفّار کی قساوتِ قلبی دونوں کا امتحان ہوگیا۔ اور اسی لئے آپکو بعثت کے بعد تیرہ برس تک مکہ معظمہ میں سخت سے سخت دشواریاں پیش آئیں۔ وہ دشواریاں جنہیں شروع باب میں کانٹوں سے تشبیہ دی گئی تھی۔ اور بتایا گیا تھا کہ بہار کے باغ میں داخل ہونے کے بعد بھی کچھ کچھ اثرات سارے گلزار پر باقی رہا کرتے ہیں۔ ہاں فخرِ بہارِ کونین حضور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کفّار کو دعوتِ اسلام دینی شروع کی تو وہ جو اس سے پہلے آپ کے بہترین دوست تھے۔ وہ جنہیں آپ کی صداقت کا آفتاب کی طرح یقین تھا۔ وہ جنہوں نے آپ کو امین اور صادق کے خطاب دیدیئے تھے۔ اور وہ جو سب سے زیادہ آپ کے فیصلہ سے خوش ہوا کرتے تھے اب بدترین دشمن، سخت ترین رہزن اور بالکل ظالم بن گئے۔ یہ کس طرح۔ اِن واقعات کی تفاصیل کیا ہیں۔ یہ قریش اس قدر جلد کیوں بدل گئے۔ آخر انہیں بُتوں سے ایسی کہاں کی محبت تھی۔ اسلام جیسا آفتاب سے زیادہ روشن مذہب اُنہیں قبول کرنے میں کیوں تامّل ہوا۔ اُنہوں نے کیا کیا اور کس کس طرح آپ پر مصائب وشدائد کے پہاڑ ڈھادیئے۔ اور یہ ایسے دشمن کیوں بن گئے کہ اپنے محسن۔ اپنے ہمدرد۔ اور اپنے محبوب کو قتل کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ اور اس پر بس نہ چلا تو آپ کو جلاوطن کردیا۔ پھر سب سے بڑی حیرت کی بات یہ کہ ایسے کٹّر۔ بے رحم۔ اور ظالم دشمنوں کی ایک بڑی تعداد کس طرح آپ کی غلام بن گئی۔ اور آپ اکیلے نبی کو (جن کا مددگار ابتداء میں خدا کے سوا کوئی بھی نہ تھا) سارے عرب پر کس طرح فتح حاصل ہوگئی۔ ان سوالات کے جواب اور یہ دلچسپ مضامین انشاءاللہ جلدِ ثانی میں قارئین کرام کے ملاحظہ

سے گزریں گے۔ یہاں تو صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کہ شروع میں اسلام کس طرح پھیلا۔ کن کن صورتوں سے لوگ مشرف باسلام ہوئے۔ اور سابقون الاولون کا بے مثال تمغۂ امتیاز کن کن متقدس صحابہ کو حاصل ہوا۔ ملاحظہ فرمایئے۔

اُمّ المؤمنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضؓ

ہم اپنے قارئین کرام کو پھر اصل سلسلہ کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں آپ بھولے ہوں گے کہ عدّاس راہب کی ملاقات کے بعد اُمّ المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضؓ نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر راہب کا قول نقل کیا۔ اور آپ کی رسالت کی مزید تحقیق و تصدیق فرمائی۔ پھر تین سال کے انتظار کے بعد آپ پر وحی خوب زور سے اور پے در پے آنے لگی۔ ہم یہاں تک عرض کر چکے تھے۔ اگرچہ دوبارہ وحی کی ابتداء پیش کی جا چکی ہے لیکن چونکہ وہ سلسلہ سے الگ ایک مضمون کے ساتھ تھی۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب سلسلۂ سیرۃ النبی یہیں سے شروع کر دیا جائے۔

آقائے نامدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ میں فترت وحی کے زمانہ میں ایک روز کہیں چلا جا رہا تھا۔ کہ دفعتاً میری نگاہ آسمان کی جانب اُٹھ گئی۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ آسمان کے بیچوں بیچ وہی فرشتے (جبریلؑ) جو مجھے غارِ نور میں ملے تھے۔ ایک نورانی کرسی پر متمکن ہیں۔ میں انہیں اس طرح دیکھکر ہیبتِ الٰہی کے مارے کپ کپا اُٹھا۔ اور دوڑتا ہوا مکان پہنچا گھر والوں سے کہا زملونی۔ زملونی۔ مجھے کچھ لڑھا دو۔ مجھے کچھ اڑھا دو۔ فوراً مجھے کوئی کپڑا اڑھا دیا گیا۔ اور معاً مجھ پر قرآن پاک کی یہ آیات بینات نازل ہوئیں۔

یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ آپ یہ حکم الٰہی پہنچتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُمّ المومنینؓ کو پاس بُلایا۔ وہ آئیں تو انہوں نے دیکھا کہ آج میرے سرتاج عبداللہ کے دُرِّ یتیم آمنہ کے چاند اُمّت کے آقا۔ اسلام کے آفتاب اور خدا کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت باغ باغ ہیں۔ تین سال تک ہزن وملال کے جو آثار آپ کے چہرے سے نمایاں ہوا کرتے تھے۔ آج اُن کے بجائے خوشی، مسرت، سرور سکون اور تبسم کی لہریں دوڑ رہی ہیں۔ اور جس طرح غارِ حرا سے تشریف لانے کے بعد آپ کے چہرے پر نگاہ نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ آج آپ کا رعب وجلال حُسن وجمال اُس سے بھی بہت زیادہ ہے۔ قریب آئیں اور عرض کرنے لگیں۔

اُمّ المومنینؓ۔ میرے ماں باپ قربان۔ میں آپکو آج بہت مسرور دیکھ رہی ہوں۔

الحمدللہ آج زمانۂ انتظار ختم ہوگیا۔ اور آج پھر مجھ پر میرے معبود نے وحی بھیجی۔ یہ فرماکر حضورِ اقدس نے سورۂ مدثر کی مذکورہ آیتیں سُنائیں جنہیں سُنکر آپ باغ باغ ہوگئیں۔ اور عرض کرنے لگیں۔ فداک اُمّی وابی (میرے ماں باپ قربان۔

حضور کنیز سب سے پہلے مشرف باسلام ہوتی ہے اور آپ پر ایمان لاتی ہے۔

یہ فرماکر آپنے کلمۂ طیبہ زبان پر جاری کیا۔ اور مشرف باسلام ہوگئیں۔

اُمّ المومنینؓ آپ جس درجہ اور جس رُتبہ کی خاتون تھیں۔ اُسے دُنیا اچھی طرح جانتی ہے آپ کا سب سے پہلے اسلام لانا ہی ایسی بڑی چیز ہے جس نے آپکے مراتب میں چار چاند لگا دیئے۔ آپ خوش خلق۔ باسلیقہ۔ ملنسار، متواضع، رحمدل۔ پاک طینت مہماں نواز۔ فیاض۔ بلند حوصلہ اور اعلیٰ فطرت کے شاندار اوصاف سے متصف تھیں۔ آج کوئی کتنا ہی کیوں نہ بڑھ چڑھ جائے۔ مگر گھر والوں میں اُس کی اتنی قدر نہیں ہوتی جتنی دوسرے لوگوں میں ہوتی ہے۔

حکایت ایک بزرگ جب اپنی کرامتوں۔ خدا کی نعمتوں اور عنایتوں کا گھر میں ذکر کرتے تھے تو اُن کی بیوی ہمیشہ ناک بھوں چڑھا۔ منہ بنا کر کہہ دیا کرتی تھیں ہوگا۔ مجھے تو اِن ڈھکوسلوں کا یقین نہیں آتا۔ اتفاق کی بات ایک دن کا ذکر ہے

کہ انہیں بیوی صاحبہ نے دیکھا کوئی شخص آسمان پر اُڑا چلا جا رہا ہے۔ یہ دیکھکر بہت ہی متعجب ہوئیں۔ شام کو میاں گھر آئے تو بیوی نے بڑی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

بیوی۔ تم تو روز شیخیاں بگھارا کرتے ہو۔ میں نے آج اپنی ان آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کوئی بڑے بزرگ آسمان پر اُڑے چلے جا رہے تھے۔ وہ ہوا پر اس طرح چلتے تھے جیسے کوئی زمین پر چلتا ہے۔ سچ کہتی ہوں۔ میرے دل میں اُن کی بہت بڑی عظمت اور وقعت ہوگئی ہے۔ کیا اچھا ہو کہ میں انہیں جا جاؤں۔ اور اُن سے بیعت ہونیکی عزت حاصل کروں

میاں۔ اوہو تمہاری عقیدت کا یہ عالم ہوگیا۔ کیا یہ سچ مچ کہہ رہی ہو۔

بیوی۔ سچ خدا کی قسم سچ۔ اگر وہ ملجائیں تو میں اُن کے پاؤں دھو دھو کر پیوں۔

میاں۔ (مسکرا کر پاؤں بڑھاتے ہوئے) اچھا تو لو دھوؤ اور پیو۔ کیونکہ تم نے جسے ہوا میں اڑتے ہوتے دیکھا ہے۔ وہ میں ہی ہوں۔

بیوی۔ (میاں کا پاؤں جھٹک کر) نوج میں کیوں پیتی۔ اچھا تم تھے جبھی آڑے ٹیڑھے ترچھے اڑ رہے تھے۔

اس حکایت کے پیش کرنے سے مراد یہ ہے۔ کہ چاہے کوئی کیسا ہی بڑا کیوں نہ ہو جائے دُنیا اُس کی کفش برداری کتنا ہی بڑا فخر کیوں نہ سمجھے۔ لیکن مثل مشہور ہے۔ گھر کی مرغی دال برابر۔ گھر والوں کو اُس کی اس سے سو حصہ کم وقعت بھی مشکل سے ہوتی ہے۔ اب ملاحظہ فرمایئے۔ کہ بی بی خدیجہؓ کوئی معمولی اور سطحی قسم کی عورت نہیں تھیں۔ وہ قدرت سے ایک اعلیٰ درجہ کا دل و دماغ۔ روشن طبیعت اور بہترین عقل و تمیز لیکر آئی تھیں۔ اب سب سے پہلے حضورِ اکرمؐ پر اُن کا ایمان لانا۔ ایک ایسی بات ہے جس کی مثال محال۔ بیوی سے زیادہ دُنیا میں میاں کا رازدار کوئی نہیں ہوتا۔ اور بیوی ہی سب سے زیادہ بے تکلف بھی ہوتی ہے۔ اِن سب چیزوں کو پیشِ نظر رکھیئے اور پھر دیکھئے کہ اُم المؤمنینؓ کا حضورؐ پر سب سے پہلے ایمان لانا کتنی بڑی چیز ہے۔ اگر بی بی خدیجہؓ کو حضورؐ کا احترام انتہاء سے زیادہ نہ ہوتا۔ تو اُن جیسی قابل۔ ذہین۔ اور عقلمند خاتون کبھی سب سے پہلے حضورؐ پر ایمان نہ لاتیں۔ ہاں بی بی خدیجہؓ کے ایمان لانے سے آفتاب کی طرح روشن ہوگیا کہ

حضورؐ کی قبل بعثت سیرت بھی ایسی مقدس سیرت ہے۔ کہ ساری دُنیا آپ جیسی سیرت پیش کرنے سے قاصر تھی۔ ہے اور رہیگی۔ بیشک بی بی خدیجہؓ کے ایمان لانے نے یہ اظہر من الشمس کر دیا کہ حضورؐ کے مراتب و مدارج بی بی خدیجہؓ کے دل میں اس قدر گھر کر گئے تھے۔ کہ آپ بیتابی سے حضور پر وحی نازل ہونے کا انتظار کر رہی تھیں۔ کہ کب وہ وقتِ ہمایوں۔ وہ ساعتِ سعید اور وہ روزِ فرخ سیر آئے۔ اور کب یہ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں پہلا نمبر حاصل کریں۔ اگر بی بی خدیجہؓ کو آپ کی طرف سے ذرا بھی شبہ ہوتا۔ تو وہ کبھی بھی آپ پر سب سے پہلے ایمان نہ لاتیں۔ لیکن ہمارے مغربی دوستوں نے یہاں بھی زہر اُگلا اور یہاں بھی اپنی خبیث فطرت اور ناپاک طینت کی وجہ سے لغو مہمل اور بے سروپا باتیں لکھ گئے۔

اوندھی سمجھ والے مغربی مورخوں کے خیالات

وہ کہتے ہیں۔ بھلا بیوی کا حضورؐ پر ایمان لانا۔ آپ کی صداقت کیلئے کس طرح کافی ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ محمدؐ (صلعم) نے دُنیا کو دکھانے کیلئے اپنی بیوی اور گھر والوں کو مجبور کیا۔ کہ وہ اُن پر ایمان لے آئیں۔ اگر بیوی اور گھر والوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصدیقِ رسالت کر دی۔ تو کونسے تعجب کی بات ہے۔ خدیجہؓ علیؓ۔ اور زیدؓ یہ سب محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زیرِ اثر تھے۔ یا اُن کی زبردستی سے یا انہیں خوش کرنے کے لئے یہ لوگ ایمان لے آئے۔ پھر مسلمان خواہ مخواہ اس سے کیوں خوش ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس سے تو اسلام کی کمزوری مترشح ہوتی ہے۔

واہ کیا استدلال ہے۔ ارے تعصب کی ظلمت میں پڑ کر عقل کی روشنی سے معرّا ہو جانیوالو! کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ تمہاری گندی باتوں سے تمہاری ہی قوم کے بعض پاک دل اور سمجھ دار لوگ تمہاری اس خرافات کو بے معنی اور لایعنی سمجھتے ہیں اور سمجھیں گے کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جس گندہ ذہنی سے تم سرکار کی سیرت پر اعتراض کرتے ہو۔ اور جس کمینہ رویہ کو تم نے اپنا شعار بنا لیا ہے۔ وہ ایسا ہے کہ اس کا جواب ہی نہیں ہو سکتا نہیں یہ بالکل غلط اور خیالِ خام ہے۔ تم سے زیادہ سخت الفاظ تمہاری بیہودہ باتوں کے جواب

میں استعمال کئے جا سکتے ہیں لیکن ہم کسی طرح نہیں چاہتے کہ تمہاری طرح ہم بھی اپنا قلم گندہ کریں

فاضل دوستو! تم نے جو انجیل ہمارے سامنے پیش کی ہے۔ اس کے پڑھنے سے جو حال آئینہ ہو جاتا ہے۔ تم اس سے بخبر نہیں ہو۔ کیا مقدس انجیل میں یہ نہیں ہے کہ مسیح کو اپنا دین پھیلانے میں بڑی بڑی مشکلیں پیش آئیں۔ یہاں تک کہ آپ مایوس ہو گئے اور کسی نے آپ کی باتوں پر کان نہ لگایا۔ تو جناب مسیح غضب ناک ہو کر گالیوں پر اتر آئے۔ خدا خدا کر کے چند ماہی گیر آپ پر ایمان لائے لیکن ایک وہ زمانہ بھی آیا۔ کہ انہیں ذلیل افراد نے اس روحانی فرزند کو فریب دیکر صلیب پر چڑھوا دیا وغیرہ

میں پوچھتا ہوں مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ معلوم ہونے کے بعد جو آپ ہی کی پیش کی ہوئی انجیل میں موجود ہے۔ تم کس منہ سے آقائے دو عالم حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت پر اعتراض کرتے ہو۔ گالی کا جواب گالی نہایت آسانی سے دیا جا سکتا ہے۔ لیکن ہمیں تو تم جیسے مدعی تہذیب و اخلاق کی بھی اصلاح منظور ہے۔ اگر آئندہ ہمارے فاضل بہبودہ گوئی سے باز آ گئے اور انہوں نے منصفانہ اور مورخانہ شان پیدا کر لی تو ہم اسے بھی اپنی بہت بڑی کامیابی سمجھیں گے۔ کہ ہماری سطور نے ان کے دلوں پر اتنا اثر تو کیا کہ یہ بدتمیزی اور بدزبانی سے باز آ گئے۔

محبانِ ذی احترام۔ جو چیز حضور اکرم صلعم کی تصدیق رسالت بڑے زور سے کر رہی ہے آپ نے اپنے بھونڈے۔ غلط اور بے سر و پا الفاظ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسی چیز نے حضور کی شانِ رسالت کو بہت ہلکا کر دیا۔ یہ لکھکر اگرچہ آپ نے اپنے خیال میں بڑا تیر مارا ہے۔ مگر گھبرائیے نہیں۔ یہ آپ کا تیر آپ ہی کے کلیجہ کے پار ہوتا ہے۔ آپ اعتراض کرتے وقت ایسے اندھے ہو جاتے ہیں۔ کہ چاروں طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ جس طرح کوئی نشہ باز اپنے نشہ کی دھن میں۔ بڑھا نکے جاتا ہے۔ اور اسے دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہیں رہتی۔ بالکل اسی طرح تعصب کی زہریلی شراب کے نشہ میں مخمور ہو کر آپ بھی دنیا بھر کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اپنی ہی بڑ لگائے جاتے ہیں۔ اچھا ذرا یہ تو بتائیے جب بی بی خدیجہؓ نے حضور سے نکاح کرنا چاہا تھا۔ تو انہیں آپ میں ایسی

کونسی چیز نظر آئی تھی کہ مال و دولت نہ ہونے کے باوجود بھی اُمّ المومنین رضؓ نے سارے عرب میں صرف آپ ہی کو ترجیح دی۔ اے بہت جلد بھول جانے والے مورخو! ایا دیکھیے۔ جب میسرہ غلام نے اُمّ المومنین رضؓ سے آپ کی کرامتوں کا اظہار کیا۔ اور نسطورا راہب کا قول بھی نقل کیا۔ (کہ سوکھا درخت کبھی ہرا بھرا نہیں ہو سکتا۔ جب تک اُسکے نیچے نبی جلوہ افروز نہ ہوں وغیرہ) تو آپ اُسی وقت سمجھ گئی تھیں کہ پیغمبرِ آخر الزماں آپ ہی ہونے والے ہیں۔ یہ سمجھ کر ہی اُمّ المومنین رضؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا تھا پھر جب سرکار سید المرسلین کا خلعت اور خاتم النبیین کا تاج پہنکر غارِ حرا سے درِ دولت پر تشریف لائے اور اُمّ المومنین رضؓ سے تمام و کمال کیفیت بیان فرمائی تو بی بی خدیجہ رضؓ نے اپنی رائے پر آفریں کہی اور حضور کو مبارکباد کی نذر پیش کی۔ پھر مزید تحقیق و تصدیق کیلئے یہ قابل اور روشن دماغ ورقہ کے پاس گئیں اور اُن کے بعد عداس سے ملاقات کی۔ جب یہ اظہر من الشمس ہو گیا کہ واقعی حضور ہی وہ نبی ہیں۔ جن کی بشارتیں انبیاءِ سابقین نے دی تھیں۔ اور آپ پر دوبارہ وحی کے ذریعہ کلامِ الٰہی کی جنداتیں نازل ہوئیں۔ تو اب اُمّ المومنین رضؓ کو سب سے پہلے اسلام قبول کرنے میں کیا تامل ہو سکتا تھا۔ پھر جیسا عرض کیا جا چکا ہے۔ پندرہ سال سے بی بی خدیجہ رضؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سیرت کا برابر مطالعہ کر رہی تھیں اور یہ چیز اُن کے دل میں راسخ ہو گئی تھی۔ کہ واقعی آپ ہی وہ ذات ہیں جو اکیلے تمام دنیا پر نبی بنا کر بھیجے جانیوالے ہیں۔ ایسی صورت میں بی بی خدیجہ رضؓ کا ایمان لانا کسی لالچ۔ دباؤ یا فقط محبت شوہری کے ماتحت کس طرح ہو سکتا ہے۔ ہاں اُمّ المومنین رضؓ نے آپ کی سیرت کا بغور مطالعہ کیا۔ اور اُنہیں آپ کی سیرت میں کوئی بات بھی ایسی نظر نہ آئی جو دنیا بھر سے ارفع و اعلیٰ نہ ہو۔ ہاں اُمّ المومنین رضؓ نے انتظار کی گھڑیاں گن گن کر گزاریں۔ کہ کب وہ وقت آئے۔ اور کب یہ دولتِ اسلام سے مالا مال ہو جائیں۔ ہاں اُمّ المومنین رضؓ کے سب سے پہلے اسلام لانے نے عالم آشکارا کر دیا۔ کہ حضور کی بے مثال سیرت ایسی ہے جس کی مثال مل نہ ملے۔ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ بیوی کے دل میں میاں کی عظمت بہت کم اور بڑی مشکل سے ہوا کرتی ہے۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ بی بی خدیجہ رضؓ نے حضورؐ

صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا کیا دیکھا اُن کن عجائبات کا مشاہدہ کیا۔ اور کیسی کیسی مافوق الفطرت چیزیں اُن کی نظر سے گزریں۔ غارِ حرا کی نورانیت حضورِ اکرم کی عبادت (ایسی عبادت جس میں ایک ایک مہینہ کا اعتکاف بھی شامل ہے) انوارِ الٰہی کی بارش۔ فرشتوں کی آمد و رفت۔ شقِ صدر کا ہوشربا واقعہ۔ ناموسِ اکبر کی مجالست وغیرہ۔ یہ چیزیں ایسی ہیں جو کسی طرح دنیا کے الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ ہاں بی بی خدیجہؓ نے ایسے ایسے عجائبات کا مشاہدہ کیا۔ جو یقیناً احاطۂ تحریر و تقریر سے بلند تر ہیں۔ ایسی صورت میں اُم المومنینؓ کا سب سے پہلے اسلام لانا ایک طرف تو اُن کے اپنے لئے عینِ مُراد اور گنجِ گراں مایہ تھا۔ اور دوسری طرف حضور کی صداقت کا بیّن ثبوت تیسری طرف یہ بات آفتاب کی طرح روشن ہو رہی تھی۔ کہ جن حضرت مسیحؑ پر قریب کے کُنبہ رشتہ والے بھی ایمان نہ لائے اُن سے اور سارے نبیوں سے آپ کی شان کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مغربی مورخ مر کے جی اُٹھیں تو بھی وہ اِن باتوں کا جواب نہیں دے سکتے۔ اور جو تیر اُن کے پہلوؤں اور سینوں میں پیوست ہو گئے ہیں اُنہیں باوجود بڑی کوشش کے بھی نہیں نکال سکتے۔

شیرِ خدا علیؓ مرتضیٰ جس وقت اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ دولتِ اسلام سے مشرف ہوئیں۔ اُسی وقت حضرت علیؓ (جو چھ سال کی عمر سے آپ کی آغوشِ تربیت میں پلے تھے) خدمت والا میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کرنے لگے۔

شیرِ خداؓ کیا میں بھی آپ کی گفتگو میں حصہ لے سکتا ہوں۔ کیا مجھے بھی بتایا جا سکتا ہے کہ آپ کیا گفتگو کر رہے ہیں۔

ہاں تمہارے سُننے کی بات ہے۔ مجھے اللہ تبارک و تعالیٰ نے سارے جہان پر نبی بنا کر بھیجا ہے۔ میرے پاس ناموسِ اکبر (جبریلؑ) کلامِ الٰہی کی چند آیتیں لیکر آئے ہیں۔ جو پہلے غارِ حرا میں آئے اور کلامِ ربانی لائے تھے۔ لو تم بھی سُنو۔

یہ فرما کر آپ نے سورۂ مدثر کی مذکورہ آیتیں حضرت علیؓ کے سامنے تلاوت کیں۔ شیرِ خداؓ یہ آیاتِ بیّنات سنتے ہی مشرف باسلام ہو گئے۔ کیوں نہ ہو جاتے آپ ہی تو وہ ذاتِ گرامی ہیں۔ جو علمِ معرفت کا گنجینہ اور اسرارِ الٰہی کا مخزن ہیں۔

بھلا حضور کی آغوشِ محبت میں پلنے والے علی مرتضیٰ علیہ السلام کی لازوال دولت کو جلد سے جلد کیوں نہ حاصل کر لیتے۔ ہاں سرکار ہی کی تربیت اور مجالست کا اثر تھا کہ شیرِ خدا حضور سے اسلام کا مختصر وعظ سنتے ہی مسلمان تھے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ ایک بچہ کا اسلام لے آنا کونسی بڑی بات ہے لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ بچے بچے میں بھی فرق ہوتا ہے۔ مشاہدات بتاتے ہیں کہ بعض چھوٹے چھوٹے بچوں نے اس قدر حیرت انگیز ترقیاں کی ہیں۔ کہ دیکھنے اور سننے والے دنگ اور ششدر رہ گئے۔ ان مشاہدات سے ہمارے فاضل بھی کسی طرح انکار نہیں کر سکتے۔ پھر اسلام تثلیث کی طرح پیچیدہ اور الجھا ہوا مذہب نہیں ہے جس کے سمجھنے میں بڑے بڑے بوجھ بجھکڑوں کو بھی مشکل کا سامنا ہو۔ اسلام ایک ایسا آفتاب کی طرح روشن مذہب ہے۔ جس کے سمجھنے میں بچہ ہو یا جوان۔ ادھیڑ ہو یا بوڑھا۔ کچھ بھی دقت نہیں۔ یہاں تثلیث کا سا حساب نہیں ہے۔ کہ ایک تین ہیں تین ایک ہے۔ وغیرہ۔ یہاں تو یہ بتایا جاتا ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ سارے پیغمبر برحق ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اب بتائیے اگر ایسا مذہب کسی بچے کے سامنے پیش کیا جائے۔ تو وہ کیونکر اس کا شیدا نہ ہو جائے۔ ہاں سرکارِ دو عالم حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیرِ خدا کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اور وہ سنتے ہی مسلمان تھے۔ بھلا اس سے زیادہ اسلام کی حقانیت کا ثبوت کیا ہوگا۔ کہ ایک بچے کے سامنے اسلام پیش کیا جاتا ہے۔ تو وہ بھی مسلمان ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اچھا اگر بچہ کا اسلام لانا قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ تو آج یورپ کے نامور لوگوں کا اسلام قبول کرنا تو عیسائی فاضلوں کی نظروں میں بھی معتبر ہوگا۔ جب اسلام ایسے کٹر دشمنوں کو دم کے دم میں اپنا بنا لیتا ہے۔ اور جب حضور کا ایک ادنیٰ خادم اپنی مدلل تقریر کر کے خدا کے فضل سے یورپ کے چیدہ چیدہ اشخاص کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا لیتا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر علی مرتضیٰ رضؓ کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اور وہ مسلمان ہو گئے تو کیوں تعجب کیا جاتا ہے۔

حضرت علیؓ کے جو مراتب و مدارج ہیں۔ انہیں تمام دنیا اچھی طرح جانتی ہے

آپ اسرارِ الٰہی کے مخزن۔ رموزِ باطنی کے معدن۔ شریعتِ محمدیؐ کے زبردست عالم۔ اور قرآنِ کریم کے حافظ تھے۔ آپ کے اور بیشمار فضائل ہیں۔ جو سورج کی طرح روشن ہیں جن کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ حضورِ اکرمؐ شیرِ خداؓ کو اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت بی بی فاطمہؓ آپ کے نکاح میں آئیں۔ جس سے آپ کے مراتب کو اور بھی چار چاند لگ گئے۔ آپ سخی۔ فیاض۔ جری۔ بہادر۔ خلیق۔ متواضع۔ مصیبتوں پر صبر کرنے والے۔ اور نعمتوں پر شکر کرنے والے تھے۔ آپ نے تین دن تک روزہ پر روزہ رکھا ہے اور اپنا کھانا سائل کے حوالے کر دیا ہے۔ آپ کے کارناموں سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔ اور تمام مسلمانوں کے دلوں میں آپ کی عظمت و محبت جاگزیں ہے۔ خوارج کے چھوٹے سے طبقہ کے علاوہ جو میرے نزدیک خارج از اسلام ہے۔ تمام مسلمان آپ کا بہت بڑا احترام کرتے ہیں۔ یہ خوارج وہی قوم ہے جس کے ایک ملعون فرد ابن ملجم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شہید کیا تھا۔ وہ علیؓ۔ جنہیں چھ چھ پہر ڈول کھینچے۔ وہ علیؓ جنہیں اکثر پورا پیٹ بھر کے کھانا اور تن ڈھک کے کپڑا نصیب نہیں ہوا۔ وہ علیؓ جس نے ساری عمر راہِ خدا میں جہاد کیا۔ وہ علیؓ جس نے درِ خیبر اُلٹ دیا۔ وہ علیؓ جس نے اپنا کھانا دوسروں کو کھلا دیا۔ اور خود کئی کئی فاقے کیے۔ وہ علیؓ جس نے چار چار کھجوروں پر چوبیس چوبیس گھنٹے گزار دیئے۔ اور وہ علیؓ جسے اشقیاءِ اُمت نے سخت سے سخت تکلیفیں پہنچائیں۔ خوارج کے نزدیک اسلام کا دشمن اور ابنِ ملجم اسلام کا دوست۔ معاذ اللہ۔

زید بن حارث

حضرت علیؓ کے اسلام لاتے ہی زید (حضورؐ کے آزاد کردہ غلام جن کے متعلق اس سے پہلے باب میں وضاحت سے عرض کیا جا چکا ہے) حضورؐ کی خدمت میں تشریف لائے اور اُن کے استفسار پر سرکار نے اُن کے سامنے بھی اسلام پیش کیا۔ اور وہ اسلام کی عزت سے مشرف ہو گئے۔ یہ وہی زید ہیں جنہوں نے حضورؐ کو چھوڑ کر اپنے باپ کے ساتھ جانا گوارہ نہ کیا تھا۔ وہ ہیں جنہیں مسیحی فاضل انجیل کا بہت بڑا عالم بتاتے ہیں۔ وہ ہیں جنہوں نے فاضل مغربیوں کے بقول حضورؐ کو مسیحیت کی تعلیم دی تھی۔ اور وہ ہیں جنہیں حضورؐ محبت و شفقت کی وجہ سے

بٹیا فرمایا کرتے تھے۔ آج اِن جیسا سمجھ دار بھی بوستانِ اسلام میں شامل ہوگیا۔

عیسائی مورخوں سے ایک سوال

اب یا تو ہمارے فاضل عیسائی مورخ یہ تسلیم کریں کہ زید کو انجیل کا علم نہ تھا۔ یا یہ کہیں کہ علم تھا لیکن اِس کے باوجود بھی زید خلعتِ اسلام سے ممتاز ہوگئے۔ یعنی اتنے بڑے عالم ہونے کے بعد بھی وہ حضور کو اِس نئے اور سچے دین کی اشاعت سے باز نہ رکھ سکے۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ لاریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید المرسلین ہیں۔ اگر وہ انجیل کے عالم تھے۔ تو اُن کا علم حضورؐ کی گفتگو کے سامنے اکارت ہوگیا۔ لہٰذا اُن کا اسلام لانا عیسائی مورخوں کے خیال میں ایک بہت بڑی بات ہونی چاہیئے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ زید نے اناجیلِ مقدس میں خاتم النبیین کے متعلق پیشین گوئیاں پڑھی ہوں۔ اور وہ سب کی سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں مشاہدہ کی ہوں۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ اوّل اسلام لانے والوں میں دُنیا بھر میں سب سے زیادہ ممتاز ہوگئے ہوں۔ جواب کیلئے زحمت نہ فرمائیے۔ کیونکہ اِس کا جواب آپ قیامت تک نہ دے سکیں گے۔

ہاں زید کے اسلام لانے نے حضورؐ کی رسالت کی مزید تصدیق کردی کہ یقیناً حضورِ اکرمؐ جو کچھ فرماتے ہیں۔ سچ ہے۔ اس لئے کہ سمجھ دار اور لکھا پڑھا انسان خواہ مخواہ حضورؐ پر ایمان کس طرح لاسکتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضورؐ فرماتے ہیں مجھے راستہ میں ابوبکر صدیق رضؓ ملے۔ میں نے اُن کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اور وہ سُنتے ہی مسلمان تھے۔ بلا حجت و تکرار۔ بدوں بحث و مباحثہ ابوبکر صدیق رضؓ کلمۂ شہادت پڑھ کر مشرف باسلام ہوگئے۔ حقیقت میں آپ کا اسلام لانا ایک بہت بڑی بات ہے۔ آپ کے اسلام لانے نے تمام معترضین کے اعتراضات پر بجلی گرادی۔ اور دُنیا کو معلوم ہوگیا۔ کہ واقعی اسلام برحق ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں۔ جبھی تو آپ کے اسلام لانے کو علمائے کرام بڑی وقعت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ آپ کو نہ کوئی لالچ مغلوب کرسکتا تھا۔ نہ دباؤ۔ کیونکہ

آپ عرب میں ایک بہت بڑے تاجر تھے۔ اور خون کے فیصلے بھی آپ ہی فرمایا کرتے تھے۔ کہاں ہیں مغربی مورخ نامیں۔ اور ثانی اثنین ابوبکر صدیق رضہ کے اسلام لانے پر بھی اعتراض کریں۔ آپ کے بے تامل اسلام لے آنے کی اداحق تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ ثانی اثنین اور صدیق کے گراں بہا خطاب آپ کو مرحمت ہو گئے۔ اور جملہ انبیاء کرام کے بعد آپ ہی ساری دنیا سے افضل ہو گئے۔ آپ کی شان میں افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق کے بے مثال الفاظ موجود ہیں (آپ کے مدارج کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی)

محققین کا فرمان

عورتوں میں اُم المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضہ بچوں میں شیر خدا علیٔ مرتضیٰ رضہ۔ غلاموں میں زید بن حارث اور مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضہ سب سے پہلے ایمان لائے۔ واقعی آپ کے اسلام لانے نے قریش کو ایک دم چونکا دیا۔ وہ ہکا بکا رہ گئے۔ اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ ارے یہ ابوبکر کو کیا ہو گیا۔ کہ وہ بھی محمد (صلعم) پر ایمان لے آیا۔ کفار میں آپ کے اسلام لانے سے ایک تہلکہ پڑ گیا۔ اور سمجھ دار لوگ شریعت اسلامی پر غور کرنے لگے جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ روشن دماغ خوش نصیب۔ نیک طینت اور بلند فطرت اصحاب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے (تفصیل ابھی آتی ہے)

بہرکیف ابوبکر صدیق رضہ کا اسلام قبول کر لینا ایسی بڑی چیز تھی جس نے بہت سے خوش نصیبوں کو شمع جمال محمدی کا پروانہ بنا دیا۔ جس دن ابوبکر صدیق رضہ مشرف باسلام ہوئے۔ اسی دن مسلمانوں کی تعداد میں اور لوگوں کا بھی اضافہ ہو گیا (تفسیر ابھی ملاحظہ سے گزرے گی)

سابقون الاولون کے کچھ محاسن

حضرت ابوبکر صدیق ایک دولت مند فیاض۔ سخی۔ شجاع۔ منصف۔ صاحب الرائے خوش سیرت۔ پاک طینت اعلیٰ فطرت اور زمانہ کا سرد و گرم دیکھے ہوئے بزرگ تھے

ابن سعد کہتے ہیں کہ جب حضرت صدیق اکبرؓ دولت اسلام سے مالا مال ہوئے تو آپ کے پاس چالیس ہزار درم تھے۔ بعض اور نامور مورخین نے بھی ابن سعد کے اس قول کی تصدیق کی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زنہار آپ کا اسلام قبول کرنا کسی لالچ کے ماتحت نہ تھا۔ ہاں آپ کا اسلام لانا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت سورج کی شعاعوں کی طرح کر رہا تھا۔ آپ کے مذکورہ اوصاف حمیدہ ایسے نہ تھے جن کی وجہ سے مکہ بھر میں آپ کا وقار ایک نمایاں حیثیت حاصل نہ کر لیتا۔ اور معزز ترین شہر آپ کے زیر اثر نہ ہو جاتے۔ مورخین بیان کرتے ہیں۔ کہ بڑے بڑے دانشمند اور دولت والے، ہوشیار اور جاہ و ثروت والے اپنے مشکل اور پیچیدہ معاملات میں ابوبکر صدیق رضی ہی سے مشورہ لیتے تھے۔ اور آپ اُن مشکل گتھیوں کو اس آسانی سے سلجھا دیتے تھے۔ کہ لوگ حیرت زدہ رہ جاتے تھے۔ ارباب روایت کہتے ہیں کہ کبار صحابہ میں سے حضرت عثمانؓ۔ حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص (فاتح فارس) حضرت طلحہؓ (جن کا قصہ گذشتہ باب میں قارئین کی نظر سے گزر چکا ہے) یہ سب کے سب مقدس حضرات صدیق اکبرؓ ہی کی کوششوں اور ہدایتوں سے اسلام لائے۔ پھر اُن کے سبب سے اسلام کا چرچا چپکے چپکے پھیلنے لگا۔ اور مسلمانوں کی جماعت میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا۔ ان سابقین الاولین میں مذکورہ حضرات کے علاوہ یہ ہستیاں بھی ممتاز حیثیت رکھتی ہیں عمار جناب ابن الارتؓ۔ ارقمؓ۔ سعید بن زیدؓ۔ عبداللہ بن مسعودؓ۔ عثمان بن مظعونؓ۔ ابو عبیدہؓ۔ صہیبؓ رومی۔ ابو سلمہ مخزومیؓ۔ عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلبؓ۔ سعید بن نفیلؓ۔ بلالؓ۔ عامر بن فہیرہؓ۔ خالد بن سعید العاصؓ۔ عیاش بن ربیعہؓ۔ عبداللہ بن محش الاسدیؓ اور ان کے بعد رفتہ رفتہ اور بہت لوگ بھی خیابان اسلام میں شامل ہو گئے۔ اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاندار خطاب سے حاصل کر گئے۔ سابقین الاولین کے اسمائے گرامی کی اس مختصر فہرست سے یہی نتیجہ مرتب ہوتا ہے اور ہوا بھی یہی کہ آغاز اسلام میں دعوت اسلام بالکل چپ چپاتے دی جاتی تھی۔ احتیاط کی جاتی

تھی۔ کہ خاص رازداروں کے علاوہ اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ یہ اس لئے کہ ابھی ابتدائے اسلام ہے۔ گنتی کے مسلمان ہیں۔ نیا نیا اسلام قبول کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کفار کی سختی اور درشتی سے کچھ لوگوں کے پاؤں ڈگمگا جائیں۔ اور کفار کو سوچنے سمجھنے کا موقعہ بھی ملجائے۔ انہیں ضد نہ دلائی جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ یہ ضد میں آکر اسلام کو سچا اور حضور کو برحق نبی سمجھنے کے باوجود بھی اسلام قبول نہ کریں۔ یہ مصلحتیں تھیں کہ ابتداء میں اشاعتِ اسلام بڑی خاموشی سے ہوئی۔

کفار کا جلسۂ مشاورت

ابھی عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ صدیق اکبرؓ کے اسلام لانے سے کفار قریش میں ایک ہنگامہ مچ گیا۔ قریش خصوصاً اہل الرائے لوگ خانہ کعبہ میں جمع ہوئے۔ ناسمجھ ابوبکر صدیقؓ کے اسلام لانے پر چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ لیکن اہل الرائے لوگوں نے اُن کی مخالفت کی۔ اور کہا۔ ابوبکرؓ کوئی ایسے ویسے آدمی نہیں ہیں۔ جو بلا وجہ جدید دین قبول کرلیں۔ وہ بڑے ماہر منصف اور عقلمند ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم بھی اسلام کی جانچ پرکھ شروع کردیں۔ اور دیکھیں ابوبکر کو اسلام میں ایسی کونسی چیز نظر آئی۔ کہ انہوں نے لات وہبل کو چھوڑ دیا۔

اس رائے کی چند نیک دل حضرات نے تو موافقت کی۔ کثیر جماعت نے بڑے زور شور سے مخالفت کرکے کہا۔ نہیں ہم ہرگز ایسے مشورے کو قبول نہیں کریں گے بھلا محمدؐ (صلعم) جو ہمارے آگے کے بچے ہیں اُن کے کہنے سے ہم اپنے خداؤں (لات وہبل) وغیرہ کو کس طرح چھوڑ دیں۔

آپس کی چیخ پکار سے جلسہ درہم برہم ہوگیا۔ اور سب اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ لیکن جن لوگوں میں حق کی تحقیق و تلاش کا مادہ موجود تھا۔ وہ اپنے اسی مذکورہ خیال پر قائم رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دولت اسلام سے مالا مال کردیا۔

کفارِ قریش اور رسولِ اکرمؐ

ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ سرداران قریش حرم محترم میں جمع ہوئے۔ اور آپس میں کہنے لگے۔ یہ محمدؐ (صلعم) بن عبداللہ جو ہمارے دین کو برا کہتے اور ایک نئے دین کی بنیاد ڈال رہے ہیں۔

انہیں بلا کر جاہ و عزت کا لالچ دیا جائے۔ شاید یہ اپنے خیال سے باز آجائیں۔ اور اس نئے فتنہ کا سدباب ہو جائے۔ متفقہ طور پر یہ تجویز منظور ہوئی۔ اور آقائے نامدار خانہ کعبہ میں بلائے گئے۔ جب آپ رونق افروز ہو چکے۔ تو ابولہب وغیرہ نے آپ سے کہا۔ اگر آپ نے یہ نیا دین مال و دولت کے حصول کی غرض سے اختیار کیا ہے۔ تو ہم سے کہئے ہم سب ملکر آپ کو اتنا مال دیں گے کہ آپ ہم سب سے زیادہ غنی ہو جائیں گے۔ اگر آپ سرداری کے خواہشمند ہیں۔ تو فرمائیے۔ تاکہ ہم سب ملکر آپ کو اپنا سردار مان لیں۔ بادشاہی کی خواہش ہے۔ تو بتائیے۔ تاکہ ہم آپ کو سارے عرب کا خود مختار بادشاہ بنا دیں۔

نہ مجھے مال و دولت کی خواہش ہے۔ نہ جاہ و سلطنت کی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے خدا نے اپنے فضل سے سارے جہان پر نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اس خدا نے جو وحدہٗ لاشریک ہے جس نے ایک لفظ کُن میں سب کچھ پیدا فرما دیا۔ جو بڑا رحیم۔ کریم۔ اور بندوں کے حال پر بہت ہی مہربان ہے۔ اگر تم لوگوں نے اس اکیلے اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت کا اقرار کر لیا۔ تو یقیناً جنت تمہارے قدموں کے نیچے ہے۔ ذرا یہ تو غور کرو۔ جو چالیس برس کی عمر تک تم ہی میں رہا ہو۔ اور تمہیں لوگوں نے اسے امین و صادق کے خطاب دیدیئے ہوں جس نے کبھی کسی بندے پر جھوٹ نہیں باندھا ہو وہ خدائے عزوجل پر کس طرح جھوٹ باندھ سکتا ہے۔

یہ مختصر تقریر۔ جو حقانیت اور دلائل سے لبریز تھی سُنکر کفار غضبناک ہو گئے تیوروں پر بل پڑ گئے۔ اور حضور کی شان میں اُن کی ناپاک زبانوں سے بے ادبی کے الفاظ نکلے۔ اور اسی جوشِ غضب کے عالم میں سب لوگ اُٹھ اُٹھ کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ حضور بھی دولتکدۂ عالی پر تشریف لے آئے۔

ابوطالب کو حضورؐ کے قتل کی دھمکی

چند سردارانِ قریش ابوطالب کے پاس پہنچے۔ اور اُن سے کہا۔

آپ اپنے بھتیجے محمد (صلعم) بن عبداللہ کو سمجھا لیجئے۔ اگر وہ اپنے خیالات سے باز نہ آئے۔ اور ہمارے خداؤں کو بُرا کہتے رہے۔ تو ہم لات و ہبل کی قسم انہیں

قتل کر ڈالیں گے۔ اور آپ دیکھتے کے دیکھتے رہ جائیں گے۔

ابو طالب میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم محمدؐ (صلعم) کو اُن کے حال پر چھوڑ دو۔ اس لئے کہ تم اُن کی مخالفت کر کے اُن کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔

اس قسم کی باتیں کر کے ابو طالب نے اُن لوگوں کو ٹال دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کل کیفیت بیان کی۔ اور کہا۔

اے میرے بھتیجے! مجھے تمہاری جان کی طرف سے سخت اندیشہ ہو گیا ہے۔ اس لئے اگر تم اپنے ارادوں سے باز آ سکتے ہو تو باز آ جاؤ۔

اگر خدا کا فضل شاملِ حال ہے۔ تو دُنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت مجھے اظہارِ حق سے نہیں روک سکتی۔ چچا جان! مجھے خدا کے حکم کے سامنے کسی بندے کی پروا نہیں۔

ابو طالب۔ مرحبا اے فرزند میں تمہاری جان بچانے میں اپنی جان تک سے دریغ نہ کروں گا۔ اس کے بعد ابو طالب اپنے مکان چلے گئے۔ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی شد و مد کے ساتھ اپنا کام انجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ خدا نے باطل کے مقابلہ میں حق کو کامیاب کیا۔ اور چار دانگِ عالم میں اسلام کا ڈنکا بج گیا۔

گذارش مگر یہ دونوں واقعات اُس وقت کے ہیں۔ جب حضور پر کلام الٰہی کی یہ آیت نازل ہوئی۔ وَصَدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ط ورنہ اس سے پہلے جیسا عرض کیا جا چکا ہے۔ اشاعتِ اسلام بالکل چھپ چھپاتے ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ آپ نماز بھی پوری آزادی کے ساتھ نہ پڑھ سکتے تھے

حکمت اس میں حکمت یہ تھی کہ کفار کو اشتعال نہ پیدا ہو جائے۔ اور وہ ٹھنڈے دل سے اس معاملہ پر غور کر کے مفید نتیجہ پر پہنچ جائیں۔

نماز چونکہ ابھی اسلام کی بالکل ابتدا تھی۔ اور مشرکین کا خوف۔ اس لئے جب نماز کا وقت آتا۔ تو حضورِ اکرم صلعم کسی پہاڑ کی گھاٹی میں تشریف لے جاتے۔ اور نماز ادا فرما کر چلے آتے تھے۔ لیکن تاریخ الکامل میں ہے کہ چاشت کی

نماز آپ ہمیشہ حرم ہی میں پڑھتے تھے۔ اس لئے کہ اس وقت کی نماز کفارِ قریش کے ہاں بھی مستحسن تھی۔ اگرچہ قریش جس طرح نماز پڑھتے تھے حضورِ اکرم صلعم کا طریقۂ نماز اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ ابوطالب نے آپ کو نماز پڑھتے دیکھ تعجب کیا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن جو ابوطالب گھر میں آئے تو بیوی سے فرمایا۔ علیؓ کہاں چلے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں محمدؐ (صلعم) کی صحبت علیؓ کو خراب نہ کردے۔ وہ اکثر ان کے پاس رہتے ہیں۔ ذرا جاکر تو دیکھو یہ دونوں اس وقت کہاں ہیں۔ ابوطالب گھر سے نکلے۔ بیٹے اور بھتیجے کو ڈھونڈتے ہوئے پہاڑ کی ایک گھاٹی میں جا پہنچے۔ وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور علیؓ مرتضیٰ کھڑے پہرہ دے رہے ہیں۔ تاکہ کوئی غیر یہاں نہ آسکے۔ مگر جب اتفاق سے ابوطالب وہاں پہنچ گئے۔ تو حضرت علیؓ ڈر کے مارے کانپنے لگے۔ تاہم قدمِ ہمت اس مقام سے نہ ہٹایا۔ جہاں انہیں سرکار محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑا کر دیا تھا۔ ابوطالب خاموشی سے حضور کی نماز دیکھتے رہے۔ جب آپ نماز پڑھ چکے۔ تو ابوطالب نے کہا۔

یہ کون سا دین ہے۔

یہ وہ دین ہے۔ جو ہمارے دادا جان حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کا دین تھا خدا نے وہی دین مجھ کو مرحمت فرمایا ہے۔

ابوطالب۔ اے جانِ عمّ! مجھے تمہارا طریقۂ عبادت دل سے بھا گیا میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں۔ اگر مجھے قریش کے طعنوں کا ڈر اور عبدالمطلب کے دین چھوڑنے کا خیال نہ ہوتا۔ تو میں بھی تمہارے دین میں شامل ہو جاتا۔ ہاں تم بڑے شوق سے بے خوف و خطر اس دین کو اختیار کئے رہو۔ پھر شیرِ خدا سے کہا تم ہرگز نہ ڈرو۔ اور محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع میں مصروف رہو۔

اس واقعہ سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ کفارِ قریش سے آپ کی نماز بالکل جدا اور بہت ارفع و اعلیٰ تھی جبھی تو ابوطالب نے آپ کو نئے قسم کی نماز

پڑھتے دیکھکر تعجب کیا تھا۔ اگر یہ نماز کفار کی نماز سے کچھ بھی ملتی جلتی ہوتی تو ابوطالب اس قدر تعجب کیوں کرتے۔ ہم مکرر عرض کر چکے ہیں۔ کہ ابتدا میں اشاعت اسلام بڑی خاموشی کے ساتھ ہوتی تھی۔ اور تین سال تک اسی طرح ہوتی رہی۔ جب وَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (سورہ حجر رکوع ۶) اور وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (سورہ شعراء) کی مبارک آیات نازل ہوئیں۔ تو آپ نے اشاعت اسلام کھلم کھلا شروع کر دی جس کی دلکش تفصیل جلد ثانی میں آئے گی۔

نماز کے متعلق کچھ معلومات

نبوت سے معراج تک آپ پر صرف دو ہی رکعتیں اتری تھیں۔ ان کی فرضیت میں تو اختلاف ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری پابندی اور کامل دلچسپی کے ساتھ صبح اور عصر کے وقت دو دو فرض ادا فرمائے ہیں۔ یہاں تک کہ آسمان قرب الٰہی نصیب ہو گیا جس کی تمنا بہت سے انبیاء کے دلوں میں تھی۔ وہ قرب الٰہی جس نے موسیٰ علیہ السلام اور آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب میں عظیم ترین فرق کر دیا اور بتا دیا کہ خدا کے بعد آپ کی شان عالی سب سے برتر ہے۔ (معراج کی دلچسپ اور بہت دلچسپ تفصیل انشاء اللہ جلد ثانی میں قارئین کرام کے ملاحظہ سے گزرے گی) ہاں جب حضور کو وہ قرب الٰہی نصیب ہو گیا۔ جو کسی کو بھی میسر نہ ہوا تھا جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ شانہٗ نے آپ پر اور آپ کی امت پر پہلے پچاس وقت کی نماز فرض کی۔ لیکن گھٹاتے گھٹاتے صرف پانچ ہی وقت کی نماز پڑھنے کا ارشاد ہوا

خوشخبری

ساتھ ہی حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اے ہمارے مقدس حبیب ہم اپنے خزانے سے جو کچھ کسی کو دیدیا کرتے ہیں۔ وہ واپس نہیں لیتے۔ ہم نے پچاس وقت کی نماز فرض کی تھی۔ جو تمہاری سفارش اور ہمارے کرم سے اب پانچ ہی وقت کی رہ گئی۔ لیکن ہمیں اپنی عزت کی قسم جس نے پانچ نمازیں پڑھ لیں اس کے نامۂ اعمال میں پوری پچاس نمازوں کا ثواب لکھا گیا

قربان اس آقائے نامدار فخر دو جہاں۔ رسالت کے تاجدار ناباں۔ سید دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم پر لاکھ لاکھ بار قربان جس کی بدولت اُمت پر اس قدر افضال الٰہی کے موتیوں کی بارش ہے۔ آ آ اے گمراہ ہستی آ۔ اور سچے دل سے سربسجود ہو کر سبحان ربی العالی کی تسبیح میں تحلیل ہو جا۔ اور اپنے سرکار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم پر خلوص کی زبان اور محبت کے لبوں سے درود بھیج۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

اطلاع آئندہ کے واقعات (جو جلد ثانی میں پیش کئے جائیں گے) کچھ ایسے واقعات ہیں جن کی دلچسپیاں۔ رنگینیاں۔ اس جلد سے کہیں بلند ہیں۔ کیونکہ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (آپ کی ہر پچھلی گھڑی کا مرتبہ پہلی گھڑی سے بہت زیادہ بلند ہے۔) آپ خود ہی خیال فرمالیجئے۔ جب سرکار کے ابتدائی حالات اس قدر دلچسپیاں اسباق اور ایمان کا سرچشمہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ تو آنے والے واقعات (جن میں ایک مقدس ہستی نے تن تنہا سارے عرب سے مقابلہ کرکے اسے مغلوب کرلیا۔ سوا لاکھ آدمی حضورؐ کے غلام بن گئے۔ آپ کی قلیل اور کمزور جماعت کثیر اور طاقت دار لشکر پر غالب آگئی۔ پھر آپ کے معجزات ہجرت غزوات۔ قیدیوں کے ساتھ مہربانیاں دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک۔ ایثار و اخلاق کی بےنظیر مثالیں۔ مدینہ طیبہ کی مبارک حیات۔ مخالفین نے جس کا سبب تلوار بتایا ہے۔ وہ اسلام کس طرح پھیلا۔ عیسائی مورخوں کے اعتراضات پر دندان شکن جواب۔ فتح مکہ۔ حضورؐ کی ریاضت۔ عبادت سخاوت۔ شجاعت۔ انوثت۔ مروت۔ دنیا والوں کے ساتھ معاملات۔ خدا کیساتھ معاملات مخالفوں کے ساتھ برتاؤ۔ بچوں پر شفقت۔ مظلوموں پر کرم۔ ازواج مطہرات سے حسن سلوک۔ تبلیغ اسلام اور وفات وغیرہ) ہاں وہ دلچسپیاں کیا کچھ ہوں گی۔ پھر نکات۔ اسرار۔ رموز۔ تنبیہ مغربی مورخوں سے زور زور کے مصافحے۔ یہ چیزیں بھی جس قدر دلچسپ اور سبق آموز ہوں گی انشاء اللہ قارئین خود ملاحظہ فرمائیں گے۔

سلسلۂ معلومات بہرکیف جب تک حضورؐ ضعت معراج سے مشرف نہیں ہو گئے۔ اس وقت تک آپ نے صبح اور عصر کے وقت مگر

پوری پابندی اور ذوق و شوق سے دو رکعتیں ادا فرمائیں۔ ابتدا میں جب آپ بافضالِ الٰہی خاتم النبیین۔ رحمۃ للعالمین کا سہرا باندھ چکے جب غارِ حرا سے آفتابِ ہدایت چمکا۔ اور اپنی ضیاء باریوں سے دُنیا کو منور کرنے لگا۔ ہاں جب آپ نبی بنا کر اُمت کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے۔ تو آپ نے اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کو اسی طرح وضو کرایا جس طرح جبریلؑ کی معیت میں آپ نے وضو کیا تھا۔ اور پھر جس طرح آپ نے دو رکعتیں پڑھی تھیں۔ بی بی خدیجہؓ کو بھی پڑھائیں۔ چنانچہ نبوت کے وقت سے معراج تک جو جو حضرات مشرف باسلام ہوتے گئے۔ وہ فجر و عصر کے وقت یہی دو دو رکعتیں پڑھتے رہے۔

اوّل اسلام لانیوالوں کے کچھ فضائل

خاتونِ اعظم اُم المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس وقت سے اسلام لائیں۔ ایک تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت و محبت اُن کے دل میں پہلے سے بہت زیادہ لبریز ہو گئی۔ دوسرے اُم المومنینؓ آقائے نامدار کی جو جو خدمات بجا لائی ہیں۔ اور جیسی جیسی صعوبتیں سختیاں اور دشواریاں حضورؐ کے لئے برداشت کی ہیں۔ اُن سے تاریخ کے صفحات جگمگا رہے ہیں۔ چنانچہ ابن ہشام اپنی کتاب کے ترسٹھویں صفحے میں لکھتے ہیں۔

بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضؓ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان سے ایمان لے آئیں آپ کی رسالت کی سچے دل اور پوری صداقت سے تصدیق کی۔ یہ ایسی چیز تھی جس سے آقائے نامدار کو کافی سبکدوشی ہو گئی کیونکہ دشمنوں کی مخالفت منکرین کا انکار اور [illegible] کا انکار۔ ایسا تھا جس سے آپ بہت مغموم رہتے تھے۔ ایسی حالت میں [illegible] بی بی خدیجہؓ کا تسلی دینا یقیناً حضورؐ کے دل کو تقویت پہنچاتا تھا۔

[illegible] بی بی خدیجہؓ کا حضورؐ پر ایمان لانا۔ آپ کے دکھ درد میں پورا حصہ لینا۔ حضورؐ کو بار بار تسکین دینا وغیرہ یہ ایسی چیزیں ہیں جن میں اُمت کیلئے بڑے بڑے

اسباق موجود ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ حضورؐ کو ام المومنین رضؓ سے غیر معمولی محبت تھی۔ اور آپ بی بی خدیجہؓ کی تعریف کرتے۔ اُن کی ہمدردی کا اظہار بار بار فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین رضؓ کو یہ مژدہ سنایا۔ کہ تم فردوس اعلیٰ میں جاؤ گی جہاں تمہیں ایک موتی کا محل ملیگا۔ اور ایسی راحتیں نصیب ہوں گی۔ جو خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتیں۔

مغربی مؤرخوں کی طعنہ زنی

ہمارے فاضل دوست یہاں بھی زہر اگلے بغیر نہ رہے۔ اُنہوں نے اس روایت کا مضحکہ کرتے ہوئے اسے طعن آمیز الفاظ میں درج کیا ہے۔ لیکن حیف اُن کی عقلوں پر۔ افسوس اُن کی سمجھ پر۔ اور لعنت اُن کے تعصب پر کہ یہ بغیر کچھ سوچے سمجھے جو چاہتے ہیں کہہ جاتے ہیں۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ اپنے لئے ہپ ہپ۔ اور دوسرے کے لئے تھو تھو۔ مقدس انجیل ہمارے سامنے بھی موجود ہے۔ یا تو فاضل عیسائی اسے بلی کے گو کی طرح چھپاتے اور اگر پوری آزادی کے ساتھ اسے دُنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ تو ایسے لغو اور بیہودہ اعتراضات سے تو ضرور باز آجاتے۔ جو خود اُن کی انجیل میں موجود ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ مسیح علیہ السلام نے اپنے دوستوں کو یہ بشارت نہیں سُنائی کہ وہ جنت میں جائیں گے۔ اور مسیح کے دستِ راست کی جانب بیٹھ کر انگوروں کا شربت اڑائیں گے جب یہ چیز مقدس انجیل میں موجود ہے۔ تو نہ جانے ہمارے یہ فاطر العقل مؤرخ دوست اس بات سے اپنی خباثت کا ثبوت کیوں دیتے ہیں۔

وہ بی بی خدیجہؓ جنہوں نے سرکارِ دو عالم کو آرام پہنچانے میں سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائیں مصیبتیں جھیلیں۔ اور لوگوں کے طعنے سہے پھر حضورؐ کے لئے اپنی جان تک عزیز نہ رکھی۔ وہ بی بی خدیجہؓ جو سب سے پہلے اسلام کی دولت سے مالا مال ہو کر فخرِ خواتینِ عالم بن گئیں۔ وہ بی بی خدیجہؓ جو حضورؐ کے لئے عین مایوسی کے عالم میں اپنی تسلی بخش باتوں سے تسکین طمانیت اور راحت پیدا کر دیتی تھیں۔ ہاں وہی بی بی خدیجہؓ اگر جنت کی بشارت سُنیں تو تعجب کی کیا بات ہے۔ تعجب ہے تو اُن [illegible]

جنہوں نے آخر کار اپنے روحانی نوجوان کو دم دلاسا دیکر صلیب پر چڑھا دیا۔ اور اس کے باوجود بھی انہیں مسیح کی زبانی مذکورہ بشارتیں ملیں لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ۔ اگر ہمارے فاضل خواہ مخواہ کے اعتراض کر کے اپنی کتاب کو گندہ نہ کریں تو کیوں چاند کا تھوکا حلق میں لیں۔

اُمّ المؤمنینؓ نے صبر شکر۔ اطاعت محبت۔ ایثار۔ اخلاق اور اخلاص کی جس قدر نادر مثالیں پیش کی ہیں۔ انہیں دنیا قیامت تک فراموش نہیں کر سکتی۔

ہمارے فاضل عیسائیوں کی گپ

مغربی مورخ کہتے ہیں۔ کہ اسلام شمشیر زنی اور ناحق کا خون بہانے سے پھیلا ہے۔ مگر افسوس وہ بے سوچے سمجھے جو چاہتے ہیں کہہ جاتے ہیں۔ اور نہیں سمجھتے کہ اس پر حرج کرنے کے بعد اُن کے اعتراض کی کیا وقعت رہ جائے گی۔ انشاء اللہ ہم اپنے دوستوں سے جلد ثانی میں اس مسئلہ کے متعلق ایک زور کا مصافحہ کریں گے۔ جس سے ہمارے فاضلوں پر چودہ کے چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔ لیکن ایک موٹی سی بات یہاں بھی عرض کئے دیتے ہیں۔

جو لوگ سب سے پہلے خیابانِ اسلام میں داخل ہوئے۔ وہ کیسے کس وضع اور کس مزاج کے لوگ تھے۔ ان مقدس حضرات کی سیرت سے ضخیم ضخیم کتابیں لبریز ہیں۔ لیکن تعصب کے اندھوں کو کیا غرض کہ وہ ان چیزوں پر نظر ڈالیں۔ اگر ان صحابہ کرام کی طبیعتوں میں تند خوئی۔ تیز مزاجی۔ بات بات پر لڑنا۔ خواہ مخواہ بیگناہوں کا خون بہا دینا۔ جاہ و عظمت کا طلبگار ہونا وغیرہ ثابت کر دیا جائے۔ تو چلئے ہم بھی مان لیں گے کہ اسلام برق افگن تلواروں سے پھیلا (اُن تلواروں سے جن کی چمک دمک نے عیسائیوں اور یہودیوں کو بھی بلّی کی طرح سہما دیا)

یہ آپ قیامت تک ثابت نہیں کر سکتے کہ ان صحابہ کے مزاج میں بات بات پر لڑنا جھگڑنا خواہ مخواہ تلوار کھینچ لینا وغیرہ داخل تھا۔ لیکن ہاں یہ ہم ضرور ثابت کر دکھائینگے۔ ثابت کیا کر دکھائینگے انشاء اللہ وہ منظر ان کی آنکھوں کے سامنے پھینچ دیں گے جو آنکھوں کو نہ صرف بھی آفتاب کی طرح روشن ہے کہ مٹھی بھر مسلمانوں نے بڑی دل عیسائیوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ ایک دفعہ نہیں بارہا

زندہ تاریخ ہمارے اِس قول کی صداقت کریگی۔ اچھا آیئے۔ اِن اوّل اسلام لانیوالے صحابہ کے متعلق دیکھیں سرورِ عالم کیا فرماتے ہیں۔

زید بن حارثؓ ہم عرض کر چکے ہیں۔ کہ یہ ایسے سعادتمند۔ خوش مزاج۔ اور ہونہار غلام تھے جنہیں سرکارِ دو عالم ازراہِ محبت بیٹا فرمایا کرتے تھے اگر ان کے مزاج میں تُند خوئی ہوتی۔ تو کبھی سرکار انہیں اس قدر عزیز نہ رکھتے (اِن کے تفصیلی حالات پیش کئے جا چکے ہیں)

حیدرِ کرارؓ باوجود بیحد جری۔ بہادر ہونے کے آپ بے انتہا رحمدل اور کریمانہ اخلاق کے بزرگ تھے۔ یہاں تک کہ جب آپ ابن ملجم کی زہر آلود تلوار سے زخمی ہوئے۔ اور اُسے لوگوں نے گرفتار کر لیا۔ تو آپ نے فرمایا۔

خدا کی قسم اِسے کوئی تکلیف نہ دو۔ اگر تم مجھے خوش کرنا چاہتے ہو۔ تو میرے قاتل کے ساتھ وہی سلوک کرو۔ جو میری ذات کے ساتھ کر سکتے ہو۔ اللہ اللہ آپ عفو و کرم حلم بُردباری۔ ایثار۔ اعلیٰ ہمتی۔ خوش اخلاقی وغیرہ کے پہاڑ تھے۔ پھر یہ کس طرح گمان کیا جا سکتا ہے۔ کہ آپ نے ایک لحظہ کے لئے بھی خواہ مخواہ کسی پر تلوار اُٹھائی ہو۔

آپ کے اسلام لانے کا سبب شیرِ خدا کی عمر دس سال کی تھی۔ جب آپ نے حضورِ اکرمؐ اور اُمّ المؤمنینؓ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ چونکے اور متعجب ہوئے۔ جب دونوں مقدس نفوس نماز سے فارغ ہو گئے۔ تو شیرِ خدا حضورؐ کے سامنے آئے اور عرض کرنے لگے۔

حیدرِ کرارؓ یہ آپ کیا کر رہے تھے۔ مجھے بھی بتایئے۔

ہمارے دادا ابراہیم علیہ السلام کا جو دین تھا۔ وہی خدا نے مجھے مرحمت فرمایا ہے اُس نے اپنے فضل سے مجھے سارے جہان پر نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اے علیؓ میں تمہیں بھی اسلام کی طرف بُلاتا اور کہتا ہوں کہ اللہ ایک ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اور مجھے اُس نے اُمّت پر رسول بنا کر بھیجا ہے۔

شیرِ خدا یہ سُنتے ہی پکّے مسلمان اور تہہ تن اعتقاد تھے (تفصیل پیش کیجا چکی ہے)

صدیقِ اکبرؓ آپ جاہلیت میں بھی صادق، امانتدار، اور اعلیٰ درجہ کے پارسا تھے۔ آپکی رحمدلی کی یہ کیفیت تھی، کہ بات بات پر چشم حق بیں سے آنسو جاری ہو جایا کرتے تھے۔ آپ نے سخاوت، ایثار اور اخلاص وغیرہ کے جو نمونے پیش کئے ہیں۔ دنیا عمر بھر پیٹی پھرے۔ مگر آپ جیسی مثال اُسے کبھی نہیں مل سکتی۔ ہاں یہ وہی مقدس ہستی ہیں۔ جن کا رُتبہ انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے اعلیٰ درجہ کا رُتبہ ہے۔ (تفصیل گوش گزار کی جا چکی ہے)

عثمان بن مظعون بڑے صوفی مزاج تھے۔ اور اسلام سے پہلے ہی شراب پر لعنت بھیج چکے تھے۔ تلاشِ حق میں شب و روز جویاں اور سرگرداں رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی خوش قسمتی انہیں دربارِ رسالت میں لے آئی۔ اور یہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اور چاہا کہ راہب بن جائیں۔ لیکن حضور نے منع فرما دیا۔ سچ ہے لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ۔ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ آپ کا اسلام لانے والوں میں ساتواں نمبر ہے۔ آپ پہلے ہی بُت پرستی چھوڑ چکے تھے۔ اور جس طرح آپ کے مزاج میں آتا تھا۔ ربِّ کعبہ کی عبادت بجا لاتے تھے۔ آپ نیک۔ پاک خلیق۔ اور متواضع کے اوصاف سے متصف تھے۔ آپ کے اسلام لانے کی یہ کیفیت ہے کہ جب فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خلعتِ رسالت سے ممتاز ہو کر اُمت کی ہدایت کے لئے تشریف لائے ہاں جب غارِ حرا کے بُرج سے رسالت کا چاند برآمد ہوا۔ اور اپنی روشنی سے دُنیا کو منور کرنے لگا۔ اور ستاروں کی مانند صحابۂ کرام اس آمنہ کے چاند۔ فخرِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد حلقہ زن ہونے لگے یعنی جب ابوبکر صدیقؓ وغیرہ چند حضرات اسلام کی عزت سے مشرف ہو گئے تو اس فخرِ مہر و ماہ کی ضیا باریاں ابوذر غفاریؓ تک بھی پہنچیں۔ اُنہوں نے جب یہ کیفیت سُنی۔ تو فوراً اپنے بھائی کو بھیجا۔ کہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اصل حقیقت معلوم کریں۔ وہ مکہ آئے۔ اور دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ سرکار نے اُن کے سامنے قرآن کی چند آیتیں پڑھیں جنہیں سُنکر وہ باغ باغ ہو گئے۔ اور وجد کرتے ہوئے بھائی کے

پاس پہنچکر کہنے لگے۔

مکہ میں ایک شخص محمد (صلعم) ابن عبداللہ بن عبدالمطلب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے انہوں نے خدا کے کلام کی چند آیتیں مجھے بھی سنائیں۔ خدا کی قسم وہ کلام ہرگز زمین والے کا نہیں ہو سکتا۔ آپ کا طریقہ عبادت حضور سے ملتا جلتا ہے۔ لوگ انہیں مرتد کہتے ہیں اور بڑے زور سے اُن کے مخالف بنے ہوئے ہیں۔ مگر اچنبھے کی بات یہ ہے کہ یہ مرتد کہنے والے تو پرلے درجے کے بداخلاق اور وہ جنہیں مرتد کہا جاتا ہے مجسمۂ اخلاق ہیں۔ اور مکارم اخلاق کا سبق دیتے ہیں۔

یہ سُنکر ابوذرؓ کے دل میں خود تحقیق کرنے کا شوق اور زیارت حضور کا ذوق پیدا ہوا۔ مکہ پہنچے۔ خدمت والا میں حاضر ہوئے۔ اور آپ سے کلام ربانی سنکر اسلام لے آئے۔ (ایسا شاندار اسلام کہ ساری عمر دُنیا کے دھندے اور بکھیڑوں سے الگ تھلگ رہے۔ اُن کا عقیدہ یہ تھا۔ کہ جو شخص مال و دولت جمع کرتا ہے۔ وہ مسلمان نہیں۔ (حضرت) امیر معاویہؓ نے انہیں اپنے زمانہ خلافت میں مدینہ طیبہ سے بہت دور بھیجدیا تھا کہ کہیں یہ امیر موصوف پر اعتراضات کی بارش نہ کردیں۔

صہیب رومیؓ یہ بھی بہترین اوصاف سے متصف تھے۔ (انہیں عبداللہ بن جدعان نے تربیت دی تھی۔ اور ہتوں کی وقعت ان کے دل سے بھی گر چکی تھی۔ (عبداللہ بن جدعان وہ ہیں جن کے گھر میں حلف الفضول (یعنی مظلوم کی حمایت کرنے کا معاہدہ ہوا تھا۔ اور جو اسلام سے پہلے ہی شراب چھوڑ کر وفات پا چکے تھے اگر یہ زندہ رہتے تو یقیناً اوّل اسلام لانے والوں میں ہوتے) صہیبؓ بھی شوق زیارت میں حاضر دربار مصطفویؐ ہوئے۔ اور اسلام لے آئے۔

بعض اور صحابہ ایسے لوگوں کے تربیت یافتہ تھے جن کے دل میں ملت ابراہیمی کا ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ اور جو اسلام سے پہلے بت پرستی ترک کر چکے تھے لیکن انہیں یہ خبر نہ تھی کہ ملت ابراہیم کیا ہے۔ خدا کی عبادت کس طرح کرنی چاہئے۔ وغیرہ (اسی لئے ہمیشہ تلاش حق میں سرگرداں رہتے تھے۔ ان میں ایک زید بھی تھے

جو حق کی تلاش میں بہت زیادہ منہمک رہتے تھے۔ مگر افسوس وہ بعثت سے پانچ برس پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ لیکن اُن کے لائق ہونہار اور نیک فرزند سعید حیات تھے یہ ایسے اچھے باپ کی گود میں کھیلے اور تربیت میں پلے تھے۔ جو تلاش حق میں ہی فنا ہو گئے۔ انہوں نے اپنے باپ کے ارشادات کان لگا کر سُنے تھے۔ اور دل میں محفوظ کر لئے تھے جب انہوں نے مدینے ہادیٔ برحق مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو خوشی کے مارے پھولے نہ سمائے۔ کیونکہ جس رہبر کی تمنا میں باپ وفات پا چکے تھے اور یہ اب تک سرگرداں تھے۔ وہ رہنمائے عالم مل گیا۔ وہ دولت کونین ہاتھ آگئی۔ وہ گنج گراں مایہ نصیب ہو گیا۔ تو اب ان کی مسرتوں کا کیا پوچھنا۔ برسوں کی امیدیں بر آئیں۔ دیرینہ ارمان نکلے۔ مدت کی تمنائیں پوری ہوئیں۔ اور سعید اسلام کی لازوال دولت سے مالا مال ہو گئے۔

طلحہ رضی اللہ عنہ یہ یہودیوں سے آنیوالے نبی کی پیشین گوئیاں سُن کر پیغمبر آخر الزماں کی آمد کے منتظر تھے۔ خوش خلقی۔ پاک طینت اور اعلیٰ فطرت انہیں بارگاہِ الٰہی سے ملی تھی۔ انہوں نے بصرہ میں ایک راہب سے مستفسرانہ انداز میں یہ سنا۔ کیا مکہ میں احمد کا ظہور ہو گیا۔ وہ اسی مہینہ میں مبعوث ہونیوالے ہیں۔ تو اشتیاق کے قدموں سے دوڑتے ہوئے مکہ آئے اور لوگوں سے پوچھا کوئی نئی بات تو نہیں ہوئی انہوں نے جواب دیا۔ ہاں ایک بہت ہی نئی بات ہوئی ہے۔ ہمارے سامنے کے بچے محمد (صلعم) بن عبداللہ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اور ابوبکرؓ کو دیکھو کہ اُن پر ایمان بھی لے آئے ہیں۔

طلحہؓ نے اُن کے جملات کا تو کچھ جواب نہ دیا۔ سیدھے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

اب بتلایئے۔ ان واقعات کو دیکھتے ہوئے بھی کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اشاعت اسلام کا ذریعہ شمشیر زنی ہے۔ جب ابتدائے اسلام ہی میں ایسے ایسے نیکدل اور پاک طینت حضرات اسلام لائے تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ان چند تلوار باندھنے والوں کے متعلق یہ کہا جائے۔ کہ اسلام بہ زورِ شمشیر پھیلا ہے۔

اچھا ذرا اُس زمانہ کو بھی لے لیجئے۔ جب آفتاب اسلام شباب پر تھا۔ مکہ فتح ہوا۔ لوگ گرفتار ہوئے۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں کے ساتھ کس قدر اعلیٰ درجہ کا سلوک کیا ہے۔ (تفصیل انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی)۔ کیا لہسن۔ پیاز کاٹنے کے چاقو چھری لے کر میدان میں جانے والوں کے متعلق بھی یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ کفار کی خونخوار تلواریں ان چند کس کا بھی فیصلہ نہ کر سکیں۔ ڈوب مرنے کی جگہ ہے۔ عیسائیوں نے آپ ہی خاک اُڑائی اور اپنے ہی سر پر گرائی۔

عرض کرنے کے لئے اور بھی بہت سی باتیں ہیں۔ بحث کے اور بھی بہت سے گوشے ہیں۔ جو انشاء اللہ جلد ثانی میں وضاحت کے ساتھ پیش کئے جائینگے سر دست اتنے ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے فاضل عیسائی مورخ اس کے جواب میں بھی ہمیشہ ساکت ہی رہیں گے۔

سابقین اسلام کیا تھے؟

اب اس پہلو پر نگاہ ڈالئے کہ اول اسلام لانے والوں کی اکثریت کیسے لوگوں کی تھی ایسے لوگوں کی جنہیں جاہ و عزت کے دربار میں جگہ ملنی دشوار تھی۔ جیسے عمار بن یاسرؓ صہیبؓ رومی۔ فکیہہؓ۔ بلالؓ حبشی۔ (یہ ایک غلام تھے جنہیں ابوبکر صدیقؓ نے اُن کے ظالم آقا سے خرید لیا تھا جنہوں نے اسلام کی محبت میں بڑے بڑے مصائب و شدائد جھیلے تھے۔ اور جو اسلام کے پہلے مؤذن سمجھے جاتے ہیں ان عاشق جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضورؐ کی وفات کے بعد مدینہ طیبہ چھوڑ دیا تھا۔ تفصیل اپنے مقام پر آئے گی) یہ لوگ تھے۔ جو مال و دولت کے اعتبار سے کوئی بھی حیثیت نہ رکھتے تھے اور جن کے پاس کبھی کا کوئی بھی منصب نہ تھا۔ اور یہی چیز تھی جس نے ان غریبوں کو اسلام کی بیش بہا دولت سے مالا مال کر دیا۔ جب حضورؐ ان غریب صحابہ کو

حرمِ محترم میں لے جایا کرتے تھے۔ تو کفار طعن اڑایا۔ اور مضحکہ کیا کرتے تھے۔ کہتے تھے۔ کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے ہم پر مسلط کیا ہے۔ (تفصیل جلد ثانی میں پیش کی جائے گی)

بہرکیف اِن لوگوں کو یہ ڈر نہ تھا کہ اگر یہ لوگ اسلام لے آئے۔ تو اِن کے ہاتھ سے کعبہ کا کوئی منصب عظیم جاتا رہے گا۔ اِسی چیز نے آج اِن مبارک نفوس کو دُنیا بھر سے زیادہ ممتاز کر دیا۔ اور اِن کھچیتوں اور چھریوں سے لڑنے والوں نیلے تہمد باندھنے والوں۔ آٹھ آٹھ پہر ایک ایک کھجور پر گزارہ دینے والوں ہی کی جوانمردی اور شجاعت سے روم و فارس کے ایوانوں میں زلزلہ پڑ گیا قیصر و کسریٰ تھرا اُٹھے۔ اور انہیں قریب قریب نہتوں اور کمزوروں نے بڑی بڑی طاقتوں کو زیر و زبر کر دیا۔ اِنہیں مقدس نفوس نے دارالامارت روم و فارس کے تخت اُلٹ دیئے۔ اور انہیں کے ایک فرد سراقہ حبشی نے شاہِ فارس کے کنگن پہنے۔ ہاں یہی وہ مقدس نفوس ہیں۔ جو دُنیا و آخرت دونوں کی عزت سے مشرف ہو گئے

ہر نبی پر پہلے پہل ایمان لانے والے نیچے ہی طبقے کے لوگ ہوئے ہیں چنانچہ حضرت مسیحؑ کے پیرو ماہی گیر تھے۔ جنہوں نے آخر کار اپنے مقدس نوجوان کو صلیب کی خطرناک منزل پر پہنچا دیا تھا۔ اور خود چلتے پھرتے نظر آئے تھے۔

حضورؐ کے صحابہ کرام کی شان دیکھیے۔ جب آپ کا دندانِ مبارک شہید ہو گیا۔ اور یہ خبر شمع رسالت کے پروانے اویسؓ کو پہنچی۔ تو انہوں نے اِس خیال میں کہ نہ جانے حضورؐ کا کون سا دندانِ مبارک شہید ہوا ہو گا۔ اپنے بتیس ۳۲ کے بتیس ۳۲ دانت توڑ ڈالے۔ (تفصیل اپنے مقام پر آئے گی)

اللہ اکبر۔ بھلا ان مقدس صحابہ کو اُن خود غرض ماہی گیروں سے کیا نسبت۔ جنہوں نے حضرت مسیحؑ پر ایمان لانے کے باوجود بھی اُن پر مظالم کی انتہا کر دی۔ یہاں تک کہ حضرت مسیحؑ نے اپنے ایک شاگرد سے برہم ہو کر یہ کہا "تو مجھے نیک کیوں کہا کرتا ہے"

مطلب یہ تھا کہ جو لوگ مجھ پر ایمان لائے ہیں۔ وہ بھی میری تکلیفوں اور ایذا رسانیوں میں نمایاں حصہ لے رہے ہیں۔ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ حالانکہ میرے تقدس کا اثر اُن لوگوں کے دل پر بھی نہیں ہے جو مجھ پر ایمان لے آئے ہیں۔ یہ چیز آپ کی انتہائے مایوسی پر دلالت کرتی ہے۔ جب کوئی اچھا آدمی کسی مصیبت میں پڑ جاتا ہے۔ تو وہ لوگوں کے جواب میں یہی کہتا ہے۔ تم مجھے اچھا کیوں کہتے ہو۔ اگر میں اچھا ہوتا۔ تو مجھے یہ دن کیوں دیکھنا پڑتا۔

بھلا ان مطلب کے بندوں کو اُن مبارک صحابہ سے کیا نسبت دی جا سکتی ہے۔ جن کے متعلق خود سر ولیم میور نے لکھا ہے۔

"صحابہ کہتے ہیں۔ ہم حضورؐ کے خوش رکھنے کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کر دیا کرتے تھے۔ (تفصیل کہیں پیش کی جا چکی ہے)

بہر کیف آقائے نامدار کے اصحاب شمع جمال محمدیؐ کے پروانے ہیں جبھی تو وہ ماہ رسالت کے تارے بن گئے۔ یہ چیز بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ابتدا میں صرف غریب ہی دولت اسلام سے فخر شاہاں نہیں بن گئے تھے۔ امراء اور معزز طبقے کے اصحاب بھی اس عزت سے مشرف ہوئے تھے۔ جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جن کے پاس ابن سعد کے قول کے موافق چالیس ہزار درم موجود تھے۔ یہ شرف سارے نبیوں میں صرف حضورؐ ہی کو حاصل ہوا کہ ابتدا ہی میں گھر والے اور ہر طبقے کے لوگ آپؐ

پر ایمان لائے۔

مولا۔ بندہ تیری شان کے قربان۔ تُو نے اے خلاقِ دو عالم تُو نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مراتب مرحمت فرمائے۔ وہ کسی اور نبی کو میسر نہ آسکے۔ کیا کسی نبی علیہ السلام کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُن پر سب سے پہلے اُن کے گھر والے۔ اور پھر امیر غریب ہر طبقے کے اصحاب ایمان لائے تھے۔ ہاں ہمارے آقائے نامدارؐ کی مبارک سیرت ہر حیثیت سے تمام دُنیا سے لاکھوں درجہ ارفع و اعلیٰ ہے جیسا عرض کیا جا چکا ہے۔

اِشاعتِ اسلام تین سال تک اشاعتِ اسلام بہت چپکے چپکے ہوتی رہی یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

وَصَدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (آپ کو جو حکم دیا گیا ہے۔ اُسے بہ بانگِ دہل کہہ دیجئے)۔ پھر ساتھ ہی یہ آیت بھی نازل ہوئی۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (اور اپنے پاس کے کُنبہ والوں کو خدا سے ڈرائیے)

سید المرسلینؐ کا اہم ترین فرض آج اگر کوئی معمولی سا کام کسی کے سپرد کیا جاتا ہے۔ تو وہ اپنے پر کافی ذمہ داری محسوس کرتا ہے۔ اور سمجھتا ہے۔ کہ یہ کام جو میرے سپرد کیا گیا ہے اگر ٹھیک نہ ہوا تو میرے لئے بڑی خفت کی بات ہوگی۔ صرف اتنی سی بات کی وجہ سے وہ سمجھتا ہے۔ کہ میرے سر پر ایک بارِ عظیم رکھا ہوا ہے۔

اگر باغبان کے ذمہ باغ کی دیکھ بھال ہے۔ تو وہ ہر وقت آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چہار جانب بھی دیکھتا رہتا ہے کہ کہیں کوئی بیدرد باغ میں آکر اس کی تخریب تو نہیں کر رہا۔ یہ خیال ایک ایسا خیال ہوتا ہے۔ جو باغبان کو ہر وقت بے چین رکھتا ہے۔ اسی طرح مختلف کام جو لوگوں کے سپرد کئے جاتے ہیں وہ بھی ان کے انجام دینے

تک بے فکر نہیں ہو جاتے۔ بلکہ یوں کہئے کہ انہیں پورا اطمینان ہی اس وقت حاصل ہوتا ہے جب ان کے کام بخوبی انجام کو پہنچ جائیں۔ جب دنیا کے معمولی معمولی فرض خاصے اہم بن جاتے ہیں۔ تو وہ اہم ترین فرض جس کے پورا کرنے میں جملہ انبیائے کرام ناکام رہے۔ وہ زبردست فرض جس کی بجا آوری کے لئے حق تعالیٰ نے اپنے مقدس نبی اس دنیا میں بھیجے۔ یکے بعد دیگرے بھیجے۔ اور آدم سے عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام تک تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے لیکن پھر بھی وہ فرض تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ ہاں وہ فرض جس کی بجا آوری کے لئے حق تبارک تعالیٰ نے روزِ ازل ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرما لیا تھا۔ ذرا اس فرض کو دیکھئے۔ کتنا کٹھن۔ کیسا دشوار اور کس قدر مشکل فرض ہے۔ کہ گلشن اسلام کے پھولوں کی مہک قیامت تک لوگوں کے مشامِ جان معطر کرتی رہے۔ مشکِ مذہب کی خوشبو سے صدر پھٹنے سے پہلے تک لوگوں کے دماغ معنبر رہیں۔ اور آفتاب دین کی ضیا باریاں جب تک دنیا قائم ہے۔ برابر پھیلتی اور لوگوں کے دل و دماغ منور کرتی رہیں۔

ہاں یہ فرض کوئی معمولی فرض اور یہ کام کچھ آسان کام نہ تھا۔ جب حضورؐ کے سوا جملہ انبیاء اس فرض میں کامیاب نہ ہو سکے۔ تو آپ ہی بتائیے۔ یہ فرض کیسا مشکل فرض ہے۔ ہاں اسی فرض کی بجا آوری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سید المرسلین خاتم النبیین۔ رحمۃ للعالمین۔ رؤف رحیم۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنا دیا۔ سچ ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

ہاں بوستانِ عالم میں جب آپ کا قدم مبارک آیا تو پتے پتے میں جان اور تنکے تنکے میں تازگی آگئی۔ ساری دنیا نغماتِ مسرت سے گونج اٹھی ذرے ذرے

کی زبان پر حمدِ الٰہی اور نعتِ رسالت پناہی کے دلکش اور غیر فانی نغمے جاری ہو گئے پھر خیابانِ اسلام جو مدت سے سوکھا پڑا تھا۔ روئے انور کی زیارت سے مشرف ہوتے ہی سرسبز و شاداب ہو گیا۔ ایسا سرسبز و شاداب کہ آج تک اُس کے غیر فانی پھولوں کی عطریت لوگوں کے دل شگفتہ اور دماغ معطر کر رہی ہے اور انشاء اللہ قیامت تک یہ شگفتگی۔ یہ مہک عطریت۔ اور یہ بہار باقی رہے گی۔

ہم عرض کر چکے ہیں۔ کہ جب کوئی نبی تشریف لاتے تھے۔ تو بوستانِ اسلام کی خزاں بہار سے مبدل ہو جاتی تھی۔ لیکن اُن نبی کے سدھارتے ہی وہی اُداسی۔ مایوسی۔ بیکسی اور خزاں ساری بہاروں۔ عطریتوں۔ تراوتوں اور مسرتوں کو خاک میں ملا دیتی تھی۔ مگر فخرِ بہارِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے ایسی حیات افزا بہار آگئی۔ جو آج تک قائم ہے۔ اور انشاء اللہ رہتی دنیا تک رہے گی۔

اِس گذارش سے مراد یہ ہے کہ آپ کا فرض ایسا نہ تھا۔ جیسے دوسرے نبیوں کا۔ آپ کا کام مسیحؑ کی طرح صرف تبلیغ رسالت ہی نہ تھا۔ آپ کا نظریہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح اپنی قوم کو لیکر چلا جانا نہ تھا۔ آپ کا فرض دشوار، مشکل اور اہم ترین فرض یہ تھا۔ کہ خود سلامت رہ کر تمام عرب بلکہ ساری دنیا میں زندگی کی روح پھونک دیں۔ اور جو اسلام آپ آج دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں وہی اسلام قیامت تک کے مسلمان جہان والوں کے سامنے برابر پیش کرتے رہیں۔

یہی وجہ تھی کہ آپ نے اشاعتِ اسلام کا کام تین سال تک نہایت خاموشی سے کیا۔ یقیناً آپ منشاءِ الٰہی اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔ اور بحمداللہ توفیق الٰہی نے آپکو اس سب سے بڑے فرض میں ایسی کامیابی مرحمت فرمادی جس کی نظیر ساری دُنیا پیش کرنے سے عاجز ہے۔ ہاں آپ کا یہ کسی سے نہ ہو سکنے والا کام ایسا تھا جس نے آپ کو

اللہ تبارک وتعالیٰ کی نظروں میں سب سے زیادہ محبوب بنا دیا۔ صلی اللہ علیہ وبارک وسلم

حضورؐ کی تخصیص

قرآنِ کریم میں جہاں کہیں اللہ نے جن مبارک نبی کو پکارا ہے نام لے کر پکارا ہے۔ جیسے۔ یَا آدَمُ۔ یَا نُوحُ۔ یَا اِبْرَاھِیْمُ یَا داؤدُ۔ یَا یحییٰ۔ یَا ذَکَرِیَّا۔ یَا موسیٰ۔ یَا عِیسیٰ۔ لیکن جب ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرنے کا موقع آتا ہے۔ تو ارشاد ہوتا ہے۔ یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ۔ یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ۔

سبحان اللہ وبحمدہ۔ اِس سے آفتاب کی طرح روشن ہو گیا۔ کہ جملہ انبیاء اور حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب میں کیا کچھ فرق ہے۔ اس شانِ تخصیصی کے قربان کہ اور انبیاء سے نام لیکر تخاطب ہے۔ لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وحدہٗ لاشریک کو اتنا پاس ادب اور اُمت کو آداب سکھانا ہے۔ کہ آپ کا نام نہیں لیتا۔ اے نبی۔ اے رسول فرماتا ہے۔ کَلَّا رَیْبَ۔ تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ

انشاء اللہ جلد ثانی میں وہ آیات جو انبیائے کرام کی شان میں نازل ہوئیں۔ اور وہ آیات جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب پر دال ہیں۔ زیبِ صفحات کی جائینگی جن کے مطالعہ سے قارئین کرام کو اور بھی معلوم ہو جائے گا۔ کہ جملہ انبیاء اور آپ کے مدارج میں کس قدر فرقِ بیّن ہے۔

دعوتِ حق

جب تین سال کے بعد وَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کی مبارک آیت نازل ہوئی۔ تو آپ بلا تامل بے خوف وخطر کوہِ صفا پر تشریف لے گئے۔ اور باآوازِ بلند فرمانے لگے۔ یا معشر القریش۔

اِس آواز کے سنتے ہی قریش چہار جانب سے کوہِ صفا کے گرد جمع ہو گئے یہ اجتماع دیکھ کر حضور نے اُن سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

اگر میں آپ لوگوں سے یہ کہوں کہ اِس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکرِ عظیم چھپا ہے

جو عنقریب آپ کو ہلاک کر ڈالے گا۔ تو کیا آپ لوگ میری بات کا یقین کرلینگے۔
قریش (یک زبان ہوکر) لاریب ہمیں آپ کی صداقت میں ذرہ بھر بھی شبہ نہیں ہے۔ کیونکہ آپ نے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

تو میں تم سے کہتا ہوں کہ اللہ نے مجھے اپنے فضل سے سارے جہان پر نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اگر تم نے خدا کی وحدانیت اور میری رسالت کا اقرار نہ کیا تو تم پر عذاب الٰہی پہاڑ کی طرح ٹوٹ پڑیگا۔

یہ سنکر قریش سخت برہم بیحد غضب ناک ہوئے۔ اور اسی غصہ کی حالت میں یہ سب کے سب آپ کو تنہا چھوڑ کر اپنی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے چلے گئے۔

سامانِ ضیافت اور تبلیغِ اسلام

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ کی پاک آیت نازل ہونے کے بعد حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ دعوت کا سامان کرو۔ اور خاندانِ عبدالمطلب کو مدعو کرو۔

فوراً ارشاد کی تعمیل ہوئی۔ اور جب سامانِ ضیافت مکمل ہوگیا۔ تو عبدالمطلب کا پورا خاندان حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان بنا جس میں حضرت حمزہؓ حضرت عباسؓ۔ ابولہب اور ابوطالب خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔ فراغتِ طعام کے بعد حضورؐ کھڑے ہوئے۔ اور یہ حقانیت سے لبریز تقریر فرمائی۔

میں ایک ایسی چیز لے کر آیا ہوں جس میں دارین کی خوبیاں مضمر ہیں اگر آپ لوگوں نے میری بات مان لی۔ اور مجھے مدد دی تو یقین کیجیے کہ دنیا اور آخرت دونوں کی عزت نصیب ہوجائے گی۔ کیا کوئی آپ لوگوں میں ایسا ہے۔ جو آزادی سے اٹھے اور سچے دل سے میری مدد کرنے کا اقرار کرے۔

حضور کی اس مختصر تقریر سے ساری مجلس میں سناٹا پڑگیا۔ لوگ حیران حیران

اب خدا کے فضل سے مسلمانوں کی خاصی اچھی جماعت ہوگئی جن کی تعداد چالیس سے زیادہ تھی۔ اور روز بروز اس تعداد میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ آفتاب رسالت پورے شباب پر پہنچ گیا۔ اور ظلمت کدۂ عالم اُس کی نورانی ضیاء باریوں سے منور ہوگیا صلی اللہ علیہ وبارک وسلم۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (لوگو تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول تشریف لائے ہیں۔ تمہاری تکلیف اُن پر گراں گزرتی ہے۔ اور اُنہیں تمہاری بہتری کا ہوکا ہے (یعنی وہ چاہتے ہیں کہ میری ساری کی ساری اُمت جنت کی بادشاہی سے سرفراز ہوجائے)۔ (یہ رسول) مسلمانوں پر بہت ہی شفقت فرمانے والے اور مہربان ہیں)

سابقین اسلام میں بہت سے اصحاب کے حالات (جو رہ گئے ہیں) اور مسلمان ہونے کے وجوہ وغیرہ یہ چیزیں انشاء اللہ تعالیٰ جلد ثانی میں نذر قارئین کیجائینگی۔ اللہ کا ہزار ہزار شکر کہ سیرت رؤف رحیم کی پہلی جلد بخیر وخوبی تمام ہوگئی۔ اور خدا کو منظور ہے۔ تو بہت جلد جلد ثانی بھی قارئین کے ملاحظہ سے گزرے گی۔ جو اپنی دلچسپیوں۔ رنگینیوں۔ معجزات۔ لطائف۔ نکات۔ اسرار۔ معلومات وغیرہ وغیرہ کے لحاظ سے بہت زیادہ ممتاز ہوگی۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ اس مبارک سیرت کو مقبول فرمائے۔ اس طرح مقبول فرمائے کہ یہ کتاب مسلمانوں کے گھروں کی زینت۔ دلوں کا سرور اور آنکھوں کا نور بن جائے۔ اور اپنے آقا۔ اپنے مولا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کا شوق ہر مسلمان کے جام ہائے دل میں لبریز ہوجائے۔ الٰہی ایسی زبان نہیں۔ جس سے تیرا شکر یہ ادا کرسکوں کہ تو نے مجھ عاجز سے اتنا

بڑا کام لے لیا۔ جو یقیناً میری طاقت سے کہیں بلند ہے۔ اے اللہ میری یہ نذر بارگاہِ رسالت میں مقبول اور مسلمانوں کے لئے آفتابِ ہدایت ہو جائے آمین۔ آمین۔ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔ فَسُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ط

ہماری جانب سے بھی شہنشاہِ دوجہاں کو سلام کہنا

صبا اگر تو مدینہ جائے تو اُن سے میرا سلام کہنا
دُکھے ہوئے دل کا حال کہنا مصیبتوں کا پیام کہنا

گذر رہی ہے جو میرے دل پر تمہیں خبر اُسکی کیا نہیں ہے
ہے بے نتیجہ تمہارے آگے فسانۂ صبح و شام کہنا

تمہارے بامِ حرم کے نیچے پڑا ہوا ہے تڑپ رہا ہے
تمہارے بسمل کو ہے مناسب کبوترِ زیرِ بام کہنا

پیام لیکر وہاں جو پہنچے تو اے پیامی سُنا ہے لازم
جو زلف کو شامِ عید کہنا تو رُخ کو ماہِ تمام کہنا

شفاعتِ دوجہاں کی ضامن ہوئی ہو ذات آپکی جہاں میں
بجا ہے سرکار کو تمام اُمتوں کا تنہا امام کہنا

چلے ہو اے اہلِ کارواں تم حجاز کو ہند سے تو دیکھو
ہماری جانب سے بھی شہنشاہِ دوجہاں کو سلام کہنا

یہ حامیٔ کافر و مسلماں یہ ناصرِ گبر و اہلِ ایماں
فقط اسی ذات کو روا ہے رسول ہر خاص و عام کہنا

جو خواب میں آپ آئے بھی ہیں تو وردِ جاراتِ اختر میں
کہ اتنی جلدی ہے غیر ممکن غمِ فراق دوام کہنا

میں عاشقِ زار ہوں نبی کا

مقصد یہ ہے میری زندگی کا
میں عاشقِ زار ہوں نبی کا

نورِ رُخِ مصطفےٰ کے آگے
ہے چاند کا رنگ پھیکا پھیکا

پُرساں نہیں حالِ غم کا دل بھی
یہ حال ہے میری بیکسی کا

کیفیتِ دل سے مانگتا ہوں
اِک جام شرابِ سرمدی کا

ظلمت شبِ ہجر میں ہے ایسی
کھلتا نہیں رنگ چاندنی کا

ہر حال میں خوش ہوں شکوہ کیسا
خواہاں ہوں میں آپکی خوشی کا

جب صلِ علیٰ کہا صبا نے
دل کھلنے لگا کلی کلی کا

جس حال میں ہوں، جو کچھ، جہاں ہوں
خادم ہوں حضورؐ آپ ہی کا

کوثر بھی ہے ایک جرعۂ تنگ
عالم یہ ہے میری تشنگی کا

آجائیگا سامنے خدا خود
پردہ اگر اُٹھ گیا خودی کا

جب چاند ہے ماند اُن کے آگے
کیا حُسن ہے حُور اور پری کا

جس موت میں ہو بقائے جاوید
طالب ہوں میں ایسی زندگی کا

ہو غم میں اگر نصیب دیدار
کیا پوچھنا پھر مری خوشی کا

جس دن ہو زیارتِ مدینہ
حاصل ہو وہ میری زندگی کا

پھر چار طرف توئی توئی ہو
اُٹھ جائے جو پردہ یہ دوئی کا

ماہرؔ نہیں راہِ عشق سے وہ
جو ہو کے تمہارا ہو کسی کا

میخانہ اُچھوتا ہے مستانِ محمدؐ کا

فردوس ہے اِک حجرہ دربانِ محمدؐ کا
کونین ہے اِک کونہ، ایوانِ محمدؐ کا

میں وسعتِ محشر پر اِس دھوپ میں پھیلا دوں
ہل جائے اگر گوشہ دامانِ محمدؐ کا

ظاہر ہو کہیں لیکن باطن ہے مدینہ میں
یہ عام طریقہ ہے خاصانِ محمدؐ کا

ساقی ترے پیمانے پس خوردہ عالم ہیں
میخانہ اُچھوتا ہے مستانِ محمدؐ کا

اے موت ابھی شامِ فرقت میں نہ آنا تُو
میں لطف ذرا لیلوں ارمانِ محمدؐ کا

عرفانِ الٰہی کا اسرار وہی سمجھا
عرفان ہوا جس کو عرفانِ محمدؐ کا

تُو نے کی آراستہ زلفِ پریشانِ عرب

اے شہِ کونین اے ذیجاہ سلطانِ عرب
تھی ہر اِک صورت سے تیری شان شایانِ عرب

تُو نے اپنی حکمتِ عالی سے وہ تنظیم کی
ہو گئے سب جمع ذرّاتِ پریشانِ عرب

تُجھ سے کعبہ کا تقدس تجھ سے تقدیسِ حرم
تُجھ سے ابراہیمؑ کی ملت ہے مہمانِ عرب

بند جس سے ناطقے تھے وہ فصاحت تھی تری
گنگ ہو کر رہ گئے سب مُکتہ سنجانِ عرب

تھا ترا حسنِ مہذب غازۂ روئے حجاز
تُو نے کی آراستہ زلفِ پریشانِ عرب

سخت ہو جاتی ہیں جب رستہ کی ناہمواریاں
نام لے لیتا ہے تیرا ہر مہ خوانِ عرب

تیری خوشبو سے معطر ہے دو عالم کا دماغ
اے بہارِ زینت آرائے گلستانِ عرب

تیرے قدموں پر جھکے رہتے ہیں سرداروں کے سر
کانپتا ہے نام سے تیرے ہرایوانِ عرب

میں قیام باغِ جنت پر اسے ترجیح دوں
میرے رہنے کو جو مل جائے بیابانِ عرب

ذرہ ذرہ پڑھ رہا ہے شوق سے کلمہ ترا
وسعتِ عالم پہ یوں چھایا ہے فیضانِ عرب

ہے عرب سارے جہاں کی جان اسمیں شک نہیں
اور اے سرکارِ عالم آپ ہیں جانِ عرب

ہوگیا سارا عجم جس کا غلام کمترین
خواب میں جلوہ دکھا جائے وہ سلطانِ عرب

اس عرب میں سرورِ کونین محوِ خواب ہیں
کیوں نہ ہو حد سے سوا تعریف شایانِ عرب

جنت الفردوس سب رنگینیاں کردے نثار
دیکھ پائے وہ اگر یہ باغِ بستانِ عرب

میں مست ہوں میخانۂ محبوبِ خدا کا

ساقی مجھے اک جام مئے صدق و صفا کا
میں مست ہوں میخانۂ محبوبِ خدا کا

تو بھید ہے گنجینۂ اسرارِ خدا کا
تو راز سرا پردۂ لولاک لما کا

جنت میں بہلتا نہیں میرا دلِ وحشی
ہے کیف نگاہوں میں مدینہ کی فضا کا

آنے کو ہے شاید مرے مولا کی سواری
غل حشر میں ہے صلِ علیٰ صلِ علیٰ کا

یہ عرش پہ پہنچیگی نہ کیوں دل سے نکلکر
طیبہ کی طرف سے ہے گذر میری دعا کا

ہشیار ہو اے راہ روِ دشتِ مدینہ
ذرّوں میں اثر ہے نگہِ ہوشربا کا

کر جاتا ہے مرجھائے ہوئے دل کو شگفتہ
یہ تیرا تصور ہے کہ جھونکا ہے صبا کا

ٹوٹے ہوئے دل سینکڑوں سجدوں میں پڑے ہیں
شاید ہے [illegible] روضۂ شہ لولاک لما کا

آتی ہی رہی شرم ترے دستِ کرم کو
خالی کبھی کاسہ نہ رہا تیرے گدا کا

کیوں چاند نہ لے لیکے بلائیں ہو تصدق
خورشید ہے ذرہ ترے نقشِ کفِ پا کا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَنَبِیِّنَا وَشَفِیْعِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ
الْاُمِّیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ صَلَاۃً
وَسَلَامًا دَائِمَیْنِ مُتَلَازِمَیْنِ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی
خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ

۱ ۳ ۴ ۸

از پیرزادہ محمد الیاس صاحب آنم صدیقی

شکریہ

جب میں نے یہ مبارک کتاب لکھنے کا ارادہ کیا۔ تو اس اہم کام میں اپنے چھوٹے دادا حاجی مرزا انعام اللہ بیگ صاحب سے بھی مشورہ لیا۔ انہوں نے جس خلوص محبت اور مسرت سے میری اس تجویز کا خیر مقدم کیا۔ وہ ابتک میرے صفحۂ دل پر نقش ہے۔ اُن کی تائید اور اجازت سے میری کمر ہمت بندھ گئی۔ اور میں نے بتائید الٰہی رؤف رحیم کی پہلی جلد شروع کر کے ختم کر دی۔

امجد صاحب میرے ایک کرم فرما ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ کتاب لکھتے وقت بعض مشورے دیئے جن میں سے کچھ بہت ہی گرانقدر تھے۔ آنم صاحب نے جو میرے بیحد مخلص دوست ہیں۔ بڑی عقیدت و محبت سے رؤف رحیم کا ٹائیٹل بنایا۔ نائب صاحب نے پوری سرگرمی اور بڑے اہتمام کے ساتھ اس کتاب کو شائع کیا۔ مولانا ناصر صاحب جو میرے بہت ہی گہرے اور بے تکلف دوست ہیں۔ اس کتاب کے شائع ہونے سے جس قدر مسرت انہیں ہوئی ہے۔ غالباً کسی کو نہیں ہوئی۔ آپ نے مجھے کچھ کتابیں بہم پہنچائی تھیں۔ آپ کا تبحر آپ کی شخصیت دہلی میں کیا دور دور مشہور ہے۔ ان کے علاوہ تصحیح کنندگان وغیرہ ہیں جنہوں نے اپنی بساط کے لائق اس کار خیر میں پورا حصہ لیا۔ اور خصوصاً میرے مکرم دوست جناب مفتی حامد حسین صاحب قریشی مالک قریشی بکڈپو رسالہ "نئی روشنی" قابل ذکر ہیں جنہوں نے پورے اخلاص اور سچی محبت سے دو تہائی سے زیادہ کتاب کی کتابت فرمائی۔ میں ان سب کی خدمت میں شکریہ کے پھولوں کا ایک غیر فانی گلدستہ پیش کرتا۔ اور دعا کرتا ہوں کہ خدا انہیں شاد کام۔ بامراد اور بلند اقبال رکھے اور سب سے زیادہ میں اپنے اُستاد حضرت مولانا مفتی حکیم محمد ابراہیم صاحب علیہ الرحمۃ کا شکر گذار ہوں جنہوں نے مجھ ناچیز کو اس قابل بنا دیا کہ میں اس قدر اہم کام انجام دے سکا۔ اور گیارہ سال سے برابر خدمت اسلام کا شرف بجا لا رہا ہوں۔ اللہ اُن کے مزار مقدس میں نور بھر دے اور انہیں اپنا قرب نصیب کرے۔ آمین۔ والسلام

خاکسار
ماہر